جدید فقہی تحقیقات

سونا اور چاندی کا نصاب

موجودہ حالات میں

[جس میں سونے اور چاندی کی قوت خرید میں غیر معمولی فرق اور نصاب زکوۃ کی مقررہ مقدار پر اس کے اثرات کے پس منظر میں یہ بحث کی گئی ہے کہ اگر کچھ مقدار سونے اور کچھ مقدار چاندی کی ہو یا روپے پیسے ہوں تو زکوۃ کے واجب ہونے اور مصرف زکوۃ کے دائرہ سے باہر نکلنے میں سونے کی قیمت کا اعتبار ہوگا یا چاندی کی قیمت کا؟]

ایفا پبلیکیشنز، نئی دھلی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب : سونا اور چاندی کا نصاب–موجودہ حالات میں
صفحات : ۶۸۶
قیمت : ۲۴۰/روپے
طبع اول : مارچ ۲۰۱۱ء

ناشر

ایفا پبلیکیشنز، نئی دھلی

۱۶۱–ایف بیسمنٹ، جوگابائی، پوسٹ باکس نمبر: ۹۷۰۸
جامعہ نگر، نئی دہلی–۱۱۰۰۲۵
ای میل: ifapublication@gmail.com
فون: 011 - 26981327

مجلس ادارت

۱- مولانا محمد نعمت اللہ اعظمی

۲- مولانا محمد برہان الدین سنبھلی

۳- مولانا بدر الحسن قاسمی

۴- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

۵- مولانا عتیق احمد بستوی

٦- مفتی محمد عبید اللہ اسعدی

فہرست

پیش لفظ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۱۱

پہلا باب: تمہیدی امور

سوالنامہ		۱۷
تلخیص مقالات	مفتی احمد نادر القاسمی	۲۰
عرض مسئلہ	مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی	۳۸

دوسرا باب: تفصیلی مقالات

کرنسی اور اموال تجارت کی زکوۃ کے لئے معیار	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۵۳
کرنسی اور سامان تجارت کا حساب سونے اور چاندی سے	مولانا محی الدین بزودی	۷۳
ضم نصاب میں قیمت واجزاء کا اعتبار	ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی	۸۳
عصر حاضر میں وجوب زکوۃ کے لئے مالی معیار	مفتی جنید عالم ندوی قاسمی	۹۱
نصاب زکوۃ میں اصل معیار سونا یا چاندی؟	مولانا اختر امام عادل قاسمی	۱۰۲
وجوب زکوۃ میں ضم نصاب کا مسئلہ	مولانا بدر احمد مجیبی ندوی	۱۱۸
نصاب زکوۃ کا مسئلہ	مولانا خورشید احمد اعظمی	۱۳۲
سونے، چاندی اور ضم نصاب کا مسئلہ	مولانا عبد القیوم راجکوٹی	۱۴۰
زکاۃ میں سونے چاندی کی مالیت کے اعتبار کا مسئلہ	مولانا ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی	۱۵۰
زکوۃ کے دو اہم مسائل	مولانا راشد حسین ندوی	۱۶۶
سونے اور چاندی میں فقراء کی رعایت اور احتیاط	مولانا ریاض احمد قاسمی	۱۸۴
زکوۃ کا وجوب اور ضم نصاب	مولانا مصطفی عبد القدوس ندوی	۲۰۳

نصاب زکوۃ کا شرعی معیار	مولانا محمد ابوبکر قاسمی	۲۱۳
موجودہ کرنسی اور مال تجارت کا نصاب	مفتی اقبال احمد قاسمی کانپوری	۲۲۲
سونا اور چاندی کی موجودہ قدر وقیمت اور زکوۃ کا نصاب	مولانا صدر الحسن قاسمی	۲۴۷
عصر حاضر میں نصاب زکوۃ کا معیار کیا ہو سونا یا چاندی؟	مولانا محمد اعظم ندوی	۲۵۵
زکوۃ میں معیار نصاب	مفتی محمد اقبال قاسمی	۲۷۴
سونے اور چاندی کا نصاب اور موجودہ معاشی صورتحال	مولانا محمد شاہجہاں ندوی	۲۸۲
نصاب زکوۃ	مولانا روح الامین	۲۹۲
نقد مال اور سامان تجارت کا نصاب	ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی	۳۰۲
زمانہ نبوت میں نقدین کی حیثیت اور زکوۃ کا نصاب	مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی	۳۱۱
سونے اور چاندی کی قیمتوں میں موجودہ تفاوت	مفتی سلمان قاسمی پالنپوری	۳۲۰
سونے اور چاندی کا نصاب	مولانا محمد رمضان علی	۳۲۹
کرنسی و دیگر اموال میں وجوب زکوۃ کا پیمانہ	مفتی خالد حسین قاسمی نیموی	۳۴۲
زکوۃ سے متعلق دو اہم سوال	مولانا محمد ممتاز خاں ندوی	۳۵۰
وجوب زکوۃ کا سبب اور سونا چاندی کا نصاب	مولانا محمد عثمان بستوی	۳۶۱
مسائل زکوۃ اور موجودہ حالات	مولانا محمد حذیفہ محمود لوناواڑا	۳۶۹
سونے اور چاندی کی قیمت میں تفاوت اور نصاب	مولانا محمد صادق مبارکپوری	۳۸۷
زکوۃ میں کاغذی کرنسی کی حیثیت	مولانا عبدالرشید قاسمی	۴۰۱
مال تجارت، کرنسی اور زکوۃ کا نصاب	مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی	۴۱۳
سونے اور چاندی کا نصاب	مولانا ارشد شاہ داب	۴۲۴
موجودہ اوزان میں سونے اور چاندی کا نصاب	مولانا ریحان مبشر قاسمی	۴۳۴

تیسرا باب: مختصر تحریریں

سونے اور چاندی کا نصاب اور فقہاء کی تصریحات	مولانا زبیر احمد قاسمی	۴۴۷
زکوۃ کی ادائیگی اور سونے و چاندی کا موجودہ نصاب	مفتی شیر علی گجراتی	۴۵۲
نصاب زکوۃ اور کاغذی کرنسی کا نقدین سے ربط	شیخ محمد مختار سلامی	۴۵۴
آج کے ماحول میں سونے چاندی کا نصاب	مولانا قاضی عبدالجلیل قاسمی	۴۵۶

نقدین کی قیمت کا موجودہ فرق اور زکوۃ کا نصاب	مولانا قاضی محمد قاسم مظفر پوری	۴۶۳
سونے اور چاندی کا نصاب موجودہ تناظر میں	مفتی اسماعیل بھڈکودروی	۴۶۷
سونے چاندی کی زکوۃ میں فقراء ومساکین کی رعایت	مفتی محمد حنیف حسین	۴۷۱
زکوۃ میں انفع للفقراء کی رعایت کا حکم	مفتی حبیب اللہ قاسمی	۴۷۵
مالداری کا معیار اور وجوب زکوۃ	مفتی انور علی اعظمی	۴۷۷
فقراء ومساکین کی رعایت اور سونے چاندی کا نصاب	مولانا ابوسفیان مفتاحی	۴۸۰
عصر حاضر میں نصاب زکوۃ کی تعیین	مفتی محمد ثناء الہدی قاسمی	۴۸۳
سونے اور چاندی کا نصاب	مولانا اشتیاق احمد اعظمی	۴۸۹
سونے اور چاندی کا نصاب اور زکوۃ کے لئے معیار	مولانا سلطان احمد اصلاحی	۴۹۳
نصاب زکوۃ کا مسئلہ	مولانا خورشید انور اعظمی	۴۹۸
نصاب زکوۃ سے متعلق دو سوالوں کے جوابات	مفتی عبد القیوم پالنپوری	۵۰۴
سونے وچاندی کے نصاب کا مسئلہ	مفتی عبد الرحیم قاسمی	۵۰۷
عروض تجارت، نقد سونا چاندی میں نصاب زکوۃ	مفتی اقبال محمد ٹنکاروی	۵۱۰
سونے اور چاندی کے نصاب سے متعلق بحث وتحقیق	مولانا حفیظ الرحمن مدنی	۵۱۲
نصاب زکوۃ سے متعلق سوالات اور اس کے جوابات	مفتی معز الدین قاسمی	۵۲۴
سامان تجارت اور نقود میں زکوۃ نصاب	مفتی عبد اللطیف پالنپوری	۵۲۷
موجودہ دور میں وجوب زکوۃ کا معیار	مفتی احمد نادر القاسمی	۵۳۰
موجودہ پس منظر اور وجوب زکوۃ کا پیمانہ	مفتی محمد اشرف سعادتی	۵۳۵
سونے وچاندی کا نصاب زکوۃ – معیار کون؟	مولانا ابرار خاں ندوی	۵۴۱
سونے اور چاندی کا نصاب نصوص کی روشنی میں	مولانا محمد مصطفی قاسمی آواپوری	۵۴۶
زکاۃ کے موجودہ مسائل	حافظ شیخ کلیم اللہ عمری مدنی	۵۵۲
زکوۃ کے وجوب میں ضم نصاب، ضرورت اور اہمیت	مولانا صبیح اختر قاسمی	۵۵۴
نقد روپے یا سامان تجارت کا پیمانہ نصاب	مولانا محمد فاروق دوبھنگوی	۵۶۱
سونے اور چاندی کی موجودہ مالیت اور زکوۃ کا نصاب	مولانا نعیم اختر قاسمی	۵۶۸
چاندی کی گھٹتی قیمت کے تناظر میں زکوۃ کا نصاب	مولانا عبد الحی مفتاحی	۵۷۳

سونے اور چاندی کی قیمت میں تفاوت اور نصاب زکوۃ	مولانا افتخار احمد مفتاحی	۵۷۸
زکوۃ اور سونے چاندی کا نصاب	مولانا عقیل الرحمن قاسمی	۵۸۳
سونے اور چاندی کا نصاب	مفتی سید باقر ارشد قاسمی	۵۸۷
سونے اور چاندی کا نصاب	مولانا رضوان الحسن مظاہری	۵۹۰
اموال تجارت کی زکوۃ کا پیمانہ چاندی کا نصاب یا سونے کا؟	مولانا امداد اللہ قاسمی	۵۹۶
سونے اور چاندی کا نصاب	مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی	۶۰۰
سونے اور چاندی میں زکوۃ کا معیار	مفتی شوکت ثناء قاسمی	۶۰۶
سونے اور چاندی کا نصاب	مفتی محمد احتشام قاسمی	۶۱۳
ضم نصاب اور مال تجارت کی تقویم کا مسئلہ	مولانا روح اللہ قاسمی	۶۱۵
سونے اور چاندی کا نصاب	قاضی محمد کامل قاسمی	۶۱۹
شریعت میں سونا اور چاندی کا منصوص نصاب	مفتی شاہد علی قاسمی	۶۲۱
سونے اور چاندی کا ناقص نصاب	مولانا نیاز احمد بناری	۶۲۵
نصاب زکوۃ کی بحث اور عصری تقاضہ	مفتی محمد جعفر ملی رحمانی	۶۲۹
زکوۃ اور نصاب کا شرعی معیار	مفتی لطیف الرحمن ولایت علی	۶۳۳
سونے اور چاندی کا نصاب	سید عبد الحفیظ تجاوی	۶۳۶
اموال تجارت میں نصاب زکوۃ کے معیار و مقدار کا مسئلہ	مولانا عامر ظفر ایوبی مفتاحی	۶۴۰
سونے اور چاندی کا نصاب	قاضی محمد ذکاء اللہ شبلی	۶۴۶
زکوۃ کے باب میں انفع للفقراء کا اعتبار	مولانا محمد موسی شمسی القاسمی	۶۴۷
کاغذی کرنسی کا چلن اور سونے چاندی کا نصاب	مولانا محمد توقیر بدر القاسمی	۶۵۳
سونا اور چاندی کا نصاب	مولانا محمد نوشاد قاسمی	۶۵۸
دور حاضر میں نصاب کی تحدید	مولانا نثار احمد گودھروی	۶۶۲
زکوۃ کے سلسلہ میں دو اہم مسائل	مولانا احسن عبد الحق ندوی	۶۶۳

چوتھا باب: اختتامی امور

مناقشہ ۶۶۷

☆☆☆

پیش لفظ

انسانی تاریخ میں بہت قدیم دور سے ایک ایسی چیز کی ضرورت رہی ہے جو اشیاء کی خرید وفروخت میں تبادلہ کا ذریعہ بنے اور مختلف ادوار میں مختلف دھاتیں اس مقصد کے لئے استعمال ہوتی رہی ہیں؛ لیکن بالآخر جو چیز کاروبار اور لین دین میں پیمانہ قرار پائی اور جس چیز کے ذریعہ کسی شئی کی قدر متعین ہونے لگی وہ ہے سونا اور چاندی، چنانچہ ہزاروں سال تک سونے اور چاندی کا بطور کرنسی کے استعمال ہوتا رہا ہے، یہاں تک کہ کاغذی نوٹوں کی ایجاد کے بعد خود ان نوٹوں کی قیمت اس کے پیچھے موجود سونے اور چاندی سے متعین ہوا کرتی تھی، رسول اللہ ﷺ جب دنیا میں تشریف لائے تب بھی انہیں دونوں دھاتوں کے سکے چلتے تھے، سونے کا سکہ دینار کہلاتا تھا اور چاندی کا سکہ درہم، اسی لئے شریعت میں زکاۃ، دیت اور بعض دیگر امور میں درہم و دینار کو معیار بنایا گیا، رفتہ رفتہ چاندی کی یہ حیثیت ختم ہوگئی اور وہ عام دھاتوں کی طرح ایک دھات رہ گئی، جبکہ سونے کا رشتہ کرنسی سے باقی رہا، اسی لئے سونے کی قیمت بڑھتی گئی اور چاندی کی قیمت کم ہوتی گئی، رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں سونے اور چاندی کی قدر میں ایک اور دس کا فرق تھا جتنی چیز ۲۰ دینار سے خریدی جاسکتی تھی اتنی ہی چیز ۲۰۰ درہم چاندی سے بھی خریدی جاسکتی تھی، لیکن اب صورت حال یہ ہے کہ ۲۰ دینار سونے کی قیمت تو ڈیڑھ لاکھ کے قریب ہے، اور دوسو درہم چاندی کی قیمت پچیس تیس ہزار گویا کہ دونوں کی قدر میں کوئی نسبت نہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ زکاۃ کے واجب ہونے اور زکاۃ کے مستحق ہونے کے لئے کیا معیار ہوگا ؟ سونا یا چاندی؟ اس سلسلہ میں علماء کے دو نقاط نظر ہیں، ایک یہ ہے کہ چاندی کو معیار

بنایا جائے گا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے سونا اور چاندی دونوں کو معیار بنایا ہے، دوسرے زکاۃ میں ایسے پہلو کو ترجیح دی جائے جس میں فقراء کا فائدہ ہو، اگر چاندی کو معیار بنایا جائے تو زیادہ لوگوں پر زکاۃ واجب ہوگی اور فقراء کا فائدہ ہوگا، دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ سونے اور چاندی سے انسان کی کوئی بنیادی ضرورت براہ راست پوری نہیں ہوتی، نہ اس سے پیٹ بھر سکتا ہے اور نہ تن ڈھک سکتا ہے، شریعت نے ثمن، یعنی کرنسی ہونے کی وجہ سے اس کو زکاۃ کے لئے معیار بنایا ہے، اب صورت حال یہ ہے کہ سونے میں تو کسی قدر ثمنیت باقی ہے، آج بھی جب کرنسی کی قدر گھٹنے لگتی ہے تو لوگ کرنسی کی جگہ سونے کا ذخیرہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن چاندی کو آج کسی بھی درجہ میں یہ مقام حاصل نہیں، پھر یہ کہ آج دوسو درہم، یعنی پچیس تیس ہزار روپے کا مالک دولت مند نہیں کہلاتا اور اتنی سی رقم کسی شخص کی سال بھر کی ضروریات کے لئے کفایت بھی نہیں کرتی، اس لئے اس دور میں سونے کو معیار ہونا چاہئے، جہاں تک فقراء کے نفع کی بات ہے تو چاندی کو معیار بنانے میں بہت سے لوگ زکاۃ کے مستحق ہوسکتے ہیں جو معاشرہ میں واقعی ضرورت مند ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلہ میں دونوں نقاط نظر کے حاملین کے پاس ایسی دلیلیں ہیں، جو علمی اعتبار سے باوزن ہیں اور جن کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، اسی لئے اکیڈمی کے انیسویں فقہی سیمینار منعقدہ ''دارالعلوم مظہر سعادت ہانسوٹ گجرات'' (۱۱ر تا ۱۳ر فروری ۲۰۱۰ء) میں جب یہ سوال زیر بحث آیا تو اس پر رائیں منقسم تھیں اور دونوں نقطہ نظر کے حاملین کی معتدبہ تعداد تھی، مسئلہ پر بحث بھی ہوئی، کافی غور وخوض بھی کیا گیا اور بالآخر یہ بات طے پائی کہ اس وقت اس موضوع پر فیصلہ کو ملتوی رکھا جائے اور مزید غور وفکر کے بعد کوئی رائے قائم کی جائے۔

تاہم سیمینار کی مناسبت سے اس موضوع پر اہل علم کی بڑی اہم اور قیمتی تحریریں جمع ہوگئی ہیں، ان مقالات اور سیمینار میں جمع ہونے والے مباحث کو مفتی احمد نادر القاسمی (رفیق شعبہ علمی) نے مرتب کیا ہے اور اب یہ اس موضوع پر ایک فقہی دستاویز کی حیثیت سے قارئین کی خدمت

میں پیش ہے، امید ہے کہ اکیڈمی کی دوسری تحریروں کی طرح اسے بھی شوق کے ہاتھوں لیا جائے گا اور اہل علم اس سے فائدہ اٹھائیں گے، وباللہ التوفیق۔

۱۶؍صفر ۱۴۳۲ھ	خالد سیف اللہ رحمانی
۲۱؍جنوری ۲۰۱۱ء	(جنرل سکریٹری، اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا)

جدید فقہی تحقیقات

پہلا باب

تمہیدی امور

سوالنامہ:

سونے اور چاندی کا نصاب

شریعت نے زکوٰۃ کے لئے ایک مقررہ مقدار کو معیار بنایا ہے، جس کو اصطلاح میں نصاب کہا جاتا ہے، یہ غنا کا بھی پیمانہ ہے اور فقر کا بھی، یعنی اسی نصاب کے مالک ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور اسی نصاب کے بقدر مال کے مالک ہونے پر وہ مصرفِ زکوٰۃ بننے سے محروم ہوتا ہے؛ گویا استحقاق زکوٰۃ اور حرمانِ زکوٰۃ دونوں کے لئے کسی قدر فرق کے ساتھ یہی معیار ہے۔

پھر اموال زکوٰۃ میں بعض تو وہ ہیں جو بجائے خود انسانی ضرورت کو پورا کرتے ہیں، جیسے: اجناس اور حیوانات، اور بعض وہ ہیں جو انسانی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے وسیلہ بنتے ہیں، جیسے: سونا اور چاندی، پہلی قسم کی چیزوں کی قیمتوں میں اتار چڑھاؤ سے زیادہ فرق نہیں پڑتا؛ کیوں کہ قیمت کے گھٹنے اور بڑھنے سے اس کی افادیت اور نافعیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا؛ لیکن سونے اور چاندی کی حیثیت ذریعۂ تبادلہ کی ہے؛ اس لئے اس میں اس کی قدر اور قوت خرید کی بڑی اہمیت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے صراحۃً سونے اور چاندی کا نصاب مقرر فرمایا ہے، حضور ﷺ کے زمانہ میں بھی اور آپ ﷺ کے بعد بھی طویل عرصہ تک سونے اور چاندی کی قوت خرید اور قدر یکساں تھیں؛ لیکن اب دونوں میں بڑا فرق ہو گیا ہے، مثلاً اس وقت ساڑھے سات تولے سونے کی قیمت ایک لاکھ سے اوپر ہے اور ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت دس ہزار سے کچھ اوپر ہے، اس طرح ان دونوں نصاب کی قدر میں کوئی مناسبت نہیں رہی، وجوب زکوٰۃ کے ساتھ ساتھ

حرمانِ زکوۃ کے مسئلہ میں بھی خاص طور پر دشواری پیش آتی ہے؛ کیونکہ چاندی کے نصاب کے اعتبار سے اگر کوئی شخص بنیادی ضروریات کے علاوہ پندرہ ہزار روپے کی کسی شئ کا مالک ہوتو اسے زکوۃ نہیں دی جاسکتی ہے؛ حالاں کہ آج کے ماحول میں یہ بہت معمولی رقم متصور ہوتی ہے۔

اس پس منظر میں دو سوالات پیش خدمت ہیں:

۱-یہ بات ظاہر ہے کہ سونا اور چاندی کا نصاب منصوص ہے، اگر کوئی شخص سونے یا چاندی کی مقررہ مقدار کا مالک ہوجائے تو اس پر اس مال کی زکوۃ واجب ہوجائے گی؛ لیکن سوال یہ ہے کہ موجودہ حالات میں اگر کسی شخص کے پاس نقد روپے یا سامان تجارت ہو، تو زکوۃ واجب ہونے کے لئے یا نہ سونے کا نصاب ہوگا یا چاندی کا نصاب؟ یعنی اگر کسی شخص کے پاس مثلاً اتنی نقد رقم ہو جس سے نصاب کے بقدر چاندی تو خرید کی جاسکتی ہے؛ لیکن نصاب کے بقدر سونا خریدا نہیں جاسکتا ہو تو ایسے شخص پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اسی طرح اگر کسی شخص کے پاس نقد رقم مال تجارت یا اموال زکوۃ کے علاوہ کوئی مال چاندی کے نصاب کی قیمت کا موجود ہو، مگر وہ سونے کے نصاب کی قیمت کو نہیں پہنچتا ہو، تو اس کے لئے زکوۃ لینا جائز ہوگا یا حرام؟

۲-حنفیہ کے نزدیک اگر کسی شخص کے پاس کچھ مقدار سونے اور کچھ مقدار چاندی کی ہو اور دونوں کا مجموعہ نصاب کے بقدر ہوجاتا ہو، تو زکوۃ واجب ہوجاتی ہے، البتہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس میں قیمت کا اعتبار ہے، اگر کسی کے پاس کچھ چاندہ اور کچھ سونا ہو اور دونوں کی مجموعی قیمت چاندی کے نصاب کے برابر ہوجاتی ہو، تو موجودہ قیمت کے لحاظ سے امام صاحب کے یہاں زکوۃ واجب ہوجائے گی، جبکہ صاحبین ضم الاجزاء کے قائل ہیں، یعنی سونے اور چاندی میں سے ایک کی مقدار اس کے نصاب کے ایک تناسب کو پورا کرتی ہو اور دوسرے کی مقدار اس کے نصاب کے بقیہ تناسب کو پورا کردیتی ہو، تب زکوۃ واجب ہوتی ہے، مثلاً: سونا اس کے نصاب کا ایک چوتھائی ہے اور چاندی اس کے نصاب کا تین چوتھائی، تو اب زکوۃ واجب ہوگی، موجودہ حالات میں امام صاحبؒ کے قول پر ممکن ہے کہ ایک تولہ سونا اور ایک تولہ چاندی میں زکوۃ واجب

ہوجائے اور سات تولہ صرف سونا ہو تو زکوۃ واجب نہ ہو پائے، ایسی صورت میں کیا ضم نصاب کے مسئلہ میں صاحبین کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے؟

☆☆☆

تلخیص مقالات:

سونے، چاندی کی قیمتوں کا موجودہ معیار اور وجوب زکوۃ کا مسئلہ

مفتی احمد نادر القاسمی☆

یہ بات درست ہے کہ اسلام کے دور اول اور بعد کے ادوار میں بھی دو سو درہم چاندی کی جو قیمت ہوتی تھی وہ عرصہ تک ۲۰ مثقال سونے (اشرفی) کے برابر ہوتی تھی اور لوگ بغیر کسی تردد کے تبادلہ میں دونوں کو قبول کر لیتے تھے، جب سے عالمی پیمانہ پر کاغذی نوٹوں نے کرنسی کی حیثیت اختیار کر لی اور اثمان عرفیہ (کاغذی نوٹ) نے اثمان خلقیہ (سونے چاندی) کی جگہ لے لی، تو لوگوں کی دلچسپی تبادلہ میں سونے کی طرف زیادہ ہوگئی ہے، اور اسی وجہ سے آج جس قدر عالمی منڈی میں سونے کی خرید وفروخت ہوتی ہے، چاندی کی نہیں ہوتی۔

نیز آج اشیاء کا تبادلہ ڈالر، ریال اور یورو میں ہونے کے باوجود ان کاغذی نوٹوں کے پس پشت جو بات دیکھی جاتی ہے وہ سونا ہی ہوتا ہے، یہ ہمیشہ ہوا ہے کہ لوگوں کی دلچسپی جس چیز میں زیادہ ہوتی رہی ہے، اس کی قیمت میں اضافہ ہوتا رہا ہے، مگر اس بارے میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ کاغذی نوٹ ڈالر یا ریال جو بھی ہو، کیا اس کو کسی چیز کی مہنگائی یا ارزانی کا معیار قرار دیا جا سکتا ہے؟

☆ اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا۔

ظاہر ہے اس کا جواب نفی میں ہوگا، کیونکہ کاغذی کرنسی کی حیثیت ایک رسید سے زیادہ کی نہیں ہوتی ہے، اور کسی چیز کی رسید کبھی معیار قرار نہیں پاتی، اس لئے سونا اور چاندی ہی معیار قرار پائیں گے، نیز سونا اور چاندی کی قوت خرید میں کمی اور بیشی کا مسئلہ اشیاء کی کمی اور زیادتی پر موقوف ہے، آج اشیاء خوردنی کی یا تو قلت ہوگئی ہے، یا احتکار کی وجہ سے قلت کرادی گئی ہے، اگر ایمانداری کے ساتھ اشیاء مایحتاج بازار اور منڈی میں لائی جائے تو کبھی اشیاء ضروریہ کی نہ تو قلت ہوگی اور نہ گرانی، مگر اچانک اس وقت دنیا نے اشیاء ضروریہ کو اپنے گوداموں میں محفوظ اور محتکر کردیا جس کی وجہ سے ان کی قیمت بڑھی اور رتبادلہ میں سونے اور چاندی کی قوت خرید کا معیار گھٹا، بہر حال نقدین کی قوت خرید کی کمی کے جو بھی اسباب ہوں، لیکن قوت خرید کی کمی کے اثرات دونوں کی قیمت میں تفاوت کی وجہ سے زکوۃ کی ادائیگی پر پڑ رہے ہیں۔

شریعت اسلامی میں زکوۃ اسلام کے ارکان خمسہ میں سے ایک اہم رکن ہے، لیکن زکوۃ نہ تو ہر شخص پر واجب ہے اور نہ ہی ہر شخص اس کا مستحق ہے، بلکہ شریعت نے زکوۃ واجب کرنے کے لئے ایک معیار اور پیمانہ مقرر کیا ہے، اور زکوۃ وصول کرنے اور لینے کے لئے بھی۔

ادھر کچھ سالوں سے جب سے کاغذی نوٹوں کا چلن عام ہوا ہے، اور اپنے سرمایہ کو محفوظ کرنے کے لئے عالمی برادری نے بجائے چاندی کے سونے کی طرف زیادہ رغبت دکھائی ہے، سونے کی مانگ بڑھ گئی ہے، اور چاندی کی خرید وفروخت میں کمی آئی ہے اور دونوں کی قیمتوں کے درمیان تفاوت بھی بہت زیادہ گیا ہے۔

اب تک زکوۃ کی ادائیگی اور وجوب میں، نیز مستحق ہونے میں چاندی کو معیار حاصل رہا ہے اور اسی کو وجوب زکوۃ کا پیمانہ تصور کیا جاتا رہا ہے، یعنی جس شخص کے پاس حوائج اصلیہ سے دوسو درہم یا اس کے برابر سامان تجارت وغیرہ محفوظ رہا ہو، اس پر زکوۃ واجب ہوتی رہی ہے۔

لیکن چاندی کی قیمت میں کمی کی وجہ سے بہت سے وہ لوگ جو معمولی رقم کے مالک ہوتے ہیں ان پر نہ صرف یہ کہ زکوۃ واجب ہوتی ہے، بلکہ وہ ضرورت کی تکمیل کے لئے زکوۃ لینے

سے محروم بھی رہ جاتے ہیں، دونوں کے درمیان توازن اور اعتدال کو برقرار رکھنے اور دونوں کی قیمتوں میں موجودہ تفاوت کے پس منظر میں اسلامک فقہ اکیڈمی نے دو سوالات ماہرین شریعت اور علماء ومفتیان کرام کی خدمت میں ارسال کیا اور رائے جاننے کی کوشش کی اور ارباب فقہ وافتاء کے اجتماعی نتیجہ تک پہنچنے اور امت کی رہ نمائی کے لئے اپنے انیسویں فقہی سمینار منعقدہ ''جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ گجرات'' کا ایک موضوع یہ بھی رکھا، اس سلسلہ میں اکیڈمی کو جو ۶۴ مقالہ نگار علماء اور مفتیان کرام کے مقالات اور آراء تلخیص کرتے وقت تک موصول ہوئیں ان کا خلاصہ اور دلائل یہاں پیش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے:

سوال نمبر:۱

یہ بات ظاہر ہے کہ سونا اور چاندی کا نصاب منصوص ہے، اگر کوئی شخص سونے یا چاندی کی مقررہ مقدار کا مالک ہوجائے، تو اس پر اس مال کی زکوۃ واجب ہوجائے گی؛ لیکن سوال یہ ہے کہ موجودہ حالات میں اگر کسی شخص کے پاس نقد روپے یا سامان تجارت ہو، تو زکوۃ واجب ہونے کے لئے پیمانہ سونے کا نصاب ہوگا یا چاندی کا نصاب؟ یعنی اگر کسی شخص کے پاس مثلاً اتنی نقد رقم ہو جس سے نصاب کے بقدر چاندی تو خریدی جاسکتی ہے؛ لیکن نصاب کے بقدر سونا خریدا نہیں جاسکتا ہو، تو ایسے شخص پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اسی طرح اگر کسی شخص کے پاس نقد رقم مال تجارت یا اموال زکوۃ کے علاوہ کوئی مال چاندی کے نصاب کی قیمت کا موجود ہو، مگر وہ سونے کے نصاب کی قیمت کو نہیں پہنچتا ہو، تو اس کے لئے زکوۃ لینا جائز ہوگا یا حرام؟

اس مسئلہ میں مقالہ نگاران کی دو رائیں ہیں۔

پہلی رائے:

اس سوال کے جواب میں ۴۵ مقالہ نگار حضرات کی رائے یہ ہے کہ جس شخص کے پاس نقد روپے، یا سامان تجارت ہو تو اس پر زکوۃ واجب ہونے اور نہ ہو تو اس کو زکوۃ کا مستحق ہونے کے لئے، چاندی کو ہی پیمانہ اور نصاب قرار دیا جائے گا، کیونکہ چاندی کو پیمانہ قرار دینے میں غرباء

مساکین اور محتاجوں کا فائدہ بھی ہے، جسے فقہاء ''انفع للفقراء'' سے تعبیر کرتے ہیں، منصوص بھی ہے، اور روز اول سے اب تک امت کا عمل بھی اسی پر چلا آ رہا ہے، اس رائے کے حامل مندرجہ ذیل علماء کرام ہیں:

مفتی محمد جعفر ملی، مفتی روح اللہ قاسمی، مولانا نیاز احمد بنارسی، مفتی اقبال محمد ٹنکاروی، مفتی شاہد علی قاسمی، قاضی محمد ذکاء اللہ شبلی، مفتی محمد حذیفہ لوناواڑہ، مولانا محمد عامر ظفر ایوبی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی روح الامین، مفتی احتشام قاسمی اکبرپوری، قاضی محمد کامل قاسمی، مفتی اقبال قاسمی (دربھنگہ)، مفتی انور علی اعظمی، مولانا عبدالحیٔ مفتاحی، مفتی اشرف قاسمی سعادتی، مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مفتی معز الدین قاسمی، مولانا ابرار حسن ندوی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی، مولانا حفیظ الرحمٰن ندوی، مولانا محمد صادق مبارکپوری، مولانا سید باقر ارشد قاسمی، مولانا مفتی محبوب فروغ قاسمی، مولانا رضوان الحسن مظاہری، مولانا امداد اللہ قاسمی، مولانا افتخار احمد مفتاحی، مفتی شیخ کلیم اللہ عمری مدنی، مفتی اقبال احمد قاسمی (کانپور)، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا قاضی عبد الجلیل قاسمی، مفتی لطیف الرحمٰن ممبئی، مولانا مصطفیٰ قاسمی آ واپوری، مولانا سلمان پالنپوری، مولانا ممتاز خاں ندوی، مولانا احسن عبدالحق ندوی، مولانا صبیح اختر قاسمی، مولانا عبداللطیف قاسمی پالنپوری، مولانا محمد فاروق دربھنگوی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا محمد رمضان علی (خانقاہ مجیبیہ)، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، اور راقم الحروف احمد نادر القاسمی۔

موجودہ حالات میں بھی چاندی کو ہی وجوب زکوۃ کا پیمانہ اور معیار قرار دینے والے مذکورہ علماء کرام نے مندرجہ ذیل آیات، احادیث و آثار کو مستدل بنایا ہے، اور عبارات فقہاء اس کی تائید میں پیش کیے ہیں:

۱-"یأیها الذین أمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما أخرجنا لکم من الأرض ولا تیمموا الخبیث منه تنفقون ولستم بأخذیه إلا أن تغمضوا فیه، واعلموا

أن الله غني حميد" (سورۂ بقرہ:۲۶۷) (مقالہ: مولانا ابوبکر قاسمی، مفتی محمد حذیفہ لوناواڑا)۔

۲-"عن محمد بن عبد الله بن جحش عن رسول الله ﷺ أنه أمر معاذ بن جبل حين بعثه إلى يمن أن يأخذ من كل أربعين دينارا، دينارا، ومن كل مائتي درهم خمسة دراهم الخ" (سنن دارقطنی ۹۵/۲، مطبع عالم الکتب بیروت) (حضرت معاذ بن جبل کو یمن روانہ کرتے وقت آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر چار ہزار دینار پر ایک دینار اور ہر دوسو درہم میں سے پانچ درہم زکوۃ لیں)۔

۳-"عن جابر بن عبد الله عن رسول الله ﷺ أنه قال: ليس فيما دون أواق من الورق صدقة" (صحیح مسلم ۳۱۶/۱) (حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پانچ اوقیہ سے کم میں زکوۃ نہیں ہے)۔

۴-"قال رسول الله ﷺ: ليس فيما دون مائتي درهم شئ" (نصب الرایہ للزیلعی، باب زکوۃ المال ۳۷۴/۲) (دوسو درہم سے کم چاندی اور بیس مثقال سونے سے کم میں کچھ بھی واجب نہیں) (مولانا رمضان علی خانقہ مجیبیہ)۔

۵-"أن النبي ﷺ كان يأمرنا أن نخرج الصدقة من الذي نعده للبيع" (الدر المنضود ۱۹/۳، (مقالہ: مولانا ابوبکر قاسمی) وفی روایۃ أبی داؤد: "يعد للتجارة"، أعلاء السنن: ۵۴/۹، مقالہ مولانا خورشید انور اعظمی)۔

۶-"عن ابن عمرو عائشة أن النبي ﷺ كان يأخذ من كل عشرين دينارا فصاعدا نصف دينار، ومن الأربعين دينارا" (ابن ماجہ/۱۲۸)۔

۷-"عن أبي سعيد الخدري عن النبي ﷺ قال: ليس فيما دون خمسة أوسق صدقة، ولا فيما دون خمس ذود صدقة، ولا فيما دون خمس أواق صدقة" (اخرجہ الجماعۃ والبخاری رقم حدیث ۱۴۰۵، الجامع الصحیح للمسلم ۳۱۵/۱) (آپ ﷺ نے فرمایا کہ پانچ وسق غلہ سے کم میں، پانچ اونٹ سے کم میں، اور پانچ اوقیہ سے کم میں کوئی صدقہ نہیں ہے)۔

۸-"قال رسول اللہ ﷺ: لیس فیما دون خمس أواق صدقة" (ابوداؤد ۱/۲۱۷) (مفتی روح الامین صاحب ہانسوٹ)۔

۹-"فاذا کانت لک مائتادرھم وحال علیھا الحول ففیھا خمسة دراھم ولیس علیک شئ، یعنی فی الذھب حتی یکون لک عشرون دینارا، فإذا کانت لک عشرون دینارا وحال علیھا الحول ففیھا نصف دینار" (رواہ ابوداؤد، اعلاء السنن ۹/۱)۔

۱۰-"الید العلیا المنفقة خیر من الید السفلی السائلة" (مسلم ۱/۳۳۲) (مفتی انور علی اعظمی)۔

۱۱-"قال رسول اللہ ﷺ: من سأل وله ما یغنیه جاء یوم القیامة......فقیل: یا رسول اللہ ما الغنی!قال خمسون درھما أو قیمتھا من الذھب" (ابوداؤد کتاب الزکوۃ رقم الحدیث ۱۶۲۳)۔

عبارات فقہاء:

☆"وفی عرض تجارة قیمته نصاب من أحدھما مقوما بالأنفع للفقراء ربع عشر أی إذا کان التقویم بالدراھم أنفع للفقیر قوم عروض التجارة بالدراھم، وإن کان بالدنانیر أنفع قومت بھا" (شرح وقایہ ۱/۲۲۹)۔

☆"الزکوۃ واجبة فی عروض التجارة کائنة ماکانت إذا بلغت قیمتھا نصابا من الورق أو الذھب...... یقومھا بما ھو أنفع للمساکین احتیاطا لحق الفقراء" (ہدایہ مع الفتح ۲/۱۶۶)۔

☆"اذا حال الحول علی العروض وقیمتھا بالفضة نصاب ولا تبلغ نصابا بالذھب قومناھا بالفضة لیحصل للفقراء منھا حظ" (المغنی لابن قدامہ ۲/۲۵۳) (مقالہ مولانا خورشید انور اعظمی)۔

☆ "ولا یجوز دفع الزکاة إلی من یملک نصابا من أی مال کان لأن الغنی الشرعی مقدر به والشرط أن یکون فاضلا عن الحاجة الأصلیة، وإنما النما شرط الوجوب" (ہدایہ ۲/۲۲۸)۔

☆ "ویری کثیر من علماء العصر أن النقود تقدر بسعر الفضة احتیاطا لمصحلة الفقراء؛ ولأن ذلک أنفع لهم" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/۷۶۱) (مفتی انور علی اعظمی)۔

☆ "جمهور الفقهاء یرون وجوب الزکوة فی الأوراق المالیة، لأنها حلت محل الذهب والفضة فی التعامل" (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/۵۲۷)۔

"یجب أن یکون التقویم بما هو أنفع للفقراء، قدراً و رواجاً" (الفتاوی الہندیہ ۱/۱۷۹) (مولانا عبدالحئی مفتاحی)۔

☆ "یعنی فی عروض التجارة یجب ربع العشر إذا بلغت قیمتها من الذهب أو الفضة نصابا، ویعتبر الأنفع أیهما کان أنفع للمساکین" (تبیین الحقائق)۔

☆ "ذکر القدوری فی شرحه "مختصر الکرخی": أنه یقوم بأوفی القیمتین من الدراهم والدنانیر حتی إنها إذا بلغت بالتقویم بالدراهم نصابا ولم تبلغ بالدنانیر قومت بما تبلغ به النصاب وکذا روی عن أبی حنیفة فی "الأمالی" أنه یقومها بأنفع النقدین للفقراء" (بدائع الصنائع ۲/۴۱۶، المبسوط ۲/۱۹۱، فتح القدیر ۲/۲۲۷) (مفتی محمد اشرف قاسمی ہانسوٹ)۔

دوسری رائے:

یہ ہے کہ موجودہ حالات میں چونکہ مارکیٹ میں چاندی کی قیمت بھی کم ہوگئی ہے، اور لوگوں کی رغبت اور لین دین میں سونے کو معیار قرار دیا جارہا ہے، نیز وہ لوگ جو چاندی کی بقدر نصاب مالیت رکھنے کے باوجود سماجی اور معاشرتی طور پر پسماندہ اور غریب سمجھے جاتے ہیں، اگر ان پر بھی چاندی کو معیار قرار دیتے ہوئے زکوۃ واجب کی جائے گی تو تنگی میں مبتلا ہو جائیں گے،

اور اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے دوسروں سے زکوۃ حاصل کرنے کی پوزیشن میں بھی نہیں ہوں گے، نیز یہ کہ زکوۃ کے علاوہ دیگر عطیات دینے اور نفلی صدقات کا رجحان لوگوں میں کم پایا جاتا ہے، اس لئے موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے سونے کو معیار قرار دیا جانا چاہئے۔اس رائے کے حاملین مندرجہ ذیل حضرات ہیں:

مولانا ڈاکٹر اسرار الحق سبیلی، مولانا ارشد شاداب، مفتی شوکت ثنا قاسمی، مفتی شیر علی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مفتی عبدالرشید قاسمی (کانپور)، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا محمد شاجہاں ندوی، مولانا محمد اعظم ندوی، مولانا محمد رمضان علی خانقاہ مجیبیہ، مولانا ڈاکٹر فہیم اختر ندوی۔

دلائل:

ان حضرات نے تقریباً انہیں روایات اور عبارات فقہاء کو بنیاد بنایا ہے جن میں چاندی اور سونے دونوں کے مقدار نصاب تک پہنچنے پر زکوۃ کو واجب کیا گیا ہے، جو رائے اول کے ذیل میں درج ہو چکے۔

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل روایات وعبارات فقہاء بھی تائید میں پیش کئے ہیں:

"حدثنا سلیمان بن داؤود المصری ثنا ابن وھب جریر بن حازم......ولیس علیک شئ حتی یکون لک عشرون دینارا، فإذا کانت لک عشرون دینارا و حال علیھا الحول ففیھا نصف دینار" (ابوداؤد باب زکوۃ المال)

(مولانا محمد رمضان علی خانقاہ مجیبیہ)۔

☆ **"عن ابن عمرو عائشة أن النبی ﷺ کان یأخذ من کل عشرین دینارا فصاعدا نصف دینار ومن الأربعین دینارا"** (ابن ماجہ/۱۲۸)۔

"علی أن الأصل فی التقویم ھو الذھب الخالص حتی لوسرق دراھم أو غیرھا قومت به" (مغنی المحتاج ۴/۱۵۸ طبع دار احیاء التراث)۔

☆ **"النقود ھو بالذھب، ولأن المثقال کان فی زمن النبی ﷺ وعند**

أهل مكة هو أساس العملة وهو أساس تقدير الديات" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۲/ ۷۶۰)۔

☆"مصرف الزكوة ما ذكر الله تعالى في قوله إنما الصدقات للفقراء "الآية" والفقير عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى من ليس له نصاب عنده ما يكفيه ولا يسأل الناس" (قاضی خاں ۱/ ۲۶۵)(مقالہ مولانا ڈاکٹر اسرار الحق سبیلی)۔

"والأصح تقدير النصاب الورقي بالذهب، لأنه المعادل لنصاب الأنعام (الإبل والبقر والغنم) ولا رتفاع مستوى المعيشة وغلاء الحاجيات، وإن كان يرى كثير من علماء العصر تقدير النصاب بالفضة، لأنه أنفع للفقراء وللاحتياط في الدين، ولأن نصاب الفضة ثابت بالسنة الصحيحة" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۲/ ۷۷۳)۔

☆"يجب أن يكون التقويم بما هو أنفع للفقراء قدراً ورواجاً" (ہندیہ ۱/ ۱۷۹)۔

☆"بما هو أنفع للمساكين احتياطا لحق الفقراء" (ہدایہ ۱/ ۱۷۸)۔

"مقوماً بأحدهما إن استويا فلو أحدهما أروج تعين التقويم به ولو بلغ بأحدهما نصابا دون الأخرتعين ما يبلغ به، ولو بلغ بأحدهما نصابا و خمسا وبالأخر أقل قومه بالأنفع للفقير" (الدر المختار مع رد المحتار باب زکوۃ المال ۳/ ۲۱۰)۔

☆مولانا محمد شاہجہاں ندوی صاحب نے سونے کو معیار قرار دیئے جانے کے لئے کئی ترجیحی نکات پیش کئے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔سونے میں زیادہ استحکام ہے

۲۔حکومتیں بیلنس کے طور پر زیادہ تر سونے پر اعتماد کرتی ہیں اور کاغذی کرنسیاں بھی اسی بنیاد پر تیار ہوتی ہیں، اور اسی کی بنیاد پر نوٹ کی قیمتیں بھی طے ہوتی ہیں۔

۳۔سونا ہی بین الاقوامی سکہ اور معیار ہے جس سے دنیا کے سکوں کی قیمت کا اندازہ

کیا جاتا ہے۔

۴-کاغذی کرنسی پر رمز اور علامت کے طور پر Golden Cover کا ہی استعمال ہوتا ہے۔

۵-دورِ نبوی اور دورِ اول میں سونے اور چاندی کی قیمت میں اتنا تفاوت نہیں تھا، بلکہ دونوں سکے قیمت میں معمولی فرق کے ساتھ قریب قریب تھے، اب بہت زیادہ تفاوت ہوگیا ہے، چاندی کی قیمت گھٹی ہے اور سونے کی تقریباً برابر ہے، یعنی سو فیصد سے ایک سو بیس فیصد (مجلۃ المجمع الفقہی ۵/ ۳)۔

۶-سونا ہی تعامل میں اصل ہے، اور دورِ نبوی میں اور اہل مکہ کے نزدیک مثقال ہی سکہ کی بنیاد تھی۔

۷-عہدِ نبوی میں بیس دینار سے تقریباً بیس حجازی بکریاں خریدی جاسکتی تھیں اور اب بھی اتنی ہی خریدی جاسکتی ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں استحکام ہے۔

۸-مالِ مسروق کی قیمت لگانے میں شافعیہ نے سونے ہی کو بنیاد اور اساس قرار دیا ہے۔

۹-چاندی کے ذریعہ قیمت لگانا اگرچہ فقراء کے لئے زیادہ نفع بخش ہے، لیکن مالک پر زیادتی ہے۔ (مقالہ مولانا شاہ جہاں ندوی)

۱۰-فی زمانہ کرنسی کی بناوٹ قانونی اعتبار سے سونے سے مربوط ہے، اس لئے سونا ہی معیار ہونا چاہئے (مفتی شیر علی گجراتی)۔

متفرق آراء:

☆اس مسئلہ میں مولانا ابوسفیان مفتاحی صاحب نے بغیر کسی پہلو کو ترجیح دیئے ہوئے مطلقاً "أنفع للفقراء" کو بنیاد بنا کر یا نہ طے کئے جانے کی بات کہی ہے۔

☆مولانا توقیر بدر القاسمی، مولانا محمد موسیٰ شمسی القاسمی، مولانا محمد نوشاد القاسمی صاحبان کی رائے یہ ہے کہ دونوں کی قیمت کے نصف کو یا نہ بنا کر زکوۃ ادا کی جائے۔

☆ جبکہ مولانا صدرالحسن صاحب مظفرپوری کی رائے یہ ہے کہ اس معاملہ میں مالک کو اختیار دیا جائے کہ جس کو چاہے معیار بنا کر زکوۃ ادا کرے۔

☆ اس سوال کے جواب میں شیخ مختار السلامی نے لکھا ہے کہ درحقیقت اموال تجارت اور کرنسی میں نصاب کی مقدار متعین کرنے میں بجائے علماء سابقین کی طرف رجوع کرنے کے ملک کے مرکزی بینک کو معیار بنانا چاہئے اور یہ دیکھنا چاہئے کہ بینک کا تبادلہ سونے میں ہو رہا ہے یا چاندی میں، اور جس میں تبادلہ غالب ہو اس کو معیار تسلیم کیا جانا چاہئے، ان کے الفاظ یہ ہیں:

''كما أن تقدير قيمة النصاب من النقود أو من أموال التجارة لا يرجع فيها إلى ما يقوله سادتنا العلماء السابقون، ولكن يرجع فيها إلى البنک المركزى، في ربط النقود بالذهب أو الفضة وحسب علمي، فان الربط بالفضة قد انتهى منذ أزمان.

وأن الربط بالذهب ما زال قائما في الاعتبار العام دون أن يترتب عليه الزام البنک المركزى بتحويل العملة الورقية إلى ذهب من اليوم الذى أعلن فيه الرئيس الامريكى نيكسون أن لاصلة بين الدولار والذهب'' (مقالہ محمد المختار السلامی)۔

☆ ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی صاحب نے سونے کو معیار قرار دیئے جانے پر شیخ ابوزہرہ، خلاف، حسن اور ڈاکٹر یوسف القرضاوی سے موافقت کی ہے، اور محاکمہ کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہؒ کی عبارت کا ترجمہ بھی ''فقہ الزکوۃ'' (۱۹۴) کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے، جس میں ہے: ''چاندی کا نصاب پانچ اوقیہ اس لئے مقرر کیا گیا کہ یہ مقدار ایک گھر کی سال بھر کی ضروریات پوری کرنے کے لئے کافی تھی، کیا آج کوئی ملک ایسا ہے جہاں کسی خاندان کی سال بھر کی تو کیا ایک مہینہ، بلکہ ایک ہفتہ کے لئے کافی ہو جائے، جس شخص کی ملکیت میں سکوں کی اتنی کم مقدار ہو شارع کی نظر میں اس کو کس طرح غنی قرار دیا جاسکتا ہے؟ اس لئے مناسب

معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ زمانے میں سونے کے نصاب پر انحصار کیا جائے (مقالہ ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی)۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی صاحب فرماتے ہیں کہ: "آج کے حالات میں صاحب نصاب وہ شخص ہوگا اور زکوٰۃ اس کے اوپر واجب ہوگی جو قرض کی ادائیگی اور بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کے بعد سال کے شروع اور آخر میں 15 ہزار نقد کا مالک ہو"۔ گویا مولانا کی رائے چاندی ہی کے معیار کی ہے۔

سوال نمبر: ۲

حنفیہ کے نزدیک اگر کسی شخص کے پاس کچھ مقدار سونے اور کچھ مقدار چاندی کی ہو اور دونوں کا مجموعہ نصاب کے بقدر ہو جاتا ہو، تو زکوۃ واجب ہو جاتی ہے، البتہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس میں قیمت کا اعتبار ہے، اگر کسی کے پاس کچھ چاندہ اور کچھ سونا ہو اور دونوں کی مجموعی قیمت چاندی کے نصاب کے برابر ہو جاتی ہو، تو موجودہ قیمت کے لحاظ سے امام صاحب کے یہاں زکوۃ واجب ہو جائے گی، جبکہ صاحبین ضم الاجزاء کے قائل ہیں، یعنی سونے اور چاندی میں سے ایک کی مقدار اس کے نصاب کے ایک تناسب کو پورا کرتی ہو اور دوسرے کی مقدار اس کے نصاب کے بقیہ تناسب کو پورا کر دیتی ہو، تب زکوۃ واجب ہوتی ہے، مثلاً: سونا اس کے نصاب کا ایک چوتھائی ہے اور چاندی اس کے نصاب کا تین چوتھائی، تو اب زکوۃ واجب ہوگی، موجودہ حالات میں امام صاحبؒ کے قول پر ممکن ہے کہ ایک تولہ سونا اور ایک تولہ چاندی میں زکوۃ واجب ہو جائے اور سات تولہ صرف سونا ہو تو زکوۃ واجب نہ ہو پائے، ایسی صورت میں کیا ضم نصاب کے مسئلہ میں صاحبین کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگاروں کے درمیان دو رائیں پائی جاتی ہیں:

پہلی رائے:

مندرجہ ذیل حضرات علماء اور مفتیان کرام نے ضم نصاب کے باب میں امام ابوحنیفہؒ

کی رائے جو کہ قیمت کے اعتبار سے ضم نصاب کے قائل ہیں، کو فقراء اور محتاجین، نیز حالات کے پیش نظر اختیار کئے جانے کو احوط اور بہتر قرار دیا ہے:

مفتی محمد جعفر ملی، مفتی محمد روح اللہ قاسمی، مولانا نیاز احمد بناری، مفتی اقبال احمد ٹنکاروی، مولانا قاضی ذکاء اللہ شبلی، مفتی محمد حذیفہ لوناواڑہ، مولانا محمد عامر ظفر ایوبی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی روح الامین، مفتی احتشام قاسمی اکبرپوری، مولانا قاضی محمد کامل قاسمی، مفتی اقبال احمد قاسمی شکرپور بھروارہ، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا عبدالحئی مفتاحی، مفتی محمد اشرف سعاوتی، مولانا عقیل احمد قاسمی، مفتی معز الدین قاسمی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا حفیظ الرحمٰن ندوی، مولانا محمد صادق مبارکپوری، مولانا رضوان الحسن مظاہری، مولانا امداد اللہ قاسمی، مولانا افتخار احمد مفتاحی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا محمد سلمان پالنپوری، مولانا محمد احسن عبد الحق ندوی، مولانا صبیح اختر قاسمی، مولانا عبد اللطیف پالنپوری، مولانا محمد فاروق دربھنگوی، اور مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا صدر الحسن قاسمی مظفرپور، مولانا سلطان احمد اصلاحی اور راقم الحروف احمد نادر القاسمی۔

ان حضرات نے فقہاء کی مندرجہ ذیل عبارتوں اور فقراء و مساکین تک زیادہ سے زیادہ زکوۃ کی رقم پہنچنے اور ان کی مصلحت کو ملحوظ رکھا ہے:

”ویضم الذهب إلى الفضة وعكسه بجامع الثمنية قيمة وقالا: بالأجزاء“ (درمختار باب زکوۃ المال ۳/۲۳۴)۔

”وتضم قيمة العروض إلى الثمنين والذهب إلى الفضة كذا في الكنز حتى لوملك مأة درهم وخمسة دنانير أو خمسة عشر دينارا أو خمسين درهما تضم إجماعا“ (ہندیہ ۱/۱۷۹)۔

”والصحيح الوجوب، لأنه إن لم يكن تكميل نصاب الدراهم باعتبار قيمة الدنانير أمكن تكميل نصاب الدنانير باعتبار قيمة الدراهم، لأن قيمتها تبلغ عشرة

دنانير فتكمل احتياطا لايجاب الزكوة" (البحر الرائق ۳/ ۲۳۰)(مقالہ مولانا ابوسفیان مفتاحی)۔

"وأبو حنيفة يقول: ضم الأجناس المختلفة بعضها إلى بعض في تكميل النصاب لا يكون إلا باعتبار القيمة كما في عروض التجارة، وهذا، لأن المعتبر صفة المالية وصفة الغنى للمالك، وذلك إنما يحصل باعتبار القيمة" (المبسوط ۳/ ۲۰، بدائع الصنائع ۲/ ۲۱۲، البحر الرائق ۲/ ۴۰۰)۔

"إذا كانت له خمسة و تسعون درهما ودينار قيمته خمسة دراهم، فإنه يلزمه الزكوة باعتبار أن كل دينار ثمن خمسة دراهم، فثمن خمسة وتسعين درهما تسعة عشر ديناراً، فإن ضمها إلى الدينار يكون عشرين دينارا، وبهذه الرواية يتبين أن على أصله يقوم الذهب تارة بالفضة والفضة تارة بالذهب، وذلك لأجل الاحتياط وتوفير المنفعة على الفقراء" (بدائع الصنائع ۲/ ۴۱۴)(مفتی محمد اشرف قاسمی)۔

"قال في التصحيح: ورجح قول الإمام الإسبيجابي الزوزني، وعليه مشى النسفي وبرهان الشريعة وصدر الشريعة، وقال في التحفة: قوله: أنفع للفقراء، وأحوط في باب العبادات" (اللباب فی شرح الکتاب للمیدانی باب زکوۃ العروض ۱/ ۶۷)۔(مولانا سلمان قاسمی پالنپوری، مولانا محمد شاہجہاں ندوی)

"لأنهما مالان متحدان في المعنى الذي تعلق به وجوب الزكوة فيهما وهو الاعداد للتجارة بأصل الخلقة والثمنية، فكان في حكم الزكوة كجنس واحد" (بدائع ۲/ ۱۰۶)(مولانا محمد اعظم ندوی)۔

دوسری رائے:

یہ ہے کہ اس مسئلہ میں حضرت امام محمد اور امام ابو یوسفؒ کی رائے کو موجودہ حالات کے اعتبار سے اختیار کیا جائے، کیونکہ اس میں معاشی طور پر کمزور اور غرباء کے حق میں زیادہ

راحت پائی جاتی ہے، اس رائے کے حاملین مندرجہ ذیل حضرات علماء کرام ہیں:

مولانا ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی، مولانا محمد موسیٰ شمسی القاسمی، مولانا محمد توقیر بدر القاسمی، مولانا ارشاد دشاداب قاسمی، مولانا نوشاد قاسمی، مفتی شاہد علی قاسمی، مولانا مفتی شوکت ثناء قاسمی، مفتی انور علی اعظمی، مفتی شیر علی، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا ڈاکٹر قاری ظفر الاسلام صدیقی، مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی، مفتی عبد الرشید قاسمی کانپور، مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی، مولانا سید باقر ارشد قاسمی، مولانا محبوب فروغ قاسمی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، مفتی اقبال احمد قاسمی کانپور، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مفتی لطیف الرحمٰن ولایت علی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا محمد ممتاز خاں ندوی، مولانا محمد اعظم ندوی، مولانا ڈاکٹر فہیم اختر ندوی۔

مذکورہ بالا حضرات مقالہ نگاران نے اپنے موقف کی تائید میں موجودہ مصالح، امت کی معاشی پسماندگی، اور کم پیسے میں زکوۃ واجب ہونے کی وجہ سے بہت سے غریب کہے جانے والے خاندانوں کے زکوۃ سے محروم ہونے یا ان پر قربانی اور صدقۃ الفطر وغیرہ کی ادائیگی کے لزوم کے بوجھ یسر و آسانی کی کو علت قرار دیتے ہوئے حضرات صاحبین کی رائے اختیار کئے جانے کی تجویز رکھی ہے، اور مندرجہ ذیل عبارتوں سے استناد کیا ہے:۔

"حتی کان قول أبی یوسف و محمد یوافق قول أبی حنیفة لا یتعدی عنه إلا فیما مست إلیه الضرورة، وعلم أنه لو کان أبوحنیفة رأی ما رأو لافتی به" (رسائل ابن عابدین نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف ۱۲۵/۲)۔

"فإن کان اختلافهم اختلاف عصر و زمان کالقضاء بظاهر العدالة یأخذ بقول صاحبیه لتغیر أحوال الناس، وفی المزار عة والمعاملة ونحوهما یختا رقولهما لإجماع المتأخرین علی ذلک، وفیما سوی ذلک یخیر المفتی المجتهد ویعمل بما أفضی إلیه رأیه" (رسائل ابن عابدین ۲۷/۱، عقود رسم المفتی) (دیکھئے:

مقالہ مولانا راشد حسین ندوی)۔

"وجه قولهما: أن القيمة في الذهب والفضة ساقطة الاعتبار شرعاً، لأن سائر الأشياء تقوم بها، وإنما المعتبر فيهما الوزن، ألاترى أن من ملك إبريق فضة وزنه مائة وخمسون درهما، وقيمته مائتا درهم لا تجب الزكوة–ولو كانت القيمة فيها معتبرة لوجبت" (بدائع ۱۰۸/۲) (مقالہ مولانا اقبال احمد قاسمی کانپور)۔

"أي التجزئة والمقابلة، بأن يجعل كل دينار في مقابلة عشرة دراهم" (حاشیہ دسوقی علی الشرح الکبیر ۴۲/۲)۔

"كذا في حق الوجوب يعتبر أن يبلغ وزنهما نصابا، ولا يعتبر فيه القيمة بالإجماع" (الفتاوی الہندیہ) (مقالہ مولانا محمد شاہجہاں ندوی)۔

"ويجمع الذهب والفضة في الزكوة فمن كان له من الورق وزن مأة درهم من الفضة وله من الذهب عشرة دنانير أو عنده مائة وثمانون درهما وعنده دينار يساوي عشرين درهما، فليخرج من كل مال ربع عشره، لكن بالتجرئة والمقابلة بأن يجعل كل دينار في مقابلة عشرة دراهم" (الفواکہ الدوانی علی رسالۃ ابی زید القیروانی ۲۲/۴)۔

"والأول أصح، لأن الأثمان تجب الزكوة في أعيانها فلا تعتبر قيمتها كما لو انفردت" (المغنی ۳۶۴/۵)۔

"ويكون الضم بالأجزاء، ولا يكون الضم بالقيمة، لأن الضم بالأجزاء، متيقن بخلاف القيمة، فإنه ظن وتخمين" (کشاف القناع عن متن الاقناع ۲۰۷/۵)۔

"إن أحدهما يضم إلى الأخر بالقيمة قول أبي حنيفة، عندهما يضم

بالأجزاء، حتى لو كان له مائة درهم وخمسة دنانير قيمتها مأة درهم تجب فيها الزكوة عنده، خلافا لهما، وعكسه لو كان له مأة درهم وعشرة دنانير قيمتها لا تبلغ مأة درهم تجب فيها الزكوة عندهما ولا تجب عنده" (تبیین الحقائق للزیلعی ۳/ ۳۸۱) (ماخوذ از مقالہ مولانا محمد اعظم ندوی)۔

متفرق نکات:

مولانا ابرار خاں ندوی لکھتے ہیں:

اگر امام ابوحنیفہ کی رائے پر عمل کیا جائے تو بہت سی وہ خواتین جو اپنے زیورات رکھتی ہیں، مگر معاشی حالت اتنی اچھی نہیں ہوتی، ان پر زکوۃ کی ادائیگی کا بوجھ پڑے گا، اور نہ ہی قربانی و صدقۃ الفطر واجب ہوں گے، اس سے ان کو راحت ملے گی۔

مولانا اشتیاق احمد اعظمی کہتے ہیں کہ اگر چہ امام ابوحنیفہ اور صاحب دونوں کا مسلک اپنی اپنی جگہ پر مضبوط اور مستحکم ہے، لیکن بے سہارا خواتین جو تھوڑے زیورات رکھتی ہیں، ان کے لئے ایسے حالات میں صاحبین کے قول میں ان جیسی خواتین کے لئے راحت ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ اس قسم کی خواتین اپنے چاندی کے زیورات فروخت کردیں اور سونے کے ہی زیورات اپنے پاس رکھیں۔

☆ جبکہ مفتی کلیم اللہ عمری مدنی کی رائے یہ ہے کہ جس طرح سونے اور چاندی کی ثمنیت اور جنس میں فرق کی وجہ سے ضم کا سوال پیدا نہیں ہوتا اسی طرح مذکورہ مسئلہ میں جمہور کے اقوال کی روشنی میں ضم اجزاء بھی صحیح نہیں ہے (مقالہ حافظ شیخ کلیم اللہ عمری مدنی)۔

☆ مولانا محبوب فروغ کہتے ہیں کہ (حضرات صاحبین کے مسلک میں مستحقین اور اصحاب مال دونوں کی رعایت کو ملحوظ رکھا گیا ہے، اس لئے حالات کے پیش نظر ان کی رائے پر عمل کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ علامہ کاسانی نے صراحت کی ہے)(مقالہ مولانا محبوب فروغ قاسمی)۔

☆ تغیر زمانہ اور احوال کی وجہ سے صاحبین کے قول پر عمل کیا جائے، نیز یہ کہ صاحبین

کے قول پر عمل کرنے میں امام ابوحنیفہ کے قول سے کلی خروج بھی لازم نہیں آتا (مفتی شیر علی، مولانا محمد ممتاز خاں ندوی)۔

☆ جبکہ ڈاکٹر محمد المختار السلامی اور مفتی ابوبکر قاسمی نے سوال نمبر ۲ کے سلسلہ میں کوئی رائے نہیں دی ہے۔

☆ مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی نے ضم الاجزاء جو کہ صاحبین کا مسلک ہے کو سونے کے معیار کے زیادہ قریب قرار دیا ہے۔

☆☆☆

عرض مسئلہ

سونے چاندی کا نصاب

مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی ☆

اس عاجز کو سونے اور چاندی کے نصاب پر عرض مسئلہ کی ذمہ داری دی گئی ہے، اکیڈمی کی جانب سے کل ۵۳ مقالات موصول ہوئے جن کے اسماء گرامی یہ ہیں:

مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا محمد فاروق دربھنگوی، مولانا عبد اللطیف پالنپوری، مولانا صبیح اختر قاسمی، مولانا محمد احسن عبد الحق ندوی، حافظ شیخ کلیم اللہ عمری مدنی، مولانا محمد ممتاز خاں ندوی، مولانا سلمان پالنپوری، مولانا مصطفیٰ قاسمی، مفتی لطیف الرحمٰن، مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مولانا عبد الجلیل قاسمی، مفتی راشد حسین ندوی، مفتی اقبال احمد قاسمی، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا افتخار احمد مفتاحی، مولوی امداد اللہ قاسمی، مولانا رضوان الحسن مظاہری، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا سید باقر ارشد قاسمی، مولانا محمد صادق مبارکپوری، مولانا محمد صدر الحسن قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا ثناء الہدیٰ قاسمی، مفتی اشرف قاسمی، مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی، مولانا اختر امام عادل، مولوی ابرار حسن ایوبی ندوی، مفتی معز الدین قاسمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا محمد ابرار خاں ندوی، مولانا عتیق الرحمان قاسمی، مفتی شیر علی قاسمی، مولانا عبد الحی مفتاحی، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مولانا انور علی اعظمی، مفتی محمد اقبال قاسمی، مفتی محمد احتشام قاسمی، مولانا روح الامین، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی محمد شوکت ثناء

☆ پرنسپل و شیخ الحدیث، دار العلوم مئو۔

قاسمی، قاضی محمد کامل قاسمی، مولانا محمد حذیفہ محمود، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا ذکاء اللہ شبلی، مولانا محمد شاہد علی قاسمی، مولوی ارشد شاداب، مولوی محمد موسیٰ شمسی قاسمی، مولوی محمد توقیر بدر قاسمی، مولانا عامر محمد ایوبی، مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی۔

پہلا سوال دو اجزاء پر مشتمل ہے:

الف-اگر کسی شخص کے پاس نقد روپے یا سامان تجارت ہو تو زکوۃ واجب ہونے کے لئے پیمانہ سونے کا نصاب ہوگا یا چاندی کا۔

ب-اگر نقد رقم مال تجارت یا اموال زکوۃ کے علاوہ کوئی مال چاندی کے نصاب کی قیمت کا موجود ہو، مگر وہ سونے کے نصاب کی قیمت کو نہیں پہنچتا تو اس کے لئے زکوۃ لینا جائز ہوگا یا حرام؟

جزءالف کے تحت مقالہ نگاروں کی آراء چھ نقاط پر مشتمل ہیں:

۱-چاندی کی قیمت معیار ہوگی۔

۲-سونے کی قیمت۔

۳-دونوں نصاب کی قیمت کے مجموعہ کا نصف۔

۴-سونے چاندی کے بجائے اونٹ و بکری کے نصف نصاب کی مالیت سے مربوط کریں گے۔

۵-زکوۃ دہندہ کو اختیار ہوگا۔

۶-چھٹا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اس زمانہ میں نوٹ کی پشت پر سونے کی مالیت ہے یا چاندی کی یا دونوں کے مجموعے کی یا ان کی مالیت کسی اور اصول پر قائم ہے یہ تحقیق طلب مسئلہ ہے اس کی تحقیق کے بعد اس مسئلہ میں کسی نتیجہ تک پہنچا جاسکتا ہے (بحوالہ البلاغ جمادی الاولی ۱۴۰۳ھ)۔

مقالہ نگاروں کی کثیر تعداد چاندی کو پیمانہ بنائے جانے کی قائل ہے، مولانا قاضی عبدالجلیل صاحب رقمطراز ہیں "جب زکوۃ دینے والوں کی تعداد بہت کم ہوجائے گی اور زکوۃ لینے

والے بہت کم ہو جائیں گے تو اس سے زکوۃ کا مقصد جو کمزور طبقہ کی اعانت و مدد کرنا ہے جو مالی اعتبار سے پسماندہ اور انتہائی ضرورتمند ہو پوری طرح حاصل نہ ہو سکے گا۔

حافظ کلیم اللہ عمری مدنی نے اللجنة الدائمہ ۹/۲۵۷ کی تحریر "**یکون ذلک بالأحظ للفقراء من أحد النصابین**" اور فتاوی الشبکة الاسلامیہ ۱۶/ ۲۴ کی عبارت "**تقدر بما هو أنفع للفقراء**"۔

مولانا محمد صادق مبارکپوری دیگر دلائل کے ساتھ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی قاموس الفقہ (۴/ ۷۰) کی تحریر استشہاد میں پیش فرمایا ہے۔

مولانا اختر امام عادل لکھتے ہیں: "بلکہ علامہ کاسانی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ خود سونے کا نصاب چاندی کی روشنی میں طے کیا گیا ہے"۔ موصوف نے حضرت عمرو بن حزم سے ایک روایت استدلال میں پیش فرمایا ہے۔

مولانا حذیفہ محمود نے (الروض المربع ۷/ ۱۳ محیط برہانی ۳/ ۱۶۳ فتاوی تاتارخانیہ ۲/۷ المهذب مع المجموع ۶/ ۲۳-۲۴) کی عبارتوں کو اپنے مدعی پر پیش فرمایا ہے۔

مفتی محمد اشرف قاسمی سعادتی کی مختصر الکرخی رومانی کی عبارت "**أنه یقوم بأوفی القیمتین من الدراهم والدنانیر حتی إذا بلغت بالتقویم بالدراهم نصاباً ولم تبلغ بالدنانیر قومت بما تبلغ به النصاب**" کی تحریر بھی دیگر دلائل کے ساتھ پیش فرمائی ہے۔

مولانا عبدالحی مفتاحی، مولانا خورشید انور، مولانا خورشید احمد، مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا انور علی اعظمی وغیرہ نے "**ویری کثیر من علماء العصر أن النقود تقدر بسعر الفضیة احتیاطاً لمصلحة الفقراء ولأن ذلک أنفع لهم**" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/ ۷۶۱)، "**الزکوة واجبة فی عروض التجارة کائنة إذا بلغت قیمتها نصاباً من الورق أو الذهب یقومها بما هو أنفع للمساکین**"

(ہدایہ ۱/ ۱۹۵)، "فلا بد من اعتبار منفعة الفقراء عند التقويم الخ"، (بنایہ شرح الہدایہ ۳/ ۳۸۴، فتاوی ہندیہ ۱/ ۱۷۹، فتح القدیر ۲/ ۱۶۷، البحر الرائق ۲/ ۲۲۹) اور ایک حدیث "اليد العليا المنفقة خير من اليد السفلى السائلة "استدلالاً پیش فرمایا ہے۔

مولانا روح الامین لکھتے ہیں: چاندی کے نصاب کو معیار قرار دینا کئی اعتبار سے راجح ہے، یہ منصوص ہے، مجمع علیہ ہے۔ بعض سلف نے سونے کے لئے بھی اسی کو معیار قرار دیا ہے، یہی احوط ہے، "انفع للفقراء" ہے۔

مولانا ابرار خان ندوی نے علامہ داماد آفندی کی کتاب مجمع الانہر: ۲۰۷ کو استدلال میں پیش فرمایا ہے جبکہ مولانا ثناء الہدی قاسمی تحریر کرتے ہیں زیادہ سے زیادہ چاندی کے نصاب کو اصل تسلیم کرنے میں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ اس میں مالداروں کی رعایت نہیں کی گئی تو صاحب فتح القدیر نے اس کا جواب یوں دیا ہے: "كان في يد المالك ينتفع به زماناً طويلاً فلا بد من اعتبار منفعة الفقراء عند التقويم، المالك أسقط حقه بالاستنماء مدة الحول فيقوم حظ الفقراء بالتقويم بالأنفع مراعاة اللاحقين بقدر الإمكان"۔

مولانا راشد حسین ندوی، مولانا ممتاز خان ندوی، مولانا محمد اقبال دربھنگہ، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا محمد فاروق دربھنگوی، مولانا رضوان الحسن مظاہری، مولانا سلمان پالنپوری، مولانا ابرار حسن، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مفتی لطیف الرحمٰن ولایت علی، مولانا شاہد علی قاسمی، مولانا محبوب فروغ احمد وغیرہ کی بھی یہی رائے ہے۔

سونے کو پیمانہ قرار دینے والوں میں مفتی شیر علی گجرات، مفتی عبدالرشید کانپور، مولانا نعیم اختر، مفتی اقبال احمد کانپور، مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مولانا ارشد شاداب، مفتی شوکت ثناء قاسمی اور راقم ہے۔ مولانا محمد شاہجہاں ندوی تحریر کرتے ہیں: سونا ہی تعامل میں اصل ہے، نبی کریم ﷺ اور اہل مکہ کے نزدیک بھی مثقال ہی سکہ کی بنیاد تھی۔ سونا اپنی قیمت برقرار رکھے ہوئے ہے جبکہ چاندی اپنی حیثیت کھوچکی، نبی کریم ﷺ کے عہد میں بیس دینار سے تقریباً بیس

حجازی بکری خریدی جاسکتی تھی اور اس دور میں بھی بیس مثقال سونے سے تقریباً اتنی ہی حجازی بکریاں خریدی جاسکتی ہیں، اس سے پتہ چلتا ہے کہ سونے کی قوت خرید میں استحکام ہے، مال مسروق کی قیمت لگانے میں شافعیہ نے سونے کو بنیاد قرار دیا ہے۔"**حتی لو سرق دراهم أو غيرها قومت به**" (مغنی المحتاج للشیخ محمد الشربینی ۱۵۸/۴) چاندی کے ذریعہ قیمت لگانا اگرچہ "انفع للفقراء" ہے، لیکن اس میں مالک مال کے ساتھ زیادتی بھی ہے جو بڑے مالدار یا بڑے سرمایہ دار نہیں بلکہ جمہور امت میں سے ہیں۔

مولانا محمد نعیم اختر کی رائے میں اس وقت سونے کو غالب نقد البلد کی حیثیت حاصل ہے نیز سونے کو معیار قرار دینے میں امام ابوحنیفہ کے قول کی بھی مخالفت نہیں، کیونکہ سونے کے نصاب کے اندر ہی فقراء کا فائدہ ہے تاکہ بہت سارے پریشان حال لوگ صاحب نصاب ہونے سے محفوظ رہیں۔ مولانا عبد الرشید قاسمی لکھتے ہیں یہ بات مخفی نہیں کہ دور حاضر میں چاندی کی حیثیت بمقابلہ سونا ایک سامان کی ہے اور چاندی باجود ثمن خلقی کے اس وقت اپنی حیثیت کھوچکی ہے۔ سیوطی لکھتے ہیں: "**الذهب والفضة قيم الأشياء إلا في باب السرقة، فإن الذهب أصل والفضة عروض بالنسبة إليه نص عليه الإمام الشافعي في الأم**" اگر "انفع للفقراء" مقصود ہوتا تو اگر چاندی کے نصاب سے پندرہ ہزار روپے ہے اور اونٹ سے بارہ ہزار تو پھر معیار اونٹ کا نصاب ہوتا تاکہ فقراء کا نفع زیادہ سے زیادہ ہو، حالانکہ فقہاء نے کبھی ایسا نہیں کیا۔

دیگر منصوص نصابات اونٹ، بکری وغیرہ کے نصاب کا اگر موازنہ کیا جائے تو وہ سونے سے زیادہ قریب ہے نہ کہ چاندی سے، وجوب زکوۃ کی شرائط میں یہ بھی ہے کہ مال حاجات اصلیہ سے زائد ہو تب ہی تو غنی اور نعمت کا تحقق ہوگا اور پھر خوش دلی سے ادا کرے گا جس مال کی اس کو خود ضرورت ہے اس سے وہ غنی کیسے ہوگا۔

لہذا خوش دلی سے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوسکتی، یہ کہنا کہ چاندی کو معیار بنانے میں

احتیاط ہے بلاشبہ درست ہے اور چاندی کو معیار بنا کر زکوۃ نکالنے والے کی حوصلہ افزائی کی جائے، لیکن اس معیار کو لازم قرار نہ دیا جائے ورنہ قلب موضوع لازم آئے گا کہ صبح کو زکوۃ دے اور شام کو زکوۃ لے۔ نیز اس سے لوگ ضیق میں پڑیں گے۔

امام شافعی نے ایسے شخص پر صدقۃ فطر واجب فرمایا جس کے پاس خود اس کے اور اس کے عیال کے لئے ایک یوم سے زیادہ کا نفقہ ہو تو احناف نے یہی اعتراض کیا تھا کہ ایسے شخص پر کیوں کر صدقۃ فطر واجب ہو سکتا ہے جو آج دے اور کل لے۔ نیز حتمی طور پر چاندی کو معیار قرار دینے میں بعض کے اطلاق کو مقید کرنا ہے، اگر متعین طور پر چاندی کو معیار ٹھہرایا جائے تو یہ نص کے اطلاق کو باطل کرتا ہے اور رہا ''انفع للفقراء'' کا ضابطہ تو یہ خود منصوص نہیں۔

مفتی اقبال احمد کانپوری لکھتے ہیں: رہا سونے کے نصاب پر احادیث کی عدم صراحت یا قلت کا معاملہ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ خیر القرون میں چاندی کا رواج تھا اس لئے اس کے متعلق حکم بھی زیادہ صراحت اور کثرت سے منقول ہے۔ چاندی کو معیار بنانے پر اس کی موجودہ قیمت سے اس پر زکوۃ کس طرح ادا ہو سکتی ہے جبکہ وہ اپنی بنیادی ضرورتوں کے لئے محتاج ہے، لہذا چاندی کی قیمت کی مالیت کا ہونا معدوم کے درجہ میں ہے جیسا کہ وہ پانی جو بقدر پیاس بجھانے کے ہو وہ عدم کے درجہ میں ہے اور اس کی موجودگی میں تیمم جائز ہے۔

مولانا محمد موسیٰ شمسی، مولانا توقیر بدر قاسمی تحریر کرتے ہیں کہ جب عہد فاروقی میں مختلف الاوزان دراہم رواج پا گئے تو زکوۃ دہندگان کے اضطراب کو ختم کرنے کے لئے حضرت فاروق اعظمؓ نے جمع و تفریق پر عمل کیا جسے وزن سبعہ کہا جاتا ہے، اس لئے سونے و چاندی دونوں کے مکمل نصاب کی قیمت کے مجموعہ کا نصف معیار ہونا چاہئے۔ مولانا ابرار حسن کے نزدیک نقد روپے یا اموال تجارت کو سونے اور چاندی کے بجائے ابل و غنم کے نصف نصاب کی مالیت سے مربوط کیا جانا انسب ہے، اگر چہ بعض مصالح کی بنیاد پر احتیاط کا پہلو غالب ہے، مولانا صدر الحسن مظفر پور نے کتاب الزکوۃ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ زکوۃ دہندہ کو اختیار ہوگا چاہے تو وہ سونے کو پیمانہ بنائے یا

چاندی کو، کیونکہ قیمت کا اندازہ مالیت کی مقدار پر منحصر ہے اور مالیت میں نقدین برابر کا درجہ رکھتے ہیں۔

ب–اس جزء کی بابت عرض ہے کہ جن حضرات نے چاندی کو پیمانہ قرار دیا ہے اس معیار تک پہنچنے کے بعد اس کے لئے زکوۃ لینا ناجائز قرار دیا ہے، قاضی عبدالجلیل صاحب سوال کی اس عبارت "وجوب زکوۃ کے ساتھ حرمات زکوۃ کے مسئلہ میں بھی خاص طور پر دشواری پیش آتی ہے" کے تحت رقمطراز ہیں کہ اگر کسی کے پاس رہائش کے اعلی درجہ کے مکان، سواری کے لئے عمدہ گاڑی، فرنیچر، برتن ہوں، ضرورت کے کپڑے ہوں، گھر میں استعمال ہونے والے سارے ساز و سامان موجود ہوں ان بنیادی ضروریات کے علاوہ اگرچہ اس کے پاس سونا چاندی مال تجارت اور نقد روپیہ نہ ہو لیکن ان بنیادی ضروریات سے زائد غیر نامی مال اس کے پاس اتنا ہو کہ اس کی قیمت پندرہ ہزار روپے کے برابر ہو تو اس کو زکوۃ نہیں دی جائے گی اس میں کیا دشواری پیش آتی ہے، میری سمجھ میں نہیں آیا اور بھی کئی حضرات یہی تحریر کرتے ہیں، مولانا کلیم اللہ عمری مدنی لکھتے ہیں زکوۃ صرف ضرورتمندوں کے لئے اضطراری صورت میں ہی جائز ہے، زکوۃ کے لئے استحقاق ثابت کرنا درست نہیں، مولانا اقبال احمد تحریر کرتے ہیں: یہ خیال صحیح نہیں کہ جس پر زکوۃ واجب نہیں وہ مستحق زکوۃ ہو جاتا ہے، البتہ جب صدقۂ فطر و قربانی بھی اس پر نصاب نہ ہونے کے سبب واجب نہ رہے تب وہ مستحق زکوۃ ہو جاتا ہے، آگے لکھتے ہیں: بہر حال یہ مسئلہ اہم ہے۔ ناچیز کا خیال ہے کہ ایسے شخص کو زکوۃ لینے میں بہر حال احتیاط لازم ہے، تاہم بنیادی ضرورتوں کے لئے اگر وہ زکوۃ قبول کرلے تو گنجائش ہوگی۔

مولانا ارشد شاداب، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا شیر علی، عارض، مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مولانا نعیم اختر کی رائے ہے کہ نوٹ یا مال تجارت میں جب وجوب زکوۃ کے لئے سونے کا اعتبار ہے تو حرمان زکوۃ کے لئے بھی وہی معیار ہوگا۔ مولانا محمد توقیر بدر قاسمی، مولانا محمد موسی شمسی کی رائے یہ ہے کہ اگر وہ اسباب و نقد ساٹھ ہزار کی مالیت کو پہنچ جاتے ہیں تو اس کے لئے زکوۃ لینا

جائز نہ ہوگا، مولانا محمد صدرالحسن مظفرپور رقمطراز ہیں: سونے اور چاندی میں سے جس کو معیار بنائے اس کا اختیار زکوۃ دینے والوں کو دیا جائے تو اس میں زکوۃ دینے والوں اور زکوۃ لینے والوں دونوں کو سہولت ہوگی، بہرکیف حرمان زکوۃ سے متعلق پانچ نقاط تھے جنہیں اوپر ذکر کیا جاچکا ہے۔

سوال نمبر ۲ کی تقریر یوں ہے، حنفیہ کے نزدیک اگر کسی شخص کے پاس کچھ مقدار سونے اور کچھ مقدار چاندی کی ہو اور دونوں کا مجموعہ نصاب کے بقدر ہوجاتا ہو تو زکوۃ واجب ہوجاتی ہے، البتہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس میں قیمت کا اعتبار ہے اگر کسی کے پاس کچھ چاندی اور کچھ سونا ہو اور دونوں کی مجموعی قیمت چاندی کے نصاب کے برابر ہوجاتی ہے تو موجودہ قیمت کے لحاظ سے امام صاحب کے یہاں زکوۃ واجب ہوجائے گی، جبکہ صاحبین ضم الاجزاء کے قائل ہیں، یعنی چاندی اور سونے میں سے ایک کی مقدار اس کے نصاب کے ایک تناسب کو پورا کرتی ہو اور دوسرے کی مقدار اس کے نصاب کے بقیہ تناسب کو پورا کردیتی ہو تب زکوۃ واجب ہوتی ہے، مثلاً سونا اس کے نصاب کا ایک چوتھائی ہے اور چاندی اس کے نصاب کا تین چوتھائی تو اب زکوۃ واجب ہوگی، موجودہ حالات میں امام صاحب کے قول پر ممکن ہے کہ ایک تولہ سونا اور ایک تولہ چاندی میں زکوۃ واجب ہوجائے اور سات تولہ صرف سونا ہو تو زکوۃ واجب نہ ہو پائے۔ ایسی صورت میں کیا ضم نصاب کے مسئلہ میں صاحبین کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔

مفتی محمد اقبال قاسمی دربھنگہ، مولانا خورشید احمد مئوی، شیخ کلیم اللہ عمری مدنی، مولانا اختر امام عادل، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا محمد صادق مبارکپوری، مولانا رضوان الحسن مظاہری، مولانا امداد اللہ قاسمی، مولانا ذکاء اللہ شبلی، مولانا محمد حذیفہ محمود، قاضی محمد کامل قاسمی، قاضی محمد احتشام قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا روح الامین بانسوٹ، مولانا عبدالحی مفتاحی، مفتی عبدالرحیم بھوپال، مفتی محمد اشرف سعادتی، مولانا عقیل الرحمٰن ہوجائی، مولانا صدرالحسن مظفرپور، مولانا محمد فاروق دربھنگوی، مولانا سلمان پالنپوری، مولانا ابرار حسن ندوی، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا لطیف الرحمٰن، مولانا حفیظ الرحمٰن

مدنی، مولانا صبیح اختر، مولانا خورشید احمد اعظمی وغیرہم نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسلک پر عمل کرنے کی رائے دی ہے۔

قاضی عبدالجلیل صاحب تحریر کرتے ہیں: عبادت میں احتیاط کے پہلو کو اختیار کرنا زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے، صاحبین کے قول پر اس وقت عمل کرنا ناممکن ہے کیونکہ کہ ان کے مسلک پر عمل کرنا اس وقت ممکن ہوتا جبکہ اس کے پاس صرف سونا و چاندی ہو روپیہ نہ ہو، تو آجکل شاید ہی کوئی ایسا ہو جس کے پاس صرف چاندی و سونا ہو روپیہ نہ ہو۔ مفتی محمد اشرف صاحب لکھتے ہیں: امام صاحب نے جس مقصد کو پیش نظر رکھا ہے نصوص سے اس کی تائید ہوتی ہے یہی مسلک ارفق بالفقراء و اوفق بالنسبہ ہے، مولانا محمد حذیفہ محمود تحریر فرماتے ہیں: "**حاصله أن عروض التجارة يضم بعضها إلى بعض بالقيمة وإن اختلفت أجناسها وكذا تضم هي إلى النقدين بالإجماع**" (کفایہ مع الفتح ۲/۱۷۰، عنایہ مع الفتح ۲/۱۶۹)، اس کے بعد لکھتے ہیں امام صاحب کے قول مفتی بہ کو چھوڑ کر صاحبین کا قول اختیار کرنے کی گنجائش ضعف دلیل، ضرورت یا عرف و تعامل کی بنیاد پر ہوتی ہے اور ان چیزوں کا یہاں تحقق نہ ہونا ظاہر ہے۔

مولانا اختر امام عادل رقمطراز ہیں: "جبکہ حنفیہ نقدین کو جداگانہ جنس ماننے کے باوجود معنوی طور پر دونوں کے فی الجملہ اتحاد کے قائل ہیں، اس لئے کہ دونوں ہی مساوی طور پر ذریعۂ مبادلہ اور اشیاء کے لئے معیار تقویم ہیں اس لئے ناقص ہونے کی صورت میں ایک کو دوسرے کے ذریعہ پورا کیا جائے گا ظاہر ہے کہ سونا اور چاندی کو جنس واحد قیمت ہی کی بنیاد پر قرار دیا جاسکتا ہے، اس لئے ضم نصاب کے سلسلہ میں حضرت امام صاحب کا موقف زیادہ مضبوط اور دلائل سے زیادہ قریب ہے۔

بیس حضرات صاحبین کے قول پر عمل کرنے کی رائے رکھتے ہیں جن کے اسماء گرامی یہ ہیں:

مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مولانا شیر علی گجرات، مفتی اقبال احمد کانپور، مولانا محمد

شاہجہاں ندوی، مولانا شاہد علی قاسمی، مولانا محمد توقیر بدر، مولانا انور علی اعظمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا ارشد شاداب پھلواری شریف پٹنہ، مفتی شوکت ثناء قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی و راقم وغیرہم۔

مولانا شاہد علی تحریر کرتے ہیں صاحبین کا قول اختیار کرنے میں امت کے لئے سہولت ہے، مولانا انور علی کی رائے ہے کہ لوگوں کی پریشانی دور کرنے اور رفع حرج کے لئے صاحبین کے قول کو اختیار کرنے کی گنجائش ہے، مولانا سید باقر ارشد کی رائے ہے کہ صاحبین کے مسلک پر عمل کرنے میں فقراء کی منفعت زیادہ ہے، مفتی اقبال احمد صاحب تحریر کرتے ہیں معتدل راہ جو باب عبادت کے بھی مناسب ہے اور فقراء بھی مجروح نہ ہوں اور عام رعایا کے لئے بھی پریشانی کا سبب نہ رہے گی وہ صاحبین کے مسلک میں ہے، غالباً اسی لئے مفتی کفایت اللہ صاحب نے سونے کو چاندی میں ضم کرکے قیمت کے اعتبار سے زکوۃ دینے کو صرف اولی اور بہتر رکھا ہے واجب نہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول کو اختیار کرنا کوئی ضروری نہیں، موصوف نے کفایت المفتی (۲/ ۲۵۴-۲۵۵) کا حوالہ دیا ہے۔

مفتی عبدالرشید صاحب کانپور تحریر کرتے ہیں کہ مفتی بہ قول ''ضم بالقیمۃ'' کے اعتبار سے بعض شکلیں انتہائی مضحکہ خیز ہوجاتی ہیں (موصوف نے اس کا تذکرہ اپنے مقالہ میں کیا ہے) اور اس میں موجودہ پریشانیوں کا حل بھی نہیں، اس لئے بدلتے ہوئے حالات میں صاحبین کے قول ''ضم بالاجزاء'' پر فتوی دینے ہی میں موجودہ پریشانیوں کا حل نظر آتا ہے، نیز یہ بھی تحریر کرتے ہیں کہ صاحبین کے قول پر عمل کرنے میں ہر شخص سونے اور چاندی کے اجزاء نصاب سے کچھ کمی و بیشی کرکے صاحب نصاب بھی بن سکتا ہے اور اپنے سے زکوۃ ساقط بھی کرسکتا ہے، آگے موصوف تحریر کرتے ہیں کہ ضم نصاب کے لئے اگر سونا معیار قرار دیا جاتا ہے تو مفتی بہ قول کو چھوڑنے اور صاحبین کے قول ''ضم بالاجزاء'' کے اختیار کرنے کی کوئی ضرورت نہ ہوگی۔

مولانا ممتاز خاں ندوی کی دلیل یہ ہے کہ صاحبین کے قول پر عمل کرنے میں امام

صاحب کے قول سے کلی خروج بھی لازم نہیں آتا، بلکہ صاحبین کے قول پر عمل کرنے میں امام صاحب کے قول پر بھی عمل ہوجائے گا، متاخرین فقہاء کرام کے یہاں یہ اصول ہے کہ جب امام صاحب اور صاحبین کے قول میں تعارض ہوجائے اور تغیر زمانہ کے سبب صاحبین کے قول کو اختیار کرنے میں مصلحت کا تقاضا ہو تو فقہاء کرام صاحبین کے قول کو اختیار کرنے کا فتوی دیتے ہیں، فخر المتاخرین علامہ شامی کی عبارت ملاحظہ ہو: "**التاسع أما إذا كان أحدهما أوفق لأهل الزمان فإن ما كان أوفق بعرفهم أو سهل عليهم فهو أولى بالاعتماد عليه، ولذا أفتوا بقول الإمامين في مسئلة تزكية الشهود وعدم القضاء بظاهر العدالة لتغيير أحوال الزمان الخ**" (رسائل ابن عابدین ۱/ ۴۰)۔

مولانا راشد حسین ندوی کی بھی یہی رائے ہے، موصوف نے رسائل ابن عابدین ۲/ ۱۲۵ کے مقالہ نشر العرف فی حرج بعض الاحکام علی العرف سے استدلال فرمایا ہے۔

مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مولانا ابرار حسن ایوبی لکھتے ہیں اگر جمہور امت کے حرج میں پڑنے کا امکان ہو تو صاحبین کا قول اختیار کیا جاسکتا ہے۔ مولانا ثناء الہدی قاسمی نے دوسرے سوال کا جواب تحریر نہیں فرمایا، نیز مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی کی رائے ہے کہ چاندی کو سونے سے بدل کر رکھ لے تا کہ ظاہر روایت سے اعراض لازم نہ آئے، خلجان وتردد سے بچنے کی غرض سے مولانا انور علی و مولانا اشتیاق احمد کی بھی یہی رائے ہے۔

مولانا نعیم اختر کے مقالہ کو پڑھنے سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ان کی رائے ہے کہ چاندی کو سونے سے بدل کر رکھ لے۔

مولانا محمد موسی شمسی لکھتے ہیں کہ صاحبین کا قول بچند وجوہ راجح معلوم ہوتا ہے:

۱- اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ عند الانفراد قیمت کا اعتبار نہ ہوگا "**أجمعوا على أنه لا تعتبر القيمة في الذهب والفضة عند الانفراد في تكميل النصاب**" (بدائع الصنائع ۲/ ۱۰۷)۔ لہذا اجتماع کے وقت بھی قدر و وزن کا اعتبار ہونا چاہئے۔

۲-خود امام صاحب کا ایک قول بھی صاحبین کے موافق ہے: **"ذكر البزدوي تضم بالقيمة وبالأجزاء عنده وعندهما بالأجزاء فقط"** (البنایہ فی شرح الہدایہ ۱/۱۹۶)، نیز یہی قول کبار فقہاء حضرت حسن، قتادہ اور نخعی وغیرہ کا بھی ہے: **"قيل يضم بالأجزاء وهو قول الحسن وقتادة والنخعي وهو مذهب مالك"** (فتاوی ابن تیمیہ ۲۵/۱۳)، آج ساڑھے سات تولہ سونا اور ساڑھے باون تولہ چاندی میں غیر معمولی فرق پیدا ہو گیا ہے اور سونے کے ایک نصاب میں چاندی کے کئی نصاب کا خریدا جانا ممکن ہو گیا ہے، ایسی صورت میں صاحبین کے قول ضم بالأجزاء کا اختیار کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

☆☆☆

جدید فقہی تحقیقات

دوسرا باب

تفصیلی مقالات

کرنسی اور اموالِ تجارت کی زکوٰۃ کے لئے معیار

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ☆

۱- اسلام کے ارکانِ خمسہ میں سے ایک زکوٰۃ ہے، زکوٰۃ اغنیاء پر واجب ہوتی ہے اور اسے فقراء پر خرچ کرنے کا حکم ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**تؤخذ من أغنيائهم فترد في فقراء هم**" (دیکھئے: مسلم ، باب الدعاء إلى الشهادتين وشرائع الإسلام، حدیث نمبر: ۱۲۱) لیکن سوال یہ ہے کہ اغنیاء سے کون لوگ مراد ہیں، کیا یہ عرف اور لوگوں کے حالات پر موقوف ہے، یا اس کے لئے کوئی متعین معیار ہے؟---اس سلسلہ میں شریعت نے ان اغنیاء کے لئے جن پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہو، ایک خاص معیار مقرر کیا ہے، اس معیار کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اموال میں زکوٰۃ واجب قرار نہیں دی ہے؛ بلکہ مخصوص اموال سے ہی زکوٰۃ کا حکم متعلق کیا گیا ہے اور وہ یہ ہیں :

- معدنیات : سونا، چاندی۔
- مویشی : اونٹنی، گائے، بکریاں، دنبہ اور مینڈھا (نر و مادہ)---البتہ گھوڑے میں زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے (دیکھئے: هدايه ، كتاب الزكوة: ۱/۱۷۸)۔
- زرعی پیداوار: جمہور کے نزدیک ایسی پیداوار میں زکوٰۃ واجب ہے، جو دیر پا ہوں، جیسے: چاول، گیہوں، دال، مکئی وغیرہ جو چیزیں دیر پا نہ ہوں، جیسے: سبزیاں، ان میں زکوٰۃ واجب نہیں، یہی رائے احناف میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی بھی ہے؛ لیکن امام ابوحنیفہؒ کے

☆ جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا۔

نزدیک تمام ہی پیداوار میں زکوٰۃ واجب ہوگی (دیکھئے: ہدایہ، کتاب الزکوٰۃ: ۱/ ۲۰۹)۔

○ **مالِ تجارت :** تجارت جس چیز کی بھی کی جائے، اس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

ان کے علاوہ جو اموال ہیں، ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

۲- پھر ان اموال کی تھوڑی یا زیادہ ہر مقدار میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی؛ بلکہ شریعت نے ایک نصاب متعین کر دیا ہے، اس نصاب کی مقدار کو پہنچ جائے تب زکوٰۃ کا حکم متعلق ہوتا ہے، صرف زرعی پیداوار کے سلسلہ میں اختلاف ہے، جمہور کے نزدیک اس کے لئے بھی ایک نصاب متعین ہے، اسی کے قائل احناف میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ بھی ہیں، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک زرعی پیداوار کے لئے کوئی نصاب متعین نہیں، اس کی مقدار کم ہو یا زیادہ، اس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے (دیکھئے: بدایۃ المجتہد لابن رشد، کتاب الزکوٰۃ، الفصل الخامس فی نصاب الحبوب: ۱/ ۲۷۳، مع تحقیق الاستاذ محمد الامد، نیز دیکھئے: ہدایہ، باب الزکوٰۃ الزروع والثمار: ۱/ ۲۰۹)۔

۳- مالِ تجارت اور کرنسی (فلوس) میں زکوٰۃ واجب ہونے، نیز حرمانِ زکوٰۃ کے لئے کوئی مستقل نصاب مقرر نہیں، اس لئے کہ:

○ تجارت مختلف اموال کی ہو سکتی ہے، اس کے لئے کسی خاص مالِ تجارت کو معیار مقرر کرنا دشوار ہوتا۔

○ فلوس کے لئے کوئی معیار اس لئے مقرر نہیں کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اس کا چلن ہی شروع نہیں ہوا تھا۔

○ استحقاقِ زکوٰۃ کے لئے قرآن مجید نے فقر کو معیار بنایا ہے اور فقر اور غنا ایک دوسرے کی ضد ہیں؛ لہٰذا جو غنی نہیں ہوگا وہ فقیر ہوگا، اس سے اشارۃً حرمانِ زکوٰۃ کا معیار متعین ہوگیا۔

فلوس اور اموالِ تجارت کے لئے نصاب:

۴- اب سوال یہ ہے کہ فلوس اور مالِ تجارت کے لئے کس نصاب کو معیار بنایا جائے گا، جانوروں کے نصاب کو، زرعی پیداوار کے نصاب کو یا سونا اور چاندی کے نصاب کو؟

اس سلسلہ میں یہ بات قابل توجہ ہے کہ فلوس کی اہمیت اسی حیثیت سے ہے کہ وہ ثمن اور اشیاء کے تبادلہ کا ذریعہ ہیں، اس لئے سونا اور چاندی جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بطور ثمن کے استعمال ہوا کرتے تھے، وہی اس کے لئے معیار ہوں گے؛ کیونکہ ثمن ہونے کے لحاظ سے دونوں گویا ایک ہی جنس ہیں، فرق یہ ہے کہ سونا اور چاندی خلقی ثمن ہیں اور فلوس اصطلاحی ثمن۔

اسی طرح اموالِ تجارت کے لئے بھی فقہاء نے سونا اور چاندی کو معیار بنایا ہے؛ کیونکہ اموالِ تجارت مختلف چیزیں ہوسکتی ہیں، یہاں تک کہ مٹی بھی، ان کے لئے سونا، چاندی کو معیار بنانے میں سہولت تھی؛ کیونکہ یہی ذریعۂ تبادلہ تھے اور جو چیز ذریعہ تبادلہ ہو، اس کے ذریعہ اشیاء کی معنوی قدر متعین کرنا آسان ہوتا ہے؛ چنانچہ "الموسوعۃ الفقہیۃ" میں ہے:

"أما العروض فتضم قيمتها إلى الذهب أو الفضة ويكمل بها نصاب كل منهما ، قال ابن قدامة : لا نعلم في ذلک خلافا ، وفي هذا المعنى العملة النقدية المتداولة "(الموسوعة الفقهية ، زكوٰة ، ضم الذهب إلى الفضة في تكميلا لنصاب وضم عروض التجارة اليها ، معزيا إلى : ابن عابدين:۲/۳۴، والمجموع :۶/۱۸، والمغني:۳/۲-۳، والدسوقي على الشرح الكبير:۱/۴۵۵)۔

(سامان (تجارت) کی قیمت، سونے یا چاندی کے ساتھ ضم کی جائے گی اور اس کے ذریعہ ان دونوں میں سے ہر ایک کا نصاب پورا کیا جائے گا، ابن قدامہ کا بیان ہے کہ ہمارے علم کے مطابق اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور مروج کرنسی کا بھی یہی حکم ہے)۔

کاغذی کرنسی کی مختصر تاریخ:

۵- چنانچہ عرصہ تک سونا اور چاندی اور ان کے ساتھ ساتھ فلوسِ نافقہ کو ثمن کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا، ہندوستان میں مغلوں کے اخیر دور تک بھی نقرئی اور طلائی دونوں طرح کے

سکے مروج تھے، مگر آہستہ آہستہ صورتِ حال بدلتی گئی، چاندی کے کرنسی کے طور پر استعمال کرنے کا سلسلہ ختم ہوتا چلا گیا اور صرف سونے کو کرنسی کے لئے معیار تسلیم کیا جانے لگا۔---اصل یہ ہے کہ ایک زمانے میں انسان اپنی ضروریات کی چیزوں کا اُن ہی اشیاء کے ذریعہ تبادلہ کیا کرتا تھا، جیسے ایک شخص کے پاس چاول ہیں اور اسے گوشت کی ضرورت ہے تو وہ گوشت والے کو چاول دیتا اور اس کے بدلہ میں گوشت حاصل کرتا، ایک شخص کے پاس کپڑا ہے اور اسے شکر کی ضرورت ہے تو وہ اسے کپڑا دیتا اور شکر حاصل کرتا، لین دین کے اس طریقہ میں بڑی دشواری ہوتی؛ کیونکہ اس طرح آدمی کو بعض اوقات منوں اور ٹنوں سامان لے کر بازار میں نکلنا پڑتا؛ تا کہ وہ اپنی مختلف ضروریات کو مہیا کر سکے، دوسرے یہ ضروری نہیں کہ آپ جو سامان لینا چاہتے ہیں، اس سامان کے مالک کو اس چیز کی ضرورت ہو جو آپ کے پاس مہیا ہے، اس طرح اشیاء ضرورت کو حاصل کرنے میں دشواری پیش آتی تھی، اس پس منظر میں لوگوں نے سوچا کہ کسی ایسی قیمتی دھات کو اشیاء کے تبادلہ کا ذریعہ بنایا جائے، جس میں لوگوں کی رغبت بھی ہو اور اس کا وزن بھی زیادہ نہ ہو، اسی لئے سونے اور چاندی کے سکوں کا آغاز ہوا، رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت کے زمانہ میں روم میں سونے کا سکہ چلتا تھا، جسے ''دینار'' کہا جاتا تھا اور ایران میں چاندی کا سکہ، جسے ''درہم'' کہا جاتا تھا، یہی دونوں سکے عرب میں مروج اور قیمت کے لئے معیار کے طور پر استعمال کئے جاتے تھے، ان کے اوزان ایک حد تک مقرر تھے؛ لیکن اس پر کنٹرول نہیں تھا، مسلمانوں نے اس پر توجہ دی، سکوں کے اوزان مقرر کئے اور حکومت کے زیر نگرانی اس کی ڈھلائی کا انتظام کیا، متفرق اوزان کے درہم پائے جاتے تھے، جو اختلاف کا باعث بنتا تھا، حضرت عمرؓ نے ان سب کو ختم کر کے اور ان کے وزن کا اوسط نکال کر ایک خاص وزن مقرر فرمایا، جس کو ''وزن سبعہ'' کہا جاتا ہے۔

طویل عرصہ تک یہی سونے اور چاندی کے سکے ذریعہ تبادلہ تھے اور چونکہ یہ دھاتیں بذاتِ خود قیمت کی حامل تھیں؛ اس لئے جعلی سکے ڈھالے نہیں جاتے تھے، اس بنا پر افراطِ زر پیدا نہیں ہوتا تھا اور کرنسی کی قیمت میں استحکام رہتا تھا، پھر آہستہ آہستہ ان کے کاغذی وثائق جاری

ہونے لگے، کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے اسٹاک ہوم کے بینک نے کاغذی دستاویز جاری کئے، جو سونے اور چاندی کے سکوں کی ذمہ داری کا اقرار نامہ تھا اور جس میں وعدہ کیا جاتا تھا کہ عندالطلب بینک اتنا معدنی سکہ ادا کردے گا، پھر جب بینک اس طرح کے دستاویز جاری کرنے لگے اور لوگوں کو اس پر اعتماد ہوگیا، نیز لوگوں میں بوجھل سکوں کے بجائے کاغذی دستاویزات کی طلب بڑھ گئی تو انیسویں صدی کے نصف آخر میں باضابطہ کاغذی نوٹوں کی اجرائی کا قانون بن گیا اور کہا گیا کہ اگر ان نوٹوں کا حامل مطالبہ کرے تو بینک اس کو ان کی قیمت کے برابر سونا ادا کرے گا۔

اب تیسرا مرحلہ پہلی جنگ عظیم کے آغاز کے بعد شروع ہوا، جب حکومت نے لوگوں پر کاغذی نوٹوں کے لین دین کو لازمی قرار دے دیا؛ البتہ ان کے لئے اس کی گنجائش رکھی کہ اگر وہ اس کے بقدر سونا یا چاندی حاصل کرنا چاہیں تو کرسکیں گے، ۱۹۱۴ء میں یہ قانون بن گیا؛ مگر کاغذی سکوں کے ساتھ سونے کا سہارا ۱۹۴۵ء تک باقی رہا، دوسری جنگِ عظیم ختم ہونے اور دنیا میں معاشی بحران کے سر اُٹھانے کے بعد ایک عالمی معاہدہ ہوا کہ تمام کرنسیاں امریکی ڈالر سے مربوط رہیں گی اور امریکی ڈالر سونے سے، گویا اب بھی کرنسی کا سونے سے باضابطہ ربط تھا، گو یہ ڈالر کے واسطہ سے تھا؛ لیکن جب ویتنام کی جنگ نے امریکہ کو معاشی بحران سے دوچار کیا، لوگوں میں بے اطمینانی پیدا ہوگئی اور اس کی وجہ سے امریکی بینکوں سے سونے کا مطالبہ ہونے لگا تو امریکہ نے محسوس کیا کہ اس طرح تو اس کا سونے کا پورا محفوظ ذخیرہ ختم ہوجائے گا؛ چنانچہ ۱۹۷۳ء میں امریکہ نے اعلان کردیا کہ اب وہ سونا ادا کرنے کا پابند نہیں، اس طرح کاغذی کرنسی نے بذاتِ خود ذریعہ تبادلہ کی حیثیت اختیار کرلی (دیکھئے: أحكام النقود في الشريعة الاسلامية : ۳۱-۳۲، تالیف: محمد سلامة جبر)۔

غرض کہ اب سونا براہِ راست کرنسی باقی نہیں رہا؛ لیکن اب بھی کسی ملک کی کرنسی کی قدر متعین کرنے میں سونے کا ایک اہم رول ہوتا ہے، اسے دنیا کے تمام مرکزی بینکوں میں ایک اہم محفوظ سرمایہ (Reserve asset) مانا جاتا ہے، دنیا کے مختلف ممالک سونے کے محفوظ ذخیرہ

(Gold Reserve) کی وافر مقدار رکھتے ہیں؛ تاکہ ان کی کرنسی مضبوط رہے اور خاص کر ڈالر کے مقابلہ میں کمزور نہ ہوجائے، اگر ڈالر میں کمزوری آتی ہے تو اس کی تلافی بھی سونے کی قیمت کو تقویت دے کر کی جاتی ہے، آج بھی سونا تقریباً دنیا کے مرکزی بینکوں کا اصل مالی سرمایہ (Financial asset) سمجھا جاتا ہے، ۱۴/اگست ۲۰۰۹ء کو مرکزی بینکوں بالخصوص مغربی ممالک کے بینکوں کا تیسرا اجلاس سنٹرل بینک گولڈ ایگریمنٹ (Cantral Bank Gold Aggrenent) کے عنوان سے ہوا، جس میں توثیق کی گئی کہ سونا عالمی مالیاتی ذخیرہ کے ایک اہم عنصر کے طور پر باقی رہے گا، آج بھی سمجھا جاتا ہے کہ سونا افراطِ زر سے تحفظ کا ایک اہم ذریعہ ہے اور سرمایہ کار اس بات کو بہتر سمجھتے ہیں کہ اپنی سرمایہ کاری کا ایک حصہ سونے میں لگائیں، سونے کی اسی اہمیت کی وجہ سے مغربی مرکزی بینکوں نے مل کر ستمبر ۱۹۹۹ء میں معاہدہ کیا کہ ایک متعین حد سے زیادہ سونا نہیں بیچا جائے گا؛ چنانچہ ہر پانچ سال پر اس معاہدے کی تجدید ہوتی رہتی ہے، جس کو سنٹرل بینک گولڈ ایگریمنٹ (Cantral Bank Gold Aggrenent) کہا جاتا ہے، یہاں تک کہ سوئزرلینڈ کی کرنسی (Swis Franc) تو ۲۰۰۰ء تک پوری طرح سونے میں قابل انتقال تھی، اس سے واضح ہوتا ہے کہ کرنسی کی قدر کا کچھ نہ کچھ سونے سے تعلق اب بھی باقی ہے اور یہ سرمایہ کاروں کے لئے ایک مرغوب ترین شی ہے؛ مگر چاندی کا کرنسی سے کوئی تعلق نہیں رہا اور اسی لئے اب لوگوں میں اس کی رغبت کم ہوگئی ہے۔

سونا اور چاندی کے لئے نصاب:

۲- چونکہ چاندی کا کرنسی سے کوئی رشتہ باقی نہیں رہا، اس لئے موجودہ دور میں چاندی کی قیمت میں ایسا انحطاط پیدا ہوگیا کہ اب چاندی کے نصاب زکوٰۃ "۶۱۲/گرام" کی قیمت بہت معمولی ہوگئی ہے، اب اس وقت چاندی کا نصاب ہندوستان میں بارہ، تیرہ ہزار روپے میں پورا ہوجاتا ہے، جب کہ سونے کے نصاب کی قیمت ڈیڑھ لاکھ روپیوں کے قریب ہوتی ہے، ان حالات میں یہ بات مناسب معلوم ہوتی ہے کہ :

۱-اگر کوئی شخص صرف سونے کا مالک ہوتو سونے کے مکمل نصاب کے اعتبار سے زکوٰۃ واجب ہو۔

۲-اگر صرف چاندی کا مالک ہوتو چاندی کے لحاظ سے زکوٰۃ واجب ہو۔

۳-اگر کچھ مقدار چاندی کی اور کچھ مقدار سونے کی ہوتو صاحبین کے مسلک کے مطابق ضم بالقیمۃ کے بجائے ضم بالاجزاء کا طریقہ اختیار کیا جائے، یعنی نصف نصاب سونے کا ہو اور نصف چاندی کا، یا ایک تہائی سونے اور دو تہائی چاندی کا وغیرہ، تو اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی؛ کیونکہ سونے کے لئے سونے کا نصاب اور چاندی کے لئے چاندی کا نصاب نص سے ثابت ہے اور جو بات نص سے ثابت ہو، اس میں اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا۔

کرنسی اور مالِ تجارت کے لئے نصاب اور موجودہ عہد کا تقاضا:

۷-کرنسی اور مالِ تجارت میں زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے، نیز حرمانِ زکوٰۃ کے لئے سونے کے نصاب کو معیار قرار دیا جائے، ---اس کے وجوہ حسبِ ذیل ہیں:

(الف) زکوٰۃ کا اصل مقصد فقراء کی حاجت کو دور کرنا ہے اور انسان کی ضرورت سونے چاندی سے براہ راست پوری نہیں ہوتی، نہ اس سے بھوک مٹ سکتی ہے اور نہ اس سے تن ڈھک سکتا ہے؛ چنانچہ یہ بات غور کرنے کی ہے کہ سونے اور چاندی کے علاوہ جو اموالِ زکوٰۃ مقرر کئے گئے ہیں، وہ سب ایسے ہیں جن سے براہ راست انسانی ضرورت پوری ہوتی ہے تو آخر ان چیزوں کے ساتھ ساتھ سونے اور چاندی میں کیوں زکوٰۃ واجب قرار دی گئی؟ ---اس کی وجہ ظاہر ہے کہ یہ ثمن اور ذریعہ تبادلہ ہیں، اس لئے یہ بالواسطہ انسان کی تمام ضروریات کو پوری کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اسی وجہ سے ان کو نہ صرف زکوٰۃ؛ بلکہ ربا اور دیت میں بھی معیار بنایا گیا؛ چنانچہ علامہ علاء الدین کاسانیؒ سونے اور چاندی کے ضم نصاب کے مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”ولأنهما مالان متحدان في المعنى الذى تعلق به وجوب الزكوٰة

فيهما وهو الإعداد للتجارة بأصل الخلقة والثمنية فكانا في حكم الزكوٰة كجنس واحد"(بدائع الصنائع، كتاب الزكوٰة، مقدار الواجب فيه:۲/۱۰۶)۔

(اس لئے کہ سونا اور چاندی دو ایسے مال ہیں، جو اس مقصد کے اعتبار سے جن کی وجہ سے ان دونوں میں زکوٰۃ واجب قرار دی گئی ہے، متحد ہیں، اور وہ مقصد ہے اصل خلقت اور ثمن ہونے کے اعتبار سے ذریعہ تجارت بننا؛ لہٰذا زکوٰۃ کے حکم میں ان دونوں کی ایک ہی جنس سمجھی جائے گی)۔

اسی پر گفتگو کرتے ہوئے صاحب شرح کبیر فرماتے ہیں :

"**ولأنهما نفعهما واحد والمقصود منهما متحد ؛ فإنهما قيم المتلفات وأروش الجنايات وثمن البياعات وحلي لمن يريدهما فأشبها النوعين**"(الشرح الكبير على حاشية المقنع لابن قدامة المقدسی:۷/۱۶)۔

اس لئے کہ سونا اور چاندی کا نفع یکساں ہے اور ان دونوں کا مقصود ایک ہے کہ یہ ہلاک ہونے والی اشیاء کی قیمت، جنایتوں کا معاوضہ، بیچی جانے والی چیزوں کا ثمن اور زیور کی ضرورت، ان لوگوں کے لئے پورا کرتے ہیں جو ان کے ذریعہ ان مقاصد کو پورا کرنا چاہیں، لہٰذا یہ دونوں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔

اس طرح کی صراحت بہت سے اہل علم کے یہاں ملتی ہے اور یہ اتنی واضح بات ہے کہ محتاجِ دلیل نہیں، اسی بنیاد پر فقہاء سونے اور چاندی کو تقدیراً مالِ نامی مانتے ہیں؛ کیونکہ ذریعہ تبادلہ ہونے کی وجہ سے یہ تجارت کے لئے بنیادی اہمیت رکھتے ہیں اور تجارت دولت میں نمو کا ذریعہ بنتی ہے۔

اب غور کیا جائے تو اس وقت سونا تو کسی نہ کسی درجہ میں کرنسی، یعنی ثمن اصطلاحی سے مربوط ہے اور چاندی کا کرنسی سے کوئی ربط نہیں؛ اس لئے جو اصل علت ثمنیت کی تھی، وہ فی زمانہ چاندی میں مفقود ہے؛ لہٰذا چونکہ چاندی کا اموالِ زکوٰۃ میں ہونا منصوص ہے؛ اس لئے چاندی

میں تو زکوۃ واجب ہوگی ہی ؛ لیکن چاندی کو دوسری چیزوں کے لئے زکوۃ کا معیار نہیں ہونا چاہئے۔

(ب) رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں سونے اور چاندی کی قیمت کے درمیان توازن تھا، یعنی دوسو درہم چاندی اور بیس دینار سونے کی قدر برابر تھی ؛ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں :

"**والذهب محمول على الفضة وكان في ذلك الزمان صرف دينار بعشرة دراهم ، فصار نصابه عشرين مثقالاً** "(حجة الله البالغة:۲/۱۳۰-۱۲۹،باب مقادير الزكوة، تحقیق: مفتی سعید احمد یوسف البالن پوری، ط: مکتبہ حجاز دیوبند)۔

(سونا کا نصاب چاندی کے نصاب پر مبنی تھا؛ کیونکہ اس زمانہ میں ایک دینار دس درہم کے بدلے فروخت کیا جاتا تھا، اس لئے سونے کا نصاب ۲۰ رمثقال مقرر ہوا)۔

اسی طرح صاحب "ہدایہ" فرماتے ہیں :

"**وكل دينار عشرة دراهم في الشرع، فيكون أربعة مثاقيل في هذا كأربعين درهم** "(الهداية:۱/۱۷۵،فصل في الذهب)۔

(شریعت کی نظر میں ہر ایک دینار دس درہم کے برابر ہے، اس لحاظ سے چار مثقال، چالیس درہم کی طرح ہوئے)۔

غرض کہ بیس دینار سونا اور دوسو درہم چاندی کی قوت خرید مساوی ہوا کرتی تھی ؛ البتہ سونے اور چاندی کی عمدگی، نیز اس کی بناوٹ اور ڈیزائن کے اعتبار سے بعض اوقات کسی کی قیمت بڑھ جاتی تھی :

"...... **إذا كانت قيمة أحدهما لجودته وصياغته أكثر من وزنه**"(بدائع الصنائع:۲/۱۹)۔

صاحبینؒ نے جو سونے اور چاندی کے درمیان ضم بالاجزاء کی رائے اختیار کی ہے، اس کی

بنیاد بھی یہی ہے کہ اس زمانے میں، مثلاً اگر نصف نصاب سونے کا اور نصف نصاب چاندی کا ہوتا تو اس کی قدر وہی ہوتی تھی، جو بیس مثقال سونے یا دو سو درہم چاندی کی ہے، اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ دیت ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم کو مقرر کیا گیا ہے، یعنی وہی ایک اور دس کی نسبت ہے، موجودہ حالات اس سے بالکل مختلف ہیں۔

(ج) اگر چاندی کے نصاب اور دوسری اشیاء کے نصاب کی موجودہ قیمت دیکھی جائے تو ان میں بہت زیادہ فرق ہوجاتا ہے، مثلاً ذیل کا نقشہ ملاحظہ کیا جائے:

- اونٹ: کم از کم نصاب پانچ عدد، فی اونٹ دو ہزار ریال کے حساب سے دس ہزار ریال، ہندوستانی روپے میں تقریباً ایک لاکھ چالیس ہزار روپے۔
- گائے: کم از کم نصاب تیس عدد، فی گائے چھ ہزار روپے کے لحاظ سے ایک لاکھ اسی ہزار روپے۔
- بکری: کم سے کم نصاب چالیس عدد، ساڑھے تین ہزار روپے فی بکری کے لحاظ سے ایک لاکھ پچاس ہزار روپے۔
- سونا: سولہ ہزار روپے فی دس گرام کے حساب سے ڈیڑھ لاکھ کے قریب۔
- چاندی: دو سو روپے فی دس گرام کے لحاظ سے تقریباً بارہ ہزار روپے۔

اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو چاندی کے نصاب کی موجودہ قدر نہایت ہی کم ہے؛ حالانکہ جانوروں سے براہ راست انسانی ضروریات پوری ہوتی ہیں؛ اس لئے اس کی قدر کے کم یا زیادہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا؛ کیونکہ ایک گائے اگر ایک ہزار سال پہلے سو آدمی کی غذا کے لئے کافی تھی تو آج بھی اتنے افراد کے لئے وہی مقدار کافی ہوگی، اس کے باوجود اس کی قدر زیادہ ہے، برخلاف چاندی کے، مثلاً دو سو درہم چاندی سے اگر اس زمانے میں پانچ وسق (دس کوئنٹل کے قریب) غلہ خرید کیا جاتا ہو اور آج نہیں خرید کیا جاسکتا ہو تو یہ بات واضح ہے کہ عہد نبوی کے مقابلہ چاندی کی قدر بہت کم ہوگئی ہے اور بحیثیت ثمن اس کی جو قوت تھی وہ کمزور پڑگئی ہے۔

(و) زکوٰۃ کے لئے اموال کا نصاب مقرر کرنے سے ظاہر ہے کہ شریعت یہ چاہتی ہے کہ دولت کی ایک خطیر مقدار جمع ہونے کے بعد ہی اس میں زکوٰۃ واجب ہو اور زکوٰۃ کا لینا اس کے لئے حرام قرار پائے؛ جیسا کہ جانوروں کے نصاب اور سونے اور چاندی کے نصاب سے ظاہر ہے، چاندی کا یہ نصاب بھی اسی حساب سے تھا کہ اس زمانہ میں دو سو درہم سے خطیر مالیت کا حاصل کیا جانا ممکن تھا؛ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ دو سو درہم چاندی یا پانچ وسق غلہ کی مقدار اس لئے مقرر کی گئی کہ یہ چھوٹے موٹے خاندان کی پورے سال کی ضرورت کے لئے کافی ہو جاتا تھا:

"إنما قدر من الحب والتمر خمسة أوسق، لأنها تكفي أقل أهل البيت إلى سنة ، وذلک ؛لأن أقل البيت الزوج والزوجة وثالث خادم أو ولد بينهما ، وما يضاهي ذلک من أقل البيوت وغالب قوت الإنسان رطل أو مد من الطعام ، فاذا أعمل على واحد من هؤلاء كفاهم لسنة ، وبقيت بقية لنوائبهم وإدامهم ، وإنما قدر من الورق خمس أواق ؛ لأنها مقدار يكفي أقل أهل البيت سنة كاملة إذا كانت الاسعار موافقة في أكثر الأقطار واستقرئ عادات البلاد المعتدلة في الرخص والغلاء تجد ذلک" (حجة الله البالغة:۱۲۸/۲)۔

(اجناس اور کھجور میں سے پانچ وسق، نصاب اس لئے مقرر کیا گیا کہ یہ ایک مختصر خاندان کے سال بھر کی ضرورت کے لئے کافی ہوتا تھا اور یہ اس لئے کہ مختصر خاندان، شوہر بیوی، خادم یا ایک بچہ پر مشتمل ہوتا ہے اور اسی طرح کی مختصر خاندان اور انسان کی زیادہ تر خوراک ایک رطل یا ایک مد کھانا ہوتا ہے، لہٰذا جب ان میں سے ایک کا حساب کیا جائے تو یہ ان کے ایک سال کی ضرورت کے لئے کافی ہو جاتا ہے اور کچھ ان کی پیش آنے والی دوسری ضروریات اور ان کے سالن کے لئے بچ جاتا ہے، اسی طرح پانچ اوقیہ چاندی کو نصاب مقرر کیا گیا ہے؛ کیونکہ یہ ایسی مقدار ہے جو ایک مختصر خاندان کے پورے سال کی ضروریات کے لئے کافی ہے، بشرطیکہ قیمتیں

اکثر علاقوں میں یکساں ہوں اور اگر ارزانی ،گرانی کے اعتبار سے مختلف علاقوں کی درمیانہ درجہ کے معمولات کا جائزہ لیا جائے تو تم ایسا ہی پاؤ گے)۔

بعض حدیثوں میں یہ بات آئی ہے کہ پانچ وسق (۹۷۶ کیلو آٹھ سو گرام) سے کم اجناس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی: "**ليس فيما دون خمسة أوسق زكوة**"(ابوداؤد ، کتاب الزکوٰۃ ، باب ما تجب فيه الزکوٰۃ، حدیث نمبر:۱۵۵۹) جمہور اور صاحبین کے نزدیک اسی حدیث کی بنا پر اجناس میں بھی زکوٰۃ کا ایک نصاب ہے اور وہ پانچ وسق ہے، احناف کے نزدیک اجناس کی مقدار کم ہو یا زیادہ، سب میں زکوٰۃ واجب ہوگی ، احناف کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اس حدیث کا تعلق مالِ تجارت سے ہے؛ کیونکہ ایک وسق کی قیمت چالیس درہم ہوا کرتی تھی ، اس طرح پانچ وسق اجناس دو سو درہم کے برابر ہوئے ،(دیکھئے:**ھدایہ ، باب زکوٰۃ الزروع والثمار** :۱/۲۱۰)اس سے معلوم ہوا کہ چاندی کا یہ نصاب بھی اس وقت مقرر کیا گیا تھا، جب اس سے اشیاءِ ضرورت قابل لحاظ مقدار میں حاصل کی جاسکتی تھیں ؛ لیکن اس وقت دو سو درہم چاندی کی قیمت سے ایک خاندان کی سال بھر کی ضروریات تو کیا مہیا ہونگی، ایک مہینے کی ضرورت بھی بہ مشکل فراہم ہوسکتی ہیں؟

(ھ) فقر و غنا کے لئے شریعت میں ایک معیار مقرر کیا گیا ہے؛ لیکن اس کا تعلق عرف اور احوال سے بھی ہے؛ کیونکہ ہر زمانہ کے حالات کے لحاظ سے اس زمانہ کے لوگوں کی ضروریات ہوتی ہیں؛ چنانچہ خود فقہاء نے "حاجتِ اصلیہ" کو متعین کرنے میں ان کو ملحوظ رکھا ہے، اگر اس پہلو سے دیکھا جائے تو آج کل بارہ تیرہ ہزار کی رقم ایک حقیر رقم سمجھی جاتی ہے اور گورنمنٹ کی اقل ترین تنخواہ بھی اس سے زیادہ ہوتی ہے۔

(و) سونے اور چاندی کی حیثیت چونکہ کرنسی کی تھی اور اس کی وجہ سے اس کو خصوصی حیثیت حاصل تھی ، اسی لئے لوگ عام طور پر سونے اور چاندی کی شکل میں اپنے سرمایہ کو محفوظ کرتے تھے ، یہ ایک عملی حقیقت بھی ہے اور خود قرآن مجید میں بھی" **والذين يكنزون الذهب**

والفضة'' (التوبۃ:۳۴) کہہ کر اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اب غور کریں تو موجودہ دور میں لوگ اپنے سرمایہ کو چاندی کی شکل میں محفوظ نہیں کرتے، سونے کی شکل میں محفوظ کرتے ہیں، اسی لئے سونے کے بسکٹ اور سونے کے سکے بھی بینک کی طرف سے فروخت کئے جاتے ہیں، اور اسی لئے سونے کی قیمت میں روز افزوں اضافہ ہوتا جارہا ہے، یہاں تک کہ اب شادی میں بھی زیادہ اہتمام لوگ سونے کے زیورات کا کرتے ہیں اور یہ بات ذہن میں ہوتی ہے کہ اس کی قدر بڑھتی جائے گی اور جب بھی ضرورت ہو آسانی سے اسے فروخت کیا جاسکے گا۔

ان وجوہ کی بنیاد پر اس حقیر کی رائے میں ثمنیت کا پہلو سونے میں بہ مقابلہ چاندی کے زیادہ ہے، نیز لوگوں کے تعامل اور قیمت کے استحکام کے اعتبار سے سونے کا چلن بھی زیادہ ہے اور اس کی قدر سے شریعت کا یہ منشاء پورا ہوتا ہے کہ فقراء پر زکوٰۃ واجب نہ ہو، اغنیاء پر واجب ہو اور فقراء زکوٰۃ سے محروم نہ ہوں، اغنیا محروم ہوں؛ اس لئے اس کو مالِ تجارت اور کرنسی کے لئے معیار ہونا چاہئے۔

ایک ضروری وضاحت:

بعض اہل علم کا خیال ہے کہ چاندی زکوٰۃ کے لئے معیار ہونے میں اصل کا درجہ رکھتی ہے، اس لئے کہ چاندی کا نصابِ زکوٰۃ صحیح احادیث سے ثابت ہے، اسی لئے اس پر اجماع ہے اور سونے کے نصاب میں اختلاف ہے اور ایک رائے یہ ہے کہ جتنا سونا دو سو درہم چاندی کے بقدر ہو جائے اتنے میں زکوٰۃ واجب ہوگی؛ چنانچہ علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں :

''وأجمعوا علی أنه إذا کان أقل من عشرین مثقالا ولا تبلغ مائتی درهم فلا زکوٰة فیه ، وقال عامة الفقهاء : نصاب الذهب عشرون مثقالاً من غیر اعتبار قیمتها إلا ماحکی عن عطاء وطاؤس والزهری وسلیمان بن حرب وأیوب السختیانی ، أنهم قالوا : هو معتبر بالفضة ، فما کان قیمته مائتی درهم ففیه الزکوٰة وإلا فلا'' (المغنی:۴/۲۱۳)۔

(فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بیس مثقال سے کم سونا --- جو دو سو درہم کی قیمت کو نہیں پہنچے --- میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی؛ لیکن اکثر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ قیمت سے قطع نظر کرتے ہوئے سونا کا نصاب بیس مثقال ہے، پہلا قول عطاء، طاؤس، زہری، سلیمان بن حرب اور ایوب سختیانی کا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اعتبار چاندی کے نصاب کا ہے؛ لہٰذا اگر سونے کی قیمت دو سو درہم ہو تب اس میں زکوٰۃ واجب ہے، ورنہ نہیں)۔

لیکن یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہئے کہ جن فقہاء نے یہ نقطۂ نظر اختیار کیا ہے، وہ کیوں کیا ہے؟ ان کا خیال تھا کہ سونے کے نصاب کے سلسلہ میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے، لہٰذا چونکہ چاندی بھی ثمن ہے اور سونا بھی؛ اس لئے سونے کے لئے چاندی کو معیار بنایا جائے گا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات تک وہ حدیث نہیں پہنچ پائی تھی، جو سونے کے نصاب کے سلسلہ میں ہے؛ حالانکہ سونے کے نصاب کا ذکر متعدد حدیثوں میں ہے، چند یہاں نقل کی جاتی ہیں :

○ عن علي رضي الله عنه عن النبي ﷺ...... قال : " فإذا كانت لک مائتا درهم وحال عليها الحول ففيها خمسة دراهم، وليس عليک شئ يعني في الذهب حتى يكون لک عشرون ديناراً ، فإذا كانت لک عشرون ديناراً وحال عليها الحول ففيها نصف دينار الحديث " (رواه أبوداؤد، باب زكوة السائمة، حدیث نمبر:١٥٧٣)وسكت عنه ، وقال الزيلعي : الحديث حسن"(نصب الراية :٢/ ٢٣٨)۔

(حضرت علیؓ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تمہارے پاس دو سو درہم ہو اور اس پر سال گذر جائے تو اس میں پانچ درہم واجب ہے اور سونے میں کوئی زکوٰۃ واجب نہیں ہے، جب تک بیس دینار نہ ہو جائے ، بیس دینار ہو جائے اور سال گذر جائے تو پھر اس میں نصف دینار دینا واجب ہے)۔

○ عن علي رضي الله عنه قال : قام فينا رسول الله صلى الله عليه وسلم

ذات یوم ، فقال :" إنا قد وضعنا عنکم صدقة الخیل والرقیق ، ولکن هاتو أربع العشر من کل أربعین درهماً درهم ولیس فی مادون المائتین ، فی کل عشرین مثقالاً نصف مثقال ولیس فیما دون ذلک شئ " رواه ابن جریر فی تهذیبه وصححه ۔ (اعلاء السنن ، کتاب الزکوٰۃ ، باب نصاب الذهب:٥٩/٩، بحواله کنز العمال:٣/ ٣٠٦،٣٠٧)۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ ایک دن ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا: میں نے تم لوگوں سے گھوڑے اور غلام کی زکوٰۃ معاف کردی ہے؛ لیکن چاندی میں چالیسواں حصہ یعنی چالیس درہم میں ایک درہم زکوٰۃ ادا کرو اور دو سو درہم سے کم میں کوئی زکوٰۃ واجب نہیں، اس طرح بیس مثقال سونے میں نصف مثقال زکوٰۃ ادا کرو، بیس مثقال سے کم میں زکوٰۃ نہیں۔

○ **عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده قال : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : لیس فی مادون مائتی درهم شئ ، ولا فیما دون عشرین مثقالاً من الذهب شئ، وفی المائتین خمسة دراهم، وفی عشرین مثقالاً ذهب نصف مثقال** (سنن دار قطنی ، باب وجوب زکوٰۃ الذهب، حدیث نمبر:١٨٨٥، نصب الرایة ، کتاب الزکوٰۃ ، فصل فی الذهب:٣٦٩/٢)۔

(حضرت عبد اللہ بن عمرو ابن العاصؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دو سو درہم سے کم میں زکوٰۃ نہیں، بیس مثقال سے کم سونے میں زکوٰۃ نہیں؛ البتہ دو سو درہم میں پانچ درہم اور بیس مثقال سونے میں نصف مثقال بہ طور زکوٰۃ ادا کی جائے)۔

ان احادیث کی روشنی میں ائمہ اربعہ کے بہ شمول جمہور فقہاء سونے کے نصاب کو مستقل مانتے ہیں اور بعد کے فقہاء کا تقریباً اس پر اتفاق ہو چکا ہے، پس ظاہر ہے کہ جب سونے کے نصاب پر اتفاق ہو گیا تو اب اس اختلاف سے استدلال کرنا درست نظر نہیں آتا ؛ بلکہ فقہاء کی

عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دینار کو درہم کے لئے معیار بناتے تھے؛ چنانچہ علامہ زیلعی قدوری کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں:

"وفي التجريد للقدوري : لاخلاف أن الدية ألف دينار وكل دينار عشرة دراهم، ولهذا جعل نصاب الذهب عشرين ديناراً ونصاب الورق مائتي درهم" (نصب الراية ، كتاب الديات: ۴/ ۳۶۲)۔

ضم نصاب کا مسئلہ

۸ - جہاں تک زکوٰۃ میں ضم نصاب کا مسئلہ ہے تو جانوروں کے سلسلہ میں تو اتفاق ہے کہ اس میں ضم نصاب نہیں ہوگا، جن فقہاء کے نزدیک زرعی پیداوار میں زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے بھی نصاب مقرر ہے، ان میں سے امام احمدؒ کا ایک قول یہ ہے کہ ایک پیداوار اور دوسری پیداوار کو ملا کر اگر پانچ وسق پورے ہو جائیں تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی، حنابلہ میں علامہ ابو بکر نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ (دیکھئے: المغني: ۴/ ۲۰۳، مع تحقيق دكتور عبد الله بن عبد المحسن وغيره)۔

اثمان یعنی سونے اور چاندی میں ایک نصاب دوسرے سے ضم کر کے پورا کیا جائے گا یا نہیں؟ --- اس سلسلہ میں دو نقطۂ نظر ہیں: ایک نقطۂ نظر حنفیہ، مالکیہ، سفیان ثوریؒ اور امام اوزاعیؒ کا ہے اور امام احمدؒ کا بھی ایک قول اسی کے مطابق ہے کہ ضم کر کے نصاب پورا کیا جائے گا، (دیکھئے: بدائع الصنائع: ۲/ ۱۰۶، بداية المجتهد : ۱/ ۲۶۵، المغني: ۴/ ۲۰۳-۲۰۶) --- ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ ان میں زکوٰۃ ہونے کی اصل وجہ ثمن ہونا ہے اور ثمن سونا بھی ہے اور چاندی بھی، غرض یہ اجتہاد و قیاس ہے اور کوئی حدیث اس سلسلہ میں موجود نہیں، علامہ کاسانیؒ نے نقل کیا ہے کہ بعض صحابہ کا اسی پر عمل تھا:

"ولنا : ماروى عن بكير بن عبد الله بن الاشج أنه قال : مضت السنة من أصحاب رسول الله ﷺ بضم الذهب إلى الفضة والفضة إلى الذهب في إخراج الزكوة" (بدائع الصنائع ، كتاب الزكوة ، مقدار الواجب فيه: ۲/ ۱۰۶)۔

ہماری دلیل : وہ روایت ہے جو بکیر سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کا یہی طریقہ رہا ہے کہ زکوٰۃ نکالنے میں سونے کو چاندی اور چاندی کو سونے کے ساتھ ضم کیا جائے۔

مگر یہ روایت حدیث کی کتابوں میں نہیں ملتی ہے؛ البتہ ابن ابی شیبہؒ نے بعض تابعین ---ابراہیم نخعیؒ، حسن بصریؒ، مکحولؒ--- سے خود ان کا یہ مذہب نقل کیا ہے (مصنف ابن ابی شیبہ ، کتاب الزکوٰۃ، حدیث نمبر: ۸۰ -۹۹۷۸)۔

دوسرا نقطۂ نظر امام شافعیؒ، ابوثورؒ، داؤد ظاہریؒ، ابوعبیدؒ اور ابن ابی لیلیٰؒ وغیرہ کا ہے کہ سونے چاندی کو ایک دوسرے کے ساتھ ضم نہیں کیا جائے گا، ان حضرات کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ سونا اور چاندی دو مستقل مال ہیں اور دونوں کے نصاب کی مقدار بھی الگ الگ ہے؛ اس لئے جیسے اونٹ اور بیل نیز کھجور اور کشمش کو ایک دوسرے کے ساتھ ضم نہیں کیا جاتا ، اسی طرح ان کو بھی ایک دوسرے کے ساتھ ضم نہیں کیا جائے گا (دیکھئے: کتاب الأم للشافعي ، کتاب الزکوٰۃ: ۲/ ۴۰، المجموع ، باب زکوٰۃ الذھب والفضۃ : ۵/ ۳۴۸، البیان فی مذھب الامام الشافعي: ۳/ ۲۸۵-۲۸۶، المغني لابن قدامۃ: ۴/ ۲۰۳-۲۰۶)--- حافظ ابن رشد حالاں کہ مالکی ہیں؛ لیکن اس مسئلہ میں اس دوسرے نقطۂ نظر کے حامی نظر آتے ہیں؛ چنانچہ رقمطراز ہیں :

''و سبب ھذا الارتباک مارا موہ من أن یجعلوا من شیئین نصابھما مختلف في الوزن نصابا واحداً ، وھذا کلہ لا معنی لہ ، ولعل من رام ضم أحدھما إلی الآخر فقد أحدث حکما في الشرع حیث لا یحکم ؛ لأنہ قد قال بنصاب لیس ھو بنصاب ذھب ولا فضۃ'' (بدایۃ المجتھد ۱/ ۲۵۸)۔

اس طرح ضم کرنے کا سبب یہ ہے کہ ان حضرات نے دو ایسی چیزوں سے ایک نصاب تیار کیا ہے جن کا نصاب وزن کے اعتبار سے مختلف ہے اور اس کی کوئی وجہ نہیں ہے، جن حضرات نے چاندی سونے میں سے ایک کو دوسرے سے ضم کیا ہے، انھوں نے شریعت میں ایک ایسے حکم کا اختراع کیا ہے کہ شریعت خود ان کا حکم نہیں دیتی ہے، اس لئے کہ وہ ایک ایسی چیز کو نصاب قرار

دیتے ہیں جو نہ سونے کا نصاب ہے اور نہ چاندی کا۔

غرض کہ سونے اور چاندی کو ایک دوسرے سے ضم کر کے نصاب زکوٰۃ کی تکمیل ہوگی یا نہیں؟ --- اس میں ائمہ اربعہ کے درمیان اختلاف ہے، جو لوگ ضم کے قائل نہیں ہیں، ان کے پیش نظر یہ ہے کہ اس پر کوئی نص موجود نہیں ہے اور سونے اور چاندی کے علاوہ دوسرے اموال میں ضم کا طریقہ بالاتفاق اختیار نہیں کیا جاتا، اس کا تقاضہ ہے کہ سونے اور چاندی کے معاملہ میں بھی ضمِ نصاب کا اصول نہیں اپنایا جائے، اور جو فقہاء ضم نصاب کے قائل ہیں، ان کے پیش نظر یہ ہے کہ یہ دونوں ثمن کے قبیل سے ہیں؛ اس لئے اتحاد مقصد کے اعتبار سے یہ ایک ہی شئی کے حکم میں ہوں گے۔

صاحبین کا نقطۂ نظر --- موجودہ حالات سے ہم آہنگ

۹- پھر جو فقہاء ضم نصاب کے قائل ہیں، ان میں بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قیمت کے اعتبار سے ان دونوں کو ضم کیا جائے گا، یعنی اگر کچھ مقدار سونے کی ہو اور کچھ مقدار چاندی کی اور دونوں کی قیمت بحیثیت مجموعی چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی، جب کہ دوسرے فقہاء امام مالکؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ وغیرہ کے نزدیک اجزاء کے اعتبار سے ضم کیا جائے گا، یعنی سونے کے نصاب کا ایک متناسب حصہ مثلاً نصف یا ایک تہائی موجود ہو اور چاندی کے نصاب کا نصف یا دو تہائی موجود ہو تو اب زکوٰۃ واجب ہوگی، امام احمدؒ سے جو ایک قول ضم نصاب کا منقول ہے تو ان کے نزدیک ضم نصاب کی یہی صورت ہے، --- امام صاحبؒ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ قیمت کے لحاظ سے ضم کرنے میں فقراء کا فائدہ ہوگا اور بعض ایسی صورتوں میں زکوٰۃ واجب ہوگی، جن میں ضم بالاجزاء کے اصول پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، اور جمہور کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ نصاب سونے اور چاندی کا مقرر کیا گیا ہے نہ کہ اس کی قیمت کا؛ اس لئے اصل شئی ہی کا اعتبار ہوگا (دیکھئے: بدائع الصنائع، کتاب الزکوٰۃ: ۲/۱۰۷، ردالمحتار، باب زکوٰۃ المال: ۳/۲۳۴، بدایۃ المجتہد، ضم الذھب علی الفضۃ: ۱/۲۶۵، المغنی: ۴/۲۰۶)۔

۱۰- امام ابوحنیفہؒ نے ضم بالقیمۃ کا جو اُصول اختیار فرمایا، وہ اس زمانے میں جب کہ سونے اور چاندی کی قیمت میں مناسبت تھی، ان حالات میں ضم بالقیمۃ اور ضم بالاجزاء کے درمیان اپنی حقیقت کے اعتبار سے کوئی بڑا فرق نہیں تھا، اب صورتِ حال یہ ہے کہ امام صاحب کے اُصول پر اگر کوئی شخص پانچ تولے سونے، یعنی اسی ہزار سے زیادہ روپے کی مالیت کا مالک ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی اور اگر کوئی شخص ایک تولہ سونا اور ایک تولہ چاندی کا مالک ہو جس کی قیمت ساڑھے سترہ ہزار کے اندر ہوگی تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوجائے گی، اس طرح اگر غور کیا جائے تو ضم نصاب فقراء کے حق میں نافع ہونے کے بجائے نقصاندہ ہوجائے گا، وہ زکوٰۃ لینے کے حق سے محروم تو ہوں گے ہی، اُلٹے انھیں زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی؛ اس لئے موجودہ حالات میں صاحبین کا قول زیادہ قابل عمل محسوس ہوتا ہے۔

خلاصۂ بحث:

۱۱- حاصل یہ ہے کہ :

(الف) اگر کسی شخص کے پاس صرف سونا ہو تو سونے کے مقررہ نصاب پر ہی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

(ب) اگر کسی شخص کے پاس صرف چاندی ہو تو چاندی کے نصاب پر ہی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

(ج) اگر کسی شخص کے پاس کچھ مقدار سونے کی اور کچھ مقدار چاندی کی ہو تو ضم بالاجزاء کے اُصول پر عمل ہوگا، نہ کہ ضم بالقیمۃ کے قاعدہ پر۔

(د) روپے اور مالِ تجارت کے لئے سونے کا نصاب معیارِ زکوٰۃ ہوگا نہ کہ چاندی کا۔

(ھ) اگر کسی شخص کے پاس مقدارِ نصاب سے کم روپے یا اس سے کم مالِ تجارت ہو اور کچھ سونا ہو تو سونے کے ساتھ ضم بالقیمۃ کر کے زکوٰۃ واجب قرار دی جائے گی؛ کیونکہ جب ان دونوں چیزوں کے لئے سونے کو معیار مانا گیا تو یہ بھی سونے ہی کے حکم میں ہے۔

(و) حرمانِ زکوٰۃ کے لئے بھی سونے کا نصاب ہی معیار ہوگا اور جس شخص پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہو، اگر وہ اپنی بنیادی ضروریات کے علاوہ سونے کے نصاب کے بقدر مال کا مالک نہ ہو تو اس کے لئے زکوٰۃ لینا جائز ہوگا۔

☆☆☆

کرنسی اور سامان تجارت کا حساب سونے اور چاندی سے

مولانا محی الدین برودوی ☆

۱-سامان تجارت اور نقود میں زکات کا وجوب سونے یا چاندی کے نصاب کے برابر ہونے کی صورت میں ہوتا ہے، مگر فقہاء کرام نے "انفع للفقراء" کے پیش نظر یہ ضابطہ رکھا ہے کہ سونے یا چاندی میں قیمت کے لحاظ سے جو اقل ہے اسی کا لحاظ کیا جائے گا، اگر سونے کی قیمت سے نصاب پورا نہیں ہوتا چاندی کی قیمت کے لحاظ سے نصاب پورا ہوجاتا ہے تو صاحب عروض پر زکاۃ واجب ہوگی۔

دوسری رائے اس بارے میں یہ کہ عروض تجارت میں عروض کی مالیت کے پیش نظر زکاۃ واجب ہوتی ہے، عروض کی ذات پیش نظر نہیں ہوتی، اس لئے مقدار مالیت کی تعیین کے لئے قیمت کی طرف رجوع ہوتا ہے اور نقدین (دینار و درہم) تقویم کے لئے یکساں حیثیت رکھتے ہیں، اس لئے صاحب مال کو اختیار ہے نقدین میں کسی کی قیمت کے لحاظ سے زکوۃ دے دے، صاحب عروض کو اختیار ہے، اس سلسلہ میں علامہ سرخسی نے اپنی کتاب "مبسوط" میں اس طرح لکھا ہے:

کتاب میں کہا: اور سال گزرنے کے روز عروض کی قیمت، خواہ دراہم خواہ دنانیر سے لگائے، اور امالی میں ابوحنیفہؒ سے منقول ہے: نقدین میں سے جو فقراء کے لئے زیادہ نافع ہو اس کے لحاظ سے قیمت کرے، اور ابو یوسفؒ سے منقول ہے: اگر عروض نقدین سے خریدا ہے تو جس

☆ جامعہ شمس العلوم، بلاس واڈا، برودہ، گجرات۔

نقد سے خریدا ہے اس کے لحاظ سے قیمت کرے گا، اگر نقود کے علاوہ سے خریدا ہے تو شہر میں زیادہ چلن والے نقد سے قیمت لگائے اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ ہر حال میں غالب نقد سے ہی قیمت لگائے۔

امام محمدؒ کے قول کی وجہ: حقوق اللہ میں اسی چلن سے تقویم ہوگی، جس سے حقوق العباد میں ہوتی ہے، جب مغصوب اور ہلاک کردہ مال کی قیمت لگانے کی ضرورت پڑتی ہے، تو نقد غالب سے لگائی جاتی ہے اور یہ تقویم اسی جیسی ہے، امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں: بدل کا اعتبار اس کی اصل سے ہوتا ہے تو نقدین میں سے ایک سے خریدا ہے تو اصل کے لحاظ سے تقویم بہتر ہے، امام ابوحنیفہؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ مال مالک کے قبضہ میں ہے اور زمانہ دراز سے وہ فائدہ اٹھا رہا ہے تو فقراء کی منفعت کا اعتبار زکوۃ کی ادائیگی میں ضروری ہے، اس لئے انفع النقدین سے قیمت لگائے۔

دیکھئے! اگر ایک نقد سے نصاب پورا ہوتا ہو اور دوسرے سے نصاب پورا نہ ہوتا ہو تو جس سے نصاب پورا ہو جاتا ہے تو فقراء کی منفعت کے لئے اسی سے حساب کیا جائے گا، یہ اسی کے مثل ہے۔

اور کتاب کی روایت کی وجہ یہ ہے: عرض تجارت میں عروض کی مالیت کے لحاظ سے زکاۃ واجب ہوتی ہے، اعیان کے لحاظ سے واجب نہیں اور مقدار مالیت معلوم کرنے کے لئے قیمت لگائی جاتی ہے اور نقدین اس بارے میں یکساں حیثیت رکھتے ہیں تو صاحب مال مختار ہوگا، جس سے بھی چاہے قیمت لگائے، دیکھئے سوائم میں زیادہ ہونے کی صورت میں، جبکہ دو سو اونٹ ہو جائیں تو صاحب مال کو اختیار ہے، خواہ چار حقہ دے دے، خواہ بنت لبون دے دے، یہ بھی اسی طرح ہے (المبسوط ۲/۱۹۱ طبع دار الکتب بیروت)۔

اقوال میں مذکورہ اختلاف کے باوجود فقہاء حنفیہ اس پر متفق ہیں کہ تقویم میں "انفع للفقراء" پہلو کو پیش نظر رکھا جائے گا، چنانچہ سونا یا چاندی میں سے ایک سے نصاب پورا ہو جاتا

ہے، دوسرے کے حساب سے پورا نہیں ہوتا تو جس کے حساب سے پورا ہوجاتا ہے تقویم اسی کے لحاظ سے ہوگی۔

یعنی تقویم خرید کردہ نقد سے ہو (جیسے ابو یوسفؒ کی رائے ہے) یا دونوں میں سے کسی بھی نقد سے تقویم کا اختیار ہو ہر صورت میں **(یقومها بما هو أنفع للمساكين)** کا مطلب یہی ہے کہ جس تقویم سے نصاب پورا ہوجاتا ہو اسی تقویم کا اعتبار متعین ہے، ہاں دونوں نقد سے نصاب پورا ہوجاتا ہو تو اختیار ہے جس سے بھی قیمت لگالیں، چنانچہ اس بارے میں صاحب ''ہدایہ'' نے بھی اختلاف روایت کا ذکر کیا ہے، جس طرح اصل (مبسوط) کی عبارت منقول ہوئی ہے، صاحب ہدایہ کے اختلاف روایت کا ذکر کرکے علامہ ابن ہمامؒ ''فتح القدیر'' میں فرماتے ہیں:

مصنف نے تقویم میں اختلاف روایت اور اقوال صاحبین کو بیان کرتے ہوئے صراحت کی ہے کہ تقویم انفع سے ہوگی، یا تخییر سے یا خرید کردہ ثمن کے لحاظ سے ہوگی، اگر ثمن نقود میں سے ہو، ورنہ نقد غالب سے تقویم ہوگی، یا مطلق نقد غالب سے ہوگی۔

اس کے بعد انفع کی تفسیر کی (جو روایتوں میں سے ایک ہے) کہ تقویم اس سے ہوگی جو نصاب کو پہنچ جائے مطلب یہ ہوا کہ اگر حیثیت یوں ہو کہ ایک سے نصاب کو نہ پہنچے اور دوسرے سے پہنچ جاتا ہو تو اس کے لحاظ سے تقویم متعین ہوگی جس کے لحاظ سے نصاب پورا ہوجاتا ہے، تو مصنف نے جس طرح بیان کیا اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ باقی اقوال (اس انفع والی روایت) کے مخالف ہیں، تو ایسا نہیں ہے، بلکہ انفع کے جو معنی بیان کئے گئے ہیں اس لحاظ سے انفع کے متعین ہونے میں اختلاف نہیں ہے، جیسے کہ خلاصہ اور نہایہ کی عبارت سے یہی مستفاد ہے۔

نہایہ میں فرمایا: اس (انفع والی روایت) کے وجہ یہ ہے کہ مال مالک کے ہاتھ میں ہے اور مالک زمانہ دراز سے اس مال سے فائدہ اٹھا رہا ہے، اس لئے تقویم کے وقت منفعت فقراء کا اعتبار ضروری ہے، دیکھئے اگر نقدین میں سے ایک سے نصاب پورا ہوجاتا ہے اور دوسرے سے نہ

ہوتا ہو تو بالاتفاق اس نقد سے تقویم ہوگی جس کے لحاظ سے نصاب پورا ہو جائے تو یہ بھی اسی طرح ہے (انتہی)۔

اور خلاصہ میں ہے: اگر چاہے سونے سے قیمت لگائے یا چاندی سے لگائے اور ابوحنیفہؒ کے نزدیک ''انفع للفقراء'' کے اعتبار سے قیمت لگائے اور ابو یوسفؒ کے کہاں جس نقد سے مال خریدا ہے اس لحاظ سے قیمت لگائے (ابو یوسفؒ کے نزدیک) یہ تخییر اس صورت میں ہے، جبکہ دونوں کے لحاظ سے نصاب پورا ہو جاتا ہو اگر ایک سے پورا ہو جاتا ہو دوسرے سے پورا نہ ہوتا ہو تو قیمت اس نقد سے لگائی جائے گی جس نقد سے نصاب پورا ہو جاتا ہے، تو اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ انفع سے یہی مراد ہے جس کی تفسیر بعض نے کی ہے، یعنی مالک انفع سے ہی قیمت لگائے گا تو یہ بات متعین ہو جاتی ہے کہ جس نقد سے نصاب پورا ہو جاتا ہے اسی کے اعتبار سے تقویم متعین ہے نہ اس کے لحاظ سے جس سے نصاب پورا نہ ہو (فتح القدیر ۲/۲۲۷، بیروت لبنان)۔

اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ تقویم میں جس نقد سے نصاب پورا ہو جاتا ہو اس کا لحاظ سب کے نزدیک ہے، اور تخییر والی روایت جو اصل میں مذکور ہے اور صاحب ''ہدایہ'' نے بھی جس کا حوالہ دیا ہے وہ اس صورت میں ہے، جبکہ دونوں نقد کے لحاظ سے نصاب پورا ہو جاتا ہو، تو حضرت امام ابوحنیفہؒ سے انفع والی روایت بھی ہے اور تخییر والی روایت بھی ہے، چنانچہ انفع والی روایت کو اس صورت پر محمول کیا جائے گا جس صورت میں ایک نقد کے لحاظ سے نصاب پورا نہ ہوتا ہو، تو جس سے پورا ہو جاتا ہو اس سے تقویم متعین ہے، دونوں سے پورا ہو جاتا ہو تو تخییر ہے، اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تخییر اس صورت میں ہے، جبکہ نقدین میں تفاوت نہ ہو، اگر تفاوت ہو تو جس سے نصاب پورا ہو جاتا ہو بالاتفاق اسی سے تقویم متعین ہے جیسے نہایہ اور خلاصہ کی عبارت سے معلوم ہوا۔

چنانچہ علامہ ابن الہمامؒ نے ''فتح القدیر'' میں یہی فرمایا: فلذا أفادت عبارة

الخلاصة التی ذکرناها والکافی إن اعتبار الأنفع روایة عن ابی حنیفة: وجمع بین الروایتین بأن المزکور فی الأصل هو ما إذا کان التقویم بکل منهما لایتفاوت'' (فتح القدیر ۲/۲۲۸)۔

اور انفع والی روایت کی جو وجہ بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ مالک تو اس مال سے عرصہ تک منتفع ہو ہی چکا ہے، اس لئے زکاۃ کے موقعہ پر مالک کے نفع کا لحاظ نہیں کیا جائے گا، بلکہ فقیر کے نفع کا اعتبار کیا جائے گا۔

اگر حضرت محمدؒ کی رائے کے مطابق نقد غالب کا اعتبار کیا جائے یا حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک خرید کردہ کا اعتبار کیا جائے تب بھی عصر حاضر میں سونے چاندی کا چلن نہیں ہے، سونا تو محض ذخیرہ کے لئے رکھا جاتا ہے، کچھ عورتیں زیورات وغیرہ بناتی ہیں وہ بھی ذخیرہ کے لئے ہوتے ہیں، اس زمانہ کے رائج سکہ کو دیکھا جائے تو ہمارے ملک، بلکہ ہندو پاک اور اس کے اطراف کے ممالک میں ہر دور میں چاندی کے سکوں کا چلن رہا ہے یہاں تک کہ نوٹوں کے رواج سے پہلے ہمارے یہاں جو سکے تھے (نوٹ جس کے قائم مقام ہے) وہ سکے چاندی ہی کے تھے، اس لئے ہمارے ملک میں سکہ رائج یا نقد غالب چاندی ہی ٹھہرتی ہے، اس لئے تقویم میں امام محمدؒ کے مذہب کے لحاظ سے بھی چاندی ہی کو تقویم کا معیار بنایا جائے گا۔

دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ تقویم انفع للمساکین کے لحاظ سے ہوگی، زکوۃ میں مساکین کا نفع پیش نظر ہے مالک کو نقصان سے بچانا پیش نظر نہیں ہے، ایک شخص کے پاس حاجات اصلیہ کے سوا چھ تولے سونا اور پانچ ہزار روپئے نقد ہوں تو سونے کے نصاب کے لحاظ سے اس پر زکاۃ واجب نہیں ہوتی، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک شخص پچانوے ہزار روپئے کا مالک ہے اور رقم حاجت اصلیہ سے زائد ہے تب بھی اس پر زکاۃ واجب نہیں ہے، اور ایک آدمی حاجت اصلیہ کے سوا مال غیر نامی کا مالک ہے تو جب تک یہ مال غیر نامی ساڑھے سات تولہ سونے کی قیمت (پندرہ ہزار روپئے تولہ) کے حساب سے ایک لاکھ ساڑھے بارہ ہزار کی قیمت تک نہ پہنچ

نہ اس پر قربانی واجب ہے نہ صدقۂ فطر، بلکہ زکاۃ لینے کا مستحق ہے طبقہ فقراء میں داخل ہے۔

اور چاندی کے حساب سے ایک شخص کے پاس حاجات اصلیہ کے سوا مال غیر نامی پندرہ سولہ ہزار ہو تو اس پر قربانی اور صدقۂ فطر واجب ہے، اور وہ اغنیاء کے طبقہ میں آجاتا ہے، دوسرا طبقہ مساکین کا ہے، جن کے پاس اپنی حاجات اصلیہ بھی نہیں ہے، جو کم از کم پچاس فیصد ہیں اور ایسے جن کے پاس حاجات اصلیہ کے سوا پانچ دس ہزار زائد ہوں بیس فیصد ہوں گے، یعنی مساکین وفقراء کا یہ طبقہ جو معاشرہ مسلمین میں ستر فیصد ہے اس کو زکاۃ اور صدقۂ فطر سے محروم کردیا جائے، اس کے نفع میں اضافہ کے بجائے اس کو نقصان پہنچے اور جن کے پاس حاجات اصلیہ سے زائد مال غیر نامی ایک لاکھ ساڑھے بارہ ہزار سے کم ہوں ان کو طبقہ اغنیاء سے نکال اس دوسرے طبقہ مساکین کی فہرست میں لایا جائے، تاکہ اس طبقہ کو بڑے اغنیاء کی طرف سے جو زکاۃ اور صدقات مل رہے ہیں اس میں یہ مالدار فقراء بھی حصہ دار بن جائیں تو اس میں فقراء و مساکین کے دوسرے طبقہ کا کس قدر نقصان ہے؟ یہ تجویز ''انفع للفقراء'' کے بجائے اضر لمساکین والفقراء بن جاتی ہے اور اغنیاء کو زکاۃ اور صدقۂ فطر سے بچانے کا ایک حیلہ اور اغنیاء کی جھولیاں خالی نہ ہوں، بلکہ اور بھرے رہنے کا سبب بنتی ہیں۔

زمانہ سابق میں بھی سونے اور چاندی کی قیمتوں میں کمی بیشی کا یہی تناسب رہا ہے، اسی لئے سونے کا نصاب بیس مثقال (ساڑھے سات تولہ) اور چاندی کا نصاب دوسو درہم (ساڑھے باون تولہ) رکھا گیا ہے، عصر حاضر میں سونے کی قیمتوں میں عارضی اضافہ ہوا ہے تو اسی تناسب سے چاندی کی قیمتوں مین بھی اضافہ ہوا ہے اگر تناسب میں معمولی فرق آیا ہے تو یہ ابھی ابھی سونے کی قیمتوں میں عارضی اضافہ کی وجہ سے ہوا ہے، جبکہ ہمیشہ فقہاء کرام نے زکاۃ میں فقراء کا نفع پیش نظر رکھا ہے اغنیاء کو زکاۃ سے بچانے کا یا ان کی مدافعت پیش نظر نہیں ہے۔

اس لئے چاندی کے بجائے سونے کے نصاب کو معیار بنانے کی کوئی مصلحت اور ضرورت اس زمانہ میں نہیں، اس لئے اس تجویز کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ فقراء ومساکین کے

لئے اضر ہونے کی وجہ سے یہ تجویز مزاج فقہاء سے مناسبت نہیں رکھتی اور زکاۃ کی مصلحت سے بھی مناسبت نہیں رکھتی، اس لئے اس پر فتوی دینا تقاضہ مصلحت زمانہ کے خلاف ہے، بندہ اس تجویز سے متفق نہیں ہے۔

ضم نصاب:

سونا اور چاندی مخلوط ہونے کی صورت میں تکمیل نصاب میں حضرت امام صاحب کے نزدیک دونوں کی قیمت کا اعتبار ہوگا، سونا اور چاندی دونوں صورۃ علاحدہ جنس ہیں، دونوں میں ثمنیت کے اشتراک کے پیش نظر ان کو ہم جنس قرار دیا گیا ہے، اس لئے دونوں کا نصاب مستقلا تام نہ ہوتا ہو تو دونوں کو ملا کر تکمیل نصاب کیا جائے گا، تکمیل نصاب میں حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں دونوں کی قیمت مل کر ایک نصاب پورا ہوجائے تو زکاۃ فرض ہوجاتی ہے، عمومی طور پر چاندی کی قیمت کم ہونے کی وجہ سے اقل نصاب، یعنی چاندی کے لحاظ سے ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر دونوں کی قیمت پہنچ جاتی ہے، اس لئے زکاۃ فرض ہوجاتی ہے، کیونکہ سونے اور چاندی میں معنی مجانست ہے، اس لئے قیمت کا اعتبار ہوگا۔

صاحبینؒ کے نزدیک تکمیل نصاب میں دونوں کے اجزاء کے لحاظ سے تکمیل معتبر ہوگی، ایک روایت حضرت امام صاحبؒ سے بھی اسی طرح سے مروی ہے، اس لئے نصب نصاب سونے کا یعنی دس مثقال اور نصف چاندی کا، یعنی ایک سو درہم ہوں تو نصاب پورا ہوجاتا ہے، اس لئے صاحبینؒ کے نزدیک اور حضرت امام صاحبؒ کے نزدیک بھی زکاۃ فرض ہوجاتی ہے، لیکن سونے کی قیمت چاندی سے کم ہوجائے اور دس مثقال کی قیمت سو درہم پر بھی نہ پہنچتی ہو تو حضرت امام صاحبؒ کے نزدیک زکاۃ واجب نہ ہوگی، کیونکہ قیمت کے لحاظ سے نصاب پورا نہیں ہوتا، اور صاحبین کے نزدیک زکاۃ فرض ہوجائے گی، لیکن چاندی کی قیمت اتنی زیادہ ہو کہ سونے کا نصاب پورا ہوجاتا ہو تو اس صورت میں امام صاحب کے نزدیک بھی زکاۃ فرض ہوجاتی ہے۔

حضرت امام صاحبؒ سے بھی تکمیل بالاجزاء کی ایک روایت موجود ہے تو عصر حاضر

میں چاندی کے زیور کا استعمال بہت کم ہوتا ہے، اور عورتوں کے پاس سونے کے زیورات کچھ نہ کچھ ہوتے ہیں، عورتوں کے پاس کیش رقم بہت کم ہوتی ہے، اگر تکمیل بالاجزاء ہو تو ایک عورت کے پاس پانچ تولہ سونا ہو، دو تولہ چاندی ہو تو اس پر حضرت امام صاحبؒ کے نزدیک زکوۃ قربانی اور صدقۃ الفطر واجب ہو جاتے ہیں، اور عورت کے پاس کیش نہ ہونے کی وجہ سے اس کو ان واجبات کی ادائیگی میں بہت دقت ہوتی ہے، یا تو اپنے سونے میں ان واجبات کو ادا کرتی جائے تو سونا کم ہوتا جائے گا، اور چند سالوں میں وہ صاحب نصاب نہیں رہے گی، یا پھر قرض لے کر ان واجبات کو ادا کرے گی تو مقروض ہو جائے گی، اس لئے صنف نازک کی پریشانی کے پیش نظر اس زمانہ میں حضرات صاحبینؒ کے مسلک کو اختیار کیا جائے، جبکہ حضرت امام صاحبؒ کی ایک روایت بھی ہے تو انسب اور اوفق بحالۃ النساء ہوگا۔

مگر جن لوگوں کے پاس کیش رقم ہو تو ظاہر ہے کہ کیش کا انظمام بالذہب یا بالفضہ قیمت کے لحاظ سے ہی ممکن ہے، تو اس صورت میں انفع للمساکین کے پیش نظر قیمت کے لحاظ سے ہی ممکن ہے، تو اس صورت میں انفع للمساکین کے پیش نظر قیمت کے لحاظ سے جو بھی نصاب پورا ہوتا ہو اس کے لحاظ سے زکاۃ فرض ہونا چاہئے۔

"وهو الظاهر المذكور في دليله من أن الضم ليس إلا للمجانسة وإنما هي باعتبار المعنى وهو القيمة لا باعتبار الصورة، فيضمان بالقيمة، فانه يقضي تعين الضم بها مطلقا عند تكامل الأجزاء وعدمه" (فتح القدیر ۲/۲۳۰)۔

خلاصہ جواب:

۱- فقہاء کرامؒ نے "انفع للفقراء" کے پیش نظر یہ ضابطہ رکھا ہے کہ سونے یا چاندی میں قیمت کے لحاظ سے جو اقل ہے اس کا لحاظ کیا جائے گا۔

سونے کے معیار کو معیار بنانے کی صورت میں فقراء کا بڑا نقصان ہے، کی اور دولت اغنیاء کے طبقہ میں سمٹتی ہے، حالانکہ زکوۃ میں فقراء کی منفعت پیش نظر ہے، اغنیاء کو زکوۃ سے بچانا

اوران کی مدافعت پیش نظر نہیں ہے۔

ایک شخص کے پاس حاجات اصلیہ کے سوا چھ تولہ سونا ہے، اور پانچ ہزار روپے نقد ہوں، تو سونے کے لحاظ سے اس پر زکاۃ نہیں ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک شخص پچانوے ہزار روپے کا مالک ہے اور یہ رقم حاجت اصلیہ سے زائد ہے تب بھی اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے، اور ایک آدمی حاجت اصلیہ کے سوا مال غیر نامی کا مالک ہے تو جب تک یہ مال غیر نامی ساڑھے سات تولہ سونے کی قیمت (پندرہ ہزار روپے تولہ) کے حساب سے ایک لاکھ ساڑھے بارہ ہزار روپے کا مالک نہ ہوجائے نہ اس پر قربانی واجب، نہ صدقۂ فطر واجب ہے، بلکہ زکوۃ لینے کا مستحق ہے، اور طبقہ فقراء میں داخل ہے۔

چاندی کے حساب سے ایک شخص کے پاس حاجات اصلیہ کے سوا مال غیر نامی پندرہ سولہ ہزار کا ہو تو اس پر قربانی اور صدقۃ الفطر واجب ہے، وہ اغنیاء کے طبقہ میں آجاتا ہے، دوسرا طبقہ مساکین کا ہے جن کے پاس اپنی حاجات اصلیہ ہی نہیں ہے، ایسا طبقہ کم از کم پچاس فیصد ہے، اور وہ طبقہ جس کے پاس حاجات اصلیہ کے سوا پانچ دس ہزار ہوں، بیس فیصد تو مساکین و فقراء کا یہ طبقہ جو معاشرہ مسلمین میں ۷۰ فیصد ہے، اس کو زکوۃ اور صدقۂ فطر سے محروم کردیا جائے، ان کے نفع میں اضافہ کے بجائے ان کو نقصان پہنچے، اور جن کے پاس حاجات اصلیہ سے زائد مال غیر نامی ایک لاکھ ساڑھے بارہ ہزار سے کم ہوں ان کو طبقہ اغنیاء سے نکال کر طبقہ فقراء میں شامل کیا جائے، جس کا نتیجہ یہ ہو کہ طبقہ مساکین کو بڑے اغنیاء کی طرف سے جو صدقات و زکوۃ مل رہے ہیں اس میں بھی مالدار فقراء حصہ دار بن جائیں، تو یہ تجویز انفع للفقراء کے بجائے اضر للمساکین بن جائے گی، اس لئے چاندی کے بجائے سونے کے نصاب کو معیار بنانے کی کوئی مصلحت اور ضرورت اس زمانہ میں نہیں ہے، یہ تجویز مزاج فقہاء اور زکوۃ کی مصلحت سے مناسبت نہیں رکھ سکتی، اس لئے اس پر فتوی دینا مصلحت زمانہ کے خلاف ہے، اس لئے بندہ اس سے متفق نہیں ہے۔

بندہ نے اپنے مقالہ میں لکھا ہے کہ ہمارے تینوں ائمہ بہر صورت انفع للمساکین کی صورت ہی کو اختیار کررہے ہیں۔

☆☆☆

ضم نصاب میں قیمت واجزاء کا اعتبار

مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی ☆

۱- دور حاضر کے بہت سارے فقہاء کی رائے یہ ہے کہ فقراء کے مصالح کے باعث چاندی کو پیمانہ قرار دینا چاہیے، اسی میں ان کے لیے نفع ہے:

"و یری کثیر من العلماء العصر أن النقود تقدر بسعر الفضة احتیاطا لمصلحة الفقراء، و لأن ذلک أنفع لهم" (الفقہ الإسلامي وأدلتہ ۲/ ۷۶۰)۔

اس کی تائید شیخ احمد الریسونی کی تحریر سے بھی ہورہی ہے:

"فهي واضحة في أن مقصود الزكاة سد حاجات الأصناف الثمانية أو من وجد منها، و في اعتقاد جماهير العلماء أن هذا المقصود الأول للزكاة ...... يقول عنه شهاب الدين الزنجاني (الشافعي المذهب) معتقد الشافعي أن الزكاة مؤونة مالية وجبت للفقراء على الأغنياء بقرابة الإسلام على سبيل المواساة، و معنى العبادة تبع فيها" (نظریۃ المقاصد للشاطبی / ۲۱۲، ط: الإدارۃ العامۃ الریاض)۔

(یہ بات اچھی طرح واضح ہے کہ زکوۃ کا مقصد مصارف ثمانیہ یا جو ان کی قبیل سے ہوں ان کی ضرورتوں کو پورا کرنا ہے، جمہور علماء کے نزدیک زکوۃ کا مقصد اولیٰ یہی ہے، مشہور شافعی فقیہ شہاب الدین زنجانی فرماتے ہیں کہ "زکوۃ ایک مالی مدد ہے جو اغنیاء پر قرابت اسلامی اور مواسات و بہی خواہی کی غرض سے فقراء کے حق میں واجب کی گئی ہے، عبادت کا مفہوم تو اس

☆ شیخ الحدیث و پرنسپل جامعہ دار العلوم مئو۔

میں عارضی ہے'')۔

اس کی تائید میں ابن منذر کا قول بھی پیش ہے:

''و قال ابن المنذر: أجمع أهل العلم على أن الذهب إذا كان عشرين مثقالا قيمتها مائتا درهم أن الزكاة يجب فيها'' (کذا فی المغنی ۲/ ۵۹۲، إعلاء السنن ۹/ ۵۱)۔

ابن منذر کہتے ہیں کہ اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ بیس مثقال سونا اگر دو سو درہم کی قیمت کو پہنچ جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

لیکن امام حسن بصری نے وجوب زکوٰۃ کے لیے چالیس مثقال کی شرط لگائی ہے، لیکن نیل الاوطار (۴/ ۱۳۹) کے حوالہ سے ان سے وہ نصاب بھی منقول ہے جو اکثر فقہاء کا قول ہے، امام حسن بصری کے چالیس والے قول پر اس طرح نقد کیا گیا ہے کہ بیس مثقال پر جمہور ائمہ کا اجماع ہو چکا ہے اور قاعدہ ہے کہ "الإجماع اللاحق يرفع الخلاف السابق" بعد والا اجماع خلاف سابق کو ساقط کر دیتا ہے۔

عینی کی تحریر سے بھی قیمت ہی کے اعتبار کا پتہ چلتا ہے:

''قال العيني: أن دفع القيمة في الزكاة جائزة عندنا، و كذا في الكفارة و صدقة الفطرة و العشر و الخراج و النذر، و هو قول عمر و ابنه عبد الله و ابن مسعود و ابن عباس و معاذ و طاؤس، و قال الثوري: يجوز إخراج العروض في الزكاة إذا كانت بقيمتها، و هو مذهب البخاري، و احدى الروايتين عن أحمد. و لو اعطى عرضا من ذهب و فضة، قال أشهب: يجزيه، قال الطرطوشي: هذا قول بين في جواز إخراج القيم في الزكاة، و أجمع أصحابنا أي المالكية على أنه لو اعطى فضة عن ذهب اجزأه، و أجاز ان حبيب دفع القيمة إذا رآه أحسن للمساكين'' (إعلاء السنن ۹/ ۳۶، باب أداء الزکاۃ من خلاف الجنس)۔

مغنی لابن قدامہ (۳/ ۴) کی ایک عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ طاؤس کے نزدیک

سونے کا نصاب چاندی کے ذریعہ قیمت لگا کر مقرر کیا جائے گا، سونے کی جو مقدار دوسو درہم چاندی کی قیمت کے برابر ہو اس پر زکوۃ واجب ہوگی، اس طرح کے اقوال عطاء، زہری، سفیان بن حرب اور ایوب سختیانی کے بھی ہیں، اس کی تائید میں ڈاکٹر وہبہ زحیلی کی بھی ایک تحریر پیش ہے:

”و يضم عند الجمهور (غير الشافعية) أحد النقدين إلى الآخر في تكميل النصاب، فيضم الذهب إلى الفضة و بالعكس بالقيمة، فمن له مائة درهم و خمسة مثاقيل قيمتها مائة، عليه زكاتها؛ لأن مقاصدهما و زكاتهما متفقة، فهما كنوعي الجنس الواحد“

مذکورہ تحریر سے معلوم ہوا کہ اگر دونوں کا نصاب کامل نہ ہو تو باعتبار قیمت کے ضم ہوگا، امام شافعیؒ کے علاوہ جمہور ائمہ یہ رائے رکھتے ہیں، اسی لیے صاحب ”اعلاء السنن“ کہتے ہیں کہ امام بخاریؒ جیسے لوگ جو احناف سے شدید مخالفت رکھتے ہیں، وہ بھی قیمت ہی کے اعتبار کر لینے کے قائل ہیں:

”و لذلک احتج به البخاري أيضا في جواز أخذ القيم مع شدة مخالفة للحنفية“ (إعلاء السنن ۹/۳٦)۔

”و قال زفر: تعتبر القيمة، و قال: محمد: الأنفع للفقراء“ (البحر الرائق ۲/۲۲۷)۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے دلائل ضم باعتبار قیمت درج ذیل ہیں:

”و لأبي حنيفة أنهما عينان، وجب ضم أحدهما إلى الآخر لإيجاب الزكاة، فكان الضم باعتبار القيمة، كعروض التجارة، و هذا لأن كمال النصاب لا يتحقق إلا عند اتحاد الجنس، و لا اتحاد إلا باعتبار صفة المالية دون العين الخ ...... ثم عند أبي حنيفة يعتبر في التقويم منفعة الفقراء، كما هو أصله“ (بدائع الصنائع ۲/۱۰۸)۔

(امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ کمال نصاب نہیں متحقق ہوتا ہے، مگر اتحاد جنس کے وقت اور دونوں نصاب کے کامل نہ ہونے کے وقت اس کے سوا کیا رہ جاتا ہے کہ اس کا اعتبار قیمتاً ہو۔ دوسری دلیل فقراء کی منفعت اسی میں ہے جو وجوب زکوٰۃ کی اصل علت ہے)۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ قیمت کا اعتبار نہ ہوگا۔

"من ملک من الذهب أقل من نصاب و من الفضة كذلک لا يضم أحدهما إلى الآخر ليكمل منهما نصابا؛ لأنها جنسان لا يضم أحدهما إلى الثاني .... فلو كان في يده ۱۹۹/ درهما و تسعة عشر دينارا لا زكاة عليه" (فقہ السنۃ لسید سابق ۲۵۸/۱، باب زکاۃ النقدین)۔

مذکورہ تحریر سے معلوم ہوا کہ اگر دونوں نصاب ناتمام ہیں تو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور دو مختلف جنس ہونے کی وجہ سے وہ زکوٰۃ کا مکلف نہ ہوگا۔

"وجه قولهما أن القيمة في الذهب و الفضة ساقطة الاعتبار شرعا؛ لأن سائر الأشياء تقوم بهما، و إنما المعتبر فيهما الوزن" (بدائع الصنائع ۱۰۸/۲)۔

تیسرا قول یہ ہے کہ معیار زکوٰۃ سونا ہوگا۔ اولاً ایک تحریر "الفقہ الاسلامی و ادلتہ" (۷٦۰/۲-۷٦۱، ط دار الفکر) کی پیش ہے، ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

"و يجب أيضا اعتبار النصاب المالي كما كان هو المقرر في أصل الشرع دون النظر إلى تفاوت السعر القائم الآن بين الذهب و الفضة و تقدر الأوراق النقدية بسعر الذهب؛ لأنه هو الأصل في التعامل، و لأن عطاء النقود هو بالذهب، و لأن المثقال كان في زمن النبي صلى الله عليه و سلم و عند أهل مكة هو أساس العملة و هو أساس تقدير الديات و يسأل الصراف عن سعر الذهب بالعملة المحلية الرائجة في كل بلد"

(شریعت اسلامیہ نے مال نصاب کی جو تحدید کی ہے، اسی کا اعتبار ہوگا، سونے اور

چاندی کی قیمتوں کے درمیان میں فرق ہونے کا اعتبار نہ ہوگا، چاندی کے سکوں (دراہم) کا اعتبار بھی سونے کے بھاؤ سے ہی ہوگا، کیونکہ تعامل میں اصل یہی ہے۔نیز مثقال ہی حضور اکرم ﷺ اور اہل مکہ کے نزدیک سکوں کی بنیاد تھی، اسی طرح دیت (خون بہا) کی تقدیر بھی اسی سے ہے اور سناروں سے سونے ہی کا بھاؤ اور اس کی قیمت سے متعلق پوچھا جاتا ہے، تاکہ اس کے بدلہ مقامی سکے لیے اور روپئے جائیں)۔

ڈاکٹر قرضاوی تحریر فرماتے ہیں:

''مشہور یہ ہے کہ سونے کا وزن (جو مثقال ہے) نہ زمانہ جاہلیت میں تبدیل ہوا اور نہ اسلام میں'' (ترجمہ فقہ الزکوۃ)۔

سونے کے نصاب کے تحت ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''نقدی دینار تو اس کے نصاب کے بارے میں ایسی قوی حدیثیں موجود نہیں ہیں جیسی قوی حدیثیں چاندی کے نصاب کے بارے میں موجود ہیں، اس لیے سونے کا نصاب اجماع سے ثابت نہیں''۔

چوتھا قول یہ ہے کہ نہ تو قیمت کو معیار بنایا جائے اور نہ سونے کا اندازہ چاندی سے لگایا جائے گا۔

"و قال عامة الفقهاء: نصاب الذهب عشرون مثقالا من غير اعتبار قيمتها، و لا تقديرها بالفضة، قال ﷺ: ليس في أقل من عشرين مثقال من الذهب و لا في أقل من مائتي درهم صدقة" (الفقہ الإسلامي وأدلتہ ۲/۷۶۶)۔

احقر کی رائے یہ ہے کہ سونے کے نصاب کو معیار بنانا چاہیے، یہی رائے استاذ ابو زہرہ، خلاف اور حسن کی بھی ہے، ڈاکٹر قرضاوی لکھتے ہیں کہ ہماری رائے میں استاذ ابوزہرہ وغیرہ کی رائے مبنی بر اعتدال اور بلحاظ حجت قوی ہے، جب ہم دیگر اموال کے نصاب کے ساتھ اس کا تقابل کرتے ہیں تو موجودہ زمانے میں ہمیں سونے کا نصاب ہی ان سے قریب تر دکھائی دیتا

ہے۔ نیز ایک وجہ یہ بھی ہے کہ گو کہ چاندی کے نصاب پر اجماع ہے اور صحیح اور مشہور حدیث سے چاندی کا نصاب ہی ثابت ہے اور اس کے اعتبار کر لینے پر مسلمانوں کی بڑی تعداد پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے، لیکن دورِ نبوی کے بعد چاندی کی قیمت میں کافی تبدیلی ہوئی، بخلاف سونے کی قیمت کے، وہ ہر زمانہ میں برقرار رہی۔ چاندی کو معیار بنانے پر ارباب مال کے ساتھ ناانصافی بھی ہے، کیونکہ زکوٰۃ کے معاملہ میں ارباب مال میں صرف بڑے سرمایہ دار اور خوش حال لوگ ہی نہیں، بلکہ امت کے عوام بھی شامل ہیں (ترجمہ فقہ الزکوٰۃ)۔

اس کی تائید میں حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا قول پیش ہے:

''چاندی کا نصاب پانچ اوقیہ اس لیے مقرر کیا گیا کہ یہ مقدار ایک گھر کی سال بھی کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کافی تھی، لیکن کیا آج کوئی ملک ایسا ہے جہاں کسی خاندان کی سال بھر کی تو کیا ایک مہینہ، بلکہ ایک ہفتہ کی ضروریات کے لیے کہ مقدار کافی ہو؟ پھر جس شخص کی ملکیت میں سکوں کی اتنی کم مقدار ہو گی شارع کی نظر میں غنی کس طرح قرار پائے گا، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ زمانے میں سونے کے نصاب پر انحصار کیا جائے'' (ترجمہ فقہ الزکوٰۃ ۱/ ۱۹۴)۔

اس لیے اگر کسی کے پاس اتنی نقدی رقم ہو جس سے نصاب کے بقدر چاندی تو خریدی جاسکتی ہو، لیکن نصاب کے بقدر سونا خریدا نہیں جاسکتا تو ایسے شخص پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ اگر نقد رقم مال تجارت، اموال زکوٰۃ اور وہ مال جو چاندی کے نصاب کو پہونچ رہا ہے، سب مل کر سونے کی قیمت کے نصاب کو پہنچ جائے تو اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز نہ ہوگا۔

۲- ضم کے سلسلہ میں فقہاء کے مختلف آراء ہیں:

''و قال أبو يوسف و محمد: يضم باعتبار الأجزاء و هو رواية عن أبي حنيفة أيضا ذكره في نوادر هشام، و إنما تظهر ثمرة الاختلاف فيما إذا كانت قيمة أحدهما لجودته و صياغته أكثر من وزنه، بأن كان له مائةدرهم و خمسة

مثاقيل قيمتها مائة درهم فعند أبي حنيفة يقوم الدنانير بخلاف جنسها دراهم و تضم إلى الدراهم، فيكمل نصاب الداهم من حيث القيمة، فتجب الزكاة، و عندهما تضم باعتبار الأجزاء فلا يكمل النصاب؛ لأن له نصف نصاب الفضة و ربع نصاب الذهب، فيكون ثلاثة أربا ع النصاب فلا يجب شيء الخ"(البحرالرائق ۲/۲۲۷)۔

(صاحبینؒ ضم با عتبار اجزاء کے قائل ہیں، امام ابوحنیفہؒ کا بھی ایک قول یہی ہے جسے ہشام نے نوادر میں ذکر کیا ہے، ثمرۂ اختلاف یوں ظاہر ہوتا ہے کہ اگر کسی کے پاس سودرہم اور پانچ مثقال جس کی قیمت سودرہم کو پہونچ رہی ہو، ہےتو امام صاحبؒ کے نزدیک مثقال کو چاندی کی طرف ضم کرکے باعتبار قیمت زکوٰۃ واجب ہوجائے گی اور صاحبینؒ کے نزدیک زکوٰۃ نہ ہوگی، کیوں کہ اس کے پاس چاندی کا نصاب نصف ہے اور سونے کا نصاب ایک چوتھائی)۔

ایک دوسری رائے ابن ابی لیلیٰ، شریک، حسن بن حی شافعی اور ابوسلیمان کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ضم نہ تو قیمتاً ہوگا، نہ اجزاءً (المحلی لابن حزم ۶/۸۱، زکاۃ المذھب، ط: إدارۃ طباعۃ المیزیہ مصر)۔

علامہ ابن حزم ظاہر نے محلی میں ضم الاجزاء اور ضم باعتبار قیمت دونوں پر نقد کرتے ہوئے ناجائز قرار دیا ہے۔

فقہاء نے ایک مسئلہ کسور میں زکوٰۃ ہونے اور نہ ہونے کا بیان فرمایا ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کسور میں زکوٰۃ نہ ہوگی، تاوقتیکہ یہ زیادتی چالیس درہم تک نہ ہوجائے، امام صاحبؒ نے عمرو بن حزم کی حدیث: "ليس فيما دون الأربعين صدقة" اور حضرت معاذؓ کی حدیث "لاتأخذ من الكسور شيئا" پیش فرمائی ہے، صاحب "ہدایہ" لکھتے ہیں:

"لا شيء في الزيادة حتى تبلغ أربعين، فيكون فيها درهم ثم في كل أربعين درهم" (الہدایہ ۱/۱۷۷، زکاۃ المال)۔

صاحبینؒ کے یہاں کسور میں زکوٰۃ ہے، لیکن اس قول پر حرج ہے، جس کی تفصیل محشی ہدایہ نے "لتعذر الوقوف" کے تحت ان الفاظ سے بیان فرمایا ہے:

"ألا ترى أنه لو كان له مائتا درهم و سبعة دراهم يجب عليه في النسبة الأولى سبعة دراهم و سبعة أجزاء من أربعين جزء على قولهما، و في النسبة الثانية .... و هذا لا يفهمه كثير من الفقهاء، فكيف بالعامي الذي لاخبره له أصلا" (حاشی علی الہدایہ ۱/۱۷۷، باب زکاۃ المال، ط: مطبع یوسفی)۔

محشی "ہدایہ" مولانا ابوالحسنات عبدالحیٰ فرنگی محلی نے "ہذا" سے بتلادیا کہ کسور میں زکوٰۃ کے ایجاب میں جو حرج ہے وہ بکثرت فقہاء کی دسترس سے باہر ہے تو پھر اس پر عامی کی رسائی کیسے ہوسکتی ہے؟

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی تائید حضرت عمرؓ کے قول اور صاحبینؒ کی ابن عمرؓ و حضرت علیؓ کے قول سے ہوتی ہے۔

"و المسئلة مختلفة بين الصحابة روي عن عمر مثل قول أبي حنيفة، و روي عن علي و ابن عمر مثل قولهم" (بدائع الصنائع ۲/ ۱۰۳، ۱۰۴، ط: مکتبۃ زکریا، حاشی علی البحر الرائق ۲/ ۲۰۷، ط: مکتبۃ رشیدیہ، پاکستان، منحۃ الخالق علی البحر ۲/ ۲۰۷، فتاوی قاضیخان ۱/ ۱۲۲، ط: مطبع مصطفائی)۔

۳- سونے کے معیار کے زیادہ قریب ضم الاجزاء (صاحبین کا قول) ہے، اس لیے فی زمانہ اسے اختیار کرلینا چاہیے، کیونکہ بیش از بیش مالیت اسی صورت میں ہوسکتی ہے۔

خلاصہ بحث:

۱- فی زمانہ زکوٰۃ کے لیے سونے کو معیار بنانا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۲- صاحبین کے مسلک پر عمل بہتر معلوم ہوتا ہے، کیونکہ سونے کے نصاب سے ضم الاجزاء زیادہ قریب ہے۔

عصر حاضر میں وجوب زکوۃ کے لئے مالی معیار

مفتی محمد جنید عالم ندوی قاسمی ☆

وجوب زکوۃ کا معیار سونا ہوگا یا چاندی؟

اس مسئلہ میں کہ اگر کسی کے پاس نقد رقم یا سامان تجارت ہو تو اس پر وجوب زکوۃ کے لئے سونے کے نصاب کو معیار بنایا جائے گا یا چاندی کے نصاب کو؟ فقہاء حنفیہ کے چار اقوال ملتے ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱-امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سونا اور چاندی میں سے کسی ایک کے نصاب کو متعین طور پر معیار مقرر نہیں کرسکتے ہیں، بلکہ نقد رقم یا سامان تجارت کی مالیت سونا اور چاندی میں سے جس کے نصاب کو بھی پہنچ جائے اس میں زکوۃ واجب ہوگی، ان کے نزدیک معیار ''أنفع للفقراء'' ہے، اور ظاہر سی بات ہے کہ اس زمانہ میں چاندی کے نصاب کو ہی معیار مقرر کرنے میں فقراء ومساکین کا فائدہ ہے، لہذا اگر نقد رقم یا سامان تجارت کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو تو امام صاحب کے نزدیک اس میں زکوۃ واجب ہوگی۔

۲-امام ابو یوسفؒ کے نزدیک سامان تجارت جس چیز سے خریدا ہے اسی کا اعتبار کیا جائے گا، یعنی اگر سونا سے خریدا ہے تو سونا کے نصاب کو معیار قرار دیا جائے گا، لہذا اگر سامان تجارت کی قیمت ساڑھے سات تولہ سونا کے برابر ہو تو اس میں زکوۃ واجب ہوگی، اور اگر چاندی سے خریدا ہے تو چاندی کے نصاب کو معیار بنایا جائے گا، یعنی سامان تجارت کی قیمت ساڑھے

☆ مفتی امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ۔

باون تولہ چاندی کے برابر ہوتو اس میں زکوۃ واجب ہوگی، اور اگر سونا چاندی میں سے کسی سے نہیں خریدا، بلکہ سامان کو سامان سے خریدا یا کسی نے اس کو ہبہ کردیا یا وہ سامان وراثت میں ملا اور اس میں تجارت کی نیت کرلی تو ایسی صورت میں شہر میں جو زیادہ رائج ہو اسی سے قیمت لگائی جائے گی، یعنی اگر سونا رائج ہو تو سونا کو اور اگر چاندی رائج ہو تو چاندی کو معیار بنایا جائے گا۔

امام ابو یوسفؒ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ جو سامان خریدا گیا ہے وہ بدل ہے اور جو حکم اصل کا ہوتا ہے وہی حکم بدل کا ہوتا ہے، لہذا سامان کو سونا اور چاندی میں سے جس سے خریدا ہو اسی کے ساتھ اس کا حکم لگے گا، اور اگر اصل سونا یا چاندی نہ ہو تو شہر میں ان میں سے جو غالب ہو اس کا اعتبار ہوگا۔

۳-تیسرا قول امام محمدؒ کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہر حال میں خواہ سامان سونا سے خریدا گیا ہو یا چاندی سے یا ان دونوں کے علاوہ کسی تیسری چیز سے نقد غالب کا اعتبار ہوگا، یعنی شہر میں ان دونوں میں سے جو زیادہ رائج ہو اسی کے نصاب کو معیار بنایا جائے گا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ زکوۃ اللہ تعالی کا حق ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ بندہ کے کسی حق کی قیمت جس چیز سے لگائی جاتی ہے اسی سے اللہ تعالی کے حق کی قیمت لگائی جاتی ہے، اور بندہ کے حق کی قیمت شہر کے غالب نقد سے لگائی جاتی ہے، جیسا کہ اگر کسی نے کسی کا کوئی سامان غصب کرلیا اور وہ سامان محفوظ نہیں رہا جس کی وجہ سے اس کا تاوان دینا ہے تو اس کی قیمت اس سکہ سے لگائی جائے گی جو شہر میں زیادہ رائج ہو۔

اس وقت پوری دنیا میں جو سکے رائج ہیں جن سے لوگ خرید وفروخت کرتے ہیں وہ نہ تو سونا ہوتے ہیں اور نہ ہی چاندی، بلکہ وہ درہم، دینار وغیرہ رائج ہیں جو کاغذ کے نوٹ ہوتے ہیں، ہندوستان میں بھی کاغذ کا ہی نوٹ چلتا ہے اور اسی سے خرید وفروخت ہوتی ہے، البتہ یہ نوٹس سونا کی مالیت کو سامنے رکھ کر چھپتے ہیں، یعنی جس ملک میں سونا کی مالیت جس مقدار میں ہوتی ہے اسی مقدار میں کاغذی نوٹس چھپتے ہیں، لہذا امام محمدؒ کے قول کے مطابق سونا کے نصاب کو معیار مقرر

کیا جائے گا اور اسی سے سامان تجارت وغیرہ کی قیمت لگائی جائے گی۔

۴-چوتھا قول یہ ہے کہ مالک کو اختیار ہوگا وہ سونا اور چاندی دونوں میں سے جس کے نصاب کو بھی معیار بنانا چاہے بنا سکتا ہے، اس لئے کہ سامان تجارت میں زکوۃ مالیت کے اعتبار سے واجب ہے نہ کہ عین سامان کے اعتبار سے، اور سامان کی قیمت اس لئے لگائی جاتی ہے، تا کہ اس کی مالیت معلوم ہو سکے اور مالیت کی معرفت کے سلسلہ میں سونا اور چاندی دونوں برابر ہیں جس سے بھی چاہیں سامان تجارت کی مالیت معلوم کر سکتے ہیں، لہذا مالک کو اختیار ہوگا کہ ان دونوں میں سے جس کو چاہے اس کو وجوب زکوۃ کے لئے نصاب مقرر کر لے۔

علامہ کاسانی نے ''بدائع الصنائع'' میں ان چاروں اقوال اور ان کے دلائل کو پوری وضاحت کے ساتھ لکھا ہے، ملاحظہ ہو:

''واذا كان تقدير النصاب من أموال التجارة بقيمتها من الذهب والفضة، وهو أن تبلغ قيمتها مقدار نصاب من الذهب والفضة فلا بدمن التقويم حتى يعرف مقدار النصاب، ثم بما ذاتقوم ذكر القدورى في شرحه مختصر الكرخي أنه يقوم بأدنى القيمتين من الدراهم والدنانير حتى أنها إذا بلغت بالتقويم بالدراهم نصابا ولم تبلغ بالدنانير قومت بما تبلغ به النصاب، وكذا روى عن أبي حنيفة في الأمالي، أنه يقومها بأنفع النقدين للفقراء''۔

''وعن أبي يوسف أن يقومها بما اشتراها، فإن اشتراها بالدراهم قومها بالدراهم، وان اشتراها بالدنانير قومها بالدنانير، وان اشتراها بغير هما من العروض أو لم يكن اشتراها، بأن كان وهب له فقبله ينوى به التجارة قومها بالنقد الغالب في ذلك الموضع، وعند محمد يقومها بالنقد الغالب على كل حال، وذكر في كتاب الزكوة أنه يقومها يوم حال الحول إن شاء بالدراهم وان شاء بالدنانير''۔

”وجه قول محمد أن التقويم في حق الله تعالى يعتبر بالتقويم في حق العباد ثم إذا وقعت الحاجة إلى تقويم شئ من حقوق العباد كالمغصوب والمستهلك يقوم بالنقد الغالب في البلدة، كذاهذا“۔

”وجه قول أبي يوسف أن المشترى بدل ، وحكم البدل يعتبر بأصله فإذا كان مشترى بأحد النقدين فتقويمه بماهو أصله أولى“۔

”وجه رواية كتاب الزكوة ان وجوب الزكوة في عروض التجارة باعتبار ماليتها دون أعيانها، والتقويم لمعرفة مقدار المالية والنقدان في ذلک سيبان، فكان الخيار إلى صاحب المال بقومه بأيهما شاء، ألا ترى أن في السوائهم عند الكثرة وهي ما إذا بلغت ماتتين الخيار إلى صاحب المال إن شاء أدى أربع حقان، وإن شاء خمس بنات لبون، فكذا هذا“۔

”وجه قول أبي حنيفة أن الدراهم والدنانير كانا في الثمنية والتقويم بهما سواء، للكنار حجنا أحدها بمرجح وهو النظر للفقراء والآخذ بالاحتياط أولى ألا ترى أنه لو كان بالتقويم بأحدهما يتم النصاب وبالآخر لا، فإنه يقوم مما يتم به النصاب نظرا للفقراء واحتياطا، كذا هذا“(بدائع الصنائع ۲/ ۸۵۰، ۸۵۱)۔

قول راجح:

اس مسئلہ میں فقہاء حنفیہ کے چار اقوال مذکور ہوئے، ان میں سے کون سا قول راجح اور اقرب الی الفقہ ہے، غور کرنے سے امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح اور اقرب الی الفقہ معلوم ہوتا ہے، جس کے دلائل درج ذیل ہیں:

الف- اس میں فقراء کے حق کی زیادہ رعایت ہے، اس وقت ساڑھے سات تولہ سونا کی قیمت تقریباً ڈیڑھ لاکھ روپئے ہوتے ہیں، اور ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت تقریباً پندرہ ہزار روپئے، اگر سونا کے نصاب کو معیار مقرر کیا جائے تو فقراء ومساکین کی پریشانیوں میں اضافہ

ہوگا، زکوۃ دہندگان کی تعداد کم ہوگی، فقراء و مساکین در در کی ٹھوکریں کھائیں گے، کوئی ان کی مدد کرنے والا نہیں ملے گا۔

ب-امام صاحب کے قول پر عمل کرنے میں علماء کرام اور مفتیان عظام کے لئے بھی سہولت ہے اور زکوۃ دہندگان کے لئے بھی، دیگر اقوال پر عمل کرنے میں دشواریاں زیادہ ہوں گی۔

ج-اللہ تعالی نے قرآن کریم میں جہاں انفاق فی سبیل اللہ کا حکم دیا ہے، یا اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے والوں کی جہاں تعریف کی ہے وہاں "**مما رزقناهم ينفقون**" (سورۂ بقرہ:۳) جیسے الفاظ کو استعمال کیا ہے، یعنی ہم نے جو کچھ دیا ہے اس میں سے کچھ خرچ کرتے ہیں، اس میں اللہ تعالی کے راستہ میں خرچ کرنے کی ترغیب بہت ہی اچھے اور بلیغ انداز میں دی ہے۔

ایک تو یہ کہ اللہ تعالی کے راستہ میں جو خرچ کرتا ہے وہ خرچ کرنے والے کا مال نہیں ہے، بلکہ جس کے راستہ میں خرچ کرتا ہے اسی کا دیا ہوا مال ہے۔

دوسرے یہ کہ کل مال نہیں خرچ کرتا ہے، بلکہ اس میں سے کچھ خرچ کرتا ہے، تو پھر کیا پریشانی ہے؟۔

آپ غور کریں کہ پندرہ ہزار روپے نقد ہوں یا اس کے بقدر سامان تجارت اس میں سے تین سو پچھتر روپے اللہ تعالی کے غریب بندوں پر خرچ کرتا ہے اور چودہ ہزار چھ سو پچیس روپے اپنے مصرف کے لئے رکھتا ہے اس میں کیا پریشانی ہے؟ اللہ تعالی نے جن کو مال دیا ہے وہ اللہ کے غریب بندوں کے لئے اتنا بھی نہیں خرچ کرسکتے ہیں تو وہ غریب و فقیر بندے کہاں جائیں گے، "**وفي أموالهم حق للسائل والمحروم**" (سورۂ ذاریات:۱۸) (اور ان کے مال میں مانگنے والوں اور محروم لوگوں کا حق ہے)۔

اس وقت یہ بات سامنے آرہی ہے کہ اگر چاندی کے نصاب کو معیار مقرر کریں گے تو صاحب مال کی رعایت نہیں ہوگی اور معمولی مالیت میں ان پر زکوۃ، صدقۃ الفطر اور قربانی کا بوجھ

ڈالنا ہوگا ان سب کی ادائیگی میں وہ پریشان ہوگا تو اپنی ضروریات وحاجات کیسے پوری کرے گا۔
پہلی بات تو یہ ہے کہ اب تک کا جو میرا تجربہ ہے وہ یہ کہ پندرہ، بیس ہزار روپے یا اس کے بقدر سامان تجارت کے مالک پر زکوۃ نکالنے،صدقۃ الفطر ادا کرنے اور قربانی کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی ہے، بلکہ وہ خوشدلی سے زکوۃ بھی نکالتے ہیں،صدقۃ الفطر بھی ادا کرتے ہیں اور قربانی بھی کرتے ہیں، اور جو لاکھوں اور کروڑوں کے مالک ہوتے ہیں ان کو زکوۃ وغیرہ کی ادائیگی میں پریشانی لاحق ہوتی ہے۔

دوسری بات جو پہلے میں نے کہی کہ پندرہ ہزار روپے میں سے چودہ ہزار چھ سے پچیس روپے اپنی ضروریات کے لئے رکھ کر تین سو پچھتر روپے اللہ تعالی کے فقیر و مسکین بندوں پر خرچ کرنے میں کیا پریشانی ہے، پھر یہ کہ اگر پندرہ ہزار روپے یا اس کے بقدر سامان تجارت ہو تو صاحب نصاب ماننے اور زکوۃ وغیرہ کی ادائیگی میں دشواری سمجھ میں آ رہی ہے، اور اگر اسی مالیت کی چاندی ساڑھے باون تولہ چاندی خرید لے یا پہلے سے اس کے یا اس ساڑھے باون تولہ چاندی موجود ہو تو پھر کوئی پریشانی نہیں ہوگی، جو لوگ پریشانی کی بات کرتے ہیں وہ بھی یہ کہتے ہیں کہ چونکہ سونا اور چاندی کا نصاب منصوص ہے، اس لئے مذکورہ صورت میں زکوۃ وغیرہ کی ادائیگی ضروری ہوگی۔

اس موقع سے یہ بات بھی سامنے آ رہی ہے کہ فقراء ومساکین کی بھی رعایت کی جائے اور مالکان کی بھی جس کی صورت یہ ہو کہ دونوں نصاب کی اس وقت جو قیمت ہو اس کا اوسط نکال کر اس کو نصاب مقرر کر دیا جائے، مثلاً اگر سونا اور چاندی دونوں کے نصاب کی قیمت ایک لاکھ ستر ہزار روپے ہوں تو اس کا اوسط پچاسی ہزار روپے ہوں گے، اسی کو نصاب مقرر کر دیا جائے، ظاہر سی بات ہے کہ شریعت نے دو ہی نصاب مقرر کیا ہے ایک سونے کا اور دوسرا چاندی کا، ان دونوں کے بیچ کا نصاب متعین نہیں ہے، اور نہ ہی آج تک کسی نے اس طرح کی بات کی ہے۔

د-امام ابوحنیفہؒ کے قول پر عمل کرنے میں احتیاط کا پہلو بھی ہے، اگر چاندی کے نصاب

کے بقدر مالیت ہونے میں حقیقت میں زکوۃ واجب ہو اور زکوۃ ادا نہ کی جائے تو عند اللہ مواخذہ ہوگا، اور اگر اس میں زکوۃ واجب نہ ہو، لیکن مالک زکوۃ ادا کر دے تو ظاہر سی بات ہے اس میں کوئی مواخذہ نہیں ہوگا، بلکہ باعث ثواب ہوگا۔

ھ۔قرون اولی میں سونا اور چاندی کی قیمت جوڑی ہو، آج سونے کی قیمت زیادہ ہوگئی ہے، تو کہا جارہا ہے کہ چاندی کے نصاب کو معیار مقرر کرنے میں مالکان کے لئے پریشانی کا باعث ہے، لہذا اس کو معیار نہ بنایا جائے، بلکہ سونے کو معیار بنایا جائے، اس کے بعد اگر چاندی کی قیمت زیادہ ہو جائے اور سونے کی قیمت کم ہو جائے تو پھر کیا کہیں گے؟

پھر یہ کہ جب سونا اور چاندی دونوں کا نصاب منصوص ہے، بلکہ چاندی کا نصاب بالکل واضح ہے اور اس میں کسی فقیہ کا اختلاف نہیں ہے اور سونے کے نصاب میں عطاء، طاؤس، زہری، سلیمان بن حرب، اور ایوب سختیانی کا اختلاف ہے، یہ حضرات کہتے ہیں کہ چونکہ سونے کے نصاب کے سلسلہ میں حضور اقدس ﷺ سے کوئی تحدید ثابت نہیں ہے، اس لئے اصل معیار چاندی کا نصاب قرار پائے گا اور سونے کے نصاب کو چاندی کے نصاب پر محمول کیا جائے گا، لہذا اگر سونا ساڑھے سات تولہ سے کم ہو لیکن اس کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہو تو اس میں زکوۃ واجب ہوگی (دیکھئے: موسوعہ فقہیہ ۲۳/ ۲۶۳، ۲۶۴)۔

گرچہ یہ قول جمہور کے خلاف ہے، لیکن اختلاف تو پایا گیا اور چاندی کے نصاب میں کوئی اختلاف نہیں ہے، تو پھر سونا اور چاندی دونوں کی قیمتوں میں تفاوت کی صورت میں سونا کے نصاب کو کیسے معیار قرار دیں گے اور چاندی کے نصاب کو کیوں معیار قرار نہیں دیں گے، جبکہ اس میں احتیاط بھی ہے، سہولت بھی ہے اور اللہ کے غریب بندوں کے حق کی رعایت بھی ہے۔

چاروں اقوال کے درمیان تطبیق:

بظاہر مذکورہ چاروں اقوال کے درمیان اختلاف معلوم ہوتا ہے، لیکن کتب فقہ کے گہرے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فقہاء حنفیہ کے درمیان مذکورہ اختلاف لفظی ہے،

حقیقت میں چاروں اقوال میں اس بات پر اتفاق ہے کہ فقراء و مساکین کو جس میں نفع زیادہ ہو اسی پر عمل کیا جائے۔

علامہ ابن ہمام نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''شرح فتح القدیر'' میں اس مسئلہ پر مفصل گفتگو کی ہے، اور نہایہ، خلاصہ اور کافی کے حوالہ سے چاروں اقوال کے درمیان تطبیق دینے کی پوری کوشش کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''اگر نقد رقم یا سامان تجارت کی مالیت صرف چاندی کے نصاب کے بقدر ہو اور سونے کے نصاب کو نہ پہنچے تو ایسی صورت میں بالاتفاق چاندی کے نصاب کا اعتبار ہوگا، اور اس میں زکوۃ واجب ہوگی اس لئے کہ یہ ''أنفع للفقراء'' ہے۔

اور اگر اس کے پاس نقد رقم یا سامان تجارت اتنی مقدار میں ہے کہ چاندی کا نصاب بھی پورا ہو جاتا ہے اور سونا کا نصاب بھی تو یہ دیکھا جائے گا کہ کون سا زیادہ رائج ہے، جو زیادہ رائج ہو اس سے قیمت لگائی جائے گی اور اگر رواج میں دونوں برابر ہوں تو ایسی صورت میں مالک کو اختیار رہوگا وہ جس نصاب کو معیار بنانا چاہے بنا سکتا ہے۔

گویا کہ چوتھا قول جس میں مالک کو اختیار دیا گیا ہے وہ اس صورت پر محمول ہے، جبکہ نقد رقم یا سامان تجارت سونا اور چاندی دونوں کے نصاب کو پہنچ جائے اور دونوں رواج میں برابر ہوں۔

ملاحظہ ہو شرح ''فتح القدیر'' کی عبارت:

''صرح المصنف باختلاف الرواية وأقوال الصاحبين في التقويم أنه بالأنفع عيناً أو بالتخيير أو بما اشترى به إن كان من النقود وإلا فبا النقد الغالب أو بالنقد الغالب مطلقا، ثم فسر الأنفع الذى هو أحدها بأن يقوم بما يبلغ نصابا، ومعناه أنه إذا كان بحيث اذا قومها بأحدهما لا تبلغ نصابا والآخر تبلغ تعين عليه التقويم بما يبلغ، فأفا أن باقي الأقوال يخالف هذا وليس كذلك،

بل لا خلاف في تعين الأنفع بهذا المعنى علي ما يفيده لفظ النهاية و الخلاصة، قال في النهاية: في وجه هذه الرواية أن المال كان في يد المالک ينتفع به زمانا طويلا، فلا بدمن اعتبار منفعة الفقراء عند التقويم، ألا ترى أنه لو كان يقومه بأحد النقدين يتم النصاب وبالآخر لا، فإنه يقومه بما يتم به النصاب بالإتفاق فهذا مثله، وفي الخلاصه قال: إن شاء قومها بالذهب وان شاء بالفضة، وعن أبي حنيفة أنه يقوم بما هو الأنفع للفقراء، وعن ابي يوسف يقوم بما اشترى، هذا إذا كان يتم النصاب بأيهما قوم، فلو كان يتم بأحدهما دون الآخر قوم بما يصير به نصابا، فإنما يتجه أن يجعل ما فسر به بعض المراد بالانفع، فالمعنى يقوم المالک بالأنفع مطلقا، فيتعين ما يبلغ به نصابا دون مالا يبلغ: فإن بلغ بكل منهما وأحدهما أروج تعين التقويم بالأروج، وان استويارواجا حينئذ يخير المالک كما يشيراليه لفظ الكافي......وجمع بين الروايتين بأن المذكور في الأصل من التخيير هو ما إذا كان التقويم بكل منهما لا يتفاوت" (شرح فتح القدیر ۲/ ۲۲۹، ۲۲۰)۔

علامہ کاسانی نے مذکورہ چاروں اقوال کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

"ومشايخنا حملوا رواية كتاب الزكوة علي ما إذا كان لا يتفاوت النفع في حق الفقراء بالتقويم بأيهما كان جمعا بين الروايتين" (بدائع الصنائع ۲/ ۸۵۱)۔

خلاصہ یہ کہ امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح اور اقرب الی الفقہ ہے اور اسی پر عمل کرنے میں احتیاط بھی ہے، نیز مزاج شریعت سے ہم آہنگ بھی ہے، کہ اس میں فقراء و مساکین کے حقوق کی رعایت ہے، اور اب تک امت کا عمل بھی اسی پر ہے، موجودہ وقت میں اس قوت سے انحراف کی کوئی ضرورت نہیں ہے، لہذا نقد رقم اور سامان تجارت میں وجوب زکوۃ کے لئے راجح قول کے

مطابق اس وقت کے حالات میں چاندی کے نصاب کو معیار قرار دیا جائے، تا کہ جس کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی کے بقدر مالیت ہو وہ صاحب نصاب ہوگا، اس پر زکوۃ، صدقۃ الفطر اور قربانی واجب ہوگی، اور ایسے شخص کے لئے زکوۃ اور دیگر صدقات واجبہ کی رقم لینا جائز نہ ہوگا۔

ضم نصاب قیمت کے اعتبار سے ہوگا یا اجزاء کے اعتبار سے:

حنفیہ کے نزدیک تو یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ اگر سونا اور چاندی دونوں اپنے اپنے نصاب سے کم ہوں، لیکن دونوں کو ملایا جائے تو ایک کا نصاب مکمل ہو جائے گا تو ایسی صورت میں اس پر زکوۃ واجب ہوگی، البتہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ ملانا قیمت کے اعتبار سے ہوگا، یعنی اگر کسی کے پاس ایک تولہ سونا اور پانچ تولہ چاندی ہو تو دونوں کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہو جائے گی، لہذا اس میں زکوۃ واجب ہوگی، جبکہ صاحبین، یعنی امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اجزاء کے اعتبار سے دونوں کو ملایا جائے گا نہ کہ قیمت کے اعتبار سے، جس کی صورت یہ ہوگی کہ مثلاً چار تولہ سونا ہو اور چھبیس تولہ چاندی ہو تو ان دونوں میں زکوۃ واجب ہوگی، اس لئے کہ دونوں اپنے اپنے نصاب کے نصف ہیں، لہذا جب دونوں نصف ملے گا تو ایک نصاب مکمل ہو جائے گا، اسی طرح اگر سونا اپنے نصاب کا ایک چوتھائی، یعنی تقریباً دو تولہ ہو اور چاندی اپنے نصاب کا تین چوتھائی، یعنی انتالیس تولہ ہو تو دونوں ملا کر ایک نصاب ہو جائے گا، یا اس کے برعکس ہو تو بھی نصاب مکمل ہو جائے گا، یا ان دونوں میں سے کوئی ایک دو ثلث ہو اور دوسرا ایک ثلث تو بھی ایک نصاب مکمل ہو جائے گا، اور اس پر زکوۃ واجب ہوگی، اور اگر اجزاء کے اعتبار سے کوئی ایک نصاب مکمل نہ ہو پائے تو گرچہ ان دونوں کی قیمت کسی ایک نصاب کے برابر ہو پھر بھی اس میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی، مثلاً کسی کے پاس دو تولہ سونا اور دس تولہ چاندی ہو تو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی، گرچہ ان دونوں کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی سے زائد ہوگی۔

امام ابوحنیفہؒ کے قول پر عمل کرنے میں فقراء ومساکین کو زیادہ فائدہ ہے اور مالکان کو نقصان ہے وہ حرج میں پڑیں گے، اور صاحبین کے قول پر عمل کرنے میں مالکان کو فائدہ ہے اور

فقراء ومساکین کی پریشانیوں میں اضافہ ہے، تو ایسی صورت میں کس کے قول پر عمل کیا جائے اور کس قول پر فتوی دیا جائے؟

اب تک امام ابوحنیفہؒ کے قول پر ہی عمل ہوتا چلا آرہا ہے اور مفتیان کرام اسی قول پر فتوی بھی دیتے ہیں۔

میرے خیال سے اسی قول کو اختیار کرنا چاہئے، اس سے انحراف کی نہ تو کوئی ضرورت سمجھ میں آتی ہے اور نہ ہی مناسب معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ:

۱-امام ابوحنیفہؒ کے قول پر عمل کرنے میں فقراء ومساکین کے حق کی زیادہ رعایت ہے، اور یہ مزاج شریعت سے ہم آہنگ ہے۔

۲-احتیاط اسی میں ہے، اس لئے کہ زکوۃ فرض ہوجائے اور زکوۃ نہ دی جائے تو عند اللہ مواخذہ ہوگا، لیکن اگر زکوۃ فرض نہ ہو اور زکوۃ دے دی جائے تو یہ باعث ثواب ہوگا۔

۳-صاحبین کے قول پر عمل کرنے میں علماء کرام ومفتیان عظام کے لئے بھی پریشانی ہے اور مالکان کے لئے بھی، اچھے اچھے لوگوں کو سمجھ میں نہیں آئے گا کہ اجزاء کے اعتبار سے دونوں کو کیسے ملایا جائے۔

۴-نیز اگر صرف سونا اور چاندی ہو تو کچھ حد تک دونوں کو ملا کر عمل کرنا آسان ہوگا، لیکن اگر کچھ سونا، کچھ چاندی کچھ نقد رقم اور کچھ سامان تجارت ہو تو ان سبھوں کو اجزاء کے اعتبار سے کیسے ملائیں گے۔

۵-پھر یہ کہ ان سب کی زکوۃ بھی تو عموماً قیمت ہی کے اعتبار سے دیتے ہیں، نہ کہ اجزاء کے اعتبار سے، جب زکوۃ کی ادائیگی قیمت کے اعتبار سے ہوتی ہے تو ضم بھی قیمت ہی کے اعتبار سے ہونا چاہئے۔

۶-دونوں مسئلوں میں امام صاحب کے قول پر عمل کرنے میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ثواب حاصل کرنے کا موقع ملے گا اور اس میں فقراء ومساکین کی ضرورتیں بھی زیادہ سے زیادہ پوری ہوں گی، جو کتاب وسنت کی تعلیمات وہدایات کے عین مطابق ہے۔

نصاب زکوۃ میں اصل معیار سونا یا چاندی؟

مولانا اختر امام عادل قاسمی☆

زکوۃ اسلام کا تیسرا اہم ترین رکن ہے، لیکن یہ ہر شخص پر فرض نہیں ہے، بلکہ امت کے صرف مالدار لوگوں پر فرض ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''إن الله قد فرض عليهم صدقة، تؤخذ من أغنيائهم فترد على فقرائهم'' (بخاری مع فتح الباری ۳/ ۳۵۷، ط: السلفیہ، من حدیث ابن عباس)۔

(بے شک اللہ نے ان پر زکوۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور ان کے غریبوں میں تقسیم کی جائے گی)۔

مگر زکوۃ کے باب میں ہر صاحب مال کو مالدار (غنی) نہیں کہا جائے گا، بلکہ لوگوں کی سہولت کے لیے شریعت نے اس کا ایک معیار مقرر کیا ہے، شریعت کی اصطلاح میں اسی کو نصاب کہا جاتا ہے، شریعت نے مختلف اموال کے لیے ان کے مزاج اور نفسیات کے لحاظ سے مختلف معیار (نصاب) مقرر کیے ہیں، زمینی پیداوار کے لیے الگ معیار ہے، جانوروں کی زکوۃ کا معیار الگ ہے، پھر ان میں بھی جانوروں کی اقسام کے اعتبار سے ان کے نصاب جداگانہ ہیں، چاندی کا نصاب سونا سے مختلف ہے، اس تنوع میں دراصل اموال کے مزاج اور کیفیات کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے، شریعت ہرگز نہیں چاہتی کہ ایک قسم کے معیار کو دوسری قسم پر مسلط کیا جائے، ہر مال کا اپنا ایک مزاج ہے اور اس میں غنا کا اپنا ایک معیار ہے، جو کوئی بھی شخص مشاہدہ کی روشنی میں سمجھ

☆ مہتمم جامعہ ربانی منورواشریف، سمستی پور، بہار۔

سکتا ہے، اسی لیے کسی دور میں شریعت کے مقرر کردہ مختلف معیاروں کو ایک آئینے میں دیکھنے کی کوشش نہیں کی گئی اور نہ آج اس کی اجازت دی جاسکتی ہے، ایسا کرنا دراصل اس فطری تقسیم کی مخالفت ہے جس کے پیش نظر شریعت نے یہ تنوع بالارادہ برقرار رکھی ہے۔

ایک پرانا سوال:

غالباً یہ سوال پہلے بھی کبھی عہد قدیم میں اٹھا تھا کہ ''زکوۃ کے مختلف معیاروں میں توازن نظر نہیں آتا۔''

حضرت امام شافعیؒ ''کتاب الام'' میں اس سوال کا جواب دیتے نظر آتے ہیں، آپؒ نے اس سوچ کو غیر اسلامی اور شریعت کے ذوق ومزاج اور اس کی حقیقی روح سے ناواقفیت کی علامت قرار دیا، ارشاد فرماتے ہیں:

''قال الشافعي: و إن كانت لرجل مائتا درهم تنقص حبة أو أقل ...... **فلا زكاة فيها كما لو كانت له أربع من الإبل تسوى ألف دينار لم يكن فيها شاة و في خمس من الإبل لا تسوى عشرة دنانير شاة ...... ومن قال بغير هذا فقد خالف سنة رسول الله** ﷺ'' (کتاب الأم ۲/۲۷۰، باب صدقة الورق، ط: بیروت لبنان)۔

(اگر کسی کے پاس دو سو درہم سے ایک حبہ بھی کم ہو تو اس میں زکوۃ واجب نہ ہوگی جس طرح کہ اگر کسی کے پاس چار اونٹ ہوں اور ان کی قیمت ہزار دینار کے برابر ہو، مگر اس میں بکری (بطور زکوۃ) واجب نہ ہوگی اور کسی کے پاس نصاب کے بقدر پانچ اونٹ ہوں جو قیمت کے لحاظ سے دس دینار کے برابر بھی نہ ہوں، مگر زکوۃ میں ایک بکری واجب ہوگی، اس کے برخلاف بولنا دراصل سنت رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرنا ہے)۔

حضرت امام شافعیؒ کے اس بیان سے نصاب زکوۃ کے بارے میں اسلامی تصور پر روشنی پڑتی ہے اور یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سوال کوئی نیا نہیں، بلکہ بہت قدیم اور فرسودہ ہے جس کو امت کے اکابر نے بہت پہلے ہی رد کردیا ہے۔ حضرت امام شافعیؒ نے مسئلہ کی توضیح کے لیے

جو مثالیں دی ہیں ان میں وہی آسمان و زمین کا فرق نظر آتا ہے، لیکن اس فرق کے باوجود شریعت کے مقرر کردہ معیار کو بدلنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

قیمتوں کا عالمی معیار:

مذکورہ چار چیزوں (زمینی پیداوار، جانور، سونا اور چاندی) کے علاوہ بقیہ تمام چیزوں (مثلاً نقد روپے اور سامان تجارت وغیرہ) کو شریعت نے سونا یا چاندی کے تابع قرار دیا ہے، اس لیے کہ تمام امور میں سونا اور چاندی ہی ذریعۂ مبادلہ کی حیثیت رکھتے ہیں، اس لیے ان کی قدر و قیمت کے تعین میں سونا چاندی کو خاص دخل ہے، رہا یہ کہ ان دونوں میں اصل معیار کون ہے، سونا یا چاندی؟

شریعت کی نصوص اور فقہاء کی تصریحات میں ان دونوں میں کسی فرق کا ذکر نہیں ملتا، بلکہ قدر و قیمت میں باہم مختلف ہونے کے باوجود معیار کے معاملے میں دونوں کو مساوی درجہ دیا گیا ہے، فقہاء کی بے شمار تصریحات ایسی ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ مال تجارت دونوں میں سے جس نصاب کے برابر ہو جائے زکوٰۃ واجب ہو جائے گی، اگر دونوں نصاب قدر و قیمت میں برابر ہوں تو جس کے مطابق چاہیں حساب کر سکتے ہیں، البتہ اگر دونوں قدر و قیمت میں مختلف ہوں تو جس کے مطابق نصاب پہلے مکمل ہوگا اس کی رعایت کی جائے گی اور زکوٰۃ واجب ہوگی۔ فی زمانہ، بلکہ ہر دور میں سونا کے مقابلے چاندی سستی اور سہل الحصول رہی ہے (تفسیر مظہری)، اس لیے قدرتی طور پر چاندی کا نصاب پہلے پورا ہوگا، اس طرح عملاً چاندی کا نصاب ہی عمومی معیار قرار پاتا ہے، فقہاء نے پوری وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ اگر کوئی ایک نصاب پورا ہو جائے تو وہی نصاب اس کے لیے مقرر ہو جائے گا اور کسی دوسرے نصاب کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔

ابن نجیم اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کے بعد خلاصۂ کلام کے طور پر تحریر فرماتے ہیں:

"فالحاصل أن المذهب تخييره إلا إذا كان لا يبلغ بأحدهما نصابا تعين التقويم بما يبلغ نصابا" (البحر الرائق ۲/ ۲۲۹)۔

(خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اصل مذہب کے مطابق دونوں نصابوں (سونا اور چاندی) میں اختیار ہے،لیکن اگر ایک نصاب پورا ہوجائے اور دوسرا پورا نہ ہوتو پھر وہی نصاب متعین ہوجائے گا)۔

اس قسم کی عبارتیں تقریباً تمام ہی فقہی کتابوں میں ملتی ہیں (دیکھئے:ہدایہ ۱/۱۹۵،باب زکوٰۃ الاموال،تبیین الحقائق ۱/۲۷۹،الدر المختار مع رد المحتار ۳/۲۱۰،۲۱۱،باب زکوٰۃ المال،فتاویٰ ہندیہ ۱/۱۷۹،بنایہ:علی الہدایہ ۱/۱۷۵،بدائع الصنائع ۲/۱۱۰،اور مبسوط للسرخسی ۲/۱۹۱وغیرہ)۔

میرا اپنا میلان فقہاء کے اسی نقطۂ نظر کی طرف ہے،میری حقیر رائے میں اصل نصاب چاندی کا ہے اور اس میں معیار تقویم بننے کی پوری صلاحیت موجود ہے،میرے اس خیال کی کئی وجوہات ہیں۔

اسباب ترجیح:

۱- تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ عہد نبوی میں زیادہ تر رواج چاندی کے سکوں کا تھا،سونے کے سکوں کا رواج نسبتاً کم تھا۔

☆ حضرت عطاءؒ چاندی کا نصاب بتانے کے بعد فرماتے ہیں:

"**إنما كان إذ ذاك الورق و لم يكن الذهب**" (مصنف ابن أبي شيبہ ۳/۲۲۲)۔

(اس وقت صرف چاندی ہی چاندی تھی،سونا نہیں تھا)۔

☆ بلکہ علامہ کاسانیؒ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ خود سونے کا نصاب چاندی کی روشنی میں طے کیا گیا تھا،حضرت عمرو بن حزمؓ کی حدیث کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

"**و الذهب مالم تبلغ قيمته مائتى درهم فلا صدقة فيه، فإذا بلغت قيمته مائتى درهم ففيه ربع العشر، و كان الدينار على عهد رسول الله ﷺ مقوما بعشر دراهم**" (بدائع الصنائع ۲/۱۰۵)۔

(سونا کی قیمت جب تک دو درہم کے برابر نہ ہو اس میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، جب اس کی قیمت دوسو درہم کے برابر ہوجائے تو اس میں چالیسواں حصہ واجب ہوگا،اور عہد نبوی میں

ایک دینار کی قیمت دس درہم تھی)۔

☆ ایک اور روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''من سأل الناس و له مايغنيه جاء يوم القيامة و مسألته في وجهه خموش أو خدوش أو كدوح، قالوا: يا رسول الله ! و ما يغنيه؟ قال: خمسون درهما أو قيمتها من الذهب'' (أخرجه الترمذي ۳/ ۳۲، الحلبي وقال: حديث حسن)۔

(جو شخص بقدر کفایت مال رکھنے کے باوجود لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرے تو قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر (ذلت آمیز) خراشیں ہوں گی، لوگوں کے عرض کیا: یا رسول اللہ! بقدر کفایت مال سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''پچاس درہم یا ان کی قیمت کے برابر سونا'')۔

ان قرائن سے ظاہر ہوتا ہے کہ عہد نبوی میں اصل رواج چاندی کا تھا، اس لیے کہ وہ نسبتاً ارزاں اور سہل الحصول تھا، اسی لیے عہد نبوی کے اکثر معاملات میں چاندی کو معیار مانا جاتا تھا۔

قاعدے کے مطابق عہد نبوی میں رائج معیار زیادہ قابل ترجیح ہے۔

۲- چاندی کا نصاب (دو سو درہم) صحیح اور مضبوط احادیث سے ثابت ہے، جبکہ سونا کے نصاب کے بارے میں کوئی صحیح اور مضبوط حدیث موجود نہیں ہے، چاندی کے بارے میں اس مضمون کی متعدد صحیح روایات کتب حدیث میں موجود ہیں، مثلاً:

حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ليس فيما دون خمس أوراق من الورق صدقة'' (صحیح البخاري مع الفتح ۳/ ۳۲۳، ط: السلفیہ)۔

(پانچ اوقیہ چاندی سے کم زکوۃ نہیں ہے (ایک اوقیہ ۴۰ درہم کا ہوتا ہے)۔

حضرت انسؓ ارشاد نبوی نقل فرماتے ہیں:

''و في الرقة ربع العشر، فإن لم يكن إلا تسعين و مائة فليس فيها شيء إلا أن يشاء ربها'' (صحیح البخاری مع الفتح ۳/ ۳۱۸، ط: السلفیہ)۔

(چاندی میں چالیسواں حصہ واجب ہے، اگر کسی کے پاس صرف ایک سو نوے (۱۹۰) دراہم ہوں تو اس میں کچھ واجب نہیں ہوگا، الا یہ کہ خود مال والا زکوۃ نکالنا چاہے)۔

چاندی سے متعلق ان کے علاوہ اور بھی بہت سی صحیح روایات موجود ہیں، جبکہ سونا کے نصاب کے بارے میں جس قدر روایات آئی ہیں ان میں ایک بھی کلام سے خالی نہیں ہے (تفصیل کے لیے دیکھئے: نصب الرایہ ۲/ ۳۶۹، ۳۷۰، زرقانی علی الموطا ۲/ ۹۷، المغنی لابن قدامہ ۳/ ۴، فتح القدیر لابن ہمام ۱/ ۵۲۴ وغیرہ)۔

ظاہر ہے کہ ایسی صورت حال میں دو مختلف نصابوں میں سے وہ نصاب زکوۃ بہتر معیار بن سکتا ہے جو مستند ذرائع سے ثابت ہو اور کلام سے پاک ہو۔

۳- چاندی کے نصاب کے بارے میں عہد نبوی سے آج تک کسی کا کوئی اختلاف منقول نہیں ہے، جبکہ سونے کے نصاب کے بارے میں مختلف مکاتب فکر منقول ہیں، مثلاً:

☆ حضرت حسن بصریؒ کا مذہب ایک روایت کے مطابق یہ نقل کیا گیا ہے کہ سونے کا نصاب چالیس (۴۰) دینار ہے، داؤد بن علی اور ان کے اصحاب کا نقطۂ نظر بھی یہی ہے (نیل الاوطار ۴/ ۱۳۹، بدایۃ المجتہد ۱/ ۱۸۶)۔

☆ دوسرا مکتب فکر حضرت طاؤسؒ کا ہے، ان کے نزدیک چونکہ نبی کریم ﷺ سے سونے کا کوئی نصاب صحیح طور پر ثابت نہیں ہے، اس لیے یہ چاندی کے تابع رہے گا، یعنی سونا کی قیمت اگر دو سو (۲۰۰) درہم کے برابر ہو جائے تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی، ورنہ نہیں، حضرت عطاءؒ، زہریؒ، سلیمان بن حربؒ اور ایوب سختیانیؒ کا مسلک بھی یہی نقل کیا گیا ہے (المغنی ۳/ ۴، فتح القدیر ۱/ ۵۲۴، الدسوقی مع الشرح الکبیر ۱/ ۴۵۵)۔

☆ جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ سونا کا نصاب ۲۰/مثقال دینار ہے، جس میں نصف دینار زکوۃ واجب ہوگی، بعض حضرات نے قرون اخیرہ کے لحاظ سے اس پر اجماع بھی نقل کیا ہے (کتاب الام ۲/۲۷۱، المجموع شرح المہذب ۶/۷۲)۔

ظاہر ہے کہ وہ نصاب زیادہ قابل لحاظ ہوسکتا ہے جس میں کسی کا اختلاف منقول نہ ہو، اس نصاب کی بہ نسبت جس کے بارے میں متعدد ائمہ اور علماء کبار کا اختلاف منقول ہو، خصوصاً اس وقت جبکہ کئی اکابر فقہاء سونا کے نصاب کو اصل ماننے کے بجائے چاندی کے نصاب کو اصل قرار دیتے ہوں۔

۴- چاندی سے نصاب کے تعین میں غرباء و مساکین کا زیادہ فائدہ ہے، اس لیے کہ اس صورت میں زیادہ زیادہ لوگوں پر زکوۃ واجب ہوگی، جبکہ سونا سے نصاب کے تعین میں غرباء کا نقصان ہے، فقہاء نے بڑی صراحت کے ساتھ تحریر کیا ہے کہ نصاب میں ہمیشہ وہ نصاب ملحوظ رکھا جائے گا جس میں غریبوں کا زیادہ نفع ہو۔

علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

"إنه يقوم بأوفى القيمتين من الدراهم حتى إذا بلغت بالتقويم بالدراهم نصابا و لم تبلغ بالمنانير قومت بما يبلغ به النصاب، و كذا روي عن أبي حنيفة في الأموال أنه يقومها بأنفع النقلين للفقراء" (بدائع الصنائع ۲/۱۱۰)۔

(درہم و دینار کے لحاظ سے نصاب پورا نہ ہو تو درہم کا اعتبار ہوگا، دینار کا نہیں، مالی معاملات میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کا نقطۂ نظر اسی طرح نقل کیا گیا ہے کہ فقراء کے لیے نفع بخش نصاب کی قیمت کا لحاظ کیا جائے گا)۔

یہ مضمون فقہ حنفی کی تقریباً تمام ہی کتابوں میں معمولی فرق کے ساتھ نقل ہوا ہے، گویا یہ بات فقہاء نے بہت پہلے صاف کردی ہے کہ ایک نصاب کی تکمیل کے بعد دوسرے نصاب کا انتظار کرنا درست نہیں (ہدایہ مع البنایہ ۳/۱۵۳، فتاوی عالمگیری ۱/۱۹۷)۔

۵- ہمارے دور میں ظاہر ہے کہ مال میں چاندی کا نصاب پہلے اور سونے کا نصاب بعد میں پورا ہوگا، احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ چاندی کے نصاب کو پہونچتے ہی زکوٰۃ فرض قرار دی جائے، اس لیے کہ اگلے نصاب کے انتظار میں زکوٰۃ ادا نہ کرنا حرمت یا شبہ حرمت سے خالی نہیں ہے، فقہاء نے اس احتیاط کی طرف بھی توجہ دلائی ہے، علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

"أن الدراهم و الدنانير و إن كانا في الثمنية و التقويم بهما سواء، لكنا رجحنا أحدهما بمرجح و هو النظر للفقراء و الأخذ بالاحتياط أولى، ألا ترى أنه لو كان بالتقويم بأحدهما يتم النصاب و بالآخر لا، فإنه يقوم بما يتم به النصاب نظرا للفقراء و احتياطا" (بدائع الصنائع ۲/۱۱۰)۔

(درہم و دینار ثمنیت اور تقویم کے باب میں اگر چہ کہ ہم پلہ ہیں، لیکن ان میں ایک کو دوسرے کسی وجہ ترجیح کی بنا پر فوقیت حاصل ہو سکتی ہے، وجوہ ترجیح یہ ہیں: ۱- فقراء کی رعایت، ۲- اور احتیاط پر تقاضا، یعنی اگر ایک سے نصاب پورا ہو جائے اور دوسرے سے نہ ہو تو فقراء کے نفع اور احتیاط کے پیش نظر اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی)۔

۶- علاوہ ازیں زکوٰۃ کی مشروعیت کے جو مقاصد بیان کیے گئے ہیں:

☆ ان میں ایک بڑا مقصد تزکیۂ اخلاق اور حرص و بخل کے جراثیم کا خاتمہ ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿خذ من أموالهم صدقة تطهرهم و تزكيهم بها﴾ (سورۂ توبہ/ ۱۰۳)۔

(آپ ان کے اموال سے زکوٰۃ وصول کریں، تاکہ ان کی تطہیر باطن اور تزکیۂ اخلاق کا سامان ہو)۔

☆ دوسرا بڑا مقصد اجتماع انسانی کی ضروریات کی تکمیل ہے، جس کی طرف ایک حدیث پاک میں اشارہ کیا گیا ہے:

"تؤخذ من أغنيائهم فترد على فقرائهم" (صحیح البخاری مع الفتح ۳/ ۳۵۷)۔

(زکوٰۃ ان کے مالداروں سے لے کران کے فقراء میں تقسیم کی جائے گی)۔

ان مقاصد کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ زکوٰۃ کو نسبتاً چھوٹے اور آسان معیار کے ساتھ وابستہ کیا جائے، تا کہ یہ مقاصد زیادہ عمومی سطح پر حاصل ہوں، ورنہ لوگوں کو دنیا کی ہوس ہزار راستے دکھائے گی اور انسانوں کا ایک بڑا طبقہ زکوٰۃ کے منافع سے محروم رہ جائے گا۔

ان دلائل ووجوہ کے پیش نظر میرے خیال میں نقود اور اموال تجارت کے لیے چاندی کو ہی اصل معیار کے طور پر برقرار رکھنا ضروری ہے، جیسا کہ اب تک جمہور امت کا معمول اور موقف رہا ہے، اور خود ''مجمع الفقہ الاسلامی الہند'' اپنے دوسرے فقہی سیمینار میں اسی کے مطابق متفقہ تجویز پاس کر چکا ہے (دیکھئے: مجلہ فقہ اسلامی، سیمینار نمبر:۲، کرنسی نوٹ کا مسئلہ، تجویز نمبر:۵):

''نوٹوں میں زکوٰۃ کا نصاب چاندی کے نصاب کی قیمت کے مساوی ہوگا'' (ص ۵۶۸)۔

عصر حاضر کا ایک نیا رجحان – جائزہ:

اس نقطۂ نظر کے بالمقابل ادھر چند برسوں سے ایک نیا رجحان سامنے آیا ہے، وہ یہ کہ چاندی کی قدر و قیمت چونکہ غیر معمولی طور پر کم ہوگئی ہے، اس لیے نقود اور اموال تجارت میں فقر و غنا کا معیار چاندی کے بجائے سونا کو قرار دیا جائے، اس رجحان کی وکالت عام طور پر بعض عرب علماء کی طرف سے کی گئی ہے، مگر اس نقطۂ نظر کے پیچھے کوئی مستند اور مضبوط بنیاد نہیں ہے، اس ذیل میں جو باتیں پیش کی جاتی ہیں، ان کی حیثیت عقلی قیاسات سے زیادہ نہیں ہے، ذیل میں ہم ان کی بعض دلیلوں پر نظر ڈالتے ہیں۔

چاندی کی قدر و قیمت میں اتار چڑھاؤ کا معاملہ:

اس سلسلے کی سب سے مضبوط دلیل جس کو بالعموم پوری قوت کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے، یہ ہے کہ ''عہد نبوی کے بعد چاندی کی قیمت میں کافی اتار چڑھاؤ آیا اور وہ اپنی اصل قیمت پر باقی نہیں رہی، بلکہ جس طرح دوسری اشیاء کی قیمتیں کم و بیش ہوتی رہتی ہیں، اسی طرح چاندی

کی قیمت میں بھی تغیر وتبدل ہوتا رہا ہے، تاریخ کے مطابق عہد نبوی میں ایک دینار دس درہم کے برابر تھا، مگر عہد بنوامیہ میں درہم کی قیمت گھٹ گئی اور ایک دینار بارہ درہم کے برابر ہو گیا، عہد عباسی میں اس سے بھی کم تر ایک دینار پندرہ درہم یا اور زیادہ کے برابر ہو گیا، بلکہ مورخ مقریزی کا بیان یہ ہے کہ عہد فاطمی میں درہم اس قدر ارزاں ہو گیا تھا کہ ایک دینار کے ۳۴ر درہم مل جاتے تھے، اس کے برخلاف سونا کی قیمت تقریباً اپنے حال پر رہی، اس میں اتار چڑھاؤ بہت کم ہوا اور اختلاف زمان سے بہت کم متاثر ہوا، اس لیے سونا زیادہ مستحکم معیار بننے کی صلاحیت رکھتا ہے (فقہ الزکاۃ علامہ قرضاوی: ۱/ ۲۶۴)۔

مگر یہ دلیل کئی اعتبار سے کمزور ہے:

☆ ایک تو مذکورہ بالا حوالوں میں درہم و دینار کی قیمتوں میں اتار چڑھاؤ کا ذکر ملتا ہے، نہ کہ سونا و چاندی کی قیمتوں میں اتار چڑھاؤ کا، درہم و دنانیر سونا چاندی سے تیار ہونے والے سکوں کا نام ہے، یہ سکے کبھی خالص ہوتے تھے اور کبھی کسی دوسری دھات کی معمولی ملاوٹ سے بنتے تھے، اسی لیے فقہاء کے یہاں دراہم خالصہ اور دراہم مغشوشہ کی بحث آئی ہے، اور فقہاء نے لکھا ہے کہ سکہ میں اگر چاندی زیادہ ہو تو چاندی کے حکم میں ہوگا اور کھوٹ زیادہ ہو تو سامان کے حکم میں ہوگا، یہی حکم سونا کے لیے بھی ہے (بدائع الصنائع ۲/ ۱۰۳)، تو درہم و دینار میں قیمتوں کا تفاوت دراصل اس پر انحصار کرتا ہے کہ ان میں ملاوٹ کا تناسب کیا ہے؟ مختلف اسلامی ادوار میں اس تناسب میں فرق رہا ہے، اس لیے ان کی قیمتوں میں بھی فرق نظر آتا ہے، مختلف مورخین نے اس فرق پر روشنی ڈالی ہے، مختلف ادوار میں اس تاریخی مد و جزر کے لیے دیکھئے مشہور ماہر قانون علامہ ابن قمانیؒ کی کتاب ''قوانین الاداوین'' ص: ۲۵، علامہ قلقشندیؒ کی کتاب ''صبح الاعشیٰ'' ۳/ ۴۶۶، علامہ مقریزی کی ''اغاثۃ الامۃ'' ص: ۶۵، ۶۶، اور حقیر راقم الحروف کا مضمون ''سکہ اور کرنسی تاریخ کی روشنی میں'' شائع کردہ سہ ماہی مجلہ ''بحث ونظر'' ص: ۹۴-۱۱۶، شمارہ: ۱۷، جلد: ۵، اپریل-جون ۱۹۹۲ء۔

مگر زیر بحث مسئلے میں اس تفاوت سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اس لیے کہ درہم و دینار میں زکوۃ کی بنیاد اصلاً ان کی تعداد پر نہیں، بلکہ ان کے وزن پر ہے، یعنی درہم میں وزن سبعہ کا اعتبار ہے اور اسی معیار پر چاندی میں ساڑھے باون تولہ اور سونا میں ساڑھے سات تولہ وزن مقرر کیا گیا ہے، جو فقہاء کے یہاں معروف بات ہے (دیکھئے: کتاب الام ۲/ ۲۷۰، فتح القدیر ۱/ ۵۲۲-۵۲۴، ابن عابدین ۲/ ۳۰، المغنی ۳/ ۲، الشرح الکبیر ۱/ ۴۵)۔

☆ دوسری بات یہ ہے کہ قیمتوں میں اتار چڑھاؤ کا مدار طلب و رسد پر ہے، اور اس کے محرکات و اسباب مختلف ہو سکتے ہیں اور اس کا تعلق کسی بھی چیز سے ہو سکتا ہے، خود سونا بھی اس سے بالکلیہ مستثنیٰ قرار نہیں دیا جا سکتا، سوال یہ ہے کہ اگر کسی دور میں کسی معاشی بحران کی بنا پر سونا کی قدر و قیمت بھی عدم توازن کی شکار ہو جائے تو پھر کسی اور مستحکم معیار کی تلاش کرنی ہوگی، اس طرح یہ معیار بچوں کا کھلونا بن جائے گا۔

☆ تیسری بات یہ ہے کہ قیمتوں کی تبدیلی کی بنا پر اگر نصاب تبدیل کرنے کی گنجائش ہوتی تو یہ تبدیلی عہد نبوی کے بعد ہی شروع ہو گئی تھی، اس لیے کہ درہم و دینار کی قیمت عہد فاروقی ہی میں گھٹ گئی تھی، ابوداؤد شریف کی روایت ہے:

"عن عمرو ابن شعیب عن أبیه عن جده قال: کانت قیمة الدیة علی رسول اللہ ﷺ ثمان مائة دینار أو ثمانیة آلاف درهم فکان ذلک کذلک حتی استخلف عمر فقال خطیبا: الآن الإبل قد غلت فقال: ففرضها عمر علی أهل الذهب ألف دینار و علی أهل الورق اثنی عشر الفا و علی أهل البقر مائتی بقرة و علی أهل الشاة ألفی شاة و علی أهل الحلل مائتی حلة" (رواہ ابو داؤد ۲/ ۶۲۵، مشکوۃ شریف: ۳۰۴، باب الدیات)۔

(دیت کی قیمت عہد نبوی میں آٹھ سو دینار یا آٹھ ہزار درہم تھی، یہ مقدار اسی طرح باقی رہی، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ اب اونٹ

گراں ہو گئے ہیں، اس کے بعد حضرت عمرؓ نے سونا والوں پر ایک ہزار دینار، چاندی والوں پر بارہ ہزار درہم، گائے والوں پر دو سو گائے، بکری والوں پر دو ہزار بکری اور جوڑا والوں پر دو سو جوڑے مقرر کئے)۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ درہم و دینار کی قیمت عہد نبوی ہی میں گھٹ گئی تھی، چنانچہ خود آپ ہی نے بارہ ہزار درہم دیت کے لیے مقرر فرما دیے تھے:

''عن ابن عباس عن النبي ﷺ أنه جعل الدية اثني عشر ألفا'' (رواہ الترمذي وأبو داؤد والنسائي والدارمي، مشکوۃ شریف: ۳۰۴، باب الدیات)۔

(حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ خود نبی کریم ﷺ نے دیت بارہ ہزار درہم فرما دیا تھا)۔

سوال یہ ہے کہ جب درہم و دینار کی قیمت عہد فاروقی یا عہد نبوی میں کم ہو گئی تو حضور ﷺ نے یا حضرت عمرؓ نے دیت کی مقدار میں ترمیم فرما دی، اسی طرح کی ترمیم سونا چاندی کے نصاب زکوۃ میں کیوں نہیں کی گئی؟ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سونا چاندی اور دوسری اشیاء کے نصابوں میں قیمتوں کی کمی بیشی موثر نہیں ہے اور نہ قیمت کی تبدیلی کی بنا پر کسی نصاب کو ترک کیا جا سکتا ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قیمتوں میں اتار چڑھاؤ کا عمل چاندی کی طرح سونا میں بھی ہوتا رہا ہے۔

نصابوں کے درمیان توازن کا مسئلہ:

نئے رجحان کی تائید میں ایک بات یہ کہی جاتی ہے کہ چاندی کے نصاب کو جانوروں کے نصاب کے تناظر میں دیکھا جائے تو ان کے درمیان کوئی توازن نظر آتا، مثلاً اونٹ کا نصاب پانچ اونٹ اور بکری کا نصاب چالیس بکریاں ہیں، ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت سے ۵/ اونٹ یا ۴۰/ چالیس بکریاں آخر کیسے خریدی جا سکتی ہیں؟ البتہ سونا کا نصاب اس سے کسی حد تک قریب ہے (فقہ الزکوۃ: ۱/ ۲۶۴)۔

☆ مگر اس استدلال کی سب سے پہلی غلطی یہ ہے کہ ایک نصاب کو دوسرے نصاب پر پیش کرنا ہی سرے سے غلط ہے، ہر نصاب اپنی مستقل حیثیت رکھتا ہے، جس کو متعلقہ مال کے مزاج اور معیار کے مطابق شریعت نے مقرر کیا ہے، ایک کو دوسرے پر پیش کرنے کا مطلب اس کے استقلال کو چیلنج کرنا ہے۔

☆ دراصل ہر مال کا اپنا ایک معیار ہے اور ہر مال میں غنا کا معیار دوسرے سے مختلف ہے، اگر اس معیار اور مزاج میں امتیاز نہ کیا جائے تو سخت مشکل پیدا ہو جائے گی، بہت سے مباحث خلط ملط ہو جائیں گے اور بات کچھ سے کچھ ہو جائے گی۔ زکوٰۃ انسان کی شخصیت پر نہیں، بلکہ اس کی مالی حیثیت پر عائد ہوتی ہے اور اس کا تعین مال کی نوعیت کے لحاظ سے ہوگا کہ ایک انسان مال والا کب قرار دیا جائے گا؟ سونا اور اونٹ ہر دور میں گراں رہے ہیں، اس لیے صرف بیس مثقال اور پانچ اونٹ ہی سے انسان کی مالی حیثیت اس قدر بلند ہو جاتی ہے کہ اس کے بعد انسان صاحب دینار (سونا والا) اور صاحب ابل (اونٹ والا) کہلانے لگتا ہے، اس کے برخلاف چاندی اور بکری وغیرہ نسبتاً ہمیشہ ارزاں رہے ہیں، اس لیے ان کا معیار ان سے اونچا رکھا گیا کہ اس سے کم میں کوئی شخص غنا کی حد تک چاندی والا اور بکری والا نہیں بنتا، اب چاہے فی الجملہ وہ کافی صاحب مال نہ قرار پائے، لیکن اس مال کی حد تک تو صاحب مال ضرور ہے، شریعت کے مقرر کردہ ان مقادیر میں بڑی حکمت ہے، اسی لیے ہر دور میں علماء نے مختلف نصابوں کے درمیان موازنہ کو غلط اور غیر اسلامی قرار دیا، جیسا کہ امام شافعیؒ کے حوالے سے پہلے عرض کیا جا چکا ہے (کتاب الام ۲/۲۷۰)۔

☆ ان حضرات کی نگاہ اس حقیقت پر نہیں گئی کہ شریعت کو اگر قدر و قیمت کے لحاظ سے کوئی یکساں معیار مطلوب ہوتا تو ہر نوع مال کے لیے الگ الگ نصاب مقرر کرنے کی حاجت نہ تھی، بلکہ سونا، چاندی یا جانور کسی کو مدنظر رکھ کر کوئی ایک نصاب مقرر کر دیا جاتا اور کہہ دیا جاتا کہ اس کی قیمت کے مطابق جس کے پاس کوئی مال جمع ہو جائے، اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، لیکن ایسا

نہیں کیا گیا، اس لیے کہ ہر نوع مال کا مزاج ومذاق مختلف ہے، اور زکوٰۃ انسان کی ذات پر نہیں، بلکہ اس مال پر واجب ہوتی ہے جس کی ایک مخصوص مقدار اس کے پاس موجود ہو، ہماری یہ بہت بڑی غلطی ہوگی کہ اموال کا مزاج ومذاق سمجھے بغیر کوئی فیصلہ کریں۔

☆ اور آخری بات یہ ہے کہ نصابوں کی قیمتوں کے درمیان یہ (فرضی) توازن جو آج تلاش کیا جارہا ہے اگر یہ واقعی مطلوب ہوتا تو سب سے پہلے اس کا لحاظ عہد نبوی میں کیا جاتا، لیکن ایسا نہیں ہے، حضرت انسؓ کی ایک تفصیلی روایت بخاری شریف اور دوسری کتب حدیث میں آئی ہے، اس روایت کا ایک ٹکڑا یہ ہے:

''جس کے پاس اونٹ جذعہ کے نصاب تک پہنچ جائے اور اس کے پاس جذعہ نہ ہو، بلکہ حقہ ہو تو اس سے حقہ لے لیا جائے گا اور مزید دو بکریاں یا بیس درہم وصول کیے جائیں گے اور جس کے پاس اونٹ حقہ کے نصاب تک پہنچ جائے اور اس کے پاس حقہ کے بجائے جذعہ ہو تو اس سے جذعہ لے لیا جائے گا اور دو بکریاں یا بیس درہم اس کو واپس کردیئے جائیں گے'' (مشکوٰۃ شریف/۱۵۸، کتاب الزکوٰۃ، رواہ البخاری)۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد نبوی میں ایک بکری کی قیمت ۱۰/درہم کے برابر تھی، اس لحاظ سے بکری کا نصاب ۴۰/ہے تو چاندی کا نصاب ۴۰۰/درہم ہونا چاہیے، لیکن قیمت کا یہ توازن ملحوظ نہیں رکھا گیا، ورنہ اس وقت بھی یہ اعتراض کیا جاسکتا تھا کہ جو آدمی ۳۹/بکریوں کا مالک ہو، وہ شریعت کی نگاہ میں غریب ہو، اس پر زکوٰۃ فرض نہ ہو، حالانکہ وہ عہد نبوی کی قیمت کے لحاظ سے تین سواسی (۳۸۰) دراہم کی مالیت رکھتا ہے اور جو شخص صرف دوسو (۲۰۰) درہم کا مالک ہو وہ شریعت کے نزدیک مالدار قرار پائے، اس پر زکوٰۃ فرض ہو، حالانکہ وہ صرف بیس (۲۰) بکریاں خرید سکتا ہے؟

نصاب زکوٰۃ کی حکمت

بعض لوگ نصاب زکوٰۃ کی حکمت کا حوالہ دیتے ہیں، جس کو حضرت شاہ ولی اللہ محدث

دہلویؒ اور بعض دوسرے علماء نے بیان کیا ہے:

''اموال کے جو نصاب مقرر کیے گئے ہیں، وہ عام حالات میں اسراف سے بچتے ہوئے ایک گھر کے سال بھر کے نفقہ کی کفایت کر سکتے ہیں، اس سے ہنگامی حالات کا استثنا ہے (حجۃ اللہ البالغہ ۲/۵۰۹)۔

اس حکمت کی روشنی میں چاندی کا نصاب موجودہ گرانی کے دور میں سال بھر کے نفقہ کے لیے حد درجہ نا کافی ہے، بلکہ یہ مقدار ایک گھر تو دور کی بات ہے ایک فرد کے سالانہ خرچ کے لیے بھی کافی نہیں۔

لیکن یہ بھی محض تلبیس ہے، اس لیے کہ:

☆ حکمت مدار حکم نہیں بنتی ،وہ محض حکم کی تشریح ہے ،تشریح کا تعلق انسانی فہم سے ہے، ضروری نہیں کہ فکر انسانی تمام زمانوں کا ادراک یا احاطہ کر سکے، اسی لیے کسی بھی دور میں حکمت پر حکم شرعی کی بنیاد نہیں رکھی گئی، خواہ وہ کتنی ہی خوبصورت ہو، ورنہ خود چاندی کا منصوص نصاب بھی اس کی زد میں آنے سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

☆ دوسرے یہ کہ زکوٰۃ بنیادی ضروریات سے بچے ہوئے مال میں واجب ہوتی ہے، اب اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ وہ بچی ہوئی مقدار سال بھر کے نفقہ کے لیے کافی ہے یا نہیں؟

غرض یہ تمام باتیں جو نئے رجحان کے حاملین اس ذیل میں پیش کرتے ہیں، کمزور ہیں اور ان کی بنا پر جمہور علماء کے متفقہ نظریہ سے انحراف کرنا ہرگز مناسب نہیں، خصوصاً اس وقت جبکہ خود فقہ اکیڈمی دہلی اس عمومی موقف کی تائید میں باتفاق رائے تجویز پاس کر چکی ہے۔

سوال یہ ہے کہ اکیڈمی کے خود اپنے ہی قراردادوں کے خلاف سوال اٹھانے کو کیا نام دیا جائے گا؟ اختلاف زمان یا اختلاف برہان؟

ضم نصاب کا مسئلہ:

جہاں تک سونا اور چاندی کے نصابوں کے انضمام کا مسئلہ ہے تو اس مسئلہ میں حضرت

امام ابوحنیفہؒ کی رائے زیادہ قابل قبول اور لائق ترجیح ہے، یعنی کسی کے پاس سونا اور چاندی دونوں میں سے کسی کا نصاب مکمل نہ ہو تو حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ دونوں نصابوں کی ملا کر ان کی مالیت کا اندازہ لگایا جائے گا کہ وہ دونوں میں سے کسی نصاب کے برابر ہوتا ہے یا نہیں؟ البتہ خود حنفیہ میں اس سلسلے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ دونوں نصابوں کی ملانے کی بنیاد کیا ہوگی؟ حضرت امام ابو حنیفہؒ قیمت کو معیار قرار دیتے ہیں، جبکہ صاحبینؒ قیمت کے بجائے ضم بالاجزاء کے قائل ہیں، حضرت امام شافعیؒ کو اس سے اختلاف ہے، حضرت امام شافعیؒ کا خیال ہے کہ یہ دونوں الگ الگ جنس ہیں، یہی وجہ ہے کہ شریعت نے دونوں کے لیے جداگانہ نصاب مقرر کیے ہیں، اس لیے اصول کے مطابق ہر جنس کا الگ الگ نصاب جب تک پورا نہ ہو، زکوۃ واجب نہیں ہو سکتی (کتاب الام ۲/۲۷۲)۔

جبکہ حنفیہ نقدین کو جداگانہ ماننے کے باوجود معنوی طور دونوں کے فی الجملہ اتحاد کے قائل ہیں، اس لیے کہ دونوں ہی مساوی طور پر ذریعۂ مبادلہ اور اشیاء کے لیے معیار تقویم بنتے ہیں، اس لیے ناقص ہونے کی صورت میں ایک کو دوسرے کے ذریعہ پورا کیا جائے گا (بدائع الصنائع ۲/۱۰۶)۔

ظاہر ہے کہ سونا اور چاندی کو جنس واحد قیمت ہی کی بنیاد پر قرار دیا جاسکتا ہے، اس لیے ضم نصاب کے مسئلے میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کا موقف زیادہ مضبوط اور دلائل سے زیادہ قریب ہے۔

خلاصۂ جوابات:

۱- اموال تجارت اور نقود کے نصاب میں چاندی کو معیار بنانا اصول اور دلائل سے زیادہ قریب اور مستحقین کے لیے زیادہ مفید ہے۔

۲- ضم نصاب کے مسئلہ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کی رائے کے مطابق قیمت کا لحاظ رکھا جانا زیادہ بہتر ہے۔

وجوب زکوۃ میں ضم نصاب کا مسئلہ

مولانا بدر احمد مجیبی ندوی ☆

زکوۃ کے اموال میں سے سونا اور چاندی بھی ہیں، ان کے نصاب متعین ہیں، کسی شخص کی ملکیت میں ان میں سے جو بھی نصاب کے بقدر ہوگا اس میں زکوۃ واجب ہوگی، اگر کسی کی ملکیت میں سونا بھی ہے اور چاندی بھی ہے، لیکن ان دونوں میں سے کوئی بھی نصاب کے بقدر نہیں ہے تو ان کو ملایا جائے گا یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، امام شافعیؒ اور بعض فقہاء کے نزدیک ان کو ضم نہیں کیا جائے گا، ان دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں جب نصاب کے بقدر ہو جائیں گے تو ان میں زکوۃ واجب ہوگی، امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور فقہاء کی ایک جماعت کے نزدیک دونوں کو ضم کیا جائے گا، اگر ضم کرنے سے وہ نصاب کے بقدر ہو جاتے ہیں تو ان میں زکوۃ واجب ہو جائے گی۔

”وأما المسألة الثلاثة وهي ضم الذهب إلى الفضة، فإن عند مالک وأبي حنيفة وجماعة أنها تضم الدراهم إلى الدنانير، فإذا كمل من مجموعهما نصاب وجبت فيه الزكاة، وقال الشافعي وأبوثور وداؤد: لا يضم ذهب إلى فضة ولا فضة إلى ذهب“ (بدایۃ المجتہد ۱/ ۱۸۷)۔

”فأما إذا كان له الصنفان جميعا، فإن لم يكن كل واحد منهما نصابا، بأن كان له عشرة مثاقيل ومائة درهم فإنه يضم أحدهما إلى الآخر في حق

☆ امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ۔

تکمیل النصاب عندنا، وعند الشافعي لا یضم أحدهما إلی الآخر، بل یعتبر کمال النصاب من کل واحد منهما علی حدة" (بدائع ۲/۱۹)۔

"تضم قیمة العروض إلی الذهب والفضة، ویضم الذهب إلی الفضة بالقیمة، فیکمل به النصاب......وقال الشافعي رحمه الله: لا یضم الذهب إلی الفضة" (تبیین الحقائق ۲/۸۰)۔

نصاب مکمل نہ ہونے کی صورت میں فقہاء حنفیہ کے نزدیک سونے کو چاندی سے اور چاندی کو سونے سے، اسی طرح مال تجارت کو سونے یا چاندی سے ملایا جائے گا، جانوروں کے نصاب کو آپس میں نہیں ملایا جائے گا، اس پر اتفاق ہے، البتہ ملانے کا کیا طریقہ ہوگا؟ اس میں اختلاف ہے، امام صاحب کے نزدیک ضم قیمت کے اعتبار سے ہوگا، یعنی سونے اور چاندی دونوں کو قیمت کے ذریعہ ملایا جائے گا، اسی طرح عروض تجارت کو قیمت کے ذریعہ ملایا جائے گا، امام صاحب کے قول پر یہ صورت ہوگی کہ اگر کسی شخص کی ملکیت میں کچھ سونا اور کچھ چاندی ہو اور دونوں کی مجموعی قیمت ان دونوں میں سے کسی ایک کے نصاب کے بقدر ہو جاتی ہے تو اس میں زکوۃ واجب ہوگی، مثلاً ۱۰۰/درہم چاندی اور ۵/مثقال سونا ہو اور اس پانچ مثقال سونا کی قیمت ۱۰۰/درہم کے برابر ہو تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی۔

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک دونوں کو قیمت کے ذریعہ نہیں ملایا جائے گا، بلکہ اجزاء کے ذریعہ ملایا جائے گا، یعنی اگر سونا اور چاندی میں سے ایک اپنے نصاب کے نصف کے بقدر ہے تو دوسرے کے نصاب کے نصف کے بقدر ہونے پر زکوۃ واجب ہوگی، اگر ان میں سے کوئی ایک اپنے نصاب کے ایک چوتھائی کے بقدر ہے تو وجوب زکوۃ کے لئے دوسرے کو اس کے نصاب کے تین چوتھائی کے برابر ہونا ضروری ہے، اسی طرح اگر کوئی اپنے نصاب کا ایک تہائی ہے تو دوسرے کو اپنے نصاب کا دو تہائی ہونا ضروری ہے، مثلاً اگر چاندی میں سے ۱۰۰/درہم ہے اور سونے میں سے ۱۰/مثقال ہے تو زکوۃ واجب ہوگی، کیونکہ دونوں اپنے اپنے نصاب کے

نصف ہیں، اگر چاندی میں سے ۵۰/درہم (ایک چوتھائی) ہے تو اس کے ساتھ سونے میں سے ۱۵/مثقال (تین چوتھائی) ہونے پر زکوۃ واجب ہوگی، کیونکہ چاندی اپنے نصاب کا ایک چوتھائی اور سونا اپنے نصاب کا تین چوتھائی ہے، دونوں کے ملنے سے نصاب مکمل ہوجاتا ہے۔

"ثم اختلف أصحابنا في كيفية الضم فقال أبو حنيفة: يضم أحدهما إلى الآخر باعتبار القيمة، وقال أبويوسف و محمد: يضم باعتبار الأجزاء وهو رواية عن أبي حنيفة أيضاً ذكره في نوادر هشام" (بدائع ۲/۱۹)۔

"ويضم الذهب إلى الفضة للمجانسة من حيث الثمنية، ومن هذا الوجه صار سببا، ثم يضم بالقيمة عند أبي حنيفة وعندهما بالأجزاء وهو رواية عنه حتى إن من كان له مائة درهم و خمسة مثاقيل ذهب بلغ قيمتها مائة درهم فعليه الزكاة عنده خلافا لهما" (ہدایہ مع الفتح ۲/۱۲۹)۔

"وقيمة العروض للتجارة تضم إلى الثمنين؛ لأن الكل للتجارة وضعا وجعلاً ويضم الذهب إلى الفضة وعكسه بجامع الثنية قيمة وقالا: بالأجزاء" (الدرالمختار)۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ سونا اور چاندی اپنے عین کے اعتبار سے مختلف جنس کے ہیں، لیکن ثمنیت کے اعتبار سے دونوں ایک ہی جنس ہیں، کیونکہ دونوں میں ثمنیت پائی جارہی ہے اور ثمنیت کا اعتبار قیمت ہی کے ذریعہ ہوسکتا ہے، اس لئے قیمت کے ذریعہ ضم کیا جائے گا، اس میں احتیاط بھی ہے اور فقراء کے نفع کا خیال بھی ہے۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ درہم و دینار (سونا و چاندی) میں شرعاً قیمت کا اعتبار ہی نہیں ہے، کیونکہ دیگر تمام اشیاء کی قیمت انہیں کے ذریعہ لگائی جاتی ہے، لہٰذا ان میں قدر اور وزن کا اعتبار ہوگا، جیسے اگر صرف سونا ہو یا صرف چاندی ہو تو قیمت نہیں دیکھی جاتی، ان کی مقدار اور وزن کو دیکھا جاتا ہے کہ چاندی میں دو سو درہم کا وزن ہے یا نہیں، سونے میں بیس مثقال کا وزن

ہے یا نہیں، خواہ ان کی قیمت کچھ بھی ہو، اس لئے ضم کی صورت میں قیمت کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ ان کے اجزاء کا اعتبار ہوگا۔

"وجه قولهما أن القيمة في الذهب و الفضة ساقطة الاعتبار شرعا، لأن سائر الأشياء تقوم بهما، وانما العمتبر فيهما الوزن......ولأبي حنيفة أنهما عينان وجب ضم أحدهما إلى الآخر لإيجاب الزكاة فكان الضم باعتبار القيمة كعروض التجارة، وهذا لأن كمال النصاب لا يتحقق إلا عند اتحاد الجنس ولا اتحاد إلا باعتبار صفة المالية دون العين فإن الأموال أجناس بأعيانها، جنس واحد باعتبار صفة المالية فيها......ولأن في التكميل باعتبار التقويم ضرب احتياط في باب العبادة ونظرا للفقراء فكان أولى" (بدائع ۲/ ۲۰)۔

"لهما أن القيمة لا تعتبر في عين الدراهم والدنانير وانما يعتبر فيهما الوزن بدلالة حال الانفراد حتى لو كان له إبريق فضة وزنه مائة وخمسون وقيمته مائتان لم تجب فيه الزكاة وله أن الضم للمجانسة وهي باعتبار المعنى وهو القيمة لاباعتبار الصورة، ألا ترى أنهما صارا جنسا واحدا في كونهما قيم الأشياء فيضمان به يخاف حالة الانفراد لما ذكرنا" (تبیین الحقائق ۲/ ۸۲)۔

اس زمانے میں ضم نصاب کے سلسلے میں امام صاحب کے اس قول پر عمل کرنے میں اصحاب اموال کو شدید مشقت پیش آرہی ہے کیونکہ کسی کی ملکیت میں بہت معمولی مقدار میں بھی سونا اور چاندی ہو تو زکوۃ واجب ہوجارہی ہے، مثلاً کسی کے پاس سونے کے نصاب کا دسواں حصہ صرف ۲/ دینار اور چاندی کے نصاب کا دسواں حصہ بیس درہم ہو تو اس پر زکوۃ لازم ہوجائے گی، کیونکہ ان کی قیمت چاندی کے نصاب سے زیادہ ہوجاتی ہے۔

دو دینار کا وزن ۸٫۷۴۸ گرام ہے، اس سونے کی قیمت (۱۷۰۰/ روپے فی گرام موجودہ قیمت کے حساب سے) ۱۴۸۷۰/ روپئے ہوتی ہے، بیس درہم کا وزن ۶۱٫۲۳۶ گرام

ہے، اتنی چاندی کی قیمت (۲۵/روپے گرام موجودہ قیمت کے حساب سے) ۱۵۳۰۰/روپے ہوتی ہے، دونوں کو جمع کردیں تو ۱۶۴۰۰/روپے ہوئے، حالانکہ تقریباً پندرہ ہزار میں ہی اس وقت چاندی کا نصاب مکمل ہوجاتا ہے۔

البتہ صاحبین کے نزدیک اس میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی، کیونکہ ان کے نزدیک سونا اور چاندی کو اس وقت ضم کیا جائے گا اور زکوۃ واجب ہوگی، جب ان میں سے ایک کی مقدار نصاب کے ایک متناسب حصہ کو پورا کرے اور دوسرے کی مقدار نصاب کے بقیہ متناسب حصوں کو پورا کرے، یعنی یا تو دونوں اپنے اپنے نصاب کے نصف نصف ہوں، جیسے ایک سو درہم اور دس دینار ہوں یا یا ان میں سے کوئی ایک اپنے نصاب کے چوتھائی کے بقدر رہو اور دوسرا اپنے نصاب کے تین چوتھائی کے بقدر ہو، مثلاً ۵ دینار اور ڈیڑھ سو درہم، یا اسی طرح دونوں کی مقدار تناسب سے ہو، لیکن یہاں پر دونوں نصاب میں سے صرف دسواں حصہ ہے، اس لئے زکوۃ کا وجوب نہیں ہوگا۔

ان دونوں اقوال میں فقہاء کرام نے کس کو ترجیح دی ہے؟ تلاش وجستجو کے بعد بھی مجھے امام صاحب کے قول کے لئے صحیح یا اصح یا راجح یا ارجح یا مفتی بہ یا علیہ الفتوی، جیسے کلمات کتب فقہ میں تحریر نظر نہ آئے، البتہ امام صاحب کے قول کو متون میں ذکر کیا گیا ہے، شروح میں اس کے دلائل بھی صاحبین کے قول کے بعد تحریر کئے گئے ہیں۔

فقہاء کے اس صنیع سے امام صاحب کے قول کو ترجیح معلوم ہوتی ہے، لیکن حالات زمانہ کی وجہ سے صاحبین کے قول کو ترجیح دی جاسکتی ہے، کیونکہ وہ موجودہ صورت حال سے زیادہ ہم آہنگ نظر آرہا ہے، اس کو اختیار کرنے سے ہم فقہ حنفی سے خارج بھی نہ ہوں گے اور خود امام صاحب کا ایک قول بھی اس کے موافق موجود ہے، نیز اس بات پر تمام ائمہ حنفیہ کا اتفاق ہے کہ جب سونے یا چاندی کا نصاب انفرادی ہو تو اس میں قیمت کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ وزن اور قدر کا اعتبار ہوگا، لہذا جب دونوں جمع ہوں اور ضم کا مسئلہ ہو تو اس وقت بھی قیمت کا اعتبار نہیں ہونا

چاہئے بلکہ قدر اور وزن کا اعتبار ہونا چاہئے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ موجودہ دور کے حالات کے پیش نظر سونا اور چاندی کے ضم کے مسئلہ میں صاحبین کے قول کو اختیار کرنا بہتر اور زیادہ مناسب ہے، یہی قول حالات سے زیادہ ہم آہنگ بھی ہے۔

سونے اور چاندی کا نصاب:

اسلامی شریعت نے زکوۃ واجب ہونے کے لئے مال کی ایک مقررہ مقدار کو معیار قرار دیا ہے، اس مقدار کے بقدر مال ہوگا تو زکوۃ واجب ہوگی، اس مقدار سے مال کم ہوگا تو زکوۃ کا وجوب نہیں ہوگا، اس مقررہ مقدار مال کو فقہاء کرام نصاب زکوۃ سے تعبیر کرتے ہیں، اموال زکوۃ یعنی جن چیزوں پر زکوۃ واجب ہوتی ہے ان میں جانوروں اور مال تجارت کے علاوہ سونا اور چاندی بھی ہیں۔

اللہ رب العزت نے سونا اور چاندی کو فطری طور پر تمام اشیاء کی قیمتوں کا معیار بنایا ہے، اسی وجہ سے یہ دونوں اپنی جگہ مستقل اصلیت کا حکم رکھتے ہیں، شریعت نے زکوۃ میں چاندی کا نصاب دوسو درہم (ساڑھے باون تولہ چاندی) مقرر کیا ہے، جس کی مقدار موجودہ اوزان کے حساب سے چھ سو نو (۶۰۹) گرام ہے، سونے کا نصاب بیس مثقال (ساڑھے سات تولہ سونا) ہے جس کی مقدار موجودہ اوزان کے حساب سے ساڑھے ۸۷ گرام ہے، چاندی کا نصاب دوسو درہم ہونا صحیح احادیث سے ثابت ہے، سونے کا نصاب بیس مثقال ہونا بعض ایسی احادیث میں مروی ہے جن کا درجہ کم ہے، البتہ امت مسلمہ کا اجماع سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

"عن جابر بن عبد اللهؓ عن رسول اللهﷺ أنه قال: ليس فيما دون خمس أواق من الورق صدقة، وليس فيما دون خمسة ذو دمن الإبل صدقة، وليس فيما دون خمسة أو سق من التمر صدقة" (مسلم ۱/۳۱۶)۔

"عن ابن عمرؓ و عائشةؓ أن رسول اللهﷺ كان يأخذ من كل عشرين

دينارا فصاعدا نصف دينار ومن الأربعين دينارا'' (ابن ماجہ باب زکوۃ الورق والذہب)۔

''عن أبي اسحاق عن عاصم بن ضمرة والحارث الأعور عن علي رضى الله عنه عن النبي ﷺ ببعض أول الحديث قال: فإذا كانت لک مائتادرهم وحال عليها الحول ففيها خمسة دراهم وليس عليک شيء يعني في الذهب حتى يكون لک عشرون دينارا، فإذا كانت لک عشرون دينارا و حال الحول ففيها نصف دينار'' (سنن ابی داؤد ۱/۲۲۸)۔

''عن محمد بن عبد الله بن جحش عن رسول الله ﷺ أنه أمر معاذ بن جبل حين بعثه الى يمن: أن يأخذ من كل أربعين دينارا، دينارا، ومن كل مائتي درهم خمسة درهم الخ'' (سنن الدار قطنی ۲/۹۵)۔

امام شافعی فرماتے ہیں:

''وفرض رسول الله ﷺ في الورق صدقة وأخذ المسلمون في الذهب بعده صدقة إما بخبر عن النبي ﷺ لم يبلغنا، وإما قياسا على أن الذهب والورق نقد الناس الذى أكتنزوه وأجازوه أثمانا على ماتبايعوا به في البلدان قبل الإسلام وبعده'' (الرسالۃ للإمام الشافعی/۱۹۴)۔

امام نووی لکھتے ہیں:

''ولم يأت في الصحيح بيان نصاب الذهب، وقد جاء ت فيه أحاديث بتحديد نصابه بعشرين مثقالا وهي ضعاف، ولكن أجمع من يعتد به في الإجماع على ذلک'' (شرح مسلم للنووی ۱/۳۱۶)۔

جب سونا اور چاندی نصاب کے بقدر رہوں تو ان پر زکوۃ واجب ہوگی، یعنی جس کی ملکیت میں نصاب کے بقدر سونا ہو اس پر اس کے چالیسواں حصہ کو یا اس کی قیمت کو زکوۃ میں دینا لازم ہوگا، اور جس کی ملکیت میں نصاب کے بقدر چاندی ہو اس پر اس چاندی کے چالیسویں حصے

یا اس کی قیمت کو زکوۃ میں دینا لازم ہوگا۔

لیکن سونا اور چاندی کے علاوہ اگر کسی شخص کے پاس اس زمانے کے کرنسی نوٹ یا سامان تجارت ہوں تو ان میں زکوۃ واجب ہونے کے لئے نصاب کیا ہے؟ قرآن وحدیث کے نصوص میں سونے اور چاندی کے نصاب تو مقرر ہیں، مگر سامان تجارت کے لئے کوئی نصاب مقرر نہیں کیا گیا ہے، یعنی جب سامان تجارت یا کرنسی نوٹ کی قیمت سونے کے نصاب کی قیمت کے برابر ہوجائے یا چاندی کے نصاب کی قیمت کے برابر ہوجائے تو ان پر زکوۃ واجب ہوجائے گی، اس سے کم ہونے کی صورت میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی، سامان تجارت کے نصاب ہونے کے لئے یہ دونوں نصاب ہی معیار قرار پائے، عہد نبوی اور عہد صحابہ میں سونے اور چاندی کی قیمت کے الگ الگ ہونے کے باوجود ان دونوں کے نصاب قدر و قیمت کے لحاظ سے یکساں تھے، ان میں مالیت کا کوئی فرق نہیں تھا، بیس مثقال سونے کی وہی قیمت تھی جو دو سو درہم چاندی کی ہوتی تھی، یعنی ایک مثقال (دینار) کی قیمت دس درہم کے برابر تھی۔

”**وكان الدينار على عهد رسول الله ﷺ مقوما بعشرة دراهم**“ (حاشیہ تبیین الحقائق عن البدائع ۷۰/۲)۔

”**وفي الهداية: كل دينار عشرة دراهم في الشرع، قال في الفتح: أي يقوم في الشرع بعشرة كذا كان في الابتداء**“ (رد المحتار ۳۴/۲)۔

لیکن آج کے دور میں سونا اور چاندی کے نرخ میں آسمان و زمین کا فرق ہوگیا ہے، سونے کے بیس مثقال کا نصاب چاندی کے دو سو درہم کے نصاب سے تقریبا دس گنا زیادہ ہے، سونا کی قیمت اس وقت تقریبا سترہ سو روپئے گرام ہے (یعنی دس گرام کے سترہ ہزار روپئے) اس اعتبار سے ساڑھے ۸۷ رگرام کے تقریبا ڈیڑھ لاکھ روپئے (۱۴۸۷۵۰) ہوئے، چاندی ڈھائی سو روپئے میں دس گرام ملتی ہے، چھ سونو (۶۰۹) گرام کے پندرہ ہزار روپئے سے کچھ زیادہ (۱۵۲۲۵) ہوئے، یعنی سونے کے نصاب کی قیمت اس وقت ڈیڑھ لاکھ روپئے کے

قریب ہوجاتی ہے اور چاندی کے نصاب کی قیمت پندرہ ہزار روپے سے کچھ زیادہ ہوتی ہے، دونوں میں تقریباً دس گنا کا فرق واضح طور سے نظر آتا ہے۔

ایسی صورت میں کرنسی اور سامان تجارت میں وجوب زکوۃ کے لئے سونا اور چاندی میں سے کس کے نصاب کو اصل اور معیار قرار دیا جائے، سونے کے نصاب کو یا چاندی کے نصاب کو؟

کتب فقہ میں اس کی صراحت ملتی ہے کہ جب دونوں نصاب قیمت کے لحاظ سے برابر ہوں تو اس صورت میں سامان کے مالک کو اختیار رہتا ہے کہ ان دونوں میں سے جس سے چاہے قیمت لگائے اور زکوۃ ادا کرے، لیکن جب دونوں کی قیمتوں میں تفاوت ہو تو امام ابوحنیفہؒ سے یہ مروی ہے کہ ان دونوں میں سے جس سے نصاب پورا ہوجائے اسی کا اعتبار ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں فقراء کا زیادہ فائدہ ہے، فقہاء کرام نے بھی "انفع للفقراء" ہونے کی وجہ سے اسی قول کو اختیار کیا ہے، اس لحاظ سے اس زمانے میں چاندی کا نصاب معیار قرار پائے گا، کیونکہ اس میں کم مالیت (پندرہ ہزار روپے سے کچھ زیادہ) کی قیمت کے سامان یا کرنسی میں بھی نصاب پورا ہوجائے گا، جبکہ سونے کا نصاب تقریباً ڈیڑھ لاکھ میں مکمل ہوگا، لہذا چاندی کے نصاب میں فقراء کا زیادہ فائدہ ہے۔

"في عروض التجارة يجب ربع العشر بلغت قيمتها من الذهب أو الفضة نصاباً، ويعتبر فيهما الأنفع أيهما أنفع للمساكين" (تبیین الحقائق ۲/۷۷)۔

"يقومها بما هو أنفع للمساكين احتياطا لحق الفقراء، وهذا رواية عن أبي حنيفة، وفي الأصل خيره، لأن الثمنين في تقدير قيم الأشياء بهما سواء وتفسير الأنفع أن يقومها بما تبلغ نصابا" (ہدایہ مع الفتح ۲/۱۶۷)۔

"وكذا روى عن أبي حنيفة في الأموال أنه يقومها بأنفع النقدين للفقراء" (بدائع ۲/۲۱)۔

"فالحاصل أن المذهب تخييره إلا إذا كان لا يبلغ بأحدهما نصابا

تعين التقويم بما يبلغ نصابا، وهو مراد من قال: يقوم بالأنفع" (البحرالرائق ۲/۲۲۹)۔

"فلو أحدهما أروج تعين التقويم به، ولو بلغ بأحدهما نصابا دون الآخر تعين ما يبلغ به، ولو بلغ بأحدهما نصابا وخمسا وبالآخر أقل قومه بالانفع للفقير، سراج" (الدرالمختار ۲/۳۴ مع الرد)۔

"قوله تعين التقويم به، أي إذا كان يبلغ به نصابا لما في النهر عن الفتح يتعين ما يبلغ نصابا دون مالا يبلغ فإن بلغ بكل منهما وأحدهما أروج تعين التقويم بالأروج" (ردالمحتار ۲/۳۴)۔

لیکن اس زمانے میں چاندی کے نصاب کو کرنسی اور سامان تجارت کے لئے معیار قرار دینے میں بہت سی پریشانیاں لاحق ہورہی ہیں، کیونکہ نصاب سے صرف زکوۃ ہی متعلق نہیں ہے، بلکہ زکوۃ کے ساتھ صدقۃ فطر، قربانی کے وجوب جیسے اہم مسائل بھی نصاب پر منحصر ہیں، اس زمانے میں پندرہ ہزار روپے (چاندی کا نصاب) کوئی بڑی رقم نہیں ہے، جس کو کسی انسان کی خوشحالی اور مالداری کا معیار مقرر کیا جائے، اتنی رقم کا مالک تنگدست لوگوں میں شمار کیا جاتا ہے، وہ اپنی اہم ضروریات بھی اس رقم سے پوری نہیں کرسکتا، اگر اس کے پاس نصاب زکوۃ کے بقدر چاندی ہے تب تو اس پر زکوۃ کا وجوب ہوجائے گا، کیونکہ یہ منصوص مسئلہ ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی، اور اگر اس کے پاس اس مالیت کا سامان تجارت ہے یا کرنسی نوٹ ہے تو اس پر زکوۃ کا وجوب قابل غور ہے، کیونکہ یہ اجتہادی مسئلہ ہے، اس میں حرج ومشقت پائی جارہی ہے، زکوۃ میں تو چالیسویں حصہ کی اور صدقۃ فطر میں بھی کم رقم کی ادائیگی لازم ہوتی ہے، لیکن اتنی رقم کے مالک شخص پر قربانی کو واجب کرنے میں اس پر حرج اور شدید دشواری لازم آتی ہے، کیونکہ جو شخص پندرہ ہزار کی رقم کا مالک ہے وہ صاحب نصاب ہوا، اس پر قربانی واجب ہوگی اور قربانی کا جانور اس وقت تقریبا ساڑھے تین یا چار ہزار روپے میں مل رہا ہے، لہذا اس کو پورے نصاب کا چوتھائی حصہ قربانی میں خرچ کرنا پڑے گا، جبکہ اس کی دوسری ضروریات بھی ہوں گی، جن کو پورا کرنا بھی

اس کے لئے ضروری ہوگا، اس لئے یہ بہت بڑا حرج ہے، جس کو دور کرنا شرع میں واجب ہے، کیونکہ قاعدہ شرعیہ ہے: " الحرج مدفوع، الضرر یزال "۔

لہذا کرنسی نوٹ اور سامان تجارت میں وجوب زکوۃ کے لئے چاندی کے نصاب کو اصل اور معیار قرار دینے سے اگر ایک طرف فقراء کو بہت فائدہ ہورہا ہے تو دوسری طرف اصحاب مال کو اس سے شدید ضرر اور حرج لاحق ہورہا ہے، حالانکہ شریعت میں اصحاب اموال اور فقراء دونوں کا خیال رکھا گیا ہے، بنی اسرائیل کی شریعت میں پورے مال کا چوتھائی حصہ زکوۃ میں دینا واجب تھا، لیکن اس شریعت سمحہ نے مکلفین پر ہونے والے حرج و مشقت کو دور کر کے چالیسویں حصہ کو زکوۃ میں دینا واجب کیا ہے۔

لہذا امام اعظم کے اس قول کے علاوہ دوسرے ائمہ حنفیہ کے اقوال کی طرف رجوع کرنا چاہئے، سامان تجارت میں وجوب زکوۃ کے سلسلے میں صاحب عنایہ نے چار اقوال ذکر کئے ہیں، پہلا قول امام صاحب کا ہے، کہ "أنفع للفقراء" کا اعتبار ہوگا، یہ امالی کی روایت ہے، دوسرا قول مبسوط امام محمد میں مذکور ہے کہ صاحب مال کو اختیار رہوگا، تیسرا قول امام ابو یوسف کا ہے اور چوتھا قول امام محمد کا ہے، یہ دونوں آگے آرہے ہیں:

"وقوله يقومها بما هو أنفع للمساكين، أحد الأقوال في التقويم، فإن فيه أربعة أقاويل أحدها هذا وهو ماروى عن أبي حنيفة في الأمالي......والثاني: ما ذكر في المبسوط وهو أن يقوم صاحب المال بأى النقدين شاء......والثالث قول أبي يوسف على ماذكر في الكتاب......والربع قول محمد وهو أن يقومها بالنقد الغالب على كل حال" (عنایہ ۲/ ۱۶۷)۔

امام ابو یوسف سے یہ مروی ہے کہ سونے یا چاندی میں سے جس کے ذریعہ اس سامان کو خریدا ہے اسی کا اعتبار ہوگا اور اگر نقود کے ذریعہ نہیں خریدا ہے، بلکہ کسی سامان کے ذریعہ ہی خریدا ہے تو شہر میں جو نقد زیادہ رائج ہے اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

"وعن أبي يوسف أنه يقومها بما اشترى إن كان الثمن من النقود، لأنه أبلغ في معرفة المالية وإن اشتراها بغير النقود قومها بالنقد الغالب" (ہدایہ مع الفتح ۲/۱۶۶، تبیین الحقائق ۲/۲۸۷، بدائع ۲/۲۱، تاتارخانیہ ۲/۲۳۸)۔

امام محمد سے مروی ہے کہ ہر حال میں اس شہر کے غالب نقد کا اعتبار کیا جائے گا، یعنی اس شہر میں سونے اور چاندی کے سکوں میں سے جس کا زیادہ چلن ہو اور آپسی لین دین میں جس کا زیادہ رواج ہو اسی کا اعتبار کیا جائے گا۔

"وعن محمد أنه يقومها بالنقد الغالب على كل حال كما في المغصوب والمستهلك" (ہدایہ مع الفتح ۲/۱۶۶، تاتارخانیہ ۲/۲۳۸، بدائع ۲/۲۱، تبیین الحقائق ۲/۲۷۸)۔

شرح طحاوی میں ہے کہ ہمارے شہر میں دراہم (چاندی کے سکے) ہی رائج نقد ہیں، یعنی درہم کے ذریعہ ہی خرید وفروخت وغیرہ تمام معاملات انجام پاتے ہیں، اس لئے سامان تجارت کی قیمت ہر حال میں دراہم سے ہی لگائی جائے گی۔

"وفي شرح الطحاوي: فأما في بلادنا اليوم يقوم عروض التجارة على كل حال بالدراهم؛ لأن النقد عندنا هو الدراهم" (تاتارخانیہ ۲/۲۳۸)۔

اب دنیا میں کہیں بھی سونے اور چاندی کے سکے رائج نہیں ہیں، ہر جگہ کرنسی نوٹ چلتا ہے، خواہ اس کا نام کچھ رکھا گیا ہو، روپئے، ریال، درہم، دینار، ڈالر، یورو یا پونڈ، یہ سبھی کرنسی نوٹ ہیں، ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ کرنسی کو جاری کرنے میں اس ملک کی حکومت نے سونا کو معیار بنایا ہے یا چاندی کو، جس کو معیار قرار دیا گیا ہے اسی کا اعتبار ہونا چاہئے، ہندوستانی روپئے حکومت کے ریزرو بینک کے ذریعہ جاری ہوتے ہیں اور یہ بات معلوم ہے کہ ریزرو بینک نے روپئے کو جاری کرنے میں سونا کو معیار قرار دیا ہے، بینک میں جتنا سونا ہے اسی مناسبت سے روپئے جاری کئے جاتے ہیں، اس میں چاندی کو معیار نہیں بنایا گیا ہے، اس لئے امام محمد کے قول کے مطابق اور امام ابو یوسف کے قول کا نتیجہ بھی یہی نکلتا ہے اور امام شافعی کا قول بھی یہی ہے (جیسا کہ تاتارخانیہ

میں مذکور ہے)، کہ غالب نقد البلد کو معیار قرار دیا جائے اور ہندوستان میں غالب نقد البلد سونا ہی ہے۔

لیکن اس میں فقراء کو نقصان ہوگا، اور صرف اصحاب اموال کا فائدہ ہوگا، کیونکہ جن کی ملکیت میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ روپئے ہوں گے ان پر ہی زکوۃ واجب ہوگی، اس سے کم رقم کے مالک تمام حضرات پر زکوۃ واجب قرار نہ دی جائے گی، اور وہ ادائیگی زکوۃ سے بچ جائیں گے، لہٰذا اس میں فقراء کا نقصان ہے، یہ بھی مزاج شریعت کے خلاف ہے، اس لئے کوئی ایسی درمیانی صورت نکالنا زیادہ بہتر ہے جس میں فقراء کا بھی فائدہ ہو اور مالداروں کی بھی رعایت ہو جائے، وہ صورت یہ ہوسکتی ہے کہ مجموعی طور پر دونوں نصابوں کا خیال کیا جائے اس طور سے کہ سونے کے نصاب کی قیمت اور چاندی کے نصاب کی قیمت دونوں کو جمع کردیا جائے اور ان کی مجموعی قیمت نکال کر اس کے نصف کو اموال تجارت کے لئے نصاب قرار دیا جائے، اس میں دونوں کی رعایت ہوجائے گی، اس کی نہایت واضح مثال عہد فاروقی میں درہم کے وزن کی تعیین ہے۔

عہد نبوی اور اس کے پہلے سے درہم وزن کے اعتبار سے تین طرح کے ہوتے تھے: ۱-بیس قیراط وزن کے درہم جو دینار کے وزن کے مساوی ہوتے تھے، ۲-بارہ قیراط وزن کے درہم، ۳-دس قیراط وزن کے درہم جو نصف دینار کے وزن کے مساوی ہوتے تھے، حضرت عمر فاروقؓ کے شروع کے زمانے تک یہی حال رہا، درہموں کے وزن جدا جدا ہونے کی وجہ سے معاملات میں اختلاف ہوجاتا تھا، حضرت عمر فاروقؓ نے تینوں قسم کے درہم کو جمع کیا تو ان کا مجموعی وزن ۴۲ر قیراط ہوگیا، انہوں نے اس کو تین سے تقسیم کردیا تو ۱۴ر قیراط کا ایک درہم ہوا، اس کے بعد سے انہوں نے دار الضرب میں اسی وطن ۱۴ر قیراط کے درہم ڈھالنے کا حکم دیا اور یہی درہم اس کے بعد سے رائج وجاری رہا، اسی کو وزن سبعہ کہا جاتا ہے، یعنی اس کے دس درہم کا وزن سات دینار کے وزن کے برابر ہے۔

"والأصل فیہأن الدراھم کانت مختلفة في زمن النبي ﷺ، وفي زمن

أبي بكر و عمر على ثلاث مراتب، فبعضها كان عشرين قيراطا مثل الدينار، وبعضها كان اثني عشر قيراطا ثلاث أخماس الدينار، وبعضها عشرة قراريط نصف الدينار، فالأول وزن عشرة أى العشرة منها وزن العشرة من الدنانير، والثاني و زن ستة أى كل عشرة منه وزن ستة من الدنانير، والثالث وزن خمسة أى كل عشرة منها وزن خمسة من دنانير، فوقع التنازع بين الناس في الإيفاء والاستيفاء، فأخذ عمر من كل نوع درهما فخلطه، فجعله ثلاثة دراهم متساوية فخرج كل درهم أربعة عشر قيراطا فبقي العمل عليه إلى يومنا هذا في كل شيء" (تبیین الحقائق ۲/۵۷، وہکذا فی التاتارخانیہ ۲/۲۳۰، فتح القدیر ۲/۱۶۱، عنایہ ۲/۱۶۰، کفایہ ۲/۱۶۰، البحر الرائق ۲/۲۲۷، مجمع الأنہر ۱/۳۰۵، رد المحتار ۲/۳۱)۔

چونکہ یہ مسئلہ منصوص نہیں ہے، فقہاء کرام کا اجتہادی مسئلہ ہے، اس لئے چاندی کے نصاب کو مال تجارت اور کرنسی معیار قرار دینے پر اصحاب اموال کو جو شدید مشقت اور حرج لاحق ہو رہا ہے اس کو دفع کرنے اور فقراء کی رعایت کے لئے یہ صورت اختیار کی جاسکتی ہے کہ دونوں نصاب کی قیمت جمع کر کے اوسط نکال لیا جائے اور اسی اوسط کو اموال تجارت اور کرنسی نوٹ کے لئے نصاب قرار دیا جائے۔

☆☆☆

نصابِ زکوٰۃ کا مسئلہ

مولانا خورشید احمد اعظمی☆

زکوٰۃ ایک فریضہ اور مالی عبادت ہے جس کے وجوب کے لیے مال کی ایک مقرر مقدار کو معیار بنایا گیا ہے، جس کو اصطلاح میں نصاب کہا جاتا ہے، اور اس کی مقدار مویشی، غلے اور اموال سے متعلق منصوص ہے، اموال میں چاندی کی مقدار نصاب پانچ اوقیہ، یعنی دو سو درہم منصوص ہے۔

"عن رسول اللہ ﷺ أنه قال: ليس فيما دون خمس أواق من الورق صدقة ......" (صحیح مسلم)۔

(رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پانچ اوقیہ سے کم چاندی میں زکوٰۃ نہیں ہے)۔

اس کی مقدار بعد کے اوزان میں ساڑھے باون تولہ اور گرام میں ۶۱۲٫۳۵ گرام مقرر کی گئی ہے اور سونے کا نصاب بیس دینار منصوص ہے:

"و ليس عليک شيء – يعني في الذهب – حتى يكون لک عشرون دينارا، فإذا كان لک عشرون دينارا و حال عليها الحول ففيها نصف دينار"

(سنن ابی داؤد ۲/۱۰۰، کتاب الزکاۃ، باب فی زکاۃ السائم، رقم: ۱۵۷۳)۔

اور اس کی مقدار بعد کے اوزان میں ساڑھے سات تولہ اور گرام میں ۸۷٫۴۸ گرام علماء سے منقول ہے، اس نصاب میں زکوٰۃ فرض ہونے کے لیے حولان حول کی شرط ہے، جیسا کہ

☆ محلہ رگھناتھ پورہ، مئو۔

ایک اور حدیث میں منقول ہے:

''لا زكاة في مال حتى يحول عليه الحول'' (سنن ابن ماجہ ۱/۱۷۵، کتاب الزکاۃ، باب من استفاد مالا، رقم: ۱۷۹۲، فی الزوائد اسنادہ ضعیف)۔

اور حولان حول کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت کوئی آدمی نصاب کی بقدر ملکیت کا مالک ہوا اس دن سے سال پورا ہونے کے دن بھی وہ نصاب کی بقدر ملکیت کا مالک ہو، اگر چہ درمیان سال میں کبھی اس کی ملکیت نصاب کی مقدار سے کم ہوجائے، بشرطیکہ اس کا مال بالکل ختم نہ ہوجائے۔

''و إذا كان النصاب كاملا في فرفي الحول، فنقصانه فيما بين ذلک لا يسقط الزكاة ...... بخلاف ما لو هلک الكل حيث يبطل حكم الحول'' (ہدایہ ۱/۱۷۶، باب زکاۃ المال)۔

(اور جب نصاب سال کے دونوں کنارے (اول و آخر) میں کامل ہو تو درمیان میں اس کا کم ہونا زکوۃ کو ساقط نہیں کرے گا، بخلاف اس کے کہ سارا مال ختم ہوجائے تو سال کا حکم باطل ہوجائے گا)۔

اسی کے مثل شامی (۲۳۳/۳) میں مذکور ہے۔

لہذا اگر کسی کے پاس صرف سونا یا صرف چاندی نصاب کی مقدار موجود ہے تو اس پر زکوۃ فرض ہوگی، اور اگر کسی کے پاس سونا اور چاندی نصاب سے کم ہے، مگر اس کے پاس نقد روپے یا دوسرے سامان تجارت ہیں اور ان سب کی مالیت مل کر ان دونوں میں سے کسی ایک کے نصاب کو پورا کردیتی ہے تو بھی یہ صاحب نصاب ہوگا اور اس پر زکوۃ فرض ہوگی۔

اور اگر کسی شخص کے پاس سونا یا چاندی نہیں ہے، مگر اس کے پاس نقد روپے یا دیگر سامان تجارت ہیں تو ان سامان تجارت کی قیمت لگائی جائے گی اور وہ قیمت اور نقد روپے مل کر ان دونوں میں سے کسی ایک کی مقدار نصاب تک پہنچ جائیں گے تو اس شخص پر زکوۃ فرض ہوگی، مثلاً

موجودہ وقت کے لحاظ سے اگر نقد روپے اور سامان تجارت کی قیمت مل کر چاندی کے نصاب کو تو پہنچ جاتی ہے، مگر سونے کے نصاب کو نہیں پہنچتی تو یہ شخص نصاب کا مالک مانا جائے گا اور اس پر زکوۃ فرض ہوگی اور ایسے شخص کے لیے زکوۃ لینا حرام ہوگا، اس سلسلہ میں صاحب "فتح القدیر" نے بڑی واضح بحث نقل کیا ہے:

"قال في النهاية: وجه هذه الرواية أن المال كان في يد المالك ينتفع به زمانا طويلا، فلا بد من اعتبار منفعة الفقراء عند التقويم، ألا ترى أنه لو كان يقومه بأحد النقدين يتم النصاب و بالآخر لا، فإنه يقومه بما يتم به النصاب بالإتفاق، فهذا مثله. و في الخلاصة، قال: إن شاء قومها بالذهب و إن شاء بالفضة، و عن أبي حنيفة أنه يقوم بما هو الأنفع للفقراء، و عن أبي يوسف يقوم بما اشترى هذا إذا كان يتم النصاب بأيهما قوم بما يصير به نصابا" (فتح القدیر ۲/ ۱۶۷ فصل فی العروض)۔

"نہایہ" میں ہے کہ اس روایت کی وجہ یہ ہے کہ مال مالک کے ہاتھ میں تھا جس سے وہ ایک زمانہ تک نفع اٹھاتا رہا لہذا قیمت لگاتے وقت فقراء کی منفعت کا اعتبار کرنا ضروری ہے، کیا معلوم نہیں کہ اگر وہ نقدین میں سے کسی کا ایک کے ذریعہ سامان کی قیمت لگائے تو نصاب پورا ہوجاتا ہے اور دوسرے کے ذریعہ نہیں تو وہ اسی کے ذریعہ قیمت نکالے گا جس کے ذریعہ نصاب پورا ہوتا ہے، یہ بالاتفاق ہے، لہذا یہ بھی اسی کے مثل ہوگا۔ اور خلاصہ میں ہے کہ اگر چاہے تو سامانوں کی قیمت سونے کے ذریعہ نکالے اور چاہے تو چاندی کے ذریعہ۔ اور امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ جو فقراء کے لیے زیادہ نافع ہوگا، اس کے ذریعہ نکالے گا، اور امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ ان دونوں میں سے جس کے ذریعہ خرید کیا ہوگا اس کے ذریعہ قیمت نکالے گا۔ یہ اس صورت میں ہے، جبکہ ان دونوں میں سے کسی کے ذریعہ بھی قیمت نکال لی جائے تو نصاب پورا ہوجائے، اور اگر ان میں سے کسی ایک کے ذریعہ پورا ہوتا ہے، دوسرے کے ذریعہ نہیں تو قیمت

اس کے ذریعہ نکالی جائے گی جس سے نصاب پورا ہو جائے۔

اور صاحب ''المغنی ابن قدامہ بھی یہی تحریر فرماتے ہیں:

''و تقوم السلع إذا حال الحول بالأحظ للمساكين من عين أو ورق و لا يعتبر ما اشتريت به. يعني إذا حال الحول على العروض و قيمتها بالفضة نصاب و لا تبلغ نصابا بالذهب قومناها بالفضة ليحصل للفقراء منها حظ، و لو كانت قيمتها بالفضة دون النصاب و بالذهب تبلغ نصابا قومناها بالذهب لتجب الزكاة فيها'' (المغنی ۴/ ۲۵۳، مسألہ/ ۴۵۷)۔

(اور سامانوں پر جب سال گزر جائے تو ان کی قیمت نکالی جائے گی سونے یا چاندی کے حساب سے، جو زیادہ نفع بخش ہوگا مساکین کے لیے، اور جس کے ذریعے خریدے گئے ہیں اس کا اعتبار نہیں ہوگا، یعنی جب سامانوں پر سال گزر جائے اور اس کی قیمت چاندی کے لحاظ سے نصاب ہوتی ہے اور سونے کے لحاظ سے نصاب کو نہیں پہنچتی تو ہم اس کی قیمت چاندی کے ذریعہ نکالیں گے، تاکہ فقراء کو نفع حاصل ہو اور اگر اس کی قیمت چاندی کے ذریعہ نصاب سے کم ہوتی ہے اور سونے کے ذریعہ نصاب کو پہنچ جاتی ہے تو ہم سونے کے ذریعہ اس کی قیمت نکالیں گے، تاکہ اس میں زکوٰۃ واجب ہو جائے)۔

علامہ کاسانیؒ نے ''بدائع الصنائع'' میں یہی بات قدوری کے حوالہ سے نقل کیا ہے:

''أنه يقوم بأوفى القيمتين من الدراهم و الدنانير'' (بدائع الصنائع ۲/ ۱۱۰)۔

یعنی دراہم و دنانیر دونوں کی قیمتوں میں سے جو نصاب کو پورا کرنے والی ہوں گی ان کے ذریعہ اموال تجارت کی قیمت نکالی جائے گی۔

اور درمختار میں مذکور ہے:

''و لو بلغ بأحدهما نصابا دون الآخر تعين ما يبلغ به'' (الدر المختار مع الرد ۳/ ۲۲۹)۔

اور اگر (سامان تجارت کی قیمت) ان دونوں (سونے و چاندی) میں سے کسی ایک کے ذریعہ نصاب کو پہنچتی ہے دوسرے کے ذریعہ نہیں تو جس کے ذریعہ پہنچے گی وہی متعین ہوگا۔

اور ایک صورت یہ ہے کہ کسی کے پاس نصاب سے کم سونا ہے اور اس کے ساتھ نقد رقم یا کوئی سامان تجارت ہے تو اس صورت میں سامان اور نقد کی مالیت سونے کے ساتھ مل کر سونے کی مقدار نصاب میں معتبر ہوگی یا چاندی میں؟ نیز اس کے برعکس کسی کے پاس نصاب سے کم چاندی ہے اور اس کے ساتھ نقد رقم یا کوئی سامان تجارت ہے تو ان کی مالیت چاندی کے ساتھ مل کر چاندی کے نصاب میں معتبر ہوگی یا اس صورت میں بھی ''أنفع للفقراء'' کا اعتبار ہوگا؟ شامی او رد رمختار کی عبارت سے یہی واضح ہوتا ہے کہ ان دونوں صورتوں میں بھی ''أنفع للفقراء'' کا لحاظ کرتے ہوئے جس کے ذریعہ نصاب پورا ہوگا اس کا لحاظ ہوگا، کیوں کہ سونا اور چاندی بھی تجارت کے لیے بنائے گئے ہیں، جس طرح نقد روپے یا سامان تجارت جن میں تجارت کی نیت کی گئی ہو، درمختار میں مذکور ہے:

''و قيمة العرض للتجارة تضم إلى الثمنين؛ لأن الكل للتجارة وضعا و جعلا''۔

(اور تجارت والے سامان کی قیمت دونوں اثمان کے ساتھ ضم کی جائے گی، اس لیے کہ ہر ایک تجارت ہی کے لیے ہے وضعاً بیتاً)۔

اور علامہ شامیؒ اس کے تحت نقل فرماتے ہیں:

''و المعنى أن الله تعالىٰ خلق الثمنين و وضعهما للتجارة، و العبد يجعل العرض للتجارة، أي لأنه لا يكون للتجارة إلا إذا نوى به العبد التجارة، بخلاف النقود'' (شامی ۳/۲۳۵)۔

(اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں اثمان کو پیدا کیا اور ان کو تجارت کے لیے بنایا ہے اور سامان کو بندہ تجارت کے لیے بناتا ہے، (کیونکہ سامان تمتع اور استعمال کے لیے ہوتے

ہیں) اس لیے وہ تجارت کے لیے نہیں ہوں گے، مگر جبکہ بندہ اس کی تجارت کی نیت کرے گا، بخلاف نقد کے (کہ وہ تجارت کے لیے ہی ہوتے ہیں))۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس نقد روپے یا سامان تجارت ہوں اور حال یہ ہے کہ سونے اور چاندی کی قیمتوں کے درمیان کافی تفاوت ہے، مثلاً چاندی کے اعتبار سے نقد و سامان کی قیمت نصاب کو پہنچ جاتی ہے، یعنی مثلاً پندرہ ہزار روپے تک، اور سونے کی نصاب سے ایک لاکھ سے اوپر کی مالیت ہونے پر آدمی صاحب نصاب ہوتا ہے، پھر بھی ''انفع للفقراء'' کا لحاظ کرتے ہوئے چونکہ چاندی کے اعتبار سے مذکورہ شخص صاحب نصاب ہوجاتا ہے، لہٰذا اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی، اور اس کے لیے زکوٰۃ لینا حرام ہوگا، اگرچہ وہ اتنی مالیت سے ساڑھے سات تولہ سونا نہیں خرید سکتا۔

۲- ایسی صورت میں جبکہ کسی شخص کے پاس مقدار نصاب سے کم کچھ چاندی ہو اور مقدار نصاب سے کم کچھ سونا ہو اور ان دونوں کے علاوہ کوئی نقد کرنسی یا سامان تجارت نہ ہو تو اس پر زکوٰۃ ہے یا نہیں، فقہاء کا اس میں اختلاف ہے، امام شافعیؒ ایسے شخص پر زکوٰۃ فرض نہیں کہتے، اس لیے کہ یہ دونوں الگ الگ مال ہیں اور دونوں کا الگ الگ نصاب منصوص ہے:

''**ليس فيما دون خمس أواق صدقة .... و ليس عليک شيء حتى يكون لک عشرون دينارا**'' (المغنی ۴/ ۲۱۰)۔

اور امام احمدؒ سے یہی منقول ہے کہ اس پر زکوٰۃ نہیں۔

''**فقد توقف أحمد عن ضم أحدهما إلى الآخر في رواية الأثرم و جماعة، و قطع في رواية حنبل أنه لا زكاة عليه حتى يبلغ كل واحد منهما نصابا**'' (المغنی ۴/ ۲۱۰)۔

(امام احمدؒ نے ایک کو دوسرے کے ساتھ ضم سے توقف فرمایا ہے، اثرم اور کثیر لوگوں کی روایت یہی ہے، اور حنبل کی روایت میں قطعی قول یہ ہے کہ اس پر زکوٰۃ نہیں، یہاں تک کہ ان

میں سے ہر ایک نصاب کو پہنچ جائے)۔

امام مالکؒ ضم اجزاء کے قائل ہیں اور فقہاء احناف میں سے صاحبینؒ بھی اسی کے قائل ہیں (بدایۃ المجتہد ۱/۳۱۶، المغنی ۴/۲۱۱)۔

اور ضم اجزاء کا معنی یہ سمجھ میں آرہا ہے کہ دونوں مل کر دو سو درہم تک پہنچ جائیں۔

اور امام ابوحنیفہؒ دونوں کے ضم کا قول کرتے ہیں، مگر قیمت کے اعتبار سے، یعنی دونوں کی قیمت ملا کر سونے اور چاندی میں سے کسی ایک کے نصاب کو بھی پہنچے تو ایسے شخص پر زکوٰۃ فرض ہوگی، کیوں کہ یہی "أنفع للفقراء" ہے۔

اور ہمارے نزدیک راجح یہی ہے کہ قیمت کے لحاظ سے ہی ضم کیا جائے، کیونکہ یہ دونوں مال ہیں جو تجارت کے لیے وضع کیے گئے ہیں، لہٰذا موجودہ کرنسی کے اعتبار سے دونوں کی قیمت مل کر کسی ایک نصاب کو بھی پہنچ جائے تو اس کا اعتبار تکمیل نصاب کے لیے ہوگا۔

اور اگر کسی کے پاس سونا اپنے نصاب سے کم ہے، مثلاً سات تولہ اور اس کے ساتھ کوئی نقد رقم یا سامان تجارت نہیں ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، کیونکہ سونے کا نصاب منصوص ہے، اگر چہ وہ اپنی قیمت کے لحاظ سے چاندی کے مقدار نصاب کی مالیت سے کئی گنا ہوجاتی ہے، لیکن اس شخص کے لیے زکوٰۃ لینا بھی جائز نہیں ہوگا، کیوں کہ وہ فقیر یا مسکین کہے جانے کا مستحق نہیں ہے۔

رہ گئی بات کہ امام صاحب کے قول پر یہ صورت حال بنتی ہے کہ کسی کے پاس ایک تولہ چاندی اور ایک تولہ سونا ہے تو زکوٰۃ فرض ہوجاتی ہے اور کسی کے پاس صرف سات تولہ سونا ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہو تو یہ دقت تو ضم بالاجزاء کی صورت میں بھی پیش آتی ہے، مثلاً کسی کے پاس ۵۲ر تولہ چاندی ہے، جس کی مالیت بارہ ہزار ایک سو تیس (۱۲۱۳۰) روپے ہے اور اس کے پاس مثلاً نصف تولہ سونا بھی ہے، جس کی مالیت مثلاً نو ہزار (۹۰۰۰) روپے ہے، دونوں کی مجموعی رقم (۲۱۱۳۰) ہوتی، اور ایک تولہ سونا کی مالیت (۱۸۰۰۰) روپے اور ایک تولہ چاندی کی مالیت

(۲۲۳) جس کی مجموعی رقم (۱۸۲۲۳) ہوتی ہے، دونوں مجموعی رقم پر عائد ہونے والی زکوۃ کی رقم میں اتنا زیادہ تفاوت نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی خط افلاس سے اونچا ہو جائے گا، پہلی مجموعی رقم پر زکوۃ (۷۷۸) روپے بنتی ہے اور دوسری پر (۴۵۵) روپے۔

یہ تو اس صورت میں ہے، جبکہ کسی آدمی کے پاس صرف سونا یا صرف چاندی ہو، اس کے ساتھ کوئی نقد، کرنسی یا مال تجارت نہ ہو، لیکن یہ صورت ممکن ہونے کے باوجود عصر حاضر میں واقع بھی ہو سکتی ہے، جبکہ ذریعہ مبادلہ ملکی کرنسیاں یا کاغذی نوٹ ہیں، جو ہر کسی کے پاس اس کی حوائج ضروریہ وقتیہ کو پورا کرنے کے لیے موجود ہی رہتی ہیں۔

☆☆☆

سونے، چاندی اور ضم نصاب کا مسئلہ

مولانا عبدالقیوم راجکوٹی ☆

زکوۃ کے وجوب میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سونے اور چاندی کا نصاب مکمل نہ ہونے کی صورت میں قیمت کا اعتبار ہے، یعنی دونوں کی مجموعی قیمت چاندی کے نصاب کے برابر ہوجاتی ہو تو زکوۃ واجب ہوجائے گی، جبکہ حضرات صاحبین ضم الاجزاء کے قائل ہیں، یعنی سونے اور چاندی میں سے ایک کی مقدار اس کے نصاب کے ایک تناسب کو پورا کرتی ہو، اور دوسرے کی مقدار اس کے نصاب کے بقیہ تناسب کو پورا کردیتی ہو، تب زکوۃ واجب ہوتی ہے۔

اس مسئلہ میں مفتی بہ قول امام صاحبؒ کا ہے، اس سے عدول کرکے صاحبین کے قول پر فتوی دینا بچند وجوہ جائز نہیں۔

۱-اس قول کو صاحبینؒ کا متفق علیہ قول کہنا محل کلام ہے۔

''المحیط البرہانی'' میں ہے: امام ابویوسفؒ نے اس قول سے رجوع کرلیا تھا اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کی طرف وجوب زکوۃ میں قیمت کے اعتبار کے قائل ہوگئے تھے۔''المحیط البرہانی'' کی عبارت یہ ہے:

''ثم قال أبوحنيفة رحمه الله آخرا: يضم باعتبار القيمة،وقال أبويوسفؒ و محمدؒ: يضم باعتبار الأجزاء، يعني بالوزن۔ وأشار المعلى في ''نوادره'' إلى أن أبا يوسف رجع من هذا القول وقال: يضم باعتبارالقيمة،

☆ معین مفتی دارالافتاء جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل۔

الخ" (المحیط البرہانی، کتاب الزکوۃ، الفصل الثالث فی بیان مال الزکوۃ ۳/ ۱۵۷، مطبوعہ مجلس علمی ڈابھیل، کراچی)۔

۲-زکوۃ کا تعلق عبادات مالیہ سے ہے، عبادات کے مسائل میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول کو اختیار کرنا ضروری ہے، فقہاء کی تصریح کے بغیر اس سے عدول جائز نہیں۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں:

"فی کل أبواب العبادات رجح قول الإمام مطلقا مالم تصح الخ فی "شرح المنیة" للبرهان ابراهیم الحلبی–من فصل التیمم: حیث قال: فلله در الإمام الأعظم، ما أدق نظره، وما أشد فکره، ولأمر ما جعل العلماء الفتوی علی قوله فی العبادات مطلقا" (شرح عقود رسم المفتی، ص ۱۴۶)۔

۳-"المحیط البرہانی" کی تصریح بالا کے موافق، حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ سونے اور چاندی کا نصاب مکمل نہ ہونے کی صورت میں وجوب زکوۃ کے باب میں قیمت کا اعتبار کرتے ہیں، گویا حضرات شیخینؒ ایک رائے پر متفق ہیں اور تنہا امام محمدؒ کی رائے ضم الاجزاء کی ہے۔

کسی مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ میں سے کوئی ایک امام صاحبؒ کے ساتھ ہو، یعنی شیخینؒ یا طرفینؒ ایک طرف ہوں اور امام محمدؒ یا امام ابو یوسفؒ دوسری طرف، تو ترجیح اصولاً شیخینؒ یا طرفینؒ کے قول کو حاصل ہے۔

"وان کانت المسئلة مختلفاً فیها بین أصحابنا، فإن کان مع أبی حنیفة أحد صاحبیهؒ، یأخذ بقولهماؒ: أی بقول الإمامؒ ومن وافقه؛ لوفور الشرائط، واستجماع أدلة الصواب فیها" (شرح عقود رسم المفتی، ص ۱۲۵)۔

۴-امام ابوحنیفہؒ کے مفتی بہ قول سے عدول کر کے صاحبینؒ کے قول پر فتوی دینا جائز نہیں، قیمت کے اعتبار سے وجوب زکوۃ والا قول، یعنی امام ابوحنیفہؒ کا قول مفتی بہ ہے، امام صاحب کے مفتی بہ قول سے عدول کر کے صاحبینؒ کے قول پر فتوی دینا جائز نہیں، اور نہ قاضی کے

لئے فیصلہ کرنا جائز ہے۔

"وفی "فتاوی العلامه ابن الشلبیؒ": لیس للقاضی ولاللمفتی العدول عن قول الإمام إلا إذا صرح أحد من المشائخ، بأن الفتوی علی قول غیره، فلیس للقاضی أن یحکم بقول غیر أبی حنیفةؒ فی مسئلة، لم یرجح فیها قول غیره، ورجحوا فیها دلیل أبی حنیفة علی دلیله، فإن حکم فیها فحکمه غیر ماض، لیس له غیر الإنتقاض، انتهی" (شرح عقود رسم المفتی رص ۱۳۱)۔

اور محقق ابن الہمامؒ نے متعدد مواقع میں مشائخ پر، جہاں انہوں نے صاحبینؒ کے قول پر فتوی دیا ہے، یہ کہہ کر رد کردیا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول سے عدول صرف دلیل کی کمزوری کی صورت میں کیا جاسکتا ہے۔

"وقد وقع للمحقق ابن الهمام فی مواضع، الرد علی المشائخ فی الإفتاء بقولهما، بأنه لا یعدل عن قوله إلا لضعف دلیله" (ایضاً رص ۱۲۹)۔

جبکہ زیر بحث مسئلہ میں امام صاحبؒ کی دلیل کمزور نہیں، بلکہ قوی ہے، اس پر دلیل یہ ہے کہ ہمارے علم کے مطابق آج تک مشائخ حنفیہ میں سے کسی نے ضم اجزاء کے اعتبار سے وجوب زکوۃ کا فتوی نہیں دیا۔

۵۔فقہاء حنفیہ نے عرف کی تبدیلی یا ضرورت کی وجہ سے بعض مسائل میں امام صاحبؒ کے راجح اور مفتی بہ قول کے خلاف صاحبینؒ کے قول پر فتوی دیا ہے، زیر بحث مسئلہ میں ایسی کوئی ضرورت درپیش نہیں۔

فقہاء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت کے پانچ درجات ہیں؛

۱۔ضرورت بمعنی اضطرار، ۲۔ضرورت بمعنی حاجت، ۳۔ضرورت بمعنی منفعت، ۴۔ضرورت بمعنی زینت، ۵۔ضرورت بمعنی فضول۔

زیر بحث مسئلہ میں ایسی کوئی ضرورت نہیں کہ مسئلہ میں تبدیلی کی جائے گی، بلکہ اگر امام

صاحبؒ کے قول کو چھوڑ کر صاحبینؒ کو اختیار کیا جائے تو نمبر تین والی ضرورت (ضرورت بمعنی منفعت) کا ارتکاب لازم آتا ہے، جو درست نہیں۔

ضرورت بمعنی منفعت کی تعریف فقہاء نے یہ کی ہے:

ایسی ضرورت جس کے پورا نہ ہونے سے ہلاکت یا مشقت، کسی کا خطرہ نہ ہو، بلکہ محض اپنی خواہش کی تکمیل مقصود ہو۔

''والمنفعة: كالذى يشتهى خبز البر ولحم الغنم والطعام الدسم ''

(ہامش الاشباہ والنظائر ۱/۳۰۸، ۳۰۹)۔

ضرورت بمعنی منفعت کے ارتکاب کا مطلب یہ ہے کہ ضم الاجزاء والا قول اختیار کرنے میں اہل ثروت کے لئے منفعت اور ان کی خواہش کی تکمیل ہے، کہ جلد کوئی صاحب نصاب نہیں بنے گا، وہ حضرات تو یوں بھی عموماً زکوۃ کو بوجھ سمجھ کر نکالتے ہیں، اس لئے صاحبینؒ کے قول پر فتوی دینے کی کسی حال میں ضرورت نہیں۔

۶- زکوۃ وصدقات کی فروعات پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ حضرات فقہاء نے اکثر جگہوں میں ''انفع للفقراء'' کی جہت کا لحاظ ورعایت فرمائی ہے، یعنی فقہاء کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ فقراء کے پاس مال زیادہ سے زیادہ پہنچے، حتی کہ بعض صورتیں ایسی ہیں کہ اگر پہلی مرتبہ ادا کی گئی زکوۃ کی ادائیگی میں تردد ہو تو دوبارہ زکوۃ نکالنے کو احتیاط بتایا جاتا ہے، اس کی ایک مثال پیش کی جاتی ہے:

اگر خارجیوں نے خراج کو اور سائمہ جانوروں کی زکوۃ کو وصول کرلیا، تو امام عادل کی حکمرانی کے بعد لوگوں سے دوبارہ لی جائے گی، اور جن لوگوں نے بوجہ جبر خارجیوں کو زکوۃ دی تھی ان سے کہا جائے گا دوبارہ فقیروں کو زکوۃ دے دیں، یہی مفتی بہ قول ہے اور اسی میں احتیاط کا پہلو ہے۔

''واذا أخذ الخوارج الخراج وصدقة السوائم لا يثنى عليهم وأفتوا

بأن يعيدوها إلى قوله والأول أحوط "(ہدایہ اولین رص ۱۹۳) دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنے میں فقہاء کا فائدہ اور مالدار کے لئے احتیاط ہے۔

زیر بحث مسئلہ میں امام صاحبؒ کے قول کو چھوڑ کر صاحبینؒ کو اختیار کرنے میں "**أنفع للأغنياء**" کا پہلو نکلتا ہے جو احتیاط کے خلاف ہے۔

۷- کچھ سونا اور کچھ چاندی ہو اور دونوں کا مجموعہ چاندی کی قیمت کو پہنچ جائے، تو وجوب زکوٰۃ میں امام صاحبؒ قیمت کا اعتبار کرتے ہیں، جبکہ صاحبینؒ ضم الاجزاء کے بعد وجوب کے قائل ہیں، دونوں قولوں پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام صاحبؒ کا قول مقصود زکوٰۃ کے زیادہ قریب ہے، اور صاحبین کا قول نسبتاً مقصود زکوٰۃ سے دور۔

تشریح اس کی یہ ہے کہ امام صاحبؒ کا قول اختیار کرنے میں خود مقصود زکوٰۃ (یعنی قیمت ادا کر کے فقیر کی ضرورت پوری کرنا) موجود ہے، جبکہ صاحبینؒ کے قول میں ضم الاجزاء کے بعد چاہے تو عین (سونا یا چاندی کا جزء) ادا کرے یا اس کی قیمت ادا کرے، معلوم ہوا کہ صاحبینؒ کے قول میں مقصود زکوٰۃ کو ثانوی درجہ حاصل ہے، جبکہ امام صاحبؒ کے قول میں مقصود زکوٰۃ کو اولیت کا مقام حاصل ہے۔"**الأقدم فالأقدم**"۔

عین کے بجائے قیمت کے ذریعہ زکوٰۃ ادا کرنے میں جانبین (مالدار اور فقیر) کے لئے سہولت ہے، اس پر علامہ یوسف القرضاوی کی یہ عبارت شاہد ہے:

"**إن المقصود من الزكاة إغناء الفقير وسد خلة المحتاج**(إلى قوله) **وهذا يحصل بأداء القيمة كما يحصل بأداء الشاة، وربما يكون تحقيق ذلك بأداء القيمة أظهر وأيسر، ومهما تتنوع الحاجات، فالقيمة قادرة على دفعها**" (فقہ الزکوٰۃ ۲/ ۸۰۴)۔

واضح رہے: قیمت کو اولیت کا درجہ اور عین کو ثانویت کا درجہ دینے سے مراد صرف وجوب میں تقابل ہے، اداء میں نہیں۔

۸-مالداروں پر وجوب زکوۃ کے فلسفہ پر غور کرنے سے یہ بات عیاں ہے کہ اگر تمام مالدار اپنے اپنے مال کی صحیح زکوۃ ادا کریں اور مصرف میں پہنچانے کا اہتمام کریں تو شاید کوئی غریب غریب نہ رہے، آج کل عام جہالت وغفلت کی بناء پر بہت سے مسلمان زکوۃ نکالتے ہی نہیں اور جو نکالتے ہیں ان کی تعداد کم ہے، اگر صاحبینؒ کے قول کو اختیار کیا جائے تو زکوۃ دیر سے واجب ہونے کی صورت میں مزکی کی تعداد میں بہت ہی کمی واقع ہوگی، نتیجہ یہ ہوگا کہ شرعی مالدار اقل قلیل اور فقراء کا تناسب زیادہ، ایسی صورت میں نظام عالم میں بڑا خلل واقع ہونے کا قوی اندیشہ ہے، اسی عالمی نظام کے برقرار رکھنے کی طرف علامہ یوسف قرضاوی کی عبارت مشیر ہے:

"إن المقصود من الزكوة إقامة المصالح العامة للملة والأمة التي بها تعلو كلمة الله" (فقہ الزکوۃ ۲/ ۸۰۴)۔

"أن التقدير بنصاب الفضة أنفع للفقراء إذ باعتباره تجب الزكاة على أكبر عدد من المسلمين" (فقہ الزکوۃ ۱/ ۲۶۳)۔

۹-یہ کہنا کہ سونے اور چاندی کی قوت خرید اور قدر میں موجودہ دور میں بڑا فرق ہوگیا ہے، کیونکہ چاندی کے نصاب کے اعتبار سے اگر کوئی شخص بنیادی ضروریات کے علاوہ پندرہ ہزار روپے کی کسی شئی کا مالک ہو تو اسے زکوۃ نہیں دی جاسکتی، حالانکہ آج کے ماحول میں یہ بہت معمولی رقم متصور ہوتی ہے۔

راقم الحروف کے خیال میں چاندی کے نصاب کے بالمقابل سونے کے نصاب کو وجوب زکوۃ میں معیار قرار دینے کا ذہن حسب ذیل پس منظر میں کارفرما ہے:

شیخ ابوزہرہؒ نے اپنی کتاب "حلقة الدراسات الإجتماعية" میں عصر حاضر میں چاندی کے بجائے سونے کے نصاب کو وجوب زکوۃ کا معیار بنانے کا رجحان ظاہر کیا ہے، نیز علامہ یوسف قرضاوی کا میلان بھی اسی طرف ہے۔

علامہ قرضاوی رقم طراز ہیں: "ويذهب علماء آخرون إلى أن تقدير

النصاب يجب أن يكون بالذهب، وذلک أن الفضة تغيرت قيمتها بعد عصر النبي ﷺ، ومن بعده، وذلک لا ختلاف قيمتها باختلاف العصور كسائر الأشياء، أما الذهب فاستمرت قيمته ثابتة إلى حد بعيد، ولم تختلف قيمة النقود الذهبية بإختلاف الأزمنة، لأنها وحدة التقدير في كل العصور وهذا مااختاره الأساتذة: أبوزهرةؒ و خلافؒ وحسنؒ في بحثهم عن الزكاة، ويبدولي أن هذا القول سليم الوجهة، قوى الحجة'' (فقہ الزکاۃ ۱/۲۶۴)۔

علامہ یوسف قرضاوی کا کہنا ہے کہ سابق زمانہ میں چاندی کے نصاب کا مالک مالدار متصور ہوتا تھا اور آج کے مہنگائی کے دور میں وہ غریب شمار ہوتا ہے، اگلے دور میں جس کے پاس نصاب چاندی ہو وہ بسہولت اپنے اہل وعیال کے گزران پر قادر ہوتا تھا، اور اب اس دور میں تیزی سے مہنگائی بڑھ رہی ہے، اتنے مال میں چند ہفتوں کا گزران بھی ناممکن ہے، چہ جائے کہ پورا سال۔ان کی عبارت ہے:

''ولقد قال العلامة ولى الله المهلويؒ في كتابه القيم ''حجة الله البالغة'': إنما قدر (النصاب) بخمس أواق(من الفضة)،لأنها مقدار يكفى أقل أهل بيت سنة كاملة، إذا كانت الإسعار موافقة في اكثر الأقطار، واستقرئ عادات البلاد المعتدلة في الرخص والغلاء تجد ذلک''۔

''فهل نجد الآن في أى بلد من بلاد الاسلام: أن خمسين أو نحوها من الريالات المصرية أو السعودية أو القطرية أو الروبيات الباكستانية أو الهندية ونحوها ، تكفي لمعيشة أسرة سنة كاملة، أو شهر أو احداً، أو حتى أسبوعا واحداً؟''۔

''إنها في بعض البلاد التي ارتفع فيها مستوى المعيشة كبلاد النفط (البترول) لا تكفي بعض الأسرالمتوسطة لنفقات يوم واحد، فكيف يعد من

ملکها غنیا فی نظر الشرع الحکیم؟ هذا بعید غایة البعد"۔

"لهذا کان الأولی إن نقتصر علی تقدیر النصاب فی عصرنا بالذهب، واذا کان التقدیر بالفضة أنفع للفقراء والمستحقین، فهو إجحاف بارباب الأموال، وأرباب الأموال فی الزکوة لیسواهم الرأسمالیین وکبار الموسرین، بل هم جمهور الأمة" (فقہ الزکوۃ ۱/۲۶۵)۔

مذکورہ بالا عبارت میں انہوں نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی کتاب "حجۃ اللہ البالغۃ" سے استدلال کیا ہے، اہل علم جانتے ہیں کہ "حجۃ اللہ البالغۃ" کا موضوع احکام شرعیہ کے مصالح اور اسرار بیان کرنا ہے نہ کہ احکام شرعیہ، کیونکہ احکام شرعیہ فرعیہ کا دارومدار نصوص شرعیہ پر ہے، مصالح اور اسرار پر نہیں، لہذا "حجۃ اللہ البالغۃ" سے استدلال درست نہیں۔

۱۰-یہ جو کہا جاتا ہے: "آج کے دور میں بنیادی ضروریات کے علاوہ پندرہ ہزار کا مالک شخص زکوۃ نہیں لے سکتا، اس لئے وجوب زکوۃ میں سونے کے نصاب کو یا ضم الاجزاء کو معیار قرار دیا جائے"۔

اگر ایسا کیا گیا تو وجوب اضحیہ اور صدقۃ الفطر پر اس کا زبردست اثر مرتب ہوگا، بہت کم لوگوں پر قربانی واجب ہوگی، یہی حال صدقۃ الفطر میں ہوگا۔

نتیجہ یہ ہوگا کہ عیدین میں بہت سے فقہاء گوشت اور نان شبینہ سے بھی محروم ہوں گے، حالانکہ صدقۃ الفطر اس لئے واجب ہوا تھا کہ اس دن غرباء بھی اچھی طرح عید منا سکیں۔

"لأن الأمر بالإغناء کی لا یتشاغل الفقیر بالمسألة عن الصلاة" (ہدایہ اولین ۱/۲۱۱)۔

۱۱-اگر یہ کہا جائے کہ زکوۃ واجب ہونے کے لئے پیمانہ سونے کا نصاب یا ضم الاجزاء والاقول اختیار کیا جائے، تو غرباء کے لئے بھی فائدہ ہے، بایں معنی کہ وہ اپنی ضروریات زیادہ سے زیادہ پوری کرسکیں گے اور جلد مصرف زکوۃ سے خارج نہ ہوں گے۔

مثلاً کسی فقیر کو مکان بنانا ہے، اس کو کوئی مالدار زکوۃ دینا چاہتا ہے تو امام صاحبؒ کے قول کو اختیار کرنے میں پندرہ ہزار روپے دینے کے بعد جب تک اس کو تعمیر مکان یا دیگر ضروریات میں صرف نہ کرے اس وقت تک زکوۃ کی رقم نہیں لے سکتا، جبکہ صاحبینؒ کا قول اختیار کرنے میں یا پیانہ سونے کا نصاب مقرر کرنے کی صورت میں زکوۃ کی بڑی مقدار یکمشت لے سکتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ فقیر کی ضروریات پوری کرنے کے لئے دیگر تدابیر موجود ہیں، مثلاً قرض لے کر مکان بنالے، یا تعمیر مکان کی اشیاء ادھار خرید لے ایسی صورت میں مقروض ہونے کی وجہ سے زکوۃ کی بڑی رقم وصول کرنے کی راہ موجود ہے۔

خلاصہ یہ کہ امام صاحبؒ کا قول (قیمت کے اعتبار سے وجوب) اختیار کرنے میں فقیر کی بڑی سے بڑی ضروریات پوری کرنے کا بدل موجود ہے، جبکہ سونے کو پیانہ یا ضم الاجزاء کو پیانہ مقرر کرنے میں غرباء کی حق تلفی کا کوئی بدل نہیں۔

لہذا فقہی اعتبار سے فوت لا الی بدل والے قول کے بالمقابل فوت الی بدل والا قول اختیار کرنا ''أهون وأيسر'' ہے، فقہ میں اس کی نظیر موجود ہے، جمعہ کی نماز یا وقتیہ نماز فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمم کی اجازت نہیں، اس لئے کہ اس کا بدل موجود ہے۔

''لأنها تفوت إلى خلف وهو الظهر'' اور عیدین کی نماز فوت ہونے کا خطرہ ہو تو تیمم جائز ہے، اس لئے کہ اس کا بدل موجود نہیں، ''لأن الفوات إلى خلف وهو القضاء، لأنها (اى صلوة العيد) لا تعاد'' (ہدایہ اولین ۱/۵۴، ۵۵)۔

ایک مشورہ:

فقہ اکیڈمی کی کوشش یہ ہونی چاہئے کہ وجوب زکوۃ میں احتیاط کا پہلو ملحوظ رکھے، مالداروں کے مال کی حفاظت اسی میں ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ اپنا مال انفاق فی سبیل اللہ کریں، اس زمانے میں بڑے بڑے مالداروں کا کاروبار یہ ہو گیا ہے کہ قابل زکوۃ مال جتنا بڑھتا جاتا

ہے، اس سے زیادہ قرضہ لیتے جاتے ہیں: مثلاً فیکٹریاں لگانے، یا مشینریاں خریدنے، یا مال تجارت امپورٹ کرنے کے لئے قرض لیتے ہیں۔

حنفیہ کے اصل مذہب کے اعتبار سے اگر ان سب قرضوں کو منہا کیا جائے تو ایسے مالداروں کو شاید زندگی بھر زکوۃ دینے کی توفیق نہ ہو، جو حقوق مالیہ اور مقاصد شرعیہ کے خلاف ہے، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسے شرعی فقیر اور عرفی مالدار پر وجوب زکوۃ کے متعلق غور و خوض کیا جائے۔ بعض ارباب فتوی خصوصا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا فتوی یہ تھا کہ ایسے کاروباری حضرات پر زکوۃ کا حکم نافذ کر دیا جائے، بالخصوص جبکہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک کسی بھی قسم کے قرض کو زکوۃ سے منہا کرنے کی گنجائش نہیں۔

مفتی محمد تقی عثمانی صحاب نے (فقہی مقالات ۳/۱۵۵) پر قرضوں کی منہائی کے ماتحت تجارتی قرضوں کی منہائی پر بحث تفصیل سے کی ہے، ان کی رائے بھی یہی ہے، مگر مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا ایسے مالداروں پر زکوۃ کا رجحان بطور مشورہ ہے، بطور وجوب نہیں، ضرورت ہے کہ اکیڈمی بطور وجوب کے پہلو پر غور و خوض کرے، فقہاء نے کئی مسائل میں اصل مذہب کے خلاف سداللباب، یا بطور زجر یا اموال کی حفاظت کے خاطر دوسرا حکم نافذ کیا ہے۔

☆☆☆

زکاۃ میں سونے چاندی کی مالیت کے اعتبار کا مسئلہ

مولانا ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی☆

زکاۃ اسلام کا بنیادی رکن اور فریضہ ہے۔ یہ مالداروں سے لی جاتی ہے، اور فقیروں کو دی جاتی ہے۔ غذائی اجناس اور حیوانات کے ساتھ سونے اور چاندی میں زکاۃ کا نصاب شریعت نے مقرر کیا ہے۔ عہد نبوی میں سونے اور چاندی کے نصابوں کی مالیت میں یکسانیت تھی۔ لیکن چاندی کی قیمت میں بتدریج گراوٹ آتے آتے اب اس کی مالیت اتنی گر چکی ہے کہ سونے کے نصاب سے اس کی کچھ بھی مناسبت نہیں رہ گئی ہے۔ اس پس منظر میں یہ سوال پیدا ہوا ہے کہ نقد رقوم اور سامان تجارت کی زکاۃ میں سونے کے نصاب کی مالیت کا اعتبار کیا جائے یا چاندی کے نصاب کی مالیت کا۔

زیر نظر سطور میں اسی سوال کا جواب شریعت کے دلائل اور مقصود زکاۃ کی روشنی میں دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس بحث میں چند نکات ہیں جو سلسلہ وار ذکر کئے جاتے ہیں:

۱- یہ بات تو طے ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے سونے اور چاندی دونوں کا نصاب طے فرما دیا ہے۔ اسی لئے دونوں کے نصاب کی مقدار میں کوئی قابل ذکر اختلاف نہیں ہے۔

امام نووی نے یہ ضرور لکھا ہے کہ سونے کے نصاب کے بیان میں کوئی صحیح حدیث موجود نہیں ہے۔ اور جن روایات میں بیس مثقال کی مقدار کو سونے کا نصاب بتایا گیا ہے وہ تمام ضعیف

☆ شعبہ اسلامیات، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد۔

روایات ہیں،ان کی عبارت ہے:

''ولم یأت في الصحیح بیان نصاب الذھب ، وقد جاء ت فیه أحادیث بتحدید نصابه بعشرین مثقالا، وھي ضعاف''

لیکن اسی سلسلہ کلام میں انھوں نے صاف لکھا ہے کہ سونے کے اس نصاب پر اجماع موجود ہے:

''ولکن أجمع من یعتد به في الإجماع علی ذلک''۔

(لیکن تمام قابلِ شمار لوگوں کا اس نصاب پر اجماع ہے)(شرح نووی علی مسلم،حدیث نمبر ۱۶۲۹)۔

پس بحث یہ نہیں رہ جاتی ہے کہ سونے کا نصاب اصل ہے یا چاندی کا نصاب۔''سنن ابن ماجہ'' کی روایت ہے:

''عن عمر و عائشة أن النبي ﷺ کان یأخذ من کل عشرین دینارا فصاعدا نصف دینار ، ومن الأربعین دینارا دینارا''۔

(حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ ہر بیس دینار اور زائد میں نصف دینار،اور ہر چالیس دینار میں ایک دینار وصول فرماتے تھے)(سنن ابن ماجہ مع شرحہ للسندی،حدیث نمبر ۱۷۸۱)۔

ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں حضرت علیؓ کے علاوہ شعبی،ابن سیرین،حسن،ابراھیم، عطاء اور عمر بن عبدالعزیز رحمہم اللہ کے اقوال و آثار نقل کیے ہیں جن میں اس مضمون کے الفاظ آئے ہیں کہ:

''في عشرین دینارا نصف دینار''

(ہر بیس دینار میں نصف دینار)(مصنف ابن ابی شیبہ،کتاب الزکاۃ)۔

لہذا منصوص یہ ہے کہ چاندی کا نصاب دوسو درہم ہے اور سونے کا نصاب بیس دینار ہے۔

۲- اسی طرح یہ بات بھی طے ہے کہ جن جن اشیاء کی مقررہ مقدار کو زکاۃ کے لئے نصاب بنایا گیا، عہد نبوی ﷺ کے اندر ان تمام مقداروں کے درمیان کسی حد تک یکساں مالیت پائی جاتی تھی۔ اور سونے اور چاندی کی مالیت تو بالکل برابر تھی۔ اس کی کچھ تفصیل اس طرح ہے:

☆ سونے کا نصاب بیس دینار مقرر ہوا۔

☆ چاندی کا نصاب دوسو درہم طے ہوا۔

☆ اونٹ کا نصاب پانچ اونٹ مقرر ہوئے۔

☆ بکری کا نصاب چالیس بکریاں مقرر ہوئیں۔

☆ منقہ یا کھجور کا نصاب پانچ وسق بنائے گئے۔

عہد نبوی ﷺ میں ایک دینار سونے کی مالیت دس درہم چاندی کے برابر ہوتی تھی، اس طرح بیس دینار سونا دوسو درہم چاندی کے برابر ہو جاتے تھے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی نے لکھا ہے:

"وکان في ذلک الزمان صرف دينار بعشرة دراهم فصار نصابه عشرين مثقالا"

(اور اس زمانہ میں ایک دینار کے بدلہ میں دس درہم ہوتے تھے۔ تو اس طرح دینار کا نصاب بیس مثقال ہو گیا) (حجۃ اللہ البالغہ ۲/۴۴)۔

اسی طرح ایک اونٹ کی قیمت آٹھ، دس اور بارہ بکریوں کی قیمت کے برابر ہوا کرتی تھی۔ ان میں سے درمیانی عدد یعنی آٹھ بکریوں کا اعتبار کیا جائے تو پانچ اونٹ چالیس بکریوں کے برابر ہو جاتے ہیں۔ اور یہی دونوں تعداد دونوں جانوروں کے لئے نصاب ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اس بابت لکھا ہے:

"وکان البعير في ذلک الزمان يسوى بعشر شياه و بثمان شياه واثنتي عشرة شاة کما ورد في کثير من الأحاديث ، فجعل خمس ذود في

حكم أدنى نصاب من الغنم وجعل فيها شاة"

(اوراونٹ اس زمانے میں دس بکریوں، آٹھ بکریوں اور بارہ بکریوں کے برابر ہوتا تھا ،جیسا کہ بہت ساری احادیث میں مذکور ہے۔تو پانچ اونٹ کوبکری کے ادنی نصاب کے حکم میں کردیا گیا،اوراس میں ایک بکری رکھی گئی)(حجۃ اللہ البالغہ ۲/ ۴۳)۔

پانچ وسق کھجوراورغلہ کودوسو درہم چاندی کے بقدر بتاتے ہوئے شاہ صاحب ہی لکھتے ہیں:

"إنما قدر من الحب و التمر خمسة أوسق؛ لأنها تكفي أقل أهل بيت إلى سنة ... و إنما قدر من الورق خمس أواق؛ لأنها مقدار يكفي أقل أهل بيت سنة كاملة إذا كانت الأسعار موافقة في أكثر الأقطار"

(غلہ اور کھجور میں پانچ وسق کی تعیین کی گئی،اس لئے کہ یہ مقدار ایک گھروالوں کے لئے سال بھر کی اقل اخراجات ہے۔۔۔۔اور چاندی میں پانچ اوقیہ مقرر کیا گیا،اس لئے کہ یہ مقدار ایک پورے سال کے لئے گھروالوں کے اقل اخراجات ہیں،اگر قیمتیں اکثر علاقوں میں موافق ہوں)(حجۃ اللہ البالغہ ۲/ ۴۳)۔

پس حاصل یہ نکلا کہ سونے اور چاندی کا نصاب دو مالیتیں نہیں تھیں، بلکہ ایک ہی مالیت کی اس وقت کے رائج دونوں سکوں میں تعیین تھی۔

۳- تیسری بحث یہ ہے کہ اسلام نے زکاۃ کے لئے ایک واضح تصور دیا ہے کہ یہ صرف اغنیاء پر فرض ہے،اور فقراء اس کے مستحق ہیں۔بخاری شریف میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن روانہ کرتے وقت مزید باتوں کے ساتھ یہ بھی فرمایا:

"فأعلمهم أن الله افترض عليهم صدقة في أموالهم تؤخذ من أغنيائهم فترد على فقرائهم"

(توان کو بتاؤ کہ اللہ نے ان کے اموال میں زکاۃ فرض کیا ہے جوان کے اغنیاء سے لی

جائے گی اوران کے فقراء پر لوٹائی جائے گی) (بخاری)۔

مسند احمد کی صحیح سند سے مروی حدیث میں ہے کہ:

"انما الصدقة عن ظهر غنى"

(زکاۃ صرف مالدار کی جانب سے ہے)(احمد واسنادہ صحیح)۔

اسی غنا اور مالداری کی تعیین کے لئے نصاب مقرر کئے گئے ۔اس نصاب میں اتنی دولت اور مالداری ملحوظ رکھی گئی جو عام حالات میں ایک شخص کے لئے اپنے گھر والوں کے سال بھر کے متوسط اخراجات کے لئے کافی ہو۔ "موسوعہ فقہیہ" میں اس متعلقہ بحث میں مذکور ہے:

"وجعل الشرع النصاب أدنى حد الغنى ، لأن الغالب في العادات أن من ملكه فهو غني الى تمام سنة"

(اور شریعت نے غنا کی ادنی حد کو نصاب بنایا، اس لئے کہ اغلب معمول یہی ہے کہ جس شخص کے پاس اس نصاب کی ملکیت ہوگی وہ ایک پورے سال تک غنی ہوگا) (الموسعہ الفقہیہ ، بحث الزکاۃ)۔

نصاب اور غناء کا یہ معیار ہمارے زیر بحث سوال میں بڑا قابل توجہ اور اہمیت کا حامل ہے ۔حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے بھی غنا کے اس معیار اور مالیت کا ذکر کیا ہے ۔ ان کی یہ عبارت ابھی اوپر گذری ہے کہ:

پانچ وسق غلہ اور کھجور اس لئے نصاب بنایا گیا کہ یہ مقدار ایک گھر والوں کے لئے کم از کم ایک سال کے لئے کافی ہوگی ۔۔۔۔اور اسی طرح پانچ اوقیہ چاندی (دوسو درہم)اس لئے نصاب مقرر کیا گیا کہ یہ مقدار ایک گھر کے لوگوں کو کم از کم سال بھر کے لئے کافی ہوگی ۔اگر اکثر علاقوں میں قیمتیں معتدل ہوں (حجۃ اللہ البالغہ ۲/ ۴۳)۔

۴- چوتھی بحث یہ ہے کہ چاندی کا نصاب واضح طور پر منصوص اور صحیح وصریح احادیث سے ثابت ہے ۔اس لئے کو کہ چاندی کی مالیت بے انتہا گر گئی ہے،خود چاندی اگر مقررہ مقدار نصاب

کے برابر ہو تو اس پر زکاۃ واجب ہوگی۔ یعنی صریح نص پر عمل اس لئے ترک نہیں کیا جائے گا کہ اب اس کی وہ مالیت نہیں رہی جو عہد نبوی میں تھی۔ پس یہ نکتہ بھی خارج بحث ہے۔

۵- آخری نکتہ اب اصل سوال کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ یعنی سامان تجارت اور کرنسی نوٹ کی رقومات کا نصاب سونے سے مقرر کیا جائے یا چاندی سے؟ یہ سوال اس لئے اہمیت کا حامل ہے کہ یہ دونوں نصاب جو عہد نبوی میں یکساں مالیت رکھتے تھے، اب ان میں کوئی تناسب ہی نہیں رہ گیا ہے۔ بیس دینار سونا جو علماء عرب کی تعیین کے مطابق ۸۵ گرام ہوتا ہے، اس کی موجودہ مالیت (مؤرخہ ۱۷ جنوری 2010ء کو انگریزی اخبار The Hindu کے مطابق دہلی کے ریٹ سترہ ہزار نوے (17,090) روپے فی دس گرام کے حساب سے) **ایک لاکھ پینتالیس ہزار دو سو پینسٹھ** (1,45,265) روپے ہوتا ہے۔ جب کہ دو سو درہم چاندی جو علماء عرب کی تعیین میں ۵۹۵ گرام ہے، اس کی مالیت (مؤرخہ ۱۷ جنوری 2010ء کو انگریزی اخبار The Hindu کے مطابق دہلی کے ریٹ 28,600 روپے فی کلو کے حساب سے) **سترہ ہزار سترہ** (17,017) روپے ہوتے ہیں۔ ایک لاکھ پینتالیس ہزار اور صرف سترہ ہزار میں کیا کوئی تناسب پایا جاتا ہے؟ دوسرے لفظوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آج سونے کے ایک تولہ کی مالیت بھی چاندی کے پورے نصاب (ساڑھے باون تولہ = ۵۹۵ گرام) سے زیادہ ہے۔ اول الذکر کی مالیت اٹھارہ ہزار سے زائد ہوتی ہے، جب کہ ثانی الذکر کی مالیت سترہ ہزار سترہ روپے ہے۔

پہلے ہم اس پر غور کرتے ہیں کہ اگر تجارتی سامان اور نقد رقومات کا نصاب چاندی سے مقرر کیا جائے تو کیا نتائج مرتب ہوتے ہیں؟

چاندی کے نصاب کی موجودہ مالیت سترہ ہزار سترہ روپے ہیں۔ لہذا جس شخص کے پاس اس زمانہ میں اپنی ضروریات سے زائد سترہ ہزار روپے سترہ روپے نقد موجود ہیں وہ صاحب نصاب ہے، اس پر زکاۃ واجب ہوگی اور وہ زکاۃ لینے کا حقدار نہیں ہوگا۔

اس پر یہ اشکالات اٹھتے ہیں:

الف) کیا سترہ ہزار روپے رکھنے والا شخص آج کے حالات میں غنی تصور کیا جائے گا؟ جب کہ زکاۃ شریعت نے غنی پر فرض کی ہے، تا کہ وہ اپنی زائد دولت سے غریبوں کی مدد کر سکے۔ یہ مالیت تو عام حالات میں ایک سے دو ماہ کی ضروریات کے لئے بھی بمشکل کافی ہے۔اس میں غناء کا تصور کیوں کر آسکتا ہے۔

ب) غناء کی ادنیٰ ترین مقدار کو شریعت نے نصاب بنایا ہے۔اور اس نصاب کی مالیت کا اندازہ کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ دہلوی نے لکھا ہے کہ اس سے ایک پورے گھرانہ کے لئے سال بھر کے اقل اخراجات پورے ہوجاتے ہیں۔ پانچ وسق غلے میں اور سونے کے نصاب کی مالیت میں یہ بات آج بھی کسی حد تک موجود ہے۔لیکن کیا چاندی کے نصاب کی موجودہ مالیت یعنی سترہ ہزار روپے سے پوری فیملی کے سال بھر کے اخراجات بھی پورے ہوجائیں گے؟

ج) سترہ ہزار کی مالیت رکھنے والا شخص اگر کثیر العیال ہے اور علاج وغیرہ کی ضرورت درپیش ہے تو از روئے فتویٰ وہ زکاۃ لینے کا مستحق نہیں ہوگا، جب کہ فی الواقع وہ نہ صرف ضرورت مند ہے، بلکہ اپنے مخصوص حالات میں وہ فقراء کی صف میں شامل ہے۔

د) ایک شخص کے پاس اپنی ضروریات سے زائد ۵۰ ہزار روپے جمع ہیں ۔ وہ ان روپوں سے سونا خرید کر محفوظ کر لیتا ہے۔دوسرا شخص اسی صورت میں اس رقم سے چاندی خرید لے آتا ہے۔تو پہلا شخص فقیر ہے اور وہ زکاۃ لے سکتا ہے۔جب کہ دوسرا شخص ایک نہیں تقریباً تین نصاب کا مالک قرار پائے گا اور اس پر زکاۃ واجب ہوگی ۔ایک ہی مالیت میں دو شخصوں کے درمیان یہ زبردست فرق صرف اس لئے پیدا ہورہا ہے کہ نصاب زکاۃ میں نقد رقم کی تقویم چاندی سے کی جارہی ہے۔یہ فرق روح شریعت سے قطعاً ہم آہنگ نہیں محسوس ہوتا ہے۔

اموال تجارت اور نقد رقومات کا نصاب چاندی سے مقرر کرنے میں آج کے حالات میں درج بالا اشکالات پیدا ہوتے ہیں۔

اگر ہم اس کے بجائے اموال تجارت اور نقد رقومات کا نصاب سونے سے مقرر کریں تو

درج ذیل نتائج پیدا ہوں گے:

۱) سونے کے نصاب کی مالیت رکھنے والا شخص حقیقی معنوں میں غناء رکھتا ہے۔لہذا اس پر زکاۃ غنی پر زکاۃ ہوگی۔

۲) اپنی ضروریات سے زائد سونے کے نصاب کی مالیت رکھنے والا صحیح معنی میں آئندہ کم ازکم سال بھر کے اخراجات رکھنے والا کہلائیگا۔

۳) سونے کے نصاب کی مالیت ہی دیگر اشیاء کے نصابوں کی مالیت سے کسی حد تک مناسبت اورقربت رکھتی ہے۔ لہذا اس مالیت پر زکاۃ دوسرے نصابوں سے بھی کسی حد تک ہم آہنگ ہوگی۔

۴) سونے کے نصاب کی مالیت رکھنے والا شخص زکاۃ لینے کے حق سے محروم ہوگا، اور یہ پوری طرح عقل وقیاس اور حالات کے مطابق ہے۔

ان دونوں صورت حال کا باہم موازنہ اورتجزیہ کرنے سے درج ذیل امور کوترجیح حاصل ہوتی ہے:

☆ سونے اور چاندی کا نصاب منصوص ہے، اس لئے صرف سونا یا صرف چاندی جب اپنے مقررہ نصاب کو پہنچ جائے تو اس پر زکاۃ واجب ہوگی۔

☆ اموال تجارت اور نقد رقومات میں سونے کے نصاب کا اعتبار ہی روح شرع سے ہم آہنگ ہے۔ کیونکہ زکاۃ غنی پر ہے اور غناء کی مالیت آئندہ سال بھر کے اقل اخراجات کے مطابق متصور کی گئی ہے۔ یہ بات سونے کے نصاب میں تو موجود ہے، چاندی کے نصاب میں نہیں ہے۔

☆ سونے کا نصاب ہی دیگر اشیاء کے نصابوں سے بھی قریب ہے۔ چاندی کے نصاب کی مالیت بے انتہا گر چکی ہے۔ اس لئے نقد رقومات کو چاندی کے نصاب سے جوڑنے میں زکاۃ کی روح متاثر ہوتی ہے۔

☆یہاں یہ ضرور واضح رہے کہ خود چاندی کا نصاب تو منصوص ہے۔لیکن نقد رقومات کو چاندی کے نصاب سے وابستہ کرنا منصوص نہیں ہے۔کرنسیاں ثمن اعتباری کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور آج دنیا میں ان کی قیمت سونے سے ہی طے کی جاتی ہے۔اب سے کچھ پہلے تک سونے کے عوض ہی حکومتیں اور ان کے بنک کرنسیاں جاری کرتے تھے۔آج گو کہ اس کی پابندی نہیں کی جاتی ہے، لیکن اب بھی کرنسیوں کی مالیت کی تعیین میں سونے کی قیمت کا ہی عمل دخل ہوتا ہے۔اور پھر سونا ہی مالی تعامل کی بنیاد ہے۔اور چاندی کے بالمقابل سونے کی قیمت میں پائیداری اور مضبوطی برقرار ہے۔

☆یہی رائے معاصر دور کے مشہور زمانہ شناس فقہاء ڈاکٹر وھبہ زحیلی، ڈاکٹر یوسف قرضاوی، ڈاکٹر محمد اشقر اور دیگر اہل علم بشمول مجمع البحوث الاسلامیہ (موتمر ثانی) کی ہے۔ڈاکٹر زحیلی نے اس کی وجہ ترجیح بتاتے ہوئے لکھا ہے:

"وتقدر الأوراق النقدية بسعر الذهب ، و لأنه هو الأصل في التعامل ، ولأن غطاء النقود هو بالذهب ، ولأن المثقال كان في زمن الرسول ﷺ وعند أهل مكة هو أساس العملة"

(آج سونا ہی تعامل میں اساس ہے۔اور کرنسیوں کی تحدید سونے کے ذریعہ ہی ہوتی ہے۔اور رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اور اہل مکہ کے یہاں مثقال ہی سکہ کی بنیاد تھی) (الفقہ الاسلامی وأدلتہ)۔

اور ڈاکٹر قرضاوی نے کہا:

"الأولى في تقدير نصاب في عصرنا أن يكون بالذهب لا بالفضة، فان النبي ﷺ حينما قدر نصاب الزكاة بالفضة والذهب لم يقصد أن يجعل هناك نصابين ، وانما هو نصاب واحد قدر بعملتين؛ لأن النصاب معناه في الشرع الحد الأدنى للغنى"

(اولیٰ ہمارے زمانے میں یہ ہے کہ نصاب کی تعیین سونے سے کی جائے، چاندی سے نہیں ۔کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے جس وقت چاندی اور سونے کا نصاب مقرر فرمایا تو آپ ﷺ کا مقصود یہ نہیں تھا کہ دو نصاب بنائیں۔ بلکہ یہ صرف ایک ہی نصاب تھا جس کو دونوں سکوں میں مقرر کیا گیا، اس لئے کہ نصاب کا مطلب شریعت میں غناء کی ادنیٰ حد کی تعیین ہے)(فتاویٰ معاصرۃ)۔

☆خود امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ موجود ہے کہ سامان تجارت کے مالک کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ سونے چاندی میں سے جس سے چاہے تقویم کرے، کیونکہ اشیاء کی قیمتوں کی تقدیر میں دونوں ثمنوں کی حیثیت یکساں ہے۔"موسوعہ فقہیہ" میں ہے:

"واختلف الفقهاء فيما تقوم به عروض التجارة بالذهب أم بالفضة ، فذهب الحنابلة وأبو حنيفة في رواية عليها المذهب إلى أنها تقوم بالأحظ للفقراء، فإن كان إذا قومها بأحدهما لا تبلغ نصابا وبالآخر تبلغ نصا با تعين عليه التقويم بما يبلغ نصابا ، وقال أبو حنيفة في رواية عنه : يخير المالك فيما يقوم به؛ لأن الثمنين في تقدير قيم الأشياء بهما سواء "

(فقہاء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ سامان تجارت کی تقویم سونے سے کی جائے گی یا چاندی سے ۔حنابلہ اور امام ابوحنیفہ ایک روایت میں جس پر مسلک ہے، اس طرف گئے ہیں کہ تقویم اس سے کی جائے گی جو فقراء کے لئے زیادہ نفع بخش ہو۔پس اگر سونے اور چاندی میں سے ایک سے تقویم کرنے پر سامان تجارت نصاب کو پہنچتا ہو اور دوسرے سے نہ پہنچتا ہو تو اس سے تقویم لازم ہو جائے گی جس سے نصاب کو پہنچتا ہے۔اور امام ابوحنیفہ نے ایک روایت میں فرمایا: مالک کو اختیار ہوگا کہ جس سے چاہے تقویم کرے، کیونکہ اشیاء کی قیمتوں کی تقویم میں دونوں ثمنوں کی حیثیت برابر ہے)(الموسوعہ الفقہیہ ،بحث الزکاۃ)۔

پہلے سوال کا جواب:

امور بالا کی بنیاد پر راقم سطور کی رائے میں راجح یہی محسوس ہوتا ہے کہ سامان تجارت اور نقد روپے میں زکاۃ واجب ہونے کے لئے پیمانہ سونے کے نصاب کو بنایا جائے، چاندی کے نصاب کو نہیں۔

جہاں تک اس سوال کے دوسرے شق کا تعلق ہے کہ اتنی نقد مالیت رکھنے والا شخص جس مالیت سے نصاب کے بقدر چاندی تو خریدی جاسکتی ہو، نصاب کے بقدر سونا نہیں۔تو اس شخص کے لئے زکاۃ لینا جائز ہوگا یا حرام؟

اس شق میں راقم کا رجحان اس جانب ہے کہ چونکہ دونوں کی مالیت میں کوئی آٹھ گنا سے زیادہ کا فرق ہے، اس لئے یہ بہت ممکن ہے کہ ایک شخص کے پاس نقد یا سامان تجارت کی مالیت نصاب کے بقدر سونے کی مالیت سے کم تو ہو، لیکن بقدر نصاب چاندی کی مالیت سے کافی زیادہ ہو اور وہ فی الواقع غنی کی حیثیت رکھتا ہو، ایسی صورت میں احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ ایسی حیثیت والے شخص کے لئے زکاۃ لینا جائز نہ ہو۔ہاں اگر اس کی نقد رقم یا سامان تجارت بقدر نصاب چاندی کی مالیت سے کچھ ہی زیادہ ہو اور فی الواقع وہ ضرورت مند ہو تو سونے کے نصاب کا اعتبار کرتے ہوئے اس کے لئے زکاۃ لینا درست ہوگا۔

کچھ سونا ہو اور کچھ چاندی:

یہ مسئلہ ضم نصاب کا ہے۔اگر سونا اور چاندی میں سے کسی کا نصاب بھی اپنی جگہ مکمل نہیں ہے تو کیا ایک کے نصاب کی تکمیل دوسرے کو ملا کر کی جائے گی؟ اور ہاں تو کیسے؟

اس مسئلہ میں بنیادی طور پر فقہاء کے دو نقطۂ نظر ہیں:

پہلا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ایک کا نصاب دوسرے سے پورا کیا جائے گا۔اور زکاۃ واجب ہوگی، یہ رائے حنفیہ، مالکیہ، امام احمد کی ایک روایت، امام ثوری اور امام اوزاعی کی ہے۔

دوسرا نقطۂ نظر شافعیہ، امام احمد کی دوسری روایت، ابوعبید، ابن ابی یعلی اور ابوثور کا قول

ہے کہ ایسی صورت میں دونوں نامکمل نصابوں میں سے کسی میں زکاۃ واجب نہیں ہوگی، جب تک کہ ہر ایک نصاب اپنی جگہ پر مکمل نہ ہوجائے۔

ہمارا زیر بحث سوال پہلے نقطۂ نظر کے مطابق ہے جو حنفیہ اور مالکیہ دونوں کا مسلک بھی ہے۔ یہ نقطۂ نظر جو ضم نصاب کا قائل ہے، اس میں آگے چل کر اس کے طریقہ کار میں اختلاف رائے ہے۔ یعنی ایک نصاب کو دوسرے نصاب میں کس طرح ملایا جائے۔ یہاں حنفیہ میں سے صاحبین، نیز امام مالک اور امام احمد کی ایک روایت اس پر متفق ہیں کہ یہ ضم، اجزاء کے اعتبار سے ہوگا۔ یعنی سونے اور چاندی میں سے اگر ایک کا نصاب مثال کے طور دو تہائی اور دوسرے کا نصاب ایک تہائی ہو تو زکاۃ واجب ہوجائے گی۔ یا جیسے ۱۵ دینار سونا اور پچاس درہم چاندی ہو تو اول کا نصاب تین چوتھائی اور دوسرے کا نصاب ایک چوتھائی ہیں، اور اجزاء کے تناسب سے یہ دونوں ایک نصاب کو مکمل کررہے ہیں، اس لئے اس میں زکاۃ واجب ہوجائے گی۔

دوسری رائے امام ابوحنیفہؒ کی ہے کہ ان دونوں کا ضم، اجزاء سے نہیں، بلکہ قیمت سے کیا جائے گا۔ اور اس میں بھی اس نصاب کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا جس سے زکاۃ واجب ہوجاتی ہو، تا کہ اس میں فقراء کے لئے نفع ہوسکے۔ پس اس رائے کی رو سے آج کے زمانہ میں اگر کسی شخص کے پاس کسی بھی مقدار میں سونا اور کسی بھی مقدار میں چاندی ہو اور دونوں کی مجموعی قیمت بقدر نصاب چاندی کی قیمت کو پہنچ جارہی ہو تو اس پر زکاۃ واجب ہوجائے گی۔

ان دونوں رایوں میں سے پہلی رائے پر کوئی بڑا سوال نہیں اٹھتا ہے اور چاندی کی قیمت میں گراوٹ کا بھی اس ضم اجزاء پر کوئی بڑا اثر نہیں واقع ہورہا ہے۔

لیکن دوسری رائے میں جو صورت سب سے زیادہ قابل توجہ ہے، اور جسے سوال میں اٹھایا گیا ہے، وہ یہ کہ قیمت کے ذریعہ دو نصابوں کو ملانے پر یقیناً فقراء کا فائدہ ہے، لیکن ایک ہی جگہ اگر دو اشخاص ہیں، ایک کے پاس ایک تولہ سونا اور ایک تولہ چاندی ہے، جن کی مجموعی مالیت اٹھارہ/انیس ہزار روپے ہوتی ہے تو اس پر زکاۃ واجب ہوجائے گی۔ کیونکہ قیمت کے اعتبار سے

یہ دونوں مل کر چاندی کے نصاب کی مالیت کو پہنچ جا رہے ہیں۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ صرف ایک تولہ سونے کی مالیت چاندی کے نصاب کی مالیت سے زیادہ ہو جا رہی ہے۔ لیکن دوسرے شخص کے پاس سات تولہ صرف سونا ہے جس کی مالیت ایک لاکھ پینتالیس ہزار روپے ہے تو اس پر زکاۃ واجب نہیں ہوگی۔

یہ ایک عجیب وغیب منظر نامہ ہے، اور اس کی کوئی معقول توجیہ بن نہیں پاتی ہے۔ اور مزید حیرت ناک امر یہ ہے کہ یہ رائے امام اعظمؒ کی جانب منسوب ہو رہی ہے، جو اپنی عقلی توجیہات، معقولیت بھرے اجتہاد اور قوی قیاس ہی نہیں، بلکہ اگر قیاس کا نتیجہ مقصد شرع سے ہم آہنگ نہیں ہو رہا ہو تو استحسان کے لئے مشہور ہیں۔

میں تصور کرتا ہوں کہ اگر آج امام اعظمؒ موجود ہوتے، یا آپ کے زمانہ میں سونے اور چاندی کی قیمتوں میں یہ زمین وآسمان کا فرق پیدا ہو جاتا، اور یہی سوال آپ کے سامنے آتا۔ دو اشخاص کھڑے ہوتے، ایک سات تولہ سونا رکھنے والا، جس کی مالیت ڈیڑھ لاکھ کے قریب ہے۔ دوسرا ایک تولہ سونا اور ایک تولہ چاندی رکھنے والا جس کی مالیت بیس ہزار سے کم ہے۔ یعنی پہلے شخص کے مقابلہ میں سات گنا سے بھی زیادہ غریب، تو کیا امام اعظم، رائے واستحسان کے جبل عظیم سے یہ توقع ہو سکتی ہے کہ......

آپ پہلے شخص سے فرمائیں کہ تم پر زکاۃ نہیں ہے۔ اور دوسرے شخص پر زکاۃ واجب بتائیں۔ ڈیڑھ لاکھ والے پر زکاۃ نہیں اور بیس ہزار والے پر زکاۃ واجب۔ غنی پر زکاۃ نہیں اور فقیر پر زکاۃ۔ اگر قیاس اس نتیجہ تک پہنچاتا تو امام اعظمؒ لازما استحسان کرتے ہوئے اس رائے کی جگہ دوسری رائے اختیار فرماتے

پس راقم اس مسئلہ میں صاحبین، امام مالک اور امام احمد کی متفقہ رائے کو معقول اور روح زکاۃ سے ہم آہنگ محسوس کرتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ امام اعظمؒ کی رائے جس کا نتیجہ اس غیر معقول فرق کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہے، اس کی وجہ امام ابوحنیفہؒ کی رائے نہیں بلکہ موجودہ

حالات میں چاندی کی قیمت میں زبردست گراوٹ ہے۔ایسی حالت میں امام صاحبؒ کی رائے کی نسبت فقہائے متاخرین کا یہی جملہ زیادہ موزوں نظر آتا ہے کہ:

”لو کان في هذا الزمان لقال بما قالوا ، لأنه اختلاف عصر و زمان ، لا اختلاف حجة وبرهان“

(اگر وہ اس زمانے میں موجود ہوتے تو وہ بھی وہی کہتے جو آج علماء نے کہا، اس لئے کہ یہ زمانے اور وقت کے فرق کی وجہ سے ہے، دلیل اور حجت کے فرق کی وجہ سے نہیں)۔

اس موقع پر کچھ لوگوں کے ذہن میں یہ بات آسکتی ہے کہ ضم اجزاء کا مسئلہ حسابی اعتبار سے پے چیدہ ہوگا۔اگر اس رائے پر فتوی دیا جائے تو لوگوں کو اپنے اموال زکاۃ کے حساب میں دشواری پیش آئے گی۔

اس متوقع سوال کے جواب میں عرض ہے کہ اجزاء کا حساب بہت ہی آسان ہے۔اور آج تو حسابات کی آسانی اور ہر جگہ حسابی مشین کیلکولیٹر کی موجودگی کی وجہ سے یہ عمل اور بھی آسان ہوگیا ہے۔نیز حسابات میں مہارت تو نہ صرف ہمارے اسلاف کا کارنامہ رہا ہے، بلکہ آج بھی میراث اور مناسخہ کے پے چیدہ حسابی مسائل ہمارے علماء حل کررہے ہیں۔

ضم اجزاء کے مسئلہ میں دو نصابوں کا باہمی تناسب معلوم کرنا بہت ہی سہل عمل ہے۔ اس کی توضیح درج ذیل ہے۔

☆سونے کا نصاب ۲۰ دینار ہے۔برصغیر میں یہ برابر ۵ء۷ (ساڑھے سات تولہ) اور علماء عرب کی تعیین کے مطابق ۸۵ گرام ہے۔اور چاندی کا نصاب ۲۰۰ درہم ہے۔برصغیر میں یہ برابر ۵ء۵۲ (ساڑھے باون تولہ) اور علماء عرب کی تعیین کے مطابق ۵۹۵ گرام ہے۔

☆ایک شخص کے پاس ۴۰ تولہ چاندی اور ۲ تولہ سونا ہے۔کیا یہ دونوں مل کر ایک نصاب بنتا ہے؟

آپ ۴۰ تولہ چاندی کو اس کے نصاب ۵ء۵۲ سے تقسیم کریں، اور حاصل کو ۱۰۰ میں ضرب دے دیں۔

نتیجہ موجود ہے: ۱۹ء۷۶ فیصد (یعنی یہ چاندی کے نصاب کا ۷۶ فیصد اور ۱۱۹ عشاریہ ہے)۔

اسی طرح ۲ تولہ سونا کو اس کے نصاب ۵ء۷ سے تقسیم کریں اور حاصل کو ۱۰۰ میں ضرب دے دیں۔

نتیجہ موجود ہے: ۶۶ء۲۶ فیصد (یعنی یہ سونے کے نصاب کا ۲۶ فیصد اور ۱۶۶ عشاریہ ہے)۔

اب دونوں کو جوڑ لیں: اعشاریہ چھوڑ کر صرف ۷۶ فیصد اور ۲۶ فیصد مل کر ۱۰۲ ہو گئے۔ یعنی سو فیصد سے زیادہ۔

پس یہ دونوں مل کر ایک نصاب بناتے ہیں۔ اور اس مثال پر زکاۃ واجب ہوگی۔

☆ اگر ایک شخص کے پاس ۲۵ تولہ چاندی اور ۳ تولہ سونا ہے۔ تو اس کا نصاب درج ذیل ہوگا۔

آپ ۲۵ تولہ چاندی کو اس کے نصاب ۵ء۵۲ تولہ سے تقسیم کریں، اور حاصل کو ۱۰۰ سے ضرب دے دیں۔

نتیجہ آئے گا: ۶۱ء۴۷ فیصد (چاندی کے نصاب کا ۴۷ فیصد اور ۱۶۱ عشاریہ)۔

اسی طرح ۳ تولہ سونا کو اس کے نصاب ۵ء۷ تولہ سے تقسیم کریں اور حاصل کو ۱۰۰ سے ضرب دے دیں۔

نتیجہ ہوگا: ۴۰ فیصد۔ (یعنی سونے کے نصاب کا ۴۰ فیصد)۔

دونوں کو جوڑلیں: ۴۷ فیصد اور ۴۰ فیصد دونوں مل کر ۸۷ فیصد ۱۶۱ عشاریہ ہوئے۔

یعنی سو فیصد نہیں ہوا۔

اس مثال میں زکاۃ کا نصاب مکمل نہیں ہوا۔

☆☆☆

زکوٰۃ کے دو اہم مسائل

مولانا راشد حسین ندوی ☆

۱- زکوٰۃ اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک ہے، قرآن مجید میں نماز کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ کا بھی ذکر بار بار آیا ہے، نبی کریم ﷺ نے حدیث مشہور میں جن پانچ چیزوں کو اسلام کی بنیاد اور اصل قرار دیا ہے، زکوٰۃ ان میں سے ایک ہے۔ایک حدیث میں تو زکوٰۃ کی ادائیگی نہ کرنے والوں سے قتال تک کا حکم ہے۔

زکوٰۃ کس پر واجب ہے؟

احادیث میں زکوٰۃ کی تفصیلات وارد ہوئی ہیں، جن کے مطابق یہ اغنیاء سے لی جائے گی اور فقراء پر تقسیم کی جائے گی۔مصارف کا ذکر تو احادیث کے ساتھ ساتھ قرآن مجید میں بھی تفصیل سے کیا گیا ہے۔

پھر شرعاً فقر وغناء کا کیا پیمانہ ہوگا؟ احادیث میں اس کی بھی وضاحت کی گئی ہے، چنانچہ اونٹ، گائے، بکری اور چاندی وغیرہ کے نصاب کی مکمل تفصیلات مل جاتی ہیں۔سونے کے نصاب کے متعلق بھی دلائل موجود ہیں، اگرچہ اس کے متعلق کچھ اختلاف بھی ہے، چنانچہ علامہ ابن رشد فرماتے ہیں:

’’جہاں تک چاندی کی اس مقدار کا تعلق ہے جس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تو علماء اس پر متفق ہیں کہ وہ پانچ اوقیہ کی مقدار ہے؛ اس لیے کہ حضور ﷺ سے ثابت حدیث ہے کہ

☆ مدرسہ ضیاء العلوم تکیہ کلاں، رائے بریلی (یوپی)۔

''پانچ اوقیہ سے کم چاندی میں زکوٰۃ نہیں ہے''۔(آگے فرماتے ہیں:)جہاں تک پہلے مسئلہ،یعنی سونے کے نصاب کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے تو اکثر علماء اس پر اتفاق رکھتے ہیں کہ زکوٰۃ اسی طرح وزناً بیس دینار میں واجب ہوگی،جیسا دوسو درہم میں ہوتی ہے،یہ امام مالکؒ،امام شافعیؒ،امام ابوحنیفہؒ اوران کے اصحاب،نیز امام احمدؒ اور فقہاء امصار کی ایک جماعت کا مسلک ہے،اور ایک دوسری جماعت-----جس میں حسن بن ابوالحسن بصریؒ اور داؤد بن علیؒ کے اکثر اصحاب ہیں،کہتی ہے-----کہ سونے میں کچھ نہیں ہوگا،یہاں تک کہ وہ چالیس دینار جا پہنچے ....اور تیسری جماعت کہتی ہے کہ سونے میں کچھ زکوٰۃ نہیں ہوگی،یہاں تک کہ اس کا ''صرف'' دوسو درہم یا اس کی قیمت تک پہنچ جائے (بدایۃ المجتہد ۱/۲۵۵،کتاب الزکاۃ، الفصل الاول في الذہب والفضۃ،ط: دارالمعرفۃ، بیروت لبنان)۔

آگے اس اختلاف کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"و سبب اختلافهم في نصاب الذهب أنه لم يثبت في ذلك شيء عن النبي ﷺ كما ثبت ذلك في نصاب الفضة، و ما روي عن الحسن بن عمارة من حديث علي أنه عليه الصلاة و السلام قال: "هاتوا زكاة الذهب من كل عشرين دينارا۔" فليس عند الأكثر مما يجب العمل به لإنفراد الحسن بن عمارة به" (مصدر مذکور)۔

(اور سونے کے نصاب کے بارے میں ان کے اختلاف کا سبب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے اس کے بارے میں اس طرح کچھ بھی ثابت نہیں ہے جس طرح چاندی کے نصاب کے بارے میں ثابت ہے،اور حسن بن عمارہ سے حضرت علیؓ کی جو حدیث نقل کی جاتی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''سونے کی زکوٰۃ ہر بیس دینار میں نصف دینار لاؤ'' تو اکثر کے نزدیک یہ حدیث ایسی نہیں ہے جس پر عمل ضروری ہو؛ اس لیے کہ اس کی روایت میں حسن بن عمارہ کا انفراد ہے)۔

عروض تجارت پر زکوۃ:

جہاں تک عروض تجارت کا تعلق ہے تو اگر چہ ان میں زکوۃ واجب ہونے کی کچھ شرائط ہیں، لیکن بہر حال جمہور فقہاء کے نزدیک اگر وہ نصاب کو پہنچ رہے ہوں تو ان میں زکوۃ واجب ہوگی، اگر چہ بعض ائمہ کے نزدیک عروض تجارت میں سرے سے زکوۃ ہی واجب نہیں ہے، جبکہ بعض کے یہاں کچھ دوسری تفصیلات ہیں، چنانچہ علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

”و أما أموال التجارة، فتقدير النصاب فيها بقيمتها من الدنانير و الدراهم، فلا شيء فيها مالم تبلغ قيمتها مائتي درهم أو عشرين مثقالا من ذهب، فتجب فيها الزكاة، و هذا قول عامة العلماء، و قال الأصحاب الظواهر: لازكاة فيها أصلا، و قال مالك: إذا انضت زكاها لحول واحد“ (بدائع الصنائع ۲/۱۰۹، کتاب الزکاۃ، ط: دار الکتاب دیوبند۔ فقہ السنۃ: ۱/ ۳۱۵، زکاۃ، زکاۃ التجارۃ، ط: دار التعلیم الثقافۃ الاسلامیہ)۔

(جہاں تک اموال تجارت کا تعلق ہے تو اس میں نصاب کا اندازہ اسی کے قیمت کے دراہم و دنانیر سے ہوگا، لہٰذا اس میں کچھ نہیں ہوگا، یہاں تک کہ ان کی قیمت دو سو درہم یا بیس مثقال سونے تک نہ پہنچ جائے، یہ جمہور علماء کا قول ہے۔ اصحاب ظواہر کہتے ہیں: اس میں سرے سے زکوۃ ہی نہیں ہے اور امام مالک فرماتے ہیں: جب اموال تجارت نقدی کی شکل میں ہو جائیں تو ایک سال کی زکوۃ ادا کرے گا)۔

اصحاب ظواہر کی دلیل یہ ہے کہ اموال تجارت کے سلسلہ میں نص وارد نہیں ہوئی ہے، اور قیاس کو وہ یوں بھی حجت نہیں مانتے، پھر بھلا مقادیر کے باب میں ان کے یہاں اس کی گنجائش کیوں کر ہو سکتی ہے؟ (أيضا)۔

لیکن ان حضرات کی بات درست نہیں ہے؛ اس لیے کہ جمہور کے پاس اموال تجارت میں وجوب زکوۃ کے سلسلہ میں کئی احادیث ہیں، مثلاً:

۱ – **”عن سمرة بن جندب قال: كان رسول الله ﷺ يأمرنا بإخراج**

الزكاة من الرقيق الذي كنا نعده للبيع"(أبو داؤد: زكاة باب العروض إذا كانت للتجارة، برقم: ۱۵۶۲، الدار قطني: في الزكاة، باب زكاة مال التجارة، برقم: ۹)۔

(حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ ہم کو ان غلاموں کی زکوٰۃ نکالنے کا حکم فرمایا کرتے تھے جن کو ہم تجارت کے لیے تیار کرتے تھے)۔

۲ – " و روي عن أبي ذر رضي الله عنه عن النبي ﷺ أنه قال: و في البر صدقة"(مسند أحمد، رقم: ۲۱۸۹۰)۔

(حضرت ابو ذرؓ نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: گیہوں میں اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی)۔

۳ –" و روي الشافعي و أحمد و أبو عبيد و الدارقطني و البيهقي و عبد الرزاق عن أبي عمرو بن حماس عن أبيه قال: كنت أبيع الأدم و الجعاب، فمر بي عمر بن الخطاب رضي الله عنه فقال: أد صدقة مالك، فقلت: يا أمير المؤمنين! إنما هو الأدم؟ قال: قومه ثم أخرج صدقة"(فقہ السنۃ ۱/ ۳۱۵، زکاۃ، زکاۃ التجارۃ)۔

ان دلائل سے واضح ہوگیا کہ جمہور کا مسلک آثار و احادیث سے ثابت ہے، اس کے بعد سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ حضرات اموال تجارت میں کس چیز کا نصاب معتبر مانتے ہیں؟ احناف کے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

"ثم بما ذا تقوم؟ ذكر القدوري في شرحه "مختصر الكرخي" أنه يقوم بأوفى القيمتين من الدراهم و الدنانير، حتى أنها إذا بلغت بالتقويم بالدراهم نصابا و لم تبلغ بالدنانير، قومت بما تبلغ به النصاب۔ و كذا روي عن أبي حنيفة في الأموال أنه يقومها بأنفع النقدين للفقراء۔ و عن أبي يوسف أنه يقومها بما اشتراها به، فإن اشتراها بالدراهم قومها بالدراهم، و إن اشتراها بالدنانير قومها بالدنانير، و إن اشتراها بغيرهما من العروض أو لم يكن اشتراها

بأن كان وهب له فقبله ينوي به التجارة قومها بالنقد الغالب في ذلك الموضع۔و عند محمد يقومها بالنقد الغالب على كل حال۔و ذكر في كتاب الزكاة أنه يقومها يوم حال الحول إن شاء بالدراهم و إن شاء بالدنانير'' (بدائع الصنائع ۲/ ۱۱۰، زکاۃ، فصل بوأما أموال التجارۃ)۔

(پھر اموال تجارت کی تقویم کس چیز سے کی جائے گی؟ قدوری نے ''مختصر الکرخی'' کی شرح میں بیان کیا ہے کہ تقویم دراہم و دینار میں اس چیز سے کرے گا جو نصاب تک پہنچنے والی ہو، یہاں تک کہ اگر وہ دراہم سے قیمت لگانے پر نصاب تک پہنچ جاتے ہوں اور دینار سے نہ پہنچتے ہوں تو اس چیز سے قیمت لگائیں گے جس سے نصاب تک پہنچ جائیں۔اسی طرح کی روایت اموال کے بارے میں امام صاحبؒ سے منقول ہے کہ فقراء کے حق میں نقدین میں سے انفع سے تقویم کی جائے گی۔اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ اس نے جس سے خرید ہے اسی سے قیمت لگائی جائے گی، تو اگر درہم سے خریدا ہے تو درہم سے قیمت لگائے گا اور اگر دینار سے خریدا ہے تو دینار سے قیمت لگائے گا۔اور امام محمدؒ کے نزدیک ہر حال میں نقد غالب سے تقویم کرے گا، اور امام محمدؒ نے ''کتاب الزکوۃ'' میں بیان کیا ہے کہ سال پورا ہونے کے دن اگر چاہے تو دراہم سے قیمت لگائے اور اگر چاہے تو دینار سے قیمت لگائے)۔

اور علامہ ابن قدامہ حنابلہ اور شوافع کا مسلک نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''و تقوم السلع إذا حال الحول باالأحظ للمساكين من عين أو ورق، و لا يعتبر ما اشتريت به، يعني إذا حال الحول على العروض و قيمتها بالفضة نصاب و لا تبلغ نصابا بالذهب قومناها بالفضة ليحصل للفقراء منها حظ، و لو كانت قيمتها بالفضة دون النصاب، و بالذهب تبلغ نصابا قومناها بالذهب فتجب الزكاة فيها، و لا فرق بين أن يكون اشتراها بذهب أو فضة أو عروض و بهذا قال أبو حنيفة و قال الشافعي: تقوم بما اشترى من ذهب أو فضة'' (المغني

۲/ ۷ ۱۲، زکاۃ، باب زکاۃ التجارۃ)۔

(اور جب سال پورا ہو جائے تو سامانوں کی تقویم سونے یا چاندی میں سے مساکین کے لیے انفع سے کرے گا، یعنی جب عروض تجارت پر سال پورا ہو جائے اور اس کی قیمت چاندی سے نصاب تک پہنچ رہی ہو اور سونے سے نصاب تک نہ پہنچ رہی ہو تو ہم چاندی سے تقویم کریں گے، تاکہ فقراء کو اس سے نفع حاصل ہو اور اگر اس کی قیمت چاندی سے نصاب سے کم ہو اور سونے سے نصاب تک پہنچ رہی ہو تو ہم سونے سے تقویم کریں گے اور اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کہ اس نے سونے سے خریدا ہے یا چاندی سے یا سامان کے بدلہ میں ۔ یہی امام ابو حنیفہؒ کا بھی قول ہے اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں: سونے یا چاندی میں سے جس سے خریدا ہو اس سے تقویم کرے گا)۔

مذکورہ شخص صاحب نصاب ہو جائے گا؟

ان تفصیلات کے بعد ہمارے لیے اصل سوالات کا جواب دینا آسان ہے، ہم ان دلائل کی روشنی میں کہہ سکتے ہیں کہ اگر نقد روپے یا سامان تجارت چاندی کے نصاب تک پہنچ رہے ہوں تو ان کا مالک شرعاً صاحب نصاب ہوگا۔

مالک نصاب ہو تو زکوٰۃ لینا جائز نہیں:

پھر جب ہم نے اس کو صاحب نصاب مان لیا تو اب ظاہر بات کہ اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہوگا؛ اس لیے کہ وہ تو وجوب زکوٰۃ کے نصاب کا مالک ہے، جب کہ حرمان زکوٰۃ صدقۃ فطر ہی کے نصاب کی ملکیت سے ثابت ہو جاتا ہے، صاحب ”ہدایہ“ صدقۃ فطر کا نصاب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”أحكام أربعة: حرمة الصدقة، و وجوب الأضحية، و صدقة الفطر، و نفقات الأقارب، و لا يشترط فيه أنماء، لا بالتجارة، و لا بالحول۔ و نصاب يثبت به حرمة السؤال، و هو ما إذا كان عنده قوت يومه عند بعض، و قال

بعضهم: أن يملک خمسين درهما" (شرح النقایۃ علی الھدایۃ علی ھامش فتح القدیر ۲/ ۲۲۰، زکاۃ، زکاۃ صدقۃ الفطر)۔

(مصنف کا اشارہ کئی نصابوں کی موجودگی کی طرف ہے، کہا جاتا ہے کہ وہ تین ہیں: ایک وہ نصاب جس میں نماء مشروط ہے اور جس سے زکوٰۃ او رمال سے متعلق تمام احکام متعلق ہیں اور اس کا بیان گزر چکا ہے۔ دوسرا وہ نصاب جس سے چار احکام واجب ہوتے ہیں: صدقہ کی حرمت، اضحیہ، صدقۃ فطر اور اقارب کے نفقات کا وجوب اور اس میں نماء شرط نہیں ہے، نہ تجارت سے، نہ سال گزرنے سے۔ تیسرا وہ نصاب جس سے مانگنے کی حرمت ثابت ہوتی ہے، اور بعض کے نزدیک یہ اس وقت ہے جب کہ اس کے پاس اس دن کی خوراک ہو، اور بعض کہتے ہیں: وہ یہ ہے کہ وہ پچاس درہم کا مالک ہو)۔

ان تفصیلات سے واضح ہوگیا کہ مذکورہ شخص کے لیے زکوٰۃ لینے کی اجازت ائمہ احناف کی تحقیق کے مطابق نہیں ہوسکتی۔

جہاں تک حنابلہ اور شوافع کا تعلق ہے تو ان حضرات کے یہاں اصل یہ ہے کہ جس مال کا وہ مالک ہے اگر اس کے گزارہ کے لیے کافی ہے تو وہ زکوٰۃ نہیں لے سکتا، اگرچہ وہ صاحب نصاب نہ ہو اور اگر وہ صاحب نصاب ہے، لیکن گزر بسر نہیں ہو پا رہا ہو تو زکوٰۃ لے سکتا ہے۔

چنانچہ "الشرح الکبیر" میں ہے:

"و جملة ذلک أنه إذا ملک مالا تتم كفايته من غير الأثمان، فإن كان مما لا تجب فيه الزكاة كالعقار و نحوه لم يكن ذلک مانعا من أخذها .... و هذا قول الثوري و النخعي و الشافعي و أصحاب الرأى، فأما إن ملک نصابا لا تتم به الكفاية كالمواشي و الحبوب فله الأخذ من الزكاة......... و هذا قول الشافعي، و قال أصحاب الرأى: ليس له أن يأخذ منها" (الشرح الکبیر علی ھامش المغنی لابن قدامۃ: ۲/ ۶۹۱، زکاۃ، باب اخراج الزکاۃ)۔

”فإن ملک غیر الأثمان ما یقوم بکفایته، فلیس له الأخذ من الزکاة، و هذا قول الشافعي و إسحاق و أبي عبید و إبن المنذر و قال أبو حنیفة و أصحابه: إن کان المال مما لا یجب فیه الزکاة جاز الدفع إلیه“ (الشرح الکبیر علی حاشی المغنی لابن قدامة ۲/۶۹۲، زکاۃ، باب اخراج الزکاۃ)۔

لیکن حدیث شریف: ”تؤخذ من أغنیائهم و ترد إلی فقرائهم“ احناف کی بہت طاقتور دلیل ہے؛ اس لیے کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ اغنیاء سے لی جاتی ہے، لہٰذا جس سے بھی لی جائے گی، وہ شرعاً مالدار ہے اور جب شرعاً مالدار ہے تو فقیر نہیں ہے اور زکوٰۃ کا مصرف نہیں بن سکتا، لہٰذا جب ہم نے تسلیم کرلیا کہ مخصوص مقدار میں اموال تجارت رکھنے والا صاحب نصاب ہے، تو اب اس کے اخذ زکوٰۃ کے جواز کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ مال تجارت اگر چاندی کے نصاب کو بھی پہنچ جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی اور اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہوگا۔

۲-ضم نصاب کا مسئلہ:

جہاں تک سوال ہے سونے چاندی کو ضم کرنے کا، تو اس مسئلہ میں ائمہ کرام کے درمیان بنیادی طور پر دو آراء میں اختلاف ہے:

۱ – امام شافعیؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبلؒ، ابن ابی لیلیٰ، حسن بن صالح، شریک، ابوعبید اور ابوثور کے نزدیک سونے کو چاندی سے ضم کرکے زکوٰۃ کا وجوب نہیں ہوگا۔

۲ – دوسری رائے: امام ابوحنیفہؒ، صاحبین، امام مالک، امام اوزاعی، امام ثوری اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبلؒ، بلکہ بعض حضرات کے بقول جمہور کی ہے کہ نصاب مکمل کرنے کے لیے سونے کو چاندی سے ملایا جائے گا، صاحب ”المغنی“ لکھتے ہیں:

”فأما إن کان من کل واحد من الذهب و الفضة ما لا یبلغ نصابا

بمفرده، أو كان له نصاب من أحدهما و أقل من نصاب من الاٰخر فقد توقف أحمد عن ضم أحدهما إلى الاٰخر في رواية الأثرم، و قطع في رواية حنبل أنه لا زكاة عليه، حتى يبلغ كل واحد منهما نصابا، و ذكر الخرقي فيه روايتين في الباب قبله، أحدهما: لا يضم، و هو قول إبن أبي ليلٰى، و الحسن بن صالح، و شريک، و الشافعي، و أبي عبيد، و أبي ثور، و اختاره أبو بكر عبد العزيز (إلى) ''و الثانوية) يضم أحدهما إلى الاٰخر في تكميل النصاب، و هو قول الحسن، و قتادة، و مالک، و الأوزاعي، و الثوري، و أصحاب الرأى'' (المغني و الشرح الکبیر ۲/۵۹۷، ۵۹۸، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الذھب والفضۃ، ط: مکتبۃ دار البیان، مکۃ المکرمۃ)۔

(تو اگر اس کے پاس سونے چاندی دونوں میں سے اتنا ہو جو تنہا نصاب تک نہ پہنچ رہا ہو، یا ایک سے نصاب ہو اور دوسرے سے نصاب سے کم ہو تو اثرم کی روایت میں امام احمد نے ایک کو دوسرے سے ضم کرنے کا بارے میں توقف کیا ہے، اور امام احمد بن حنبل کی روایت میں قطعیت سے کہا ہے کہ اس پر زکوٰۃ نہیں ہوگی، یہاں تک کہ دونوں میں سے ہر ایک نصاب کو پہنچ جائے۔ اور خرقی نے پچھلے باب میں اس کے متعلق دو روایتیں نقل کی ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ ضم نہیں کیا جائے گا، یہی ابن ابی لیلیٰ، حسن بن صالح، شریک، امام شافعی، ابو عبید اور ابو ثور کا قول بھی ہے اور ابو بکر عبد العزیز نے اسی کو مختار بھی قرار دیا ہے (الی)۔ دوسری روایت یہ ہے کہ نصاب کی تکمیل میں ایک کو دوسرے سے ملا دیا جائے گا، یہی حسن، قتادہ، مالک، اوزاعی، ثوری اور اصحاب رائے کا بھی قول ہے)۔

فریق اول کے دلائل:

فریق اول کا استدلال مندرجہ ذیل دلائل سے ہے:

۱- امام شافعی اپنے مسلک پر استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''قال الشافعي: و إذا كانت الرجل عشرون مثقالا من ذهب إلا قيراطا

أو خمس، أواقيفضة إلا قيراطا، لم يكن في واحد منهما زكاة، و لا يجمع الذهب إلى الورق، و لا الورق إلى الذهب، و لا صنف مم فيه الصدقة إلى صنف (إلى) من جمع بينهما، فقد خالف سنة رسول الله صلى الله عليه و سلم في أنه قال: "ليس فيما دون خمس أواق صدقة"، فأخذ هذا في أقل من خمس أواق" (الأم للشافعي ۲/ ۷۷، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الذھب)۔

(امام شافعیؒ فرماتے ہیں:) جب کسی شخص کے پاس ایک قیراط کم بیس مثقال سونا ہو، یا ایک قیراط کم پانچ اوقیہ چاندی ہو تو دونوں میں سے کسی میں زکوٰۃ نہیں ہوگی، نہ سونے کو چاندی سے ملایا جائے گا اور نہ چاندی کو سونے سے، نہ ہی زکوٰۃ والی کسی صنف کو دوسری صنف سے، (آگے ہے) جو دونوں کو ملائے اس نے نبی ﷺ کے طریقہ کی مخالفت کی، آپ ﷺ نے فرمایا: "پانچ اوقیہ سے کم میں صدقہ نہیں ہے"، اور اس نے پانچ سے کم میں زکوٰۃ لی)۔

۲- دونوں مختلف جنس ہیں، لہٰذا جس طرح اگر کسی کے پاس مختلف مویشی ہوں تو بالاتفاق ان کو ملا کر نصاب پورا نہیں کیا جاتا، اسی طرح ان دو الگ جنس کو بھی ملانا نہیں چاہئے، چنانچہ صاحب بدائع ان حضرات کی دلیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وجه قوله: أنهما جنسان مختلفان، فلا يضم أحدهما للآخر في تكميل النصاب كالسوائم عند اختلاف الجنس" (بدائع الصنائع ۲/ ۱۰۶، کتاب الزکاۃ، فصل: و أما مقدار الواجب فیہ)۔

فریق ثانی کے دلائل:

جہاں تک فریق ثانی کا تعلق ہے تو وہ ضم کے مسئلہ میں مندرجہ ذیل دلائل دیتے ہیں:

"عن بكير بن عبد الله الأشجع أنه قال: مضت السنة من أصحاب رسول الله ﷺ بضم الذهب إلى الفضة، و الفضة إلى الذهب في اخراج الزكاة" (بدائع الصنائع: ۲/ ۱۰۶، کتاب الزکاۃ، فصل و أما مقدار الواجب فیہ)۔

(بکیر بن عبد اللہ الاشج سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: اصحاب رسول اللہ ﷺ کا طریقہ زکوٰۃ نکالنے میں سونے کو چاندی اور چاندی کو سونے سے ملانے کا رہا ہے)۔

دوسری عقلی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ سونا اور چاندی دونوں خلقی طور پر تجارت اور ثمنیت کے لیے ہونے کے اعتبار سے معناً سبب وجوب زکوٰۃ میں متحد ہیں، لہٰذا دونوں کو زکوٰۃ کے حکم میں ایک قرار دینا چاہیے؛ "**و لأنهما مالان متحدان في المعنى الذي تعلق به وجوب الزكاة فيهما، و هو الأعداد للتجارة بأصل الخلقة و الثمنية، فكانا في حكم الزكاة كجنس واحد الخ**"۔

فریق کے پاس کافی مضبوط ہیں۔ فریق اول اپنے موقف پر جو دلیل پیش کرتا ہے، وہ حدیث بھی صحیح ہے اور اپنے معنی میں واضح ہے اور جس اثر سے فریق ثانی کا استدلال ہے وہ اس بھی کہیں زیادہ واضح ہے، لیکن سند کے اعتبار سے اس میں انقطاع ہے؛ اس لیے کہ بقول مولانا خالد سیف اللہ رحمانی "کتب حدیث میں اس اثر کا سراغ نہیں ملتا" (جدید فقہی مسائل ۲/ ۵۰، زکوٰۃ میں ضم زکوٰۃ کا مسئلہ، ط: ۱۹۹۱ء)۔

"بدائع الصنائع" کے محقق اس حدیث کے مراجع نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں (دیکھیے: الأصل لمحمد بن الحسن: ۲/ ۸۴، والأم: ۲/ ۴۰، ومختصر المزني: ۱/ ۴۹، واختلاف أبي حنيفة وابن أبي ليلى: ۱/ ۱۲۸)۔

غالباً یہی وجہ ہے کہ امام مالکؒ اگرچہ فریق ثانی میں شامل ہیں، لیکن قاضی ابن رشد مالکی نے اس مسلک پر نکیر کی ہے فرماتے ہیں:

"**و هذا كله لا معنى له، و لعل من رام ضم أحدهما إلى الاٰخر، فقد أحدث حكما في الشرع، حيث لا حكم؛ لأنه قد قال بنصاب ليس هو بنصاب ذهب و لا فضة**" (بداية المجتهد ۱/ ۲۵۸، كتاب الزكاة، الفصل الأول في الذهب والفضة، المسألة الثالثة، ط: دار المعرفة، بيروت)۔

(یہ تفصیلات کوئی معنی نہیں رکھتیں اور شاید جس نے دونوں میں سے ایک کو دوسرے

سے ملانے کا قصد کیا ہے، اس نے شریعت میں اس محل میں نیا حکم پیدا کیا ہے، جہاں کوئی حکم نہیں تھا؛ اس لیے کہ وہ ایسے نصاب کا قائل ہے جو نہ سونے کا نصاب ہے، نہ چاندی کا)۔

سوال میں اس پہلو کے بارے میں اگرچہ کوئی وضاحت طلب نہیں کی گئی تھی، لیکن راقم نے مختصراً اختلاف اور دلائل اس لیے ذکر کردیئے کہ اصل مسئلہ کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے میں سہولت رہے۔

ضم کا طریقہ:

پھر جن حضرات کے نزدیک نصاب پورا کرنے کے لیے سونے چاندی کو ملایا جاتا ہے، ان کے یہاں اس کے طریقہ کے بارے میں دو رایوں پر اختلاف ہے:

۱- امام مالک، صاحبین اور جس روایت کے مطابق امام احمد ضم کے قائل ہیں اس کے مطابق امام احمد بن حنبل کے نزدیک سونے کو چاندی سے اجزاء کے اعتبار سے ملایا جائے گا۔

۲- امام ابوحنیفہ، امام اوزاعی اور امام سفیان ثوری کے نزدیک قیمت کے اعتبار سے ضم کیا جائے گا۔ ''عمدۃ القاری'' میں مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''أحدهما مسئلة الضم، و هو أن الجمهور يقولون: يضم الفضة و الذهب بعضها ببعض في إكمال النصاب، و به قال مالک، إلا أنه يراعى الوزن، و يضم على الأجزاء لا على القيم، و يجعل كل دينار كعشرة دراهم على الصرف الأول، و قال الأوزاعي و أبو حنيفة و الثوري: يضم على القيم'' (عمدۃ القاری: ۸/ ۲۶۰، کتاب الزکاۃ، باب ما أدی زکاتہ فلیس بکنز)۔

(جمہور نصاب کی تکمیل میں چاندی اور سونے کو ایک دوسرے سے ملانے کے قائل ہیں، امام مالک بھی اسی کے قائل ہیں، البتہ وہ وزن کی رعایت کرتے ہیں اور اجزاء کے اعتبار سے ضم کرتے ہیں، نہ کہ قیمتوں کے اعتبار سے اور ہر دینار کو صرف اول پر دس درہم کی طرح قرار دیتے ہیں، اور امام اوزاعی، امام ابوحنیفہ اور امام ثوری قیمتوں کے اعتبار سے ضم کرتے ہیں)۔

اور ''المغنی'' میں ہے:

''فإذا قلنا بالضم، فإن أحدهما يضم إلى الآخر بالأجزاء'' (المغنی لابن قدامہ ۵۹۸/۲)۔

(اور جب ہم ضم کے قائل ہوں گے تو دونوں میں سے ایک کو دوسرے سے اجزاء کے اعتبار سے ملائیں گے)۔

اور صاحب ''ہدایہ'' امام صاحب اور صاحبین کے مسلک بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ثم يضم بالقيمة عند أبي حنيفة و عندهما بالأجزاء، و هو رواية عنه'' (الهداية مع الفتح ۱۷۰/۲، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال، فصل في العروض، ط: مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ۔ و کذا في المبسوط للسرخسي ۲۵۹/۲، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال، ط: دار الکتب العلمیۃ، بیروت لبنان)۔

(پھر امام صاحب کے نزدیک قیمت کے ذریعہ ضم کیا جائے گا اور صاحبین کے نزدیک اجزاء سے، اور امام صاحب کی بھی ایک روایت یہی ہے)۔

اور ضم بالاجزاء یا بالقیمۃ کی وضاحت ''فتاویٰ تاتارخانیہ'' میں ان الفاظ سے کی گئی ہے:

''و صورة التكامل بالأجزاء أن يكون النصف من هذا وزنا، و النصف من الآخر وزنا، بأن كانت الدراهم مائة و الدنانير عشرة، أو كان الربع أحدهما وزنا و ثلاثة الأرباع من الآخر وزنا، بأن كانت الدراهم خمسين و الدنانير خمسة، و صورة التكامل من حيث القيمة أن ينقص الوزن من أحد الجانبين، و لا ينقص القيمة، بأن كانت الدراهم مائة و الدنانير خمسة و قيمتها مائة الخ'' (الفتاوی التاتارخانیہ ۱۳/۲، کتاب الزکاۃ، الفصل الثاني في زکاۃ المال)۔

(اور اجزاء سے تکامل کی شکل یہ ہے کہ وزن کے اعتبار سے اس کا نصف ہو اور اس کا نصف ہو، اس طرح کہ دراہم سو ہوں اور دینار دس ہوں، یا وزن کے اعتبار سے ایک کا چوتھائی ہو

اور دوسرے کا تین چوتھائی ہو، اس طرح کہ دراہم پچاس ہوں اور دینار پندرہ ہوں، یا دراہم ایک سو پچاس ہوں اور دینار پانچ ہوں، اور قیمت کے اعتبار سے تکامل کی صورت یہ ہے کہ دونوں جانبوں میں سے ایک طرف وزن کم ہو اور قیمت کم نہ ہو، اس طرح کہ دراہم سو ہوں اور دینار پانچ ہوں، جن کی قیمت سو درہم ہو)

اس مسئلہ کے متعلق منقول سے دلیل میرے علم میں کسی کے پاس نہیں ہے، دونوں فریق کا استدلال معقول سے ہے، صاحب "ہدایہ" دونوں کی دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"المعتبر فيهما القدر دون القيمة، حتى لا تجب الزكاة في مصبوغ وزنه أقل من مأتين و قيمته فوقها، هو يقول: أن الضم للمجانسة، و هي تتحقق باعتبار القيمة دون الصورة فيضم بها" (ہدایہ مع الفتح ۲/۱۷۰)۔

(نقدین میں اعتبار مقدار کا ہوتا ہے، نہ کہ قیمت کا، حتی کہ کسی ایسے ڈھلے ہوئے سامان میں زکوۃ واجب نہیں ہوتی جس کا وزن دوسو درہم سے کم ہو اور قیمت زیادہ ہو، امام صاحب فرماتے ہیں کہ ضم ہم جنس ہونے کے سبب ہے اور جنسیت قیمت کے اعتبار سے متحقق ہوتی ہے، نہ کہ صورت کے اعتبار سے، لہذا قیمت ہی سے ضم کیا جائے گا)۔

انہیں دلائل کی تفصیل کے ساتھ وضاحت کرنے کے بعد صاحب "بدائع" فرماتے ہیں:

"ثم عند أبي حنيفة يعتبر في التقويم منفعة الفقراء، كما هو أصله" (بدائع الصنائع ۲/۱۰۸)۔

(پھر امام صاحب کے نزدیک تقویم میں فقراء کی منفعت کا اعتبار ہوتا ہے، جیسا کہ ان کی اصل ہے)۔

اور چونکہ باب زکوۃ میں فتوی دیتے وقت "أنفع للفقراء" جہت کو ترجیح دی جاتی ہے، اسی لیے فتوی امام صاحب کے قول پر دیا گیا، اس کی تائید ہندیہ کے ایک جزئیہ سے بھی ہوتی ہے کہ اگر چہ امام صاحب کے نزدیک اعتبار وزن کا ہے، لیکن بعض حالات میں، جبکہ اجزاء کا اعتبار

کرنے میں فقراء کا نفع ہو وہ ضم بالاجزاء کو معتبر مان لیتے ہیں فرماتے ہیں:

”و لو كان له مائة دراهم و عشر دنانير قيمتها أقل من مائة دراهم تجب الزكاة عندهما، و عند أبي حنيفة اختلفوا فيه، و الصحيح أنه تجب، كذا في محيط السرخسي“ (الهندیہ ۱/۱۷۹، ط: مکتبۃ رشیدیہ، کوئٹہ)۔

(اگر اس کے پاس سو درہم اور دس دینار ہوں جن کی قیمت سو درہم سے کم ہو تو صاحبین کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہوگی اور امام صاحب کے نزدیک اس کے متعلق مشائخ کا اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ واجب ہوگی، محیط السرخسی میں اسی طرح ہے)۔

اور اس زمانہ میں چوں کہ سونے چاندی کی قیمتوں میں تقریباً وہی تفاوت تھا جو ان کے نصاب میں پایا جاتا ہے، اس لیے اس میں اس وقت یہی مناسب اور فقراء کے حق میں بہتر تھا، لیکن اب دونوں کی قیمتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہو چکا ہے، اگر کسی کے پاس معمولی سونا اور معمولی چاندی ہو تو اس قول کے اعتبار سے وہ صاحب نصاب ہو جائے گا، اتنی معمولی مقدار تو رکشہ چلانے والوں اور بھکاریوں کے یہاں بھی شادی کے موقع پر دیدی جاتی ہے، تو اس طرح تو صورت حال یہ ہوگی کہ کھانے کو کچھ نہیں ہے اور آدمی صاحب نصاب ہے، اس اعتبار سے تو یہ انفع للفقراء ہونے کے بجائے فقراء کی ایک بڑی تعداد کے لیے زحمت کا باعث ہوگی، اور اس مشقت اور حرج کو دور کرنے کا ایک مناسب طریقہ راقم کے نزدیک یہ ہوگا کہ صاحبین کا قول اختیار کر لیا جائے، اس سے ان شاء اللہ توازن پیدا ہو جائے گا، اس عدول کی مجوزات راقم کے نزدیک مندرجہ ذیل ہیں:

۱- علامہ شامی وغیرہ نے تفصیل سے لکھا ہے کہ تغیر زمان اور تغیر عرف و عادات سے احکام میں تبدیلی کی جاسکتی ہے فرماتے ہیں:

”جان لو کہ فقہی مسائل یا تو صریح نص سے ثابت ہوتے ہیں یا اجتہاد اور رائے سے، اور ان میں سے بہت سے وہ ہوتے ہیں جن کو مجتہد اپنے زمانہ کے عرف کے اعتبار سے بیان کرتا

ہے، اس طرح کہ اگر وہ مجتہد نئے عرف کے زمانہ میں ہوتا تو اس نے پہلے جو کچھ کہا ہے اس کے خلاف قول اختیار کرتا، اسی لیے علماء اجتہاد کی شرطوں کے بارے میں کلام کرتے ہوئے کہا ہے کہ لوگوں کی عادت کی واقفیت ضروری ہے، تو بہت سے احکام زمانے کے اختلاف سے لوگوں کے عرف کی تبدیلی یا کسی ضرورت کے حدوث یا اہل زمان کے بگاڑ کے سبب بدل جاتے ہیں، اس طرح کہ اگر حکم کو پہلی حالت پر باقی رکھا جائے تو لوگوں کو مشقت اور ضرر لاحق ہوگا اور شریعت کے ان قواعد سے متصادم ہوگا جن کی بناء تخفیف، سہولت اور رفع ضرر و فساد پر ہے۔ اسی وجہ سے آپ دیکھتے ہیں کہ مشائخ نے بہت سی جگہوں پر اس حکم کی مخالفت کی جس کی تصریح مجتہد نے کی تھی اور اس کی بناء اس زمانے کے عرف پر تھی، اس لیے کہ مشائخ مجتہد کے قواعد مسلک اختیار کرتے ہوئے یقین رکھتے تھے کہ اگر مجتہد ان کے زمانہ میں ہوتا تو وہی قول اختیار کرتا جو انہوں نے ختیار کیا ہے، اس کی مثالوں میں تعلم قرآن کے استئجار کے جواز میں ان کا فتویٰ دینا بھی ہے۔

آگے کئی مثالیں دینے کے بعد فرماتے ہیں:

"**و في اٰخر الحاوي القدسي: و متى كان قول أبي يوسف و محمد يوافق قول أبي حنيفة لا يتعدى عنه إلا فيما مست إليه الضرورة، و علم أنه لو كان أبو حنيفة رأى ما رأوا لأفتى به**" (رسائل ابن عابدین ۲/ ۱۲۵، مقالۃ: نشر العرف في بناء بعض الأحکام علی العرف)۔

(الحاوی القدسی کے آخر میں ہے کہ جب امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول امام ابوحنیفہ کے قول کے موافق ہو تو اس سے انحراف نہیں کیا جائے گا الا یہ کہ سخت ضرورت ہو اور یقین ہو کہ اگر امام صاحب وہ صورت حال دیکھتے جو وہ دیکھ رہے ہیں تو یہی فتویٰ دیتے)۔

۲- جب امام صاحب اور صاحبین کے قول میں اختلاف ہو جائے اور صاحبین ایک قول پر متفق ہوں تو بقول بعض مفتی چاہے امام صاحب کا قول اختیار کرے چاہے صاحبین کا، اسے اختیار ہے، جب کہ بعض کے نزدیک قوت دلیل کو ترجیح دی جائے گی۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ صحیح

قول یہ ہے کہ مجتہد قوت دلیل کے اعتبار سے کسی قول کو منتخب کرے گا، جب کہ غیر مجتہد امام صاحب کو قول کو، اور اگر معاملہ کا تعلق تغیر زمان سے ہو تو صاحبین کے قول کو اختیار کرے گا (رسائل ابن عابدین ۱/۲۷، عقود رسم المفتی)۔

اور اوپر جو تفصیلات راقم نے نقل کی ہیں اس سے واضح ہے کہ اس مسئلہ کا تعلق بھی تغیر زمان سے ہے، لہٰذا صاحبین کا قول اختیار کرنے کی گنجائش ہونی چاہئے، پھر صاحبین ایک طرف ہیں اور امام صاحب ایک طرف، لہٰذا اجتماعی اجتہاد کے اس دور میں علماء کے اتفاق سے صاحبین کا قول اختیار کیا جاسکتا ہے۔

۳-صاحبین کا مسلک اختیار کرتے ہوئے امام صاحب کا مسلک کلی طور پر چھوڑنا لازم نہیں آئے گا، بلکہ دونوں میں اس طرح تطبیق دی جاسکتی ہے کہ وجوب اس وقت ہوگا جب نقدین اجزاء کے اعتبار سے نصاب تک پہنچ جائیں، اور اگر اس اعتبار سے نصاب تک نہ پہنچے، صرف قیمت کے اعتبار سے پہنچے تو زکوۃ واجب نہیں ہوگی، البتہ استحبابی طور پر نکال دے تو بہتر ہے، غالباً اسی وجہ سے مفتی کفایت اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

جواب: ''ہاں بہتر یہی ہے کہ وہ زکوۃ ادا کرے'' (کفایت المفتی ۴/۲۵۴، کتاب الزکوۃ والصدقات، دوسرا باب: نصاب زکوۃ)۔

دوسرے سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: ''اگر دونوں جدا جدا نصاب سے کم ہیں، مگر مجموعہ مل کر نصاب ہوجاتا ہے تو زکوۃ ادا کردینا اولی ہے'' (مصدر مذکور ۲۵۵)۔

خلاصۂ بحث:

۱- اگر کسی کے پاس اتنی نقد رقم یا مال تجارت ہے جس سے چاندی کا نصاب پورا ہو رہا ہے، لیکن سونے کا نصاب پورا نہیں ہو رہا ہے تو تمام فقہی روایات متفق ہیں کہ اس پر زکوۃ واجب ہوجائے گی، نیز زکوۃ لینا بدرجہ اولی جائز نہیں ہوگا، اس لیے کہ جن احادیث کی رو سے اموال تجارت میں زکوۃ واجب قرار دی جاتی ہے ان میں صرف نصاب زکوۃ تک پہنچ جانے کا ذکر ہے،

لہٰذا معلوم ہوا کہ سونے چاندی میں سے چاہے جس کے نصاب تک پہنچ جائے زکوۃ واجب ہونی چاہیے، بلکہ چاندی کا نصاب نسبتاً زیادہ قوی دلائل سے مروی ہے، پھر جب وہ صاحب نصاب ہو کر اغنیاء کے زمرہ میں شامل ہوگیا تو زکوۃ کیسے لے سکتا ہے؟

۲- صاحبین کا قول اختیار کرنے کی گنجائش ہے؛ اس لیے کہ اس مسئلہ کا تعلق تغیر حال و زمان سے ہے اور تغیر حال و زمان سے حکم میں تبدیلی کا اجازت ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ بقول علامہ شامی جب امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہو تو مفتی مجتہد کو ان میں سے کسی ایک کی ترجیح کا اختیار رہتا ہے (اور اگر چہ انفرادی اجتہاد کے جواز میں آراء مختلف ہوں اجتماعی اجتہاد کی گنجائش پر تقریباً اتفاق ہے اور اکیڈمی کے تحت فیصلہ ظاہر ہے، اسی اجتماعی اجتہاد کی ایک شکل ہوتی ہے) پھر صاحبین کا قول اختیار کرکے اور امام صاحب کے قول کو استحباب پر محمول کرکے دونوں میں تطبیق بھی ہوجاتی ہے، اور چونکہ خود امام صاحب کی ایک روایت بھی موجود ہے، لہٰذا ان کے قول سے کلی خروج بھی لازم نہیں آتا، پھر ہم کوتاہ فہموں کو خود مسئلہ ضم کے دلائل میں بھی باعتبار احادیث کچھ کمزوری محسوس ہوتی ہے، لہٰذا موجودہ حالات کے پیش نظر صاحبین کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔

☆☆☆

سونے اور چاندی میں فقراء کی رعایت اور احتیاط

مولانا ریاض احمد قاسمی☆

۱- جمہور فقہاء متقدمین کے نزدیک (نقد روپے) یا سامان تجارت کے لئے پیمانہ وہ نصاب ہوگا، جس میں فقراء کا زیادہ فائدہ ہو، جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک پیمانہ وہ ثمن ہوگا، جس کے عوض سامان خریدا گیا ہے۔

''وطريقة تقويم العروض عند الجمهور غير الشافعية أن تقوم السلع إذا حال الحول بالأحظ للمساكين من ذهب، أو فضة، احتياطا لحق الفقراء، ولا تقوم بما اشتريت به، كما هومذهب الشافعي'' (الفقہ الاسلامی، المطلب الثالث: زکاۃ عروض التجارۃ ۲/ ۷۶۰)۔

(سامان تجارت کی قیمت لگانے کا طریقہ، شافعیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک یہ ہے کہ جب سال گذر جائے، تو سونے اور چاندی میں سے جو نقد مساکین کے لئے زیادہ نفع بخش ہو، اس کے ذریعہ سامان کی قیمت لگائی جائے، تاکہ فقراء کے حق میں احتیاط پر عمل ہو جائے، اور اس ثمن کے ذریعہ قیمت نہیں لگائی جائے گی، جس سے سامان خریدا گیا ہو، جیسا کہ یہی امام شافعیؒ کا مذہب ہے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ متقدمین فقہاء کے نزدیک خاص ''سونا'' کو پیمانہ بنانے کا تصور نہیں تھا، بلکہ وہ یا تو ''فقراء کا نفع'' پیش نظر رکھتے تھے، یا وہ ثمن جس کے ذریعہ سامان خریدا گیا،

☆ استاذ جامعہ رحمانی خانقاہ، مونگیر۔

خواہ سونا ہو، یا چاندی۔

موجودہ زمانے میں چونکہ چاندی کے نصاب کو پیمانہ بنانے میں فقراء کا زیادہ نفع ہے، اس لئے عالم اسلام کے عموماً اور برصغیر کے خصوصاً تمام فقہاء اور ارباب افتاء نے اسی کو پیمانہ بنانے کا فتوی دیا ہے، البتہ معاصرین میں سے شیخ محمد ابوزہرہ، عبدالوہاب خلاف، عبدالرحمٰن حسن، یوسف قرضاوی اور علامہ وہبہ زحیلی کی رائے یہ ہے کہ سونے کا نصاب پیمانہ ہوگا۔

ان حضرات نے موجودہ زمانے میں سونے اور چاندی میں پائے جانے والے نمایاں فرق کو بنیاد بنایا ہے، اور مندرجہ ذیل وجوہ سے استدلال کیا ہے:

الف- رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں چاندی اور سونے کی قیمتوں میں جو دس گنا کا فرق تھا، اسے ملحوظ رکھ کر چاندی کا نصاب دوسو درہم اور سونے کا نصاب بیس دینار مقرر کیا گیا تھا، لیکن بعد میں سونے کی قیمت تقریباً اپنے حال پر برقرار رہی، البتہ چاندی کی قیمت میں گراوٹ آنے لگی اور دور نبوی میں فرق کا جو تناسب تھا وہ باقی نہیں رہا (فقہ الزکاۃ ۱/ ۲۶۴ بحوالہ: الخراج في الدولۃ الاسلامیہ: ۳۴۷، حوالہ بالا بحوالہ: الخطط التوفیقیہ ۲/ ۴۳)۔

اس استدلال پر روشنی ڈالتے ہوئے علامہ یوسف قرضاوی فرماتے ہیں:

”**ویذهب علماء آخرون إلى أن تقدير النصاب يجب أن يكون بالذهب، وذلک أن الفضة تغيرت قيمتها بعد عصر النبي ﷺ ومن بعده، وذلک لاختلاف قيمتها باختلاف العصور كسائر الأشياء، أما الذهب: فاستمرت قيمته ثابتة إلى حد بعيد، ولم تختلف قيمة النقود الذهبية باختلاف الأزمنة، لأنها وحدة التقدير في كل العصور، وهذا ما اختاره الأساتذة أبو زهرة،وخلاف، وحسن في بحثهم عن الزكوة**“(فقہ الزکاۃ: المبحث الأول من الفصل الثالث ۱/ ۲۶۴)۔

(دوسرے علماء کا مذہب یہ ہے کہ سونے کے نصاب کو پیمانہ بنانا ضروری ہے، اس لئے

کہ دورنبوی کے بعد، پھر اس کے بعد مختلف ادوار میں دیگر اشیاء کی طرح چاندی کی قیمت بھی بدلتی رہی، لیکن سونے کی قیمت کافی حد تک ایک حال پر برقرار رہی اور مختلف ادوار میں اس کی قیمت یکساں رہی، کیونکہ ہر زمانے میں سونے کی قیمت کا معیار ایک ہی رہا، اس قول کو استاذ ابوزہرہ، استاذ خلاف اور استاذ حسن نے اختیار کیا ہے)۔

یہ استدلال مختلف وجوہ سے قابل غور ہے:

اس استدلال پر پہلا اشکال تو یہ ہے کہ موجودہ دور میں اگر کسی کے پاس خود چاندی بقدر نصاب ہو، تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی، تو شرعی مالداری کے بغیر ہوگی، کیونکہ عہد نبوی کے مقابلے میں آج چاندی کی قیمت بہت گھٹ گئی ہے، جس کی وجہ سے مالیت کی وہ مقدار متحقق نہیں ہوئی، جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنے زمانے میں شرعی مالداری کے لئے ضروری قرار دیا تھا، اور اگر مذکورہ شخص پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی تو یہ "صریح نص" کے خلاف ہوگا، جس پر پوری امت نے بالاتفاق اب تک عمل کیا ہے۔

اس استدلال پر دوسرا نقض یہ وارد ہوتا ہے کہ چاندی کی قیمت میں گراوٹ کا سلسلہ عہد فاروقی ہی سے شروع ہو چکا تھا، اور فاطمیین کے دور میں یہ سلسلہ یہاں تک پہنچ گیا تھا کہ ایک دینار کا تبادلہ چونتیس درہم سے ہوتا تھا (جیسا کہ تفصیل سے گذرا) تو کیا اس زمانے میں امت کے کسی فقیہ نے یہ رائے اختیار کی کہ "شرعی مالداری" کا پیمانہ اب سونے کا نصاب ہوگا، اور چونکہ چاندی کی وہ قیمت باقی نہیں رہی، جو دورنبوی میں تھی، اس لئے اس کا اعتبار نہیں ہوگا؟ اگر چاندی کی قیمت میں نمایاں گراوٹ کے باوجود ماضی میں کسی فقیہ نے یہ رائے اختیار نہیں کی، تو موجودہ زمانے میں یہ رائے اختیار کرنا اجماع امت کے خلاف ہوگا۔

(ب) ان حضرات کا دوسرا استدلال یہ ہے کہ شارع علیہ الصلاۃ والسلام نے دوسرے اموال کا جو نصاب مقرر کیا ہے، اس سے موازنہ کا تقاضہ یہ ہے کہ موجودہ زمانے میں سونے کے نصاب کو پیمانہ بنایا جائے، کیونکہ چاندی کا نصاب دوسرے اموال کے نصاب سے کسی طرح بھی

ہم آہنگ نہیں ہے، جبکہ سونے کا نصاب کافی حد تک دوسرے اموال کے نصاب سے ہم آہنگ ہے، یا قریب قریب ہم آہنگ ضرور ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ''ابل'' کا نصاب ''پانچ اونٹ''، ''غنم'' کا نصاب ''چالیس بھیڑ/بکری'' بقر کا نصاب-جمہور کے مطابق-تیس گائے بیل، زمینی پیداوار کا نصاب-جمہور کے بقول-پانچ وسق (تقریبا ۹ کوئنٹل، ۴۵ کیلو) مقرر فرمایا ہے، ان مختلف نصابوں میں قدرے مشترک کے طور پر جو مالیت پائی جاتی ہے، سونے کا نصاب اس سے زیادہ قریب ہے، علامہ یوسف قرضاوی اس استدلال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''**نجد أن الذي يقاربها في عصرنا هو نصاب الذهب، لانصاب الفضة**'' (فقہ الزکاۃ: المبحث الأول من الفصل الثالث ۱/ ۲۶۴)۔

(کشمش کے قریب بیس مثقال سونا ہے، نہ کہ دوسو درہم)۔

یہ استدلال بھی محل نظر ہے:

اس استدلال کی پہلی خامی تو یہ ہے کہ اس کا سارا دارومدار ''ظن اور تخمین'' پر ہے، جبکہ چاندی کے نصاب کا ثبوت یقین سے ہے، ''**وإن الظن لا يغني من الحق شيئا**'' (بے شک ظن یقین کے مقابلے میں کچھ فائدہ نہیں پہنچاتا)۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ سونے کی قیمت تو پوری دنیا میں تقریبا یکساں ہے، لیکن مویشیوں اور زمینی پیداواروں کا حال اس سے مختلف ہے، چنانچہ ایسا ہوتا ہے کہ بعض علاقوں میں بعض مویشیوں کی پیداوار اتنی کثرت سے ہوتی ہے کہ اس کے نصاب کی قیمت چاندی کے نصاب کی قیمت سے ہم آہنگ ہوتی ہے، جیسا کہ بعض دیہی علاقوں میں بکریوں کی قیمت کا حال ہے۔

اسی طرح ہندوستان میں بعض زمینی پیداوار مثلاً دھان، گیہوں اتنی کثرت سے ہوتی ہے کہ پانچ وسق (۹ کوئنٹل، ۴۵ کیلو) کی قیمت چاندی کے نصاب کی قیمت سے بھی کم ہوتی ہے، لہذا ایسی صورت میں یہ کلیہ درست نہیں کہ مختلف اموال کے نصاب کی قیمت سونے کے

نصاب کی قیمت سے ہم آہنگ ہے، بلکہ مختلف اموال کے نصاب کی قیمت، مختلف احوال اور مختلف اطراف میں نمایاں طور پر مختلف ہوتی رہتی ہے، اس لئے مختلف اموال کے نصابوں کی قیمت کو نہ سونے کے نصاب کی قیمت سے ہم آہنگ کہا جاسکتا ہے، نہ چاندی کے نصاب کی قیمت سے۔

تیسری بات یہ ہے کہ فرض کیجئے موجودہ زمانے میں مذکورہ اموال کے نصابوں کی قیمت سونے کے نصاب سے ہم آہنگ ہے، لیکن عین ممکن ہے کہ آئندہ سونے کی قلت کے باعث اس کی قیمت میں گرانی آجائے (جس کے آثار بہت نمایاں ہیں)، اور مذکورہ اموال کی فراوانی کے باعث ان کی قیمت میں کمی آجائے، جس کی وجہ سے ان اموال کے نصاب کی قیمت سونے کے نصاب کی قیمت سے ہم آہنگ نہ رہ سکے، تو اس وقت پھر وہی اشکالات پیدا ہوں گے، جو آج پیدا ہورہے ہیں، اور پھر کوئی تیسرا راستہ اختیار کرنا ہوگا، جس کے نتیجے میں "تحدید شرعی" باقی نہیں رہ سکے گی، اور "حدودِ شرعیہ" بھی اصل حالت میں محفوظ نہیں رہیں گے۔

(ج) ان حضرات کا تیسرا استدلال یہ ہے کہ ایک آدمی چار اونٹ، یا ۲۹ گائے ربیل، یا ۳۹ بھیڑ ربکری، یا ۸۶ گرام سونے کا مالک ہوگ، جو بلاشبہ ایک خطیر مال ہے، تو اس پر زکوۃ واجب نہیں، کیونکہ وہ صاحب نصاب (یعنی شرعی مالدار) نہیں، لیکن ایک آدمی پندرہ ہزار روپے کی معمولی رقم، یا اس کے بقدر معمولی سامان تجارت کا مالک ہو، تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی، کیونکہ وہ صاحب نصاب ہے، یہ صریح تضاد ہے، جو اسلامی مزاج کے خلاف معلوم ہوتا ہے، علامہ یوسف قرضاوی یہ استدلال پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"إن خمس إبل، أوأربعين شاة تساوي قيمتها نحوأربعمأة دينار، أوجنيه، أو أكثر، فكيف يعد الشارع من يملك أربعا من الإبل، أو تسعا وثلاثين من الغنم فقيرا، ثم يوجب الزكاة على من يملك نقد الايشتري به شاة واحدة؟ وكيف يعتبر من يملك هذا القدر القليل من المال غنيا" (حوالہ بالا)۔

(پانچ اونٹ یا چالیس بکری کی قیمت چار سو دینار یا چار سو مصری ڈالر، یا اس سے بھی زیادہ ہے، تو جو شخص چار اونٹ یا ۳۹ بکریوں کا مالک ہوا سے تو شارع فقیر قرار دے، پھر اس شخص پر زکوۃ واجب کرے جو ایک بکری کی قیمت کا بھی مالک نہ ہو، ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ اتنی کم رقم کے مالک کو شارع کیسے "غنی" قرار دے گا؟)۔

یہ استدلال ایک غلط مفروضے پر مبنی ہے:

یہ استدلال دراصل اس مفروضے پر مبنی ہے کہ مختلف جنس کے نصابوں کی مالیت برابر ہے، یا تقریباً برابر ہے، پھر اس کے بعد جس نصاب کی مالیت دوسرے نصابوں کی مالیت سے کمتر محسوس ہوئی، اس پر نامعقول اور شارع کے مزاج کے خلاف ہونے کا حکم لگا دیا گیا، حالانکہ نصابوں کے تقرر میں شریعت نے بڑی حکمت سے کام لیا ہے، اور ہر جنس کے نصاب میں الگ الگ معیار کو ملحوظ رکھا ہے، کیونکہ اس نے نصاب مقرر کرنے میں خاص طور سے یہ اصول سامنے رکھا ہے کہ جس مال سے ضروریات کی تکمیل ہمہ جہت اور آسان ہوتی ہے، اس کا نصاب کم مقرر کیا، کیونکہ وہ مال مالداری اور بے نیازی پیدا کرنے میں زیادہ مؤثر ہے، لیکن جس مال سے ضروریات کی تکمیل ہمہ جہت نہیں ہوتی، یا تبادلے کی دشواریوں کے بعد ہوتی ہے، اس میں ان دشواریوں کا لحاظ کرکے نصاب زیادہ مقرر کیا ہے، کیونکہ وہ مال مالداری اور بے نیازی پیدا کرنے میں اتنا مؤثر نہیں ہے، مثلاً مویشیوں کے مقابلے میں نقود یا غلہ جات کے ذریعہ ضروریات کی تکمیل براہ راست، ہمہ جہت اور آسان ہوتی ہے، اس لئے اس کا نصاب نسبۃً کم رکھا گیا، خود علامہ یوسف قرضاوی اس اصول کو تسلیم کرتے ہیں:

"مویشیوں کی بنسبت نقود کا نصاب کم مقرر کرنا شارع حکیم کا مقصود ہے، کیونکہ جو آدمی نقود کا مالک ہو، وہ اپنی مختلف قسم کی معاشی ضروریات کو بڑی جلدی اور بڑی آسانی سے پورا کرسکتا ہے، جبکہ اونٹ وغیرہ مویشیوں کا مالک شخص ایسا نہیں کرسکتا، چنانچہ اگر کسی کے پاس بہت سے اونٹ ہیں اور اسے کھانا، کپڑا، یا دوا کی ضرورت ہے، تو وہ اپنی ان ضروریات کی تکمیل اسی

وقت کرسکتا ہے، جب اپنے کسی اونٹ کو ''نقود'' کے عوض فروخت کرے، حالانکہ بسا اوقات فروخت کرنا آسان نہیں ہوتا اور بسا اوقات مناسب دام نہیں ملتا، اس کے برخلاف جو ''نقود'' کا ملک ہے، (وہ جب چاہے، جس طرح چاہے اپنی ضروریات کی تکمیل کرسکتا ہے)، کیونکہ نقود تبادلے کا براہ راست ذریعہ ہے، اور ضروریات کی خریداری کا قدرتی آلہ ہے'' (حوالہ بالا ۲۶۹-۱۶۸)۔

بخاری شریف کی ایک روایت سے بھی اس نظریے کی تائید ہوتی ہے کہ شارع علیہ الصلاۃ والسلام نے مختلف اجناس کے نصابوں میں الگ الگ معیار کو ملحوظ رکھا ہے، چنانچہ حضرت انسؓ کی لمبی حدیث جو اموال کے نصاب سے متعلق مروی ہے، اس کا ایک حصہ ہے:

''من بلغت عنده من الإبل صدقة الجذعة، وليست عنده جذعة، وعنده حقة، فإنها تقبل منها الحقة، ويجعل معها شاتين إن استيسرتاله، أو عشرين درهما، ومن بلغت عنده صدقة الحقة، وليست عنده الحقة، وعنده الجذعة، فإنها تقبل منه الجذعة، ويعطيه المصدق عشرين درهما أو شاتين''۔

(جس کے پاس اونٹوں کی زکات میں جذعہ واجب ہو، لیکن اس کے پاس جذعہ نہ ہو، البتہ اس کے پاس حقہ موجود ہو، تو اس سے حقہ قبول کرلیا جائے گا، اور اس کے ساتھ اگر ہو سکے، تو دو بکریاں، ورنہ بیس درہم مزید لے لے گا، اور جس کے پاس اونٹوں کی زکات میں حقہ واجب ہو، لیکن اس کے پاس حقہ نہ ہو، البتہ جذعہ ہو، تو اس سے جذعہ قبول کیا جائے گا، اور محصل اسے بیس درہم یا دو بکریاں ادا کرے گا)۔

یہ حدیث بتاتی ہے کہ دور نبوی میں ایک متوسط بکری کی قیمت دس درہم تھی، اسی لئے بیس درہم یا دو بکریوں کے درمیان اختیار دیا گیا، اس حساب سے چالیس بکریوں کی قیمت ۴۰۰ درہم ہوئی، جبکہ چاندی کا نصاب دوسو درہم ہے، جب خود رسول اللہ ﷺ نے یہ فرق ملحوظ رکھا تھا، تو ایسا ہوتا ہوگا کہ ایک آدمی بیس بکریوں کا مالک ہے، جس کی مالیت دوسو درہم ہے، پھر بھی وہ

شرعاً مالدار نہیں اور اس پر زکوۃ واجب نہیں، لیکن ایک آدمی نقد دوسو درہم کا مالک ہے، تو شرعاً مالدار ہے اور اس پر زکوۃ واجب ہے، یہ مثال خود نبی کریم ﷺ کے زمانے میں موجود فرق کے مطابق دی گئی، جب یہ نامعقول اور اسلامی مزاج کے خلاف نہیں، تو آج بھی اگر کوئی منصوص نصاب سے کم جانور، یا سونے کا مالک ہوگا، تو وہ شرعاً مالدار نہیں، لیکن اگر کوئی اتنی رقم یا سامان کا مالک ہو جائے، تو اقل نصاب (مثلاً فی زماننا دوسو درہم) کی قیمت کے برابر ہو، تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی بلکہ خود وہ شخص بھی جو نصاب سے کم جانور یا سونے کا مالک ہے اگر اپنا سرمایہ بیچ دے اور اتنی رقم حاصل کر لے، جو دوسو درہم کی مالیت کے برابر ہو، تو اس پر بھی زکوۃ واجب ہوگی، اور یہ فرق اس لئے ہوگا کہ پہلے وہ جس مال کا مالک تھا، اس سے ضروریات پوری کرنے پر اتنا قادر نہیں تھا، جتنا اب ہوگیا ہے، اس لئے وہ پہلے شرعا مالدار نہیں تھا، لیکن اب ہوگیا، خلاصہ کلام یہ ہے کہ مختلف اموال کے نصاب میں شارع نے بالقصد فرق ملحوظ رکھا ہے، لہذا ان کا آپس میں موازنہ اور مقابلہ کسی نتیجے پر پہنچانے میں مفید نہیں ہے۔

(د) ان حضرات کا چوتھا استدلال یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے زمانے میں مختلف اموال کا جو نصاب مقرر فرمایا تھا، وہ اس زمانے کے معیار زندگی کے مطابق ایک خطیر مال تھا، جس کا مالک ''مالدار'' سمجھا جاتا تھا، کیونکہ اس مال سے سال بھر وہ اپنی گھریلو ضروریات پوری کر سکتا تھا، لیکن موجودہ زمانے میں عام لوگوں کا معیار زندگی بہت بلند ہوگیا ہے، چنانچہ آج کل دوسو درہم (تقریباً پندرہ ہزار روپے) کی مالیت ایک معمولی رقم ہے، جس کے مالک کو ''مالدار'' شمار نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ وہ اس مال سے چند ماہ بھی اپنی گھریلو ضروریات پوری نہیں کر سکتا، اس لئے آج کی دنیا میں جو معیار زندگی رائج ہے، اس کے مطابق ''مالداری'' کا پیمانہ سونے کا نصاب ہونا چاہئے، جس کی مالیت ایک لاکھ پچاس ہزار سے اوپر ہے، جو ایک خطیر رقم شمار کی جاتی ہے۔

اس استدلال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ یوسف قرضاوی نے حضرت شاہ ولی اللہؒ کی یہ عبارت پیش کی ہے:

"ولقد قال العلامة ولي الله الدهلوي في كتابه القيم "حجة الله البالغة" : إنما قدر النصاب بخمس أواق من الفضة، لأنها مقدار يكفي أقل أهل بيت، سنة كاملة إذا كانت الأسعار موافقة في أكثر الأقطار، واستقرئ عادات البلاد المعتدلة في الرخص والغلاء تجدذلک"۔

(علامہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی گرانقدر کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں فرمایا کہ نصاب پانچ اوقیہ چاندی اس لئے مقرر کیا گیا کہ یہ مقدار کم سے کم افراد پر مشتمل خاندان کے لئے پورے سال کافی ہوتی ہے، بشرطیکہ اکثر ممالک میں اشیاء کی قیمتیں یکساں ہوں، آپ ممالک معتدلہ کے عرف وعادت کا سستائی اور مہنگائی کے سلسلے میں جائزہ لیجئے، تو ایسا ہی پائیں گے)۔

اس کے بعد علامہ قرضاوی کہتے ہیں:

"کیا آج کل کسی اسلامی ملک میں پچاس ساٹھ مصری، یا سعودی، یا قطری ریال، یا پاکستانی رہندوستانی روپئے، کسی بھی خاندان کے لئے پورے سال، یا ایک ماہ، حتی کہ ایک ہفتہ کافی ہیں؟ بعض وہ ممالک جہاں اقتصادی معیار بلند ہوتا ہے، مثلاً پٹرول والے ممالک وہاں تو یہ مقدار کسی متوسط خاندان کے ایک دن کے اخراجات کے لئے بھی کافی نہیں ہے، تو اس مقدار کے مالک شخص کو شارع حکیم کی نظر میں کیسے "غنی" شمار کیا جائے گا؟ یہ عقل سے بہت دور کی بات ہے" (فقہ الزکاۃ ۲/۳٦۵)۔

یہ استدلال بھی محل نظر ہے:

یہ استدلال بھی کوئی وزن نہیں رکھتا، کیونکہ فقہ کا علم رکھنے والا اچھی طرح جانتا ہے کہ ایک ہے شرعی مالداری اور ایک ہے عرفی مالداری، شرعی مالداری کب متحقق ہوگی؟ شارع علیہ السلام نے اس کی مختلف صورتیں مختلف نصابوں کی شکل میں بیان فرمادی ہیں، ان میں سے کسی بھی نصاب کا، حتی کہ کمترین نصاب یا اس کی قیمت کا جو مالک ہوجائے گا، وہ شرعاً مالدار سمجھا جائیگا، دوسری چیز ہے "عرفی مالداری" یہ ایک اضافی چیز ہے، جس کا پیمانہ افراد اور زمان ومکان کے

معیار زندگی کے اعتبار سے بدلتا رہے گا،اس کی واضح مثال سفر ہے،ایک ہے سفر شرعی اور ایک سفر عرفی،سفر شرعی کب متحقق ہوگا؟اس کے لئے ایک مخصوص مسافت شارع نے متعین فرمادی ہے، لیکن سفر عرفی کا کوئی خاص پیمانہ نہیں ہے،وہ سفر کی سہولیات ،افراد،اور زمان و مکان کے اعتبار سے مختلف ہوسکتا ہے،اب اگر یہ کہا جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے زمانے میں سفر شرعی کی جو مسافت متعین فرمائی تھی، وہ اس زمانے کے لحاظ سے ایک لمبی مسافت تھی، جو تین دنوں میں طے کی جاتی تھی، جبکہ آج کی دنیا میں یہ بہت معمولی مسافت ہے، جو چند گھنٹوں، بلکہ چند منٹوں میں طے کی جاسکتی ہے،لہٰذا موجودہ زمانے میں سفر شرعی کا پیمانہ کوئی دوسرا ہونا چاہئے،تو ظاہر ہے کہ یہ کہنا درست نہیں ہوگا، کیونکہ سفر شرعی کی مقدار مقرر ہے،اسی طرح یہاں یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ شارع علیہ الصلاۃ والسلام نے ''شرعی مالداری'' کے لئے جو مختلف پیمانے مقرر فرمادیئے ہیں،ان میں سے کسی بھی پیمانے کا،خواہ اقل ترین پیمانے ہی کا سہی مالک ہوگیا،تو وہ شرعاً مالدار ہوگا اور اس پر زکوۃ واجب ہوگی۔

اس استدلال میں دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے چاندی کی ایک خاص مقدار کو نصاب مقرر کرنے کی جو حکمت بیان فرمائی ہے،اسے ''علت'' کا درجہ دے کر،اسی پر حکم کا دارومدار رکھ دیا گیا ہے کہ جس مال میں یہ حکمت موجود ہو،وہ نصاب ہے اور جس مال میں یہ حکمت موجود نہ ہو،وہ نصاب نہیں ہے، حالانکہ اہل علم جانتے ہیں اور خود شاہ صاحبؒ نے اسی کتاب کے مقدمے میں صراحت فرمادی ہے کہ احکام شرعیہ کا مدار ان کی حکمتوں پر نہیں ہوتا، بلکہ ان کی علتوں پر ہوتا ہے اور علتیں بھی انہی احکام کی نکالی جاسکتی ہیں، جو ''مدرک بالقیاس'' ہوں،لہٰذا اولاً تو ''مقادیر شرعیہ'' مدرک بالقیاس نہیں،اس لئے ان کی علتوں کی جستجو بیکار ہے،ثانیاً:شاہ صاحب نے جو حکمتیں بیان فرمائی ہیں،ان پر احکام کا مدار رکھنا درست نہیں، کیونکہ ان حکمتوں کا مقصد دلوں کو مطمئن کرنا اور احکام شرعیہ کو عام لوگوں کے ذہنوں سے قریب کرنا ہے۔

(ھ)ان حضرات کا پانچواں استدلال یہ ہے کہ چاندی کے نصاب کو پیمانہ قرار دینے کی صورت میں اگر چہ فقراء کا نفع ہے، لیکن مال والوں کا نقصان ہے کہ اس قدر معمولی مال میں انہیں زکاۃ کا مکلف بنایا جا رہا ہے، لہذا جہاں فقراء کی رعایت ضروری ہے، وہیں مال والوں کی رعایت بھی ضروری ہے اور چاندی کے نصاب کو پیمانہ بنانے میں صرف فقراء کی رعایت ہو پاتی ہے، مال والوں کی رعایت نہیں ہوتی، اس لئے اس کے بجائے سونے کے نصاب کو پیمانہ بنایا جائے، تا کہ مال والوں کی رعایت ہو سکے۔

اس استدلال کو علامہ یوسف قرضاوی نے ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

''وإذا كان التقدير بالفضة أنفع للفقراء، والمستحقين، فهو إجحاف بأرباب الأموال، وأرباب الأموال في الزكاة ليسواهم الرأسماليين وكبار الموسرين، بل هم جمهور الأمة'' (فقہ الزکاۃ ۲۶۵/۱)۔

(چاندی کے نصاب کو پیمانہ بنانا اگر فقراء اور مستحقین کے لئے زیادہ مفید ہے، تو مال والوں کے لئے نقصان دہ بھی تو ہے، جبکہ زکاۃ کے سلسلے میں مال والے حضرات بڑے بڑے سرمایہ کار اور ساہو کار نہیں، بلکہ امت کے عوام ہیں)۔

یہ استدلال بھی قابل تنقید ہے:

یہ استدلال بھی محل تامل ہے، اولاً تو اس لئے کہ چاندی کے نصاب کو پیمانہ بنانے میں اگر فقراء کا فائدہ اور مال والوں کا نقصان تھا، تو ہونا یہ چاہئے کہ نصف چاندی اور نصف سونا کے نصاب کو پیمانہ بنایا جائے، تا کہ دونوں فریق کی رعایت ہو سکے، لیکن ظاہر ہے ایسا نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس کا کوئی قائل نہیں، البتہ ہوا یہ کہ سونے کے نصاب کو پیمانہ مقرر کر دیا گیا، جس کی وجہ سے ''جانبداری'' کا اشکال پھر پیدا ہو گیا کہ اس میں تو مال والوں کا نفع ہے، مگر فقراء کا نقصان ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ شریعت نے ہر مال والے پر زکوۃ واجب نہیں کی ہے، بلکہ اس نے شرط لگائی ہے کہ وہ مال بقدر نصاب ہو، بڑھنے والا ہو، ضروریات زندگی سے زائد ہو اور اس پر

پورا سال گذر جائے، تب ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوۃ واجب ہوگی، یہ ساری شرطیں اور اس پر واجب ہونے والی یہ معمولی مقدار، مال والوں کی رعایت ہی کے پیش نظر ہیں، جس کو فقہاء ''قدرت میسرہ'' سے تعبیر کرتے ہیں، لہذا جب کسی کو یہ سہولیات حاصل ہوں اور اس کے بعد وہ کسی نصاب کا مالک ہو جائے، تو انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ اب وہ مزید کسی رعایت اور سہولت کا انتظار نہ کرے، بلکہ اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اس مال میں جو فقراء کا حق ہے اسے ادا کرے، اس میں اس کا فائدہ ہوگا اور فقراء کا بھی۔

تیسری بات یہ ہے کہ اس طرح کے مسائل پر غور کرتے وقت صرف دنیوی امر مادی فائدہ ہی ملحوظ نہیں رکھنا چاہئے، بلکہ اسلامی فلسفہ کے مطابق جو اخروی اور روحانی فوائد ہیں، انہیں بھی سامنے رکھنا چاہئے، تا کہ نفع، نقصان کا صحیح تعین ہو سکے، چنانچہ جب ہم اس پہلو سے غور کریں گے تو ہمیں مال والوں کے نقصان کے بجائے، ان کا نفع ہی نظر آئے گا۔

ان حضرات کے مقابلے میں جمہور فقہاء متقدمین ومعاصرین کی رائے یہ ہے کہ کسی خاص نصاب کو پیانہ بنانے کے بجائے اس نصاب کو پیانہ بنایا جائے، جس میں فقراء کا زیادہ نفع ہو، ہمارے زمانے میں چونکہ چاندی کا نصاب فقراء کے حق میں زیادہ مفید ہے، اس لئے اسی کو پیانہ بنایا جاتا ہے، اس قول پر مندرجہ ذیل وجوہ سے استدلال کیا جاتا ہے:

(الف) فرضیت زکاۃ کا مقصد فقراء کی حاجت روائی ہے، چنانچہ علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں:

''إن المقصود من شرعية الزكاة هومواساة الفقراء على وجه لا يصير هو فقيرا'' (فتح القدیر ۱/ ۴۸۲)۔

(زکاۃ کی مشروعیت کا مقصد ہے (مالی تعاون کے ذریعے) فقراء کی غمخواری کرنا، اس طور پر کہ وہ خود فقیر نہ ہو جائے)۔

بس جو نصاب اس مقصد کو زیادہ پورا کرنے والا ہوگا، وہی پیانہ بننے کے لائق ہوگا،

اور ظاہر ہے کہ کم مالیت والا نصاب ہی اس مقصد کو زیادہ پورا کرے گا، اس لئے اسی کو پیمانہ بنانے میں مقصد زکاۃ کی تطبیق زیادہ ہے، ہمارے زمانے میں کم مالیت والا نصاب چاندی کا ہے، اس لئے چاندی کے نصاب کو پیمانہ بنایا جاتا ہے۔

(ب) اس قول کی دوسری دلیل یہ ہے کہ جب کسی معاملے میں قلیل وکثیر کے درمیان تردد ہو جائے اور وہ معاملہ دونوں کے درمیان دائر ہو، تو ''اقل متیقن'' کو ترجیح دی جاتی ہے، جیسا کہ ''بناء علی الاٗقل'' والی حدیث سے ظاہر ہے، اس اصول کا تقاضہ یہ ہے کہ سونے اور چاندی کے نصاب میں جو ''اقل'' ہو، اس کو ترجیح دی جائے، اور اسی کو روپے یا سامان تجارت کے نصاب میں پیمانہ بنایا جائے۔

(ج) اس قول کی تیسری دلیل یہ ہے کہ فقہاء کے نزدیک عبادات میں احتیاط واجب ہے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: ''**دع ما یریبک إلی مالا یریبک**'' (مشکوک چیزوں کو چھوڑ کر یقینی چیزوں کو اختیار کرو)، ظاہر ہے کہ زکاۃ بھی ایک عبادت ہے، جس میں احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ کم مالیت والے نصاب کو پیمانہ بنایا جائے، تاکہ بندہ اپنے آقا کا حق اطمینان بخش طریقے پر ادا کر سکے۔

(د) اس قول کی چوتھی دلیل یہ ہے کہ جب سونے اور چاندی کی قیمتوں میں نمایاں فرق ہوا ہے، اسی وقت سے کم مالیت والے نصاب کو پیمانہ بنانے پر امت کا تعامل چلا آ رہا ہے، کم از کم برصغیر میں اس کے خلاف کوئی فتوی سامنے نہیں آیا ہے، جس سے اس مسئلے میں ایک طرح سے اجماع کی شان پیدا ہو گئی ہے، اب اس کے خلاف قول اختیار کرنے سے اس اجماعی تعامل کی خلاف ورزی ہو گی، نیز اس سے لوگوں کے ذہنوں میں شکوک وشبہات پیدا ہوں گے، اور عجب نہیں کہ بعض لوگوں کے لئے یہ فتنہ کا سبب بن جائے، اس لئے اب تک امت کا جو تعامل چلا آ رہا ہے، اسی کو باقی رکھا جائے اور کوئی دوسرا راستہ تجویز نہ کیا جائے، اسی میں دنیا اور آخرت کی کامیابی اور ایمان واسلام کا کامل اظہار ہے۔

۲- اصل جواب سے پہلے مناسب ہے کہ دونوں فریق کے دلائل کا خلاصہ ذکر کرکے ان کا تجزیہ کیا جائے، پھر جو دلیل راجح ہو اسے وجوہ ترجیح کے ساتھ بیان کیا جائے، تا کہ موجودہ حالات کے مناسب قول اختیار کرنے میں سہولت ہو۔

''ضم بالأجزاء'' کے قائلین (صاحبین، امام مالک، امام احمد فی روایۃ) کی دلیل یہ ہے کہ سونے اور چاندی میں زکاۃ واجب ہونے کا تعلق مقدار سے ہے، نہ کہ ان کی قیمت سے، یہی وجہ ہے کہ اگر کسی کے پاس سونے یا چاندی کا برتن یا زیور ہو، جس کی مقدار نصاب سے کم ہو، لیکن قیمت نصاب کے بقدر ہو، تو بالاتفاق اس میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی، البتہ جب نصاب کی پوری مقدار متحقق ہو جائے گی تو زکوۃ واجب ہوگی، خواہ انفرادی طور پر، یا اجتماعی طور پر، صاحب ہدایہ ؒ نے اس استدلال کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے:

''هما يقولان: المعتبر فيهما القدر، دون القيمة حتى لا تجب الزكاة في مصنوع وزنه أقل من مائتين وقيمته فوقها'' (ہدایہ اول: باب زکوۃ الأموال/۱۹۶)۔

(صاحبین فرماتے ہیں کہ سونے چاندی میں مقدار معتبر ہے، نہ کہ قیمت، یہی وجہ ہے کہ اس برتن/زیور میں زکاۃ واجب نہیں ہوگی، جس کا وزن دوسو درہم سے کم ہو اور قیمت اس سے زیادہ ہو)۔

''ضم بالقیمۃ'' کے قائلین کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ سونے اور چاندی کے نصاب میں ان کی جوہری حیثیت ملحوظ نہیں رکھی گئی ہے، بلکہ ان کی ثمنیت اور مالیت ملحوظ رکھی گئی ہے، کیونکہ وہ اسی حیثیت سے ضروریات کی تکمیل میں تبادلے کا ذریعہ بنتے ہیں، اس میں ان کے خاص رنگ، یا خاص جوہر ہونے کا کوئی دخل نہیں، اور ظاہر ہے کہ ثمنیت جس طرح سونے میں پائی جاتی ہے، اسی طرح چاندی میں بھی پائی جاتی ہے، اس اعتبار سے دیکھا جائے، تو ان دونوں کی جنس ایک ہے، یہ بھی ثمن ہے اور وہ بھی ثمن ہے، اسی وجہ سے جمہور فقہاء کے نزدیک دونوں کو ملا کر نصاب پورا کیا جاتا ہے، پس جب دونوں کو ملا کر ان کی ثمنیت دیکھنی چاہئے، اگر وہ کسی ایک نصاب کی

مالیت کو پہنچ جائے، تو اس نصاب کے متحقق ہو جانے کی وجہ سے زکوۃ واجب ہونی چاہئے، خواہ دونوں کے اجزاء مل کر مجموعی مقدار کو پورا نہ کریں! صاحب ہدایہ نے اس استدلال کی طرف مختصراً اشارہ کیا ہے:

''وهو يقول: إن الضم للمجانسة، وهو يتحقق باعتبار القيمة، دون الصورة، فيضم بها'' (ہدایہ اول:۱۹۶)۔

(امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ سونے اور چاندی کو مجانست کی وجہ سے ملایا جاتا ہے، اور یہ مجانست قیمت کے اعتبار سے پائی جاتی ہے، نہ کہ صورت کے اعتبار سے، پس اسی (قیمت) کے اعتبار سے ملایا جائے گا)۔

علامہ کاسانی اس کی تفصیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ولأبي حنيفة أنها عينان وجب ضم أحدهما إلى الآخر لإيجاب الزكاة، فكان الضم باعتبار القيمة، كعروض التجارة، وهذا لأن كمال النصاب لا يتحقق إلا عند اتحاد الجنس، ولا اتحاد إلا باعتبار صفة المالية، دون العين، فإن الأموال أجناس بأعيانها، جنس واحد باعتبار صفة المالية فيها'' (بدائع ۲/۱۰۸)۔

(امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ دونوں ایسی چیزیں ہیں جن میں سے ایک کو دوسرے کے ساتھ ملانا ضروری ہے، زکوۃ واجب کرنے کے لئے تو سامان تجارت کی طرح انہیں بھی قیمت کے اعتبار سے ملایا جائے گا، اس لئے کہ پورا نصاب اسی وقت متحقق ہو سکتا ہے، جب جنس ایک ہو اور مالیت کے اعتبار سے ہی جنس ایک ہو سکتی ہے، نہ کہ ذات کے اعتبار سے، کیونکہ مختلف اموال اپنی ذات کے اعتبار سے مختلف جنس کے شمار ہوتے ہیں، جبکہ مالیت کے اعتبار سے سب کی جنس ایک ہے)۔

''ضم بالأجزاء'' کے قائلین نے سونے اور چاندی کے زیور اور برتن کی جو مثال پیش کی

تھی، علامہ کاسانیؒ نے اس کا جواب بھی دیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

"وهذا بخلاف الإبريق والآنية، لأن هناك ماوجب ضمه إلى شئ آخر، حتى تعتبر فيه القيمة، وهذا، لأن القيمة في الذهب والفضة، إنما تظهر شرعا عند مقابلة أحدهما بالآخر، فإن الجودة والصنعة لا قيمة لها إذا قوبلت بجنسها، قال النبي ﷺ: جيدها ورديها سواء" (بدائع ۲/۱۰۸)۔

(یہ مسئلہ سونے چاندی کے لوٹے اور برتن کے خلاف ہے، اس لئے کہ یہاں اس (لوٹے/برتن) کو کسی دوسری چیز کے ساتھ ملانا واجب نہیں ہے کہ اس کی قیمت کا اعتبار کیا جائے، کیونکہ سونے اور چاندی میں قیمت کا ظہور شرعا اس وقت ہوتا ہے جب ایک کا دوسرے سے مقابلہ کیا جائے، اس لئے کہ عمدگی اور بناوٹ کی اس وقت کوئی قیمت نہیں، جب کسی جنس کا خود اسی جنس کے ذریعہ تبادلہ کیا جائے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان (اشیاء ربویہ) میں عمدہ اور گھٹیا برابر ہے)۔

فقہاء حنفیہ کے نزدیک یہ دوسرا قول راجح ہے، جس کی وجوہ ترجیح حسب ذیل ہیں:

۱- پہلی وجہ ترجیح یہ ہے کہ اموال میں سے بعض وہ ہیں جن سے براہ راست استفادہ کیا جاتا ہے، لیکن بعض اموال وہ ہیں جن کو انسان اپنی مختلف ضرورتوں کی تکمیل کا ذریعہ بناتے ہیں، انہیں براہ راست کھانے پینے میں استعمال نہیں کرسکتے، مثلاً سونا چاندی، یا دوسرے معدنیات، ایسے اموال میں ان کی ذات مقصود نہیں ہوتی، زیر بحث مسئلے میں غور کرنا چاہئے کہ جب سونے چاندی کی ذات مقصود نہیں، تو شرعی مالداری کے تحقق میں ان کی ذات کو کوئی حیثیت حاصل نہیں، بلکہ مقصود ان کی مالیت ہے، لہذا دونوں کو ملاتے وقت اسی مقصود کو معیار بنانا چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ دونوں کی مالیت (قیمت) کسی ایک کے نصاب کو پورا کرتی ہے، یا نہیں؟ اگر دونوں کی مالیت مل کر اقل ترین نصاب کو بھی پورا کردے تو وہ شخص صاحب نصاب ہے اور اس پر زکوۃ واجب ہے۔

علامہ ابن الہمامؒ نے مذکورہ دلیل کی طرف مختصر اشارہ کیا ہے:

"قلنا: إنما كانا (الذهب والفضة) نصاب الزكاة، بسبب وصف الثمنية، لأنه المفيد لتحصيل الأغراض، وسد الحاجات، لالخصوص اللون، والجوهر، وهذا، لأن ثبوت الغناء–وهوالسبب في الحقيقة–إنما هو بذلک، لا بغيره" (فتح القدیر ۲/ ۲۲۲)۔

(ہم نے کہا کہ سونا اور چاندی زکاۃ کے نصاب ہیں، وصف ثمنیت کی وجہ سے، اس لئے کہ اغراض کی تحصیل اور ضروریات کی تکمیل کے لئے یہی وصف مفید ہے، نہ کہ خاص رنگ یا خاص جوہر، کیونکہ شرعی غنا جو در حقیقت سبب وجوب ہے اسی وصف ثمنیت کے اعتبار سے ہے، نہ کہ اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے)۔

۲–دوسری وجہ ترجیح یہ ہے کہ اگر سونے اور چاندی کو اجزاء کے اعتبار سے ملایا جائے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ سونے اور چاندی کی ایسی مقدار کو نصاب بنایا گیا، جس کے بارے میں نہ تو کوئی نص وارد ہے، نہ وہ کسی منصوص نصاب کی قیمت کے مطابق ہے، بلکہ رائے اور قیاس کے ذریعہ طے کیا ہوا ایک مستقل نصاب ہے، ظاہر ہے یہ اس اصول کے خلاف ہوگا، جس میں کہا جاتا ہے کہ مقادر شرعیہ میں قیاس کا کوئی دخل نہیں اور یہ کہ قیاس کے ذریعہ کوئی شرعی تقدیر درست نہیں، اس کے برخلاف اگر سونے اور چاندی کو قیمت کے اعتبار سے ملایا جائے، تو یہ کوئی الگ نصاب نہیں ہوگا، بلکہ انہیں میں سے ایک نصاب کی ترجمانی ہوگی اور یہ ایسا ہی ہوگا جیسے وہ دوسو درہم کا مالک ہو فرق صرف اتنا ہوگا کہ دوسو درہم کی صورت میں وہ عین چاندی کے نصاب کا مالک ہوگا، اور کچھ سونے اور کچھ چاندی کی صورت میں دوسو درہم کی قیمت اور مالیت کا مالک ہوگا۔

۳–تیسری وجہ ترجیح یہ ہے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک "انفع للفقراء" کا اصول تمام ابواب زکاۃ میں خاص طور سے ملحوظ رکھا گیا ہے اور مصالح کے تعارض کی صورت میں "فقراء کے مصالح" کو مقدم رکھا گیا ہے، جیسا کہ پچھلے مسئلے میں تفصیل سے گذرا، اس اصول کا تقاضہ بھی یہ

ہے کہ یہاں اسی صورت کو ترجیح دی جائے، جس میں فقراء کا زیادہ فائدہ ہو، اور وہ ''ضم بالقیمۃ'' کی صورت ہے، نہ کہ ''ضم بالاجزاء'' کی، علامہ کاسانی نے اس وجہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''ولأن في التكميل باعتبار التقويم نظر للفقراء، فكان أولى''(بدائع ۱۰۸/۲)۔

(اس لئے کہ قیمت کے اعتبار سے نصاب پورا کرنے میں فقراء کی مصلحت ہے، اس لئے یہ راجح ہوگا)۔

اسی بات کو علامہ ابن قدامہ دوسرے انداز سے یوں فرماتے ہیں:

''ولأن أصل الضم لتحصيل حظ الفقراء، فكذلك صفة الضم'' (المغنی ۵/۳)۔

(اور اس لئے کہ سونے اور چاندی کا اصل ملانا فقراء کی منفعت حاصل کرنے کے لئے ہے، تو اسی طرح ملانے کی صفت بھی وہ ہوگی، جس سے فقراء کو زیادہ منفعت حاصل ہو)۔

۴- چوتھی وجہ ترجیح یہ ہے کہ عبادات میں احتیاط واجب ہے، اور تزاحم کی صورت میں ''اقل متیقن'' کو اختیار کرنا ضروری ہے، تاکہ بندہ کو اپنی ذمہ داری کی ادائیگی میں کوئی شک وشبہ باقی نہ رہے، اور وہ یقین کے ساتھ اپنے خالق ومالک کے حق کو ادا کرکے فرحت واطمینان محسوس کرے، اس اصول کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ کچھ سونے اور کچھ چاندی کو قیمت کے اعتبار سے ملایا جائے، نہ کہ اجزاء کے اعتبار سے، کیونکہ پہلی صورت مبنی بر احتیاط اور ''اقل متیقن'' ہے۔

۵- پانچویں وجہ ترجیح یہ ہے کہ زکوۃ کے علاوہ بعض دوسرے نصابوں میں جب کچھ سونا اور کچھ چاندی ہو، تو انہیں قیمت کے اعتبار سے ہی ملا کر نصاب پورا کیا جاتا ہے، مثلاً چوری کا نصاب جس پر ہاتھ کاٹا جائے، ''دس درہم'' ہے، یا ایک ''دینار'' ہے، اب اگر کوئی دو چار درہم اور ایک دینار سے کم سونا چرالے، جس کی قیمت دو چار درہم کے ساتھ مل کر دس درہم کو پہنچ جائے، تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا، اگرچہ تناسب کے اعتبار سے مجموعی مقدار متحقق نہ ہو، اسی طرح جب زکاۃ

کے نصاب میں سونے اور چاندی کو ملانا پڑے، تو قیاس کا تقاضہ یہی ہے کہ قیمت کے اعتبار سے ملایا جائے، اور کسی ایک نصاب کے بقدر قیمت پہنچ جائے، تو اس میں زکوۃ واجب ہو، علامہ ابن قدامہ نے اس وجہ کو بیان کیا ہے:

"لأن كل نصاب وجب فيه ضم الذهب إلى الفضة، ضم بالقيمة كنصاب القطع في السرقة" (المغنی ۵/۳)۔

(اس لئے کہ ہر وہ نصاب جس میں سونے کو چاندی کے ساتھ ملانا پڑے، اس میں قیمت کے اعتبار سے ہی ملایا جاتا ہے، جیسے چوری کے معاملے میں ہاتھ کاٹنے کا نصاب)۔

☆☆☆

زکوۃ کا وجوب اور ضم نصاب

مولانا محمد مصطفی عبدالقدوس ندوی ☆

چاندی کا ایک دوسرے سے ضم میں اجزاء کا اعتبار ہوگا یا قیمت کا؟

حنفیہ کے نزدیک اگر کسی شخص کے پاس کچھ مقدار سونے اور کچھ مقدار چاندی کی ہو اور دونوں کا مجموعہ نصاب کے بقدر ہوجاتا ہو تو زکوۃ واجب ہوجاتی ہے، البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس میں قیمت کا اعتبار ہے، اگر کسی کے پاس کچھ چاندی اور کچھ سونا ہو اور دونوں کی مجموعی قیمت چاندی کے نصاب کے برابر ہوجاتی ہو تو موجودہ قیمت کے لحاظ سے امام صاحبؒ کے یہاں زکوۃ واجب ہوجائے گی، جبکہ صاحبینؒ ضم اجزاء کے قائل ہیں، یعنی سونے اور چاندی میں سے ایک کی مقدار اس کے نصاب کے ایک تناسب کو پورا کرتی ہو اور دوسرے کی مقدار اس کے نصاب کے بقیہ تناسب کو پورا کردیتی ہو تب زکوۃ واجب ہوتی ہے، مثلاً سونا اس کے نصاب کا ایک چوتھائی ہے اور چاندی اس کے نصاب کا تین چوتھائی تو اب زکوۃ واجب ہوگی۔ موجودہ حالات میں امام صاحبؒ کے قول پر ممکن ہے کہ ایک تولہ سونا اور ایک تولہ چاندی میں زکوۃ واجب ہوجائے اور سات تولہ صرف سونا ہو تو زکوۃ واجب نہ ہو پائے، ایسی صورت میں کیا ضم نصاب کے مسئلہ میں صاحبینؒ کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے؟

اہل علم جانتے ہیں کہ صاحبینؒ کے علاوہ امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ (حاشیۃ الدسوقی ۲/ ۴۲)، اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبلؒ تکمیل نصاب کی بابت اجزاء کے اعتبار سے سونے

☆ استاذ المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد۔

اور چاندی کے باہمی ضم کے قائل ہیں۔

”فإن أحدهما يضم بالأجزاء، يعنيي أن كل واحد منهما يحتسب من نصابه، فإذا كملت أجزاؤهما نصابا، وجبت الزكاة“ (المغنی ۴/۲۱۱)۔

اسی طرح کا ایک قول امام ابوحنیفہؒ سے بھی منقول ہے، جیسا نوادر ہشام میں لکھا ہے، جبکہ امام ابوحنیفہؒ کا دوسرا قول قیمت کے اعتبار سے ملانے کا ہے، اور یہ قول زیادہ مشہور ہے (المبسوط ۲/۲۰۰، بدائع الصنائع ۲/۱۰۷، الکافیہ مع الہندیہ ۲۵۰۱، ہدایہ و فتح القدیر ۲/۲۰۷، المحیط برہانی ۳/۱۵۸، البحر الرائق ۲/۲۰۱)۔

جہاں تک دونوں قول (ضم بالاجزاء اور بالقیمہ) میں سے کونسا راجح ہے، کی بات ہے تو اس سلسلہ میں پہلے دونوں نقطۂ نظر کی دلیلیں پیش کی جاتی ہیں، تا کہ غیر جانب دارانہ جائزہ لیتے ہوئے کسی ایک نتیجہ تک پہونچا جاسکے۔

اجزاء کے اعتبار سے ضم کی دلیلیں:

تکمیل نصاب کے لیے سونے کو چاندی میں اور چاندی کو سونے میں اجزاء کے اعتبار سے ملانے کے قائلین کی دلیلیں حسب ذیل ہیں:

۱- نصاب کے باب میں سونے اور چاندی کی قیمت کا اعتبار نہیں ہے، بلکہ اس کے وزن وقدر کا اعتبار ہے، اس لیے کہ یہ ثمن خلقی ہیں، ان سے اشیاء کی قیمتوں کا اندازہ کیا جاتا ہے اور یہ اشیاء کے باہمی تبادلہ کا ذریعہ ہیں، اسی وجہ سے ڈھلے ہوئے سونے و چاندی میں اس وقت زکوۃ واجب نہیں ہوتی ہے، جبکہ سونے میں بیس مثقال (برابر ساڑھے سات تولہ اور موجودہ اوزان کے اعتبار سے ۸۵ گرام) سے کم وزن ہو، اور چاندی میں دوسو درہم (برابر ساڑھے باون تولہ اور موجودہ اوزان کے اعتبار سے چھ سو) سے کم وزن ہو (بدائع الصنائع ۲/۱۰۸)۔

۲- اور چونکہ جب سونا اور چاندی دونوں علاحدہ ہوں تو وجوب زکوۃ کے سلسلہ میں قیمت کا اعتبار نہیں کیا جاتا ہے، لہذا جب ایک شخص کے پاس کچھ مقدار سونے اور کچھ مقدار چاندی

کی ہو تو تکمیل نصاب کے لیے دونوں کے ملاتے وقت قیمت کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ اجزاء ہی کا اعتبار ہوگا (المغنی ۴/ ۲۱۲، المحیط البرہانی ۳/ ۱۵۸)۔

قیمت کے اعتبار سے ضم کی دلیلیں:

۱- نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب سونے کی قیمت دوسو درہم کو پہنچ جائے تو ہر چالیس درہم میں ایک درہم ہے''۔

حاکم کا بیان ہے کہ یہ حدیث شرط مسلم پر صحیح ہے (مستدرک حاکم ۱/ ۵۵۲، حدیث: ۱۴۴۶)۔

۲- چونکہ سونا اور چاندی دونوں ثمنی ہیں، اس لیے ایجاب زکوٰۃ کے لیے ایک کو دوسرے سے ملانا ضروری ہے اور یہ ضم کا عمل قیمت کے اعتبار سے ہوگا، جیسا کہ اموال تجارت میں وجوب زکوٰۃ کے لیے قیمت کا اعتبار ہوتا ہے، اور ایسا اس وجہ سے کہ نصاب کی تکمیل بغیر اتحاد جنس کے ممکن نہیں اور یہاں اتحاد جنس صفت مالیت کے اعتبار سے ممکن ہے، عین کے اعتبار سے نہیں، کیونکہ تمام اموال اپنی ذات کے اعتبار سے مختلف جنس ہیں اور صفت مالیت کے اعتبار سے ایک جنس ہیں، لہٰذا یہاں سونے و چاندی میں صفت مالیت کے اعتبار سے اتحاد جنس ہے، اور وہ صفت مالیت قیمت ہے۔

۳- پھر قیمت کے اعتبار سے ضم کی صورت میں فقراء کا فائدہ ہے اور زکوٰۃ کی مشروعیت کا بنیادی مقصد ضرورت مندوں کی حاجت روائی ہے (بدائع الصنائع ۲/ ۱۰۸، المبسوط ۲/ ۲۰۰، عنایہ مع فتح القدیر ۲/ ۱۶۹، البحر الرائق ومنحۃ الخالق علیہ ۲/ ۴۰۱)۔

دونوں قول کے دلائل کا ایک جائزہ:

بنیادی طور پر دونوں نقطۂ نظر پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دراصل ضم بالاجزاء کے قائلین حضرات فقہاء صاحبینؒ وغیرہ نے سونا اور چاندی کی انفرادی حالت پر اجتماعی حالت کو قیاس کیا ہے، یعنی جس طرح سونا اور چاندی جب دونوں علاحدہ ہوں تو تکمیل نصب کے لیے قیمت کا اعتبار نہیں کیا جاتا ہے، بلکہ وزن واجزاء ہی کے اعتبار سے ہر ایک کا نصاب مقرر ہوتا ہے،

اسی طرح سے جب دونوں کو ملا کر نصاب پورا کیا جائے گا تو وزن واجزاء ہی کے اعتبار سے پورا کیا جائے گا، اور امام ابوحنیفہؒ جن کا قول مشہور قول ضم بالقیمہ ہے، نے انفرادی اور اجتماعی دونوں حالتوں کے درمیان فرق کیا ہے، یعنی جب سونا اور چاندی دونوں علاحدہ ہوں تو وزن واجزاء کا اعتبار ہوگا، اور اگر دونوں جمع ہوں تو مجموعی اعتبار سے نصاب پورا کرنے کی صورت میں قیمت کا اعتبار ہوگا۔

جہاں تک حدیث کی بات ہے جو کہ امام ابوحنیفہؒ کا مستدل بتایا جاتا ہے، سونے کے نصاب بیس مثقال والی حدیث کے معارض ہے۔

"ليس في أقل من عشرين مثقالا من الذهب، و لا في أقل من مائتي درهم صدقة" (سنن الدارقطنی ۲/ ۹۳)۔

حافظ ابن حجرؒ کا بیان ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے (التلخیص الحبیر ۲/ ۲۵۷)۔

حضرت عمرؓ و حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ ہر بیس دینار اور اس سے زیادہ ہونے پر نصف دینار لیتے تھے اور چالیس دینار میں ایک دینار لیتے تھے (سنن ابن ماجہ، حدیث: ۱۷۹۱، باب زکوۃ الورق والذہب)۔

امام بوصیریؒ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے (مصباح الزجاجہ ۲/ ۳۱۶)۔

گو یہ حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہے، لیکن جمہور فقہاء بالخصوص ائمہ اربعہ نے اسے قبول کیا ہے، اور محدثین کے یہاں اصول یہ ہے کہ اگر کسی ضعیف حدیث کو فقہاء مجتہدین قبول کرلیں اور اس کے مدلول پر عمل پیرا ہوں تو وہ حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہونے کے باوجود مقبول اور واجب العمل ہوجاتی ہے (الاجوبۃ الفاضلۃ للأسئلۃ العشرۃ الکاملۃ: ۲۲۸)۔

لہٰذا سونے کے نصاب (بیس مثقال) والی حدیث کے مقابلہ میں **"فإذا بلغ قيمة الذهب مائتي درهم ففي كل أربعين درهما درهم"** قابل ترجیح نہیں ہوسکتی، خود امام ابوحنیفہؒ نے بھی بیس مثقال والی حدیث کو قبول کیا ہے، اور ان کے نزدیک بھی سونے کا نصاب

بیس مثقال ہے، اسی بنا پر انہوں نے فرمایا کہ جب کسی شخص کے پاس صرف سونا ہو تو بیس مثقال ہونے پر زکوٰۃ واجب ہوگی (دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/۱۰۷)۔

اب ایسی صورت میں ضم بالاجزاء یا بالقیمہ کا مسئلہ قیاسی و مجتہد فیہ ہو کر رہ جاتا ہے، پس موجودہ صورت حال میں فقہاء کے اختلاف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ ضم نصاب کے مسئلہ میں صاحبینؒ کے قول کو اختیار کیا جائے، جبکہ مزید برآں ایسا ہی بعض دوسرے مجتہدین فقہاء امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبلؒ سے بھی منقول ہے اور خود امام ابوحنیفہؒ سے بھی ایک روایت اسی طرح نقل کی گئی ہے۔

اموال تجارت اور کرنسیوں کے نصاب کی بابت معیار سونا ہے یا چاندی؟

سامان تجارت میں وجوب زکوٰۃ پر جمہور فقہاء کا اتفاق ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿یا أیها الذین اٰمنوا أنفقوا مما رزقناکم﴾ (البقرۃ: ۲۵۴)۔

(اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرو)۔

﴿یا أیها الذین اٰمنوا أنفقوا من طیبات ما کسبتم﴾ (البقرۃ: ۲۶۷)۔

(اے ایمان والو! جو تم نے کمایا ہے اس میں سے عمدہ چیزیں خرچ کرو)۔

(حدیث شریف میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ ہم لوگوں کو حکم فرماتے تھے کہ ہم لوگ سامان تجارت سے صدقہ نکالیں) (ابوداؤد، کتاب الزکوٰۃ، باب العروض إذا کانت للتجارۃ، حدیث: ۱۵۶۲)۔

حافظ ابن حجرؒ کا بیان ہے کہ اس کی سند میں جہالت ہے (التلخیص الحبیر: باب زکوٰۃ التجارۃ ۲/۳۹۱، حدیث: ۸۶۱)۔

حضرت ابوذرؓ سے مرفوعاً منقول ہے: ''کپڑے میں صدقہ ہے'' (دارقطنی ۲/۸۶، باب لیس فی الخضروات صدقۃ، حدیث: ۱۹۱۶)۔

حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ اس کی سند میں کوئی حرج نہیں ہے (التلخیص الحبیر ۲/۳۹۱)۔

حضرت عمرؓ کا اثر ہے کہ آپؓ نے فرمایا: اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرو۔ حضرت حماسؓ کہتے ہیں کہ میں عرض گذار ہوا کہ میرے پاس صرف ترکش اور چمڑا ہے، تو آپؓ نے فرمایا: اس کی قیمت کا اندازہ کرو، پھر اس کی زکوٰۃ نکالو (المحلی شرح المجلی لابن حزم: ۱۲/۵، کتاب الام للامام الشافعی ۲/۴۶)۔

اسی طرح نقد روپے کو فقہاء نے ثمن وضعی مانا ہے اور اس میں بھی وجوب زکوٰۃ کے سب قائل ہیں، اب سوال اٹھتا ہے کہ وجوب زکوٰۃ اور حرمت زکوٰۃ کے لیے سامان تجارت اور نقد روپے کا نصاب آیا سونے کے نصاب سے مقرر ہوگا یا چاندی کے نصب سے، شریعت اسلامیہ میں ان دونوں میں سے کونسا نصاب اصل ہے؟

تو اس سلسلہ میں فقہاء کے تین اقوال ہیں:

اول: جس نصاب میں فقراء کا فائدہ ہوگا اس سے مقرر ہوگا۔

دوسرا: اختیار ہوگا کہ سونا اور چاندی کے نصاب میں سے جس سے چاہے سامان تجارت اور نقد روپے کا نصاب مقرر کرے۔

تیسرا: سونا و چاندی میں سے جس کے ذریعہ سامان خریدا ہے اس سے نصاب مقرر ہوگا۔

پہلا قول:

''أنفع للفقراء''، یعنی زمانہ و حالات کے اعتبار سے سونا و چاندی میں سے جس کے نصاب سے سامان تجارت اور نقد روپے کا نصاب مقرر کرنے میں فقراء کا فائدہ ہوگا اس سے مقرر ہوگا۔

یہ امام ابو حنیفہؒ کا مشہور قول ہے، امام احمدؒ سے ایک روایت اسی طرح کی منقول ہے (ہدایہ و فتح القدیر ۲/۱۶۷، محیط برھانی ۳/۱۹۳، مبسوط ۲/۲۰۰، منحۃ الخالق علی البحر ۲/۲۰۱)۔

اور ایسا ہی حنابلہ کا مذہب ہے۔

"إذا حال الحول علی العروض و قیمتها بالفضة نصاب، و لا تبلغ نصابا بالذهب قومناه بالفضة، لیحصل للفقراء منها حظ، و لو کانت قیمتها بالفضة دون النصاب و بالذهب تبلغ نصابا، قومناها بالذهب، لتجب الزکاة فیها" (المغنی ۴/ ۲۵۳)۔

اس لیے کہ تقویم میں فقراء کا فائدہ ہے، کیونکہ درہم و دینار، یعنی سونا و چاندی ثمنیت اور تقویم کے اعتبار سے دونوں برابر ہیں، لہٰذا کسی وجہ ترجیح ہی کی بنا پر کسی ایک کو راجح قرار دے سکتے ہیں اور وہ وجہ ترجیح فقراء کے مفاد کی رعایت ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر تقویم سے ایک کے نصاب کی مقدار کو قیمت پہنچتی ہے، دوسرے کے نصاب کی مقدار کو نہیں پہنچتی ہے تو جس کے نصاب کی مقدار کو قیمت پہنچتی ہے اس سے نصاب مقرر ہوگا، بر بناء احتیاط اور فقراء کے مفاد کی رعایت کرتے ہوئے (بدائع الصنائع ۲/ ۱۱۰، محیط برہانی ۳/ ۱۶۳)۔

دوسرا قول:

مالک کو اختیار رہے، چاہے سونا کے نصاب سے سامان تجارت اور نقد روپے کا نصاب مقرر کرے یا چاندی کے نصاب سے مقرر کرے، جیسا کہ امام محمدؒ نے "کتاب الاصل" میں ذکر کیا ہے، اور ایک روایت امام ابوحنیفہؒ کی بھی یہی ہے، کیونکہ دونوں ثمن خلقی ہونے میں یکساں ہیں اور چونکہ اموال تجارت میں وجوب زکوۃ کے لیے تقویم کی ضرورت ہے، پس سونا یا چاندی جس سے چاہے قیمت کا اندازہ لگائے اور اسی اعتبار سے نصاب مقرر کرے، جیسا کہ تلف کردہ چیزوں کے ضمان کے بارے میں اختیار رہتا ہے (ہدایہ و فتح القدیر ۲/ ۱۶۷، محیط برہانی ۳/ ۱۶۳)۔

یہ اختیار اس وقت ہے جبکہ سونا اور چاندی کی قیمتوں میں تفاوت نہ ہو، جیسا کہ کتاب الاصل میں لکھا ہے (فتح القدیر ۲/ ۱۶۷)۔

ایسا ہی ملک العلماء علامہ کاسانیؒ نے مشائخ حنفیہ سے بھی نقل کیا ہے (بدائع الصنائع ۲/ ۱۱۰)۔

تیسرا قول:

سونا یا چاندی یا نقد بلد سے سامان تجارت کا نصاب مقرر ہوگا، یعنی ان میں سے جس سے سامان خریدا ہے زکوۃ نکالتے وقت اسی سے سامان کی قیمت کا اندازہ کر کے نصاب مقرر ہوگا، یہ شوافع اور احناف میں صاحبینؒ کا قول ہے (المہذب مع المجموع ۶/۱۶-۷، بدائع الصنائع ۲/۱۱۰)۔

تینوں اقوال پر ایک نظر:

تینوں اقوال پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک قول کی دلیل عقلی و قیاسی ہے، لہٰذا کسی ایک قول کو راجح قرار دینے کے لیے کوئی مرجح اور خارجی قرینہ ہونا چاہیے، چنانچہ اگر کسی شخص کے پاس سامان تجارت ہو یا نقد روپے ہو تو زکوۃ واجب ہونے کے لیے پیمانہ چاندی کا نصاب ہوگا، اس لیے کہ:

۱- سونے کا نصاب حدیث ضعیف سے ثابت ہے، جبکہ چاندی کا نصاب حدیث ضعیف اور صحیح دونوں سے ثابت ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ارشا فرمایا:

"ليس في أقل من عشرين مثقالا من الذهب، و لا في أقل من مائتي درهم صدقة" (سنن الدارقطنی ۲/۹۳)۔

(سونے کے بیس مثقال سے کم میں صدقہ نہیں ہے اور نہ ہی دو سو درہم سے کم میں صدقہ ہے)۔

حافظ ابن حجرؒ کا بیان ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے (التلخیص الحبیر ۲/۵۷، حدیث: ۸۵۰)۔

اور حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پانچ اونٹ سے کم میں صدقہ نہیں ہے اور نہ ہی پانچ اوقیہ سے کم میں صدقہ ہے (بخاری، باب زکوۃ الورق، حدیث: ۱۴۴۷)۔

اور ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں (المغنی ۴/۲۰۹)۔

۲-سونے کے نصاب کی مقدار میں فقہاء کا اختلاف ہے، جبکہ چاندی کے نصاب کی مقدار کی بابت کسی فقیہ کا اختلاف نہیں ہے، چنانچہ جمہور فقہاء کے نزدیک سونے کا نصاب بیس مثقال ہے۔ بعض فقہاء جیسے عطاء، طاؤس، زہری، سلیمان بن حرب اور ایوب سختیانی رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ سونے کی مقدار اتنی ہو کہ اس کی قیمت دوسو درہم ہو جائے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی، اِن حضرات کا کہنا ہے کہ چونکہ سونے کے نصاب کی مقدار نبی کریم ﷺ سے صحیح سند سے ثابت نہیں ہے، لہٰذا سونے کے نصاب کو چاندی کے نصاب پر محمول کیا جائے گا (المغنی ۴/۲۰۹، موسوعہ فقہیہ ۲۳/ ۲۶۴، ط: کویت)۔

جہاں تک چاندی کے نصاب کی مقدار کی بات ہے تو اس کے دوسو درہم کی مقدار پر فقہاء کا اجماع ہے (بحوالہ سابق)۔

۳- زکوٰۃ کی مشروعیت کا بنیادی مقصد ضرورت مندوں کی حاجت روائی اور فقراء و مساکین کے مفاد و مصلحت کی رعایت، اور یہ عظیم مقصد بدرجۂ اتم چاندی کو اصل و معیار بنانے میں پورا ہوتا ہے، کیونکہ سونے کے بہ نسبت چاندی کے ذریعہ سامان تجارت اور نقد روپے کا نصاب مقرر کرنے میں زکوٰۃ جلد واجب ہوگی، اس لیے کہ فی زماننا سونے کے مقابلہ میں چاندی سستی ہے۔

۴-اگر صاحبینؒ کے قول کا بھی تجزیہ کیا جائے تو اس سے بھی فی زماننا چاندی کے نصاب سے نصاب کی تعیین کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ امام محمدؒ کا بیان ہے:

"**یقومها بالنقد الغالب علی کل حال**" (بدائع الصنائع ۲/۱۱۰)۔

اس وقت سونے چاندی میں سے زیادہ تر چلن چاندی کا ہے، یہاں تک کہ نوٹ میں بھی درمیان کاغذ میں چاندی ہی کی پتیاں ڈالی ہوئی ہوتی ہیں۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ دونوں نقدین (سونا چاندی) میں سے جس سے خریدا ہو اس کو نصاب کا معیار بنایا جائے گا۔

”و إن اشتراها بغيرها من العروض، أو لم يكن اشتراها بأن كان وهب له فقبله ينوي به التجارة، قومها بالنقد الغالب في ذلک الموضع“ (بدائع الصنائع ۱۱۰/۲)۔

اور غالب نقد چاندی ہے۔

۵- تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو عہد جاہلیت میں حتی کہ آپ ﷺ کے دور میں بھی چاندی کی نقدی کثرت سے رائج تھی، یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلامیہ نے عرف کی رعایت کرتے ہوئے سونے چاندی میں چاندی کے نصاب کو اصل مانا ہے اور مشہور احادیث سے زکوٰۃ کی جو زیادہ تر تفصیلات ملتی ہیں وہ چاندی ہی کے نصاب سے، یہی وجہ ہے کہ چاندی کے نصاب پر اجماع ہے اور سونے کا نصاب مجمع علیہ نہیں ہے (مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: فقہ الزکوۃ، از ڈاکٹر یوسف قرضاوی، ص:۱۸۵)۔

خلاصۂ بحث:

۱- تکمیل نصاب کے لیے سونے کو چاندی اور چاندی کو سونے سے ملانے میں راجح قول کے مطابق اجزاء کا اعتبار ہوگا۔

۲- سامان تجارت اور نقد روپے کے نصاب زکوٰۃ مقرر کرنے میں چاندی اصل و معیار ہے۔

۳- ایک شخص کے پاس بنیادی ضروریات زندگی کے علاوہ اتنی نقد رقم یا سامان تجارت ہو جس سے نصاب کے بقدر چاندی خرید کی جاسکتی ہے تو ایسے شخص پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اس کے لیے زکوٰۃ کا مال لینا اور اسے دینا دونوں حرام ہوگا۔

☆☆☆

نصاب زکوٰۃ کا شرعی معیار
قرآن وسنت اور فقہائے ملت کی تصریحات کی روشنی میں

مولانا محمد ابو بکر قاسمی ☆

مذہب اسلام اللہ رب العزت کا پسندیدہ دین ہے، اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کے اس پسندیدہ دین کی بنیاد جن پانچ ستونوں پر قائم ہے ان میں تیسرا بنیادی ستون زکوٰۃ ہے۔

سردست پیش نظر تحریر میں سونے وچاندی اور کرنسی نوٹ نیز اموال تجارت میں وجوب زکوٰۃ کے نصاب سے بحث کی جاتی ہے۔

چاندی میں زکوٰۃ کا نصاب پانچ اوقیہ چاندی ہے، ایک اوقیہ چاندی چالیس درہم ہوتی ہے، اس حساب سے پانچ اوقیہ چاندی دوسو درہم ہوتی ہے، اور اوزان شرعیہ کی رو سے دوسو درہم ساڑھے باون تولہ چاندی ہوتی ہے، جس کا وزن موجودہ انگریزی گرام سے چھ سو ساڑھے بارہ گرام چاندی ہوتا ہے۔ اور سونے کا نصاب بیس مثقال سونا (ساڑھے ستاسی گرام یا ساڑھے سات تولہ سونا) ہوتا ہے۔

اگر کسی شخص کے پاس چاندی وسونے کا علاحدہ علاحدہ نصاب ہو تو اس پر زکوٰۃ کا وجوب چاندی اور سونے کے ہر نصاب میں الگ الگ ہوگا، اور اگر کسی کے پاس سونا و چاندی نصاب سے کم ہو تو اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی لازم ہوگی یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں ہمارے ائمہ ثلاثہ کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے، حضرت امام ابو حنیفہؒ نے قیمت کا اور ''أنفع للفقراء'' کا لحاظ

☆ مہتمم مدرسہ رحیمیہ فیض العلوم، برہم پورا۔

کرتے ہوئے سونے یا چاندی میں سے جس کسی سے نصاب کی تکمیل ہوجائے زکوٰۃ کو واجب قرار دیا ہے اور حضرت امام عالی مقام سیدنا ابوحنیفہؒ کا قول ہی اس باب میں مفتی بہ تسلیم کیا گیا ہے، چونکہ دورِ حاضر میں چاندی ہی کا نصاب فقراء کی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے مفید تر ہے اور ظاہر قرآن سے اسی قول کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ "سورۂ توبہ" کی آیت: ۳۴ میں سونے چاندی کا ایک ساتھ ذکر کر کے فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ ان دونوں چیزوں کو جمع کر کے رکھتے ہیں (اور پھر آگے واحد مؤنث غائب کی ضمیر لا کر فرمایا گیا ہے کہ) اور اس کو راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتے تو اس کے لیے جہنم کی بشارت ہے۔ مندرجہ آیت میں غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کے پاس سونا چاندی دونوں ہو، لیکن نصاب سے کم ہو، البتہ چاندی کے نصاب کا اعتبار کرنے سے اگر نصاب مکمل ہوجاتا ہے تو ایسے شخص پر بھی زکوٰۃ دینی فرض ہے۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ دورِ حاضر میں سونے چاندی کے نصاب سے کم ہونے کی صور میں دو چیزوں کو ملا کر وجوب زکوٰۃ کے باب میں چاندی ہی کا نصاب "انفع للفقراء" ہونے کی وجہ سے لائقِ فتویٰ اور قابلِ عمل ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے سورۂ توبہ کی آیت: ۳۴ کی تشریح کرتے ہوئے معارف القرآن: ۴/۳۶۸ میں لکھا ہے:

"﴿ولا ینفقونھا﴾ کی ضمیر فضۃ (سونا) کی طرف راجع ہے، جس کے معنی چاندی کے ہیں، اوپر سونے اور چاندی دو چیزوں کا ذکر تھا، مگر ضمیر صرف چاندی کی طرف راجع کی گئی، تفسیر مظہری میں اس کو اشارہ اس بات کا قرار دیا ہے کہ جب کسی کے پاس سونا اور چاندی تھوڑا تھوڑا موجود ہو تو اعتبار چاندی کا کیا جائے گا، سونے کی قیمت بھی چاندی کے حساب میں لگا کر زکوٰۃ ادا کی جائے گی" (معارف القرآن ۴/۳۶۸)۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے مذکورہ آیت کی تشریح و تفسیر کرتے ہوئے مندرجہ مسئلہ کے علاوہ یہ مسئلہ بھی لکھا ہے: کہ "اللہ رب العزت نے یہاں صرف سونے و چاندی کی ذخیرہ

اندوزی کا خصوصیت کے ساتھ اس لیے ذکر فرمایا کہ عموماً ذخیرہ اندوزی انہی دو چیزوں کے ذریعہ کی جاتی ہے۔ نیز دوسری تمام اشیاء کی قیمتوں کا تعین بھی سونے و چاندی ہی کے ذریعہ کیا جاتا ہے، لہٰذا سامان تجارت میں وجوب زکوٰۃ کے لیے سونے و چاندی میں سے ہی کسی ایک کا نصاب معتبر ہوگا، دوسرے اموال زکوٰۃ کے نصاب کا اعتبار نہ ہوگا'' (ملاحظہ ہو تفسیر مظہری ۴/۱۹۷)۔

یہاں یہ یاد رہے کہ بعض علمائے مصر نے دوسرے دور حاضر کے بعض دیگر علمائے عصر نے سونے و چاندی، کرنسی نوٹ اور اموال تجارت سب میں سونے کے نصاب سے وجوب زکوٰۃ کا قول کیا ہے، لیکن وجوب زکوٰۃ کے فضائل و فوائد، اسرار و حکم، مصالح و علل اسی طرح روحِ زکوٰۃ کا بغور مطالعہ کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان بعض علمائے مصر اور علمائے عصر کا مذکورہ قول سراسر روحِ شریعت سے متصادم ہے، دوسرے سرمایہ دار طبقہ کے زیادہ افراد کو حکم زکوٰۃ سے مستثنیٰ کر کے ذخیرہ اندوزی اور بخل و کنجوسی کی روحانی بیماری کو اس قول کے اختیار کرنے سے بڑھاوا دینا لازم آتا ہے، تیسرے ان حضرات کو یہ بھی غلط فہمی ہوگئی ہے کہ دور حاضر کی حکومتوں نے جو کرنسی نوٹ جاری کیے ہیں تو حکومتوں کے خزانوں میں ان کی قیمتوں کا تعین صرف سونے سے ہوتا ہے، جبکہ معاملہ ہرگز ایسا نہیں ہے، کیونکہ کاغذی نوٹوں پر سرکار کی طرف سے حسب ذیل عبارت لکھی ہوتی ہے، مثلاً سو کے نوٹ پر لکھا ہے:

''میں دھارک کو ایک سو روپے ادا کرنے کا وچن دیتا ہوں''۔

مندرجہ عبارت میں روپیہ کا لفظ لکھا ہوا ہے، عرف عام میں روپیہ گلٹ کے سکے کو کہا جاتا ہے، لیکن ارباب لغت نے اردو لغات میں جو کچھ لکھا ہے اس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اطلاق اصلاً چاندی کے سکہ پر ہوتا ہے، چنانچہ ''فیروز اللغات اردو کلاں'' میں روپیہ کا معنی لکھا ہے:

''روپیہ: ایک سکہ جس کے سولہ آنے ہوتے تھے اور جو چاندی کا ہوتا تھا۔ (۲) سکہ جس کی قیمت سو پیسے ہیں۔ (۳) دولت، نقدی، چاندی۔''

کاغذ کے نوٹ پر لکھی ہوئی عبارت اوراس کے معانی کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف حکومتوں نے جو کاغذی نوٹ جاری کیے،اس کا عوض حکومتوں کے یہاں ضروری نہیں کہ سونے سے متعین ہو، بلکہ چاندی کے سکہ سے متعین ہوتا ہے،لہٰذا نوٹوں کے ذریعہ وجوب زکوٰۃ کا شرعی نصاب'' اُنفع للفقراء''ہونے کی وجہ سے چاندی ہی کا نصاب دورحاضر میں معتبر ہوگا۔

چنانچہ سید سابق نے فقہ السنہ ۱/۲۵۸ پر کاغذی نوٹوں میں وجوب زکوٰۃ کا نصاب ۲۷/ریال مصری کو مانا ہے جس کی مالیت دوسو درہم ہوتی ہے اوراس نصاب کومعتبر ماننے کی علت یہ لکھی ہے کہ مذکورہ نوٹوں کی مالیت کاتعین چاندی سے کرکے فوراً زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

''أوراق البنكوت و السندات هي وثائق بديون مضمونة تجب فيها الزكاة إذا بلغت أول النصاب ۲۷/ريالا مصريا؛ لأنه يمكن دفع قيمتها فضة فوراً'' (فقہ السنۃ ۱/ ۲۵۷)۔

دورحاضر میں کرنسی نوٹ کے عام چلن نے اس کومستقل حیثیت دے دی ہے اوراب وہ بازار میں کسی چیز کا بدل نہیں ہے،چنانچہ مولانا غلام رسول سعیدی نے''مسلم شریف'' کی شرح جلد چہارم میں اس موضوع پر مفصل اور مطول بحث کی ہے،البتہ نوٹوں میں زکوٰۃ کے لیے'' اُنفع للفقراء''ہونے کے سبب چاندی ہی کا نصاب معتبر ہوگا۔

ظاہر یہ نے اموال تجارت میں وجوب زکوٰۃ کا انکارکیا ہے،ان کے بقول صحیح حدیثوں میں اموال تجارت میں زکوٰۃ کا وجوب منقول نہیں ہے،چنانچہ''فقہ السنہ''میں ہے مذکور ہے:

''و قالت الظاهرية: لا زكاة في مال التجارة'' (فقہ السنۃ ۱/ ۲۶۱)۔

اہل ظواہر کا قول ہے کہ مال تجارت میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے،لیکن جمہور علماء نے اہل ظواہر کا رد کیا ہے،اوراموال تجارت میں زکوٰۃ کا وجوب قرآن وسنت سے ثابت کیا ہے،خداوند قدوس کا فرمان ہے:

﴿يا أيها الذين آمنوا انفقوا من طيبات ما كسبتم الخ﴾ (سورۂ بقرہ: ۲۶۷)۔

(اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائیوں میں سے خرچ کرو)۔

قرآن کریم کی اس آیت میں پاکیزہ کمائی سے مراد اموال تجارت ہی ہے، "تفسیر نسفی" میں ہے:

"و فيه دليل وجوب الزكاة في أموال التجارة"(تفسیر نسفی ۱/۱۳۵)۔

(یہ آیت اموال تجارت میں وجوب زکوٰۃ کی دلیل ہے)۔

سیدنا امام بخاریؒ اموال تجارت میں وجوب زکوٰۃ کے قائل ہیں (ملاحظہ ہو: صحیح البخاري ج:۱، حدیث: ۱۳۶۶)۔

اسی طرح امام ابوداؤد اور محدث بیہقی نے حضرت سمرہ بن جندب کی سند سے یہ حدیث نقل کی ہے:

"إن النبي ﷺ كان يأمرنا أن نخرج الصدقة من الذي نعده للبيع. قال ابن عبد البر: اسناده حسن"(الدر المنضود ۳/۱۹)۔

(حضور ﷺ ہمیں ان مالوں سے صدقہ کرنے کا حکم دیتے تھے جن کو ہم فروخت کرنے کے لیے رکھتے تھے)۔

اس حدیث کی سند پر اگرچہ کلام ہے، لیکن اس مضمون کی حدیثیں متعدد طرق سے مروی ہیں، لہٰذا ضعف سند کے باوجود قرآن کریم کی آیت مبارکہ کی تصدیق وتائید اور کثرت طرق کی وجہ سے اموال تجارت میں بھی زکوٰۃ کا وجوب ہوگا۔

یہاں یہ یاد رہے کہ مالداروں کی مالداری کا سب سے قوی ذریعہ تجارت ہے، لہٰذا اموال تجارت کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کردینے کی صورت میں ارباب اموال کے پاس تو قارون کا خزانہ جمع ہوجائے گا اور اللہ تعالیٰ کے غریب ونادار بندے (جن کا حق اللہ تعالیٰ نے ارباب اموال کے مالوں میں متعین کردیا ہے، لیکن ارباب تجارت کے مالوں کو زکوٰۃ سے بری کردینے کی صورت میں) کاسۂ گدائی لے کر چکر لگائیں گے اور اغنیاء حضرات خوب عیش وعشرت کرتے

رہیں گے۔لہٰذا وجوب زکوٰۃ کی حکمت و مصلحت اور فرضیت زکوٰۃ کی روح کا تقاضا اور مندرجہ نصوص شرعیہ کا صریح مدلول یہی ہے کہ اموال تجارت میں بھی زکوٰۃ کا وجوب ہو اور اس میں وجوب زکوٰۃ کے لیے دور حاضر میں چاندی ہی کا نصاب ''أنفع للفقراء'' ہونے کی وجہ سے معتبر مانا جائے گا۔

یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے اغنیاء پر زکوٰۃ کو واجب کیا ہے اور غناء کا معیار مختلف مالوں میں مختلف ہے، جانوروں میں غناء کا معیار الگ ہے، پھر مختلف قسم کے جانوروں میں مختلف معیار ہے، اسی طرح سونا و چاندی میں مالداری کا معیار الگ الگ ہے اور اس سلسلہ میں قرآن وسنت کی نصوص میں جن مالوں میں جس معیار کا ذکر ہے اسی کا شرعاً اعتبار ہوگا اور اموال تجارت میں اور کرنسی نوٹ میں وجوب زکوٰۃ کا نصاب چاندی ہی کے نصاب سے متعین کرنا زیادہ مناسب ہے۔

۱- ایک تو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے سونے و چاندی کی ذخیرہ اندوزی کا ایک ساتھ ذکر کرکے چاندی کے نصاب سے مال نہ خرچ کرنے پر وعید کو معلق کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سونے کے مقابلہ میں چاندی کا نصاب اصل ہے۔

۲- دوسرے سونے کے مقابلہ میں چاندی کے نصاب کی حدیثیں زیادہ قوی ہیں، بلکہ چاندی کا نصاب متفق علیہ ہے، جبکہ سونے کے نصاب میں دلائل کی کمزوری کے ساتھ علماء کا اختلاف بھی ہے۔

۳- تیسرے چاندی کا نصاب ''أنفع للفقراء'' بھی ہے۔

اس لیے مذکورہ اسباب و وجوہ سے اموال تجارت میں وجوب زکوٰۃ کے لیے چاندی کا اعتبار ہوگا۔

سیدنا امام بخاریؒ نے ''صحیح بخاری'' میں حضرت ابو سعید خدریؓ کی سند سے حضور ﷺ کا ارشاد چاندی میں وجوب زکوٰۃ سے متعلق یوں نقل کیا ہے:

"و ليس في ما دون خمس أواق صدقة" (صحیح البخاری ج۱، حدیث:۱۳۶۸)۔
(پانچ اوقیہ سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے)۔

ایک اوقیہ چاندی چالیس درہم ہوتی ہے اور پانچ اوقیہ دوسو درہم چاندی ہوئی اور موجودہ انگریزی حساب سے چھ سو ساڑھے بارہ گرام چاندی ہوئی، اور تولہ والے حساب سے ساڑھے باون تولہ چاندی ہوئی۔

چاندی میں وجوب زکوٰۃ کے نصاب والی حدیث کو امام مسلم نے بھی نقل کیا ہے، البتہ "مسلم شریف" میں وہ حدیث حضرت ابوسعید خدری کے علاوہ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے بھی مروی ہے۔

الغرض چاندی میں وجوب زکوٰۃ کے نصاب والی حدیث صحیح بھی ہے اور متفق علیہ بھی، لیکن سونے میں وجوب زکوٰۃ والی حدیث کو عام طور سے محدثین اور شارحین نے ضعیف کہا ہے، البتہ ابوداؤد نے حضرت علی کی سند سے مرفوعاً یہ حدیث ذکر کی ہے:

"ليس في أقل من عشرين دينارا شيء و في عشرين نصف دينار" (سنن أبی داؤد ۱/۲۲۱)۔

(بیس دینار سے کم میں کچھ واجب نہیں اور بیس دینار میں آدھا دینار بطور زکوٰۃ واجب ہے)۔

حدیث کے مذکورہ الفاظ ابوداؤد کے حوالہ سے علامہ قسطلانی نے بخاری کے باب زکوٰۃ الورق کی شرح میں نقل کیے ہیں، ورنہ ابوداؤد میں بعینہ وہ الفاظ نہیں ہیں، بلکہ ابوداؤد کے الفاظ اس طرح ہیں:

"و ليس عليک شيء يعني في الذهب حتى تكون لک عشرون دينارا، فإذا كانت لک عشرون دينارا و حال عليها الحول ففيها نصف دينار" (سنن أبی داؤد ۱/۲۲۱)۔

اس حدیث کی سند کو علامہ قسطلانی نے صحیح یا حسن کے الفاظ سے ذکر کیا ہے (دیکھئے: قسطلانی ۲/ ۳۲۳۹)۔

البتہ مذکورہ سند کے بعض طرق میں سونے کا نصاب مذکور نہیں ہے اور حافظ ابن عبد البر نے حدیث علی کو موقوف کہا ہے اور "**لم يثبت عن النبي ﷺ في نصاب الذهب شيء**" کہہ کر مذکورہ حدیث پر نقد وارد کیا ہے، تاہم نصاب ذہب کی حدیث پر کلام کے باوجود فقہاء نے بالاتفاق اگر کسی کے پاس صرف سونا ہی ہو تو اس کا مستقل نصاب تسلیم کیا ہے اور نصاب سے کم ہونے کی صورت میں وجوب زکوٰۃ کی نفی کی ہے، البتہ طاؤس اور زہری نے چاندی کی قیمت کا اعتبار کرکے اگر کسی کے پاس سونا باعتبار قیمت کے دوسو درہم کے برابر ہو تو اس میں زکوٰۃ کو واجب کیا ہے اور فقہاء احناف نے سونا و چاندی کے نصاب سے کم ہونے کی صورت میں وجوب زکوٰۃ کے لیے چاندی کے نصاب کو معتبر مانا ہے، البتہ حضرات صاحبینؒ اجزاء کے اعتبار سے تکمیل نصاب کے قائل ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہؒ نے باعتبار قیمت کے اس نصاب کو معتبر مانا ہے، جس سے فقراء کا فائدہ ہو، چونکہ دور حاضر میں چاندی ہی کا نصاب "اُنفع للفقراء" ہے، اس لیے اموال تجارت اور کرنسی نوٹ میں وجوب زکوٰۃ کے لیے چاندی ہی کا نصاب معتبر ہوگا۔

یہاں یہ بات اچھی طرح یاد رہے کہ حضرات فقہاء نے غناء، یعنی مالداری کے تین درجات کا ذکر کیا ہے:

۱- نصاب نامی کا مالک ہو۔

۲- نصاب غیر نامی کا مالک ہو۔

۳- صاحب نصاب تو نہ ہو، البتہ ضرورت کے بقدر مال ہو جس سے کھانا، کپڑا وغیرہ کی ضروریات کم از کم ایک دن ایک رات تک پوری ہو جائے۔

تیسرے شخص کے لیے مال زکوٰۃ کا سوال کرنا یا بالفاظ دیگر بھیک مانگنا تو جائز نہیں، البتہ اگر کوئی شخص اسے مال زکوٰۃ دیدے تو لے سکتا ہے اور دوسرے اور پہلے شخص پر حسب ذیل

چیزیں واجب ہوں گی:

۱- صدقۂ فطر

۲- قربانی

۳- رشتہ داروں کا نفقہ

۴- زائد زمین و مکان فروخت کر کے حج کرنا

۵- زکوٰۃ لینے کا حرام ہونا

اور پہلے شخص پر جو نصاب نامی کا مالک ہو مذکورہ پانچ چیزوں کے علاوہ ہر سال اس پر اپنے مال کی زکوٰۃ دینی بھی فرض ہے۔ نصاب نامی کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کے پاس اونٹ، بکری، گائے، سونا و چاندی، اموال تجارت اور کرنسی نوٹ کی اتنی مقدار ہو جو وجوب زکوٰۃ کے نصاب کو پہنچ جائے۔

مذکورہ مسائل کی تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو: درمختار، باب صدقۃ الفطر۔ نیز اموال تجارت میں چاندی کے نصاب کے معتبر ہونے کی مفصل بحث مجلّہ اسلامی (جلد پنجم، حصہ دوم، صفحہ: ۵۷۶ تا ۵۸۰) میں ملاحظہ ہو۔

☆☆☆

موجودہ کرنسی اور مال تجارت کا نصاب

مفتی اقبال احمد قاسمی کانپوری☆

اموال تجارت پر زکوۃ کا وجوب:

فقہاء اموال تجارت کے لیے ''عروض تجارۃ'' کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں، جس سے مراد نقدیوں (سونا چاندی) کےعلاوہ ہر وہ مال ہے جو بغرض تجارت مہیا کیا جائے ،جس میں اس کی مختلف قسمیں آلات، سامان، کپڑے، اشیاء خورد و نوش زیورات، جواہرات، حیوانات، مکانات وغیرہ منقولہ وغیر منقولہ اشیاء شامل ہیں۔ بعض فقہاء نے عروض تجارت کی تعریف یوں کی ہے کہ عروض تجارت وہ چیزیں ہیں جو خرید و فروخت کے لیے نفع کے ارادہ سے مہیا کی گئی ہوں (فقہ الزکوۃ ۱/ص ۲۱۸ بحوالہ: مطالب اولی ۲/ ۹۶)۔

اموال تجارت پر زکوۃ کے وجوب کے سلسلہ میں اصحاب ظواہر کےعلاوہ سارے اہل علم کا اجماع و اتفاق ہے کہ مال تجارت، خواہ کسی جنس کا ہو، جب مقررہ نصاب کےبقدر ہو تو ان پر زکوۃ واجب ہے، یعنی عروض تجارت کےاموال زکوۃ کے زمرہ میں شامل ہونے پر اتفاق ہے، صرف ظاہریہ کا قول اس کے برخلاف ہے۔ ''بدائع الصنائع'' میں ہے:

''و أما أموال التجارة فتقدير النصاب فيها بقيمتها من الدنانير و الدراهم، فلا شيء فيها مالم تبلغ قيمتها مائتی درهم أو عشرين مثقالا من ذهب، فتجب فيها الزكاة، و هذا قول عامة العلماء، و قال أصحاب الظواهر:

☆ مدرسہ اسلامیہ عربیہ مظہر العلوم مسجد گھنٹوشاہ، بیکن گنج، کانپور، یوپی۔

لا زکاۃ فیها أصلاً" (بدائع الصنائع ص ۵ ۱۰، ط: مکتبۃ نعیمیہ، دیوبند)۔

(تجارت کے مالوں میں نصاب کی مقدار اس کی قیمت دراہم و دنانیر میں سے کسی ایک کے نصاب تک پہنچ جانے پر ہے، لہٰذا جب تک سامان تجارت کی قیمت دوسو درہم یا بیس مثقال سونے تک نہ پہنچے تو اس میں کچھ بھی واجب نہیں۔ سامان تجارت میں زکوٰۃ کا واجب ہو جمہور علماء کا قول ہے، اصحاب ظواہر کہتے ہیں کہ اس میں کوئی زکوٰۃ ہی نہیں ہوتی)۔

"فإن کانت للتجارۃ ففیها زکاۃ التجارۃ بالإتفاق" (الجوہرۃ النیرہ ص ۱۲۹)۔

(جو سامان تجارت کے لیے ہوگا تو اس میں تجارت کی زکوٰۃ بالاتفاق (جمہور کا اتفاق ہے) واجب ہے)۔

عروض تجارت میں زکوٰۃ کا وجوب جمہور فقہاء نے قرآن و حدیث و اجماع و قیاس سے ثابت کیا ہے، چنانچہ آیت قرآنی ﴿یایها الذین اٰمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم﴾ (پ: ۳، البقرۃ) سے استدلال کرتے ہوئے امام بخاری نے "کسب و تجارت کی زکوٰۃ" عنوان قائم کیا ہے۔ نیز علامہ جصاص نے ﴿ما کسبتم﴾ کا مصداق اموال تجارت میں سے خرچ کرنا مراد لیتے ہوئے آیت کے عموم سے جملہ اموال میں زکوٰۃ کو واجب قرار دیا ہے (احکام القرآن ۱/ ۵۴۳، فقہ الزکوٰۃ ص ۲۱۹)۔

امام رازی بھی یہی کہتے ہیں (فقہ الزکوٰۃ، بحوالہ: التفسیر الکبیر ۲/ ۶۵)۔

اموال تجارت میں زکوٰۃ کا وجوب احادیث سے بھی بصراحت ملتا ہے، ابوداؤد شریف میں ہے:

"عن سمرۃ بن جندب أنه قال: کان رسول الله ﷺ یأمرنا بإخراج الزکاۃ من الرقیق الذي کنا نعد للبیع" (أبوداؤد، باب: العروض إذا کانت للتجارۃ، رقم: ۱۵۶۲۔ و الدارقطني ۲/ ۱۲۸، باب زکاۃ مال التجارۃ)۔

(حضرت سمرہ بن جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں کو حکم دیتے

تھے کہ اس مال کی زکوٰۃ نکالیں جو ہم تجارت کے لیے رکھتے ہیں)۔

ابن عبدالبر نے اس کی سند کو حسن کہا ہے:

"و صرح ابن عبد البر بأن اسناده حسن" (بدائع الصنائع ص:۱۰۹)۔

"عن عمر قال: ما كان من دقيق أو بر يراد به التجارة ففيه الزكاة"

(کنز العمال بعلم الفقہ ۶۵/۴)۔

(حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ آٹا یا گیہوں جو کچھ بھی بغرض تجارت ہو اس میں زکوٰۃ فرض ہے)۔

غرض اموال تجارت پر زکوٰۃ کے وجوب پر ابن منذر اور ابو عبیدؒ نے اجماع بھی نقل کیا ہے، یعنی صحابہ اور تابعین میں سے کسی کا قول بھی اس کے خلاف نہیں ہے (المغنی ۳۰/۲، الاموال ص ۴۲۹، فقہ الزکوٰۃ ص ۲۲۱)۔

کاغذی نوٹوں پر زکوٰۃ کا وجوب:

دور قدیم میں کاغذی نوٹوں کا رواج نہ تھا، اس لیے سلف کی تحریرات میں اس کا حکم صراحۃً نہیں ملتا، بلکہ اس کے ایجاد ہونے پر متاخرین میں سے بعض نے کاغذی سکوں کو نقدی میں شمار کرنے سے انکار کر دیا، کیونکہ شرعی اعتبار سے نقدی کا اطلاق سونے اور چاندی پر ہوتا ہے، نہ کہ کاغذی سکوں پر، اس لیے یہ اموال زکوٰۃ سے ہی خارج ہونے چاہئیں، لیکن یہ قول بالاتفاق مردود ہے، بعض شوافع کی رائے یہ ہے کہ جب تک کاغذی نوٹوں کی قیمت سونے یا چاندی کی شکل میں نہ وصول کر لی جائے اور پھر اس پر سال گزر جائے اس وقت تک زکوٰۃ واجب نہیں (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، فقہ الزکوٰۃ ص ۱۹۶)۔

عام رجحان یہ ہے کہ نوٹ کی حیثیت قرض کے دستاویزات کی ہوتی ہے، جو نوٹ جاری کرنے والے بینک کے ذمہ واجب الاداء ہے اور ان کی پشت پر جو سونا یا چاندی ہے وہ اصل مال ہے، جو بینک کے معاہدہ میں ہے اور یہ اس کی سند ہے۔ لیکن اب نوعیت یہ ہے کہ قانوناً

بینک کے لیے یہ ضروری نہیں رہا کہ وہ نوٹ کو سونے یا چاندی سے بدل دے، اس لیے موجودہ دور کے فقہاء متفق ہیں کہ کاغذی روپے اور کرنسی کی حیثیت اب وہی ہوگئی ہے جو قدیم دور میں درہم و دنانیر اور طلائی سکوں کی تھی، اس لیے ان بھی زکوٰۃ واجب ہوگی، جیسا کہ ''فلوس'' میں بلا نیت تجارت بھی زکوٰۃ واجب ہوتی تھی (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/۴۸۶)۔

خلاصہ یہ کہ اب کاروباری معاملات کا مدار نوٹوں ہی پر ہے، سونا چاندی کا چلن یعنی ان کے سکے اب ناپید ہوگئے، آج نوٹوں کی قانون اور رواج نے سرمایہ کی حیثیت دی ہے، ان نوٹوں میں سونے اور چاندی کی قوت ہوتی ہے، وہ زرمبادلہ کا کام دیتی ہیں، اس لحاظ سے دیکھیں تو یہ کاغذی سکے اور نوٹ اموال نامیہ ہیں اور ان کی حیثیت وہی ہے جو سونے اور چاندی کی ہے۔ لہٰذا کاغذی نوٹوں پر جب کہ وہ مقررہ نصاب کے بقدر رہوں زکوٰۃ کا واجب ہونا بالکل بدیہی امر ہے۔

اموال تجارت یا کاغذی نوٹوں کا نصاب:

اموال زکوٰۃ کی مذکورہ چھ قسموں میں سے چار کا تو مستقل اپنا نصاب متعین ہے، مثلاً مویشی کے زکوٰۃ میں تفصیل ہے کہ اونٹ ہے تو ۵/اونٹ سے ۹/اونٹ تک ایک بکری، ۱۰/اونٹ سے ۱۴/اونٹ تک دو بکریاں اور ۱۵/سے ۱۹/تک تین بکریاں، اسی طرح آگے مخصوص تعداد پر مخصوص زکوٰۃ ہے۔ یہی حال گائے، بھینس وغیرہ کا ہے۔ جانوروں کے علاوہ سونے چاندی یا پیداوار اور زمینی خزانوں پر بھی زکوٰۃ کا اپنا اپنا نصاب ہے، لیکن مال تجارت اور نقد روپیوں کا معاملہ یہ ہے کہ خود اس کا اپنا نصاب خاص مقدار نہ ہوکر اس کے نصاب کا معیار یہ ہے کہ اس کی قیمت سونے یا چاندی کے نصاب کے بقدر ہوجائے، کیونکہ سامان تجارت یا نقد مال کی اصل اور اس کا مرجع یہی ثمن (سونا چاندی) ہے، اس لیے اموال کی بحث میں سونے چاندی کو معیار بنایا جاتا ہے۔ اب یہ بحث کہ سونے و چاندی میں سے کون اصل ہے اور دونوں میں مرور زمانہ سے تفاوت مختلف ہوجائے تو کیا حکم ہوگا؟ پیش نظر مقالہ میں سونے چاندی کے نصاب کے حوالہ سے

انہی دو باتوں کی تحقیق و تفصیل مقصود ہے۔

۱-موجودہ حالات میں اگر کسی شخص کے پاس نقد روپئے یا سامان تجارت ہو تو زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے پیمانہ سونے کا نصاب ہوگا یا چاندی کا نصاب؟

۲-کچھ چاندی اور کچھ سونا ہونے پر دونوں کی مجموعی قیمت سے چاندی کا نصاب پورا ہونے پر زکوٰۃ کے وجوب کی کیا نوعیت ہوگی؟

نقد یا عروضِ تجارت کا معیار نصاب

سونے و چاندی کی اہمیت:

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے سونے و چاندی کو وہ حیثیت بخشی ہے کہ ابتداء انسانیت ہی سے یہ دونوں چیزیں انسانی معاشرے میں زرنقد اور اشیاء کی قیمت کے طور پر استعمال ہو رہی ہیں، انسان جہاں بھی رہا ہے، اس نے سونے و چاندی کی دریافت کے بعد انہیں مالی معاملات اور کاروباری لین دین کے لیے معیار اور پیمانہ قرار دیا ہے، دنیا کی تمام چیزوں کی قدر و قیمت اسی کے تحت قائم کی جاتی ہے اور تبادلۂ اجناس میں بھی اس کو بنیادی حیثیت حاصل رہی ہے، اس لیے شریعت نے ان دونوں معدنی اشیاء کو فطری طور پر افزائش پذیر دولت، یعنی مال قرار دیا ہے اور دیگر مالوں کا مالیت کے لیے اس کو پیمانہ قرار دیا ہے، اس لیے فقہاء اسلام اس کو ''ثمن خلقی'' اور ''ثمن اصلی'' سے یاد کرتے ہیں۔

عہد نبوی میں چاندی کا چلن:

موجودہ عہد کے برخلاف عہد نبوت میں سونے کے بجائے چاندی کی نقدی بکثرت عربوں میں رائج تھی، اس لیے مشہور احادیث میں جن میں زکوٰۃ کی شرح اور نصاب بیان کیا گیا ہے ان میں چاندی کا حکم زیادہ صراحت کے ساتھ ملتا ہے، اسی لیے سونے کے نصاب کے بارے میں ایک سے زائد اقوال ہیں، اگرچہ جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ سونے کا اپنا نصاب متعین ہے اور وہ بیس مثقال ہے اور اس نصاب کا ثبوت بھی متعدد احادیث سے ہے، تفصیلات کے لیے

علامہ قرضاوی کی فقہ الزکوٰۃ (۱/۱۸۶-۱۸۸) ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

ثمن اصلی کا مصداق سونا یا چاندی:

فقہاء نے زکوٰۃ کے مسئلہ میں اس پر بھی بحث کی ہے کہ سونا اور چاندی میں اصل کون ہے؟ مولانا مجیب اللہ ندویؒ لکھتے ہیں:

''فقہاء نے سونا اور چاندی کے نصاب کے سلسلہ میں اس حیثیت سے بحث کی ہے کہ معیار نصاب چاندی ہے یا سونا یا دونوں الگ؟ جہاں تک چاندی کا تعلق ہے اس پر تمام ائمہ اور محدثین کا اتفاق ہے کہ جس کے پاس دوسو درہم چاندی ہو وہ صاحب نصاب ہے اور اسے ۵/ درہم زکوٰۃ نکالنی چاہئے، البتہ سونے کے نصاب کے سلسلہ میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے اس سلسلہ میں کوئی صحیح حدیث نہیں ملی (التلخیص الحبیر /ص ۸۲)۔

حافظ ابن عبداللہ کی بھی یہی رائے ہے، مگر دوسرے ائمہ نے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کی اس روایت کو صحیح تسلیم کیا ہے، جس میں سونے اور چاندی کا الگ الگ ذکر ہے، آپ نے فرمایا:

''ليس في أقل من عشرين مثقالا من الذهب، و لا في أقل من مائتى درهم صدقة'' (المغنی ۳/۶)۔

(بیس مثقال سونے سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے اور نہ دوسو درہم سے کم میں زکوٰۃ ہے۔)

بعض حضرات نے سونے کے ساتھ یہ قید لگائی ہے کہ اگر بیس مثقال سونا دوسو درہم کی قیمت کے برابر ہو تب اس پر زکوٰۃ واجب ہے، مگر امام ابوحنیفہؒ دونوں کے الگ نصاب کے قائل ہیں اور قیمت وغیرہ کا لحاظ نہیں کرتے، یہی رائے امام احمدؒ کی بھی ہے (اسلامی فقہ ۱/۴۲۵)۔

تغیر زمانہ کی بنا پر منصوص نصاب میں تبدیلی جائز نہیں

موجودہ دور میں کیا چاندی کے نصاب کو سونے کے نصاب کی طرف یا سونے کے

نصاب کو چاندی کے نصاب کی طرف قیمت کے اعتبار سے تبدیل کیا جاسکتا ہے؟

اس سلسلہ میں اہل علم ایک زبان ہیں کہ سونے چاندی کی قدر و قیمت میں مذکورا تار چڑھاؤ منصوص نصاب میں تبدیلی یا کمی وبیشی کا جواز فراہم نہیں کرتا ،فقہاء کہتے ہیں کہ سونے و چاندی میں کتنا ہی تفاوت پیدا ہوجائے جس کا جو نصاب حضور علیہ السلام نے متعین فرما دیا اس میں تبدیلی کرنے کا ہمیں حق نہیں ،جس طرح مویشیوں کی خاص خاص مقدار کا جو نصاب متعین ہے (قطع نظر اس کے کہ قیمت اس کی گھٹے یا بڑھے) اس میں تغیر اور مقدار میں کمی وبیشی کی گنجائش نہیں ،ایسے ہی ثمن (سونا و چاندی) کے منصوص نصاب میں تغیر وتبدل جائز نہیں ،وجہ یہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے زکوۃ کے وجوب کے سلسلہ میں خود سونا و چاندی کو معیار قرار دیا ہے ،نہ کہ اس کی قیمت کو ،سیدنا علیؓ سے مروی ہے:

”عن النبي ﷺ أنه قال: هاتوا ربع العشور من كل أربعين درهما، و ليس عليكم شيء حتى تتم مائتي درهم، فإذا كانت مائتي درهم، ففيها خمسة دراهم، فما زاد فعلي حساب ذلک“ (سنن أبي داؤد/ ۲۲۰،باب في زکاۃ السائمۃ)۔

(نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر چالیس درہم میں ربع العشور (یعنی ڈھائی فیصد) نکالو، اور جب تک دوسو درہم نہ ہوجائے اس وقت تک تم پر کچھ بھی واجب نہیں ،پھر جب دوسو درہم ہوں تو اس میں پانچ درہم واجب ہوں گے ،پھر اس میں جس قدر اضافہ ہوگا اس میں حساب کے مطابق (زکوۃ واجب ہوتی رہے گی))۔

”عن أبي سعيد الخدري أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال: ليس فيما دون خمسة أوسق من التمر صدقة، و ليس فيما دون خمس أوراق من الورق صدقة، و ليس فيما دون خمس ذود من الإبل صدقة“ (موطا امام مالک،علم الفقہ/ ص ۵۷،عبدالشکور لکھنوی)۔

(حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ پانچ وسق سے کم

مقدار کھجور میں زکوٰۃ فرض نہیں اور نہ پانچ اوقیہ سے کم چاندی میں زکوٰۃ فرض ہے، اور نہ پانچ عدد سے کم اونٹ میں زکوٰۃ فرض ہے)۔

مذکورہ احادیث میں سونا و چاندی کی ذات اور اس کی خاص مقدار کو وجوب زکوٰۃ کا معیار قرار دیا گیا ہے، نہ کہ ان کی قیمت کو؛ اس لیے کہ قیمت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ سونے کا نصاب جو ساڑھے سات تولہ ۷۹ ٫۴ ۸۷ گرام) ہے، یہ ہر زمانہ میں معیار رہے گا، (محض سونا ہو) تو اس سے کم پر زکوٰۃ نہیں اور یہ قیاس کرنا صحیح نہ ہوگا کہ پندرہ ہزار روپے میں ایک تولہ سونا آتا ہے، گذشتہ زمانہ میں اتنی ہی قیمت میں ساڑھے سات تولہ سونا مل جاتا تھا تو آج بھی اسی قیمت کا اعتبار کرتے ہوئے پندرہ ہزار روپے یا ایک تولہ سونے پر زکوٰۃ فرض ہونا چاہئے، یہی معاملہ چاندی کا ہے کہ شریعت نے چاندی کا جو نصاب ساڑھے باون تولے چاندی مقرر کیا ہے، ہر زمانہ میں اس کا یہی وزن معیار رہے گا، قیمت کے اتار و چڑھاؤ سے اس کے نصاب میں کمی وبیشی جائز نہیں، مولانا یوسف لدھیانوی لکھتے ہیں:

"کس مال میں کتنی مقدار واجب الادا ہے؟ کس مال میں کتنے نصاب پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؟ یہ بات محض عقل و قیاس سے معلوم نہیں ہوسکتی، بلکہ اس کے لیے ہمیں آنحضرت ﷺ کے ارشادات کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے، پس آنحضرت ﷺ نے جس مال کا جو نصاب مقرر فرمایا ہے، اس کو قائم رکھنا ضروری ہے، اور اس میں رد و بدل کی گنجائش نہیں، ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ نماز کی رکعت میں رد و بدل کی گنجائش نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے چاندی کا نصاب دو سو درہم یعنی ساڑھے باون تولے تقریباً چھ سو بارہ گرام پینتیس ملی گرام (۶۱۲.۳۵ گرام) اور سونے کا نصاب ۲۰ مثقال یعنی ساڑھے سات تولے تقریباً چار سو اناسی گرام ستاسی ملی گرام (۴۷۹.۸۷ گرام) مقرر فرمایا، اب خواہ سونے و چاندی کی قیمتوں کے درمیان وہ تناسب جو آپ ﷺ کے زمانہ میں تھا قائم رہے یا نہ رہے، سونے و چاندی کے ان نصابوں میں تبدیلی کرنے کا ہمیں حق نہیں" (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳/۳۵۶)۔

علامہ یوسف القرضاوی لکھتے ہیں:

''فقہاء میں سب سے زیادہ قیاس کا استعمال فقہاء احناف کے یہاں ہے، مگر وہ کہتے ہیں کہ مقداروں کے بارے میں قیاس مؤثر نہیں ہے، کیوں کہ تقدیر (کسی چیز کی مقدار کا بیان) اور تحدید (کسی شئے کی حدود مقرر کرنا) صرف شارع کا حق ہے، جو آپ ﷺ نے مقرر کردی ہے، جب مقداروں کی تعیین میں قیاس مؤثر نہیں ہے تو نص اور اجماع سے ثابت شدہ مقدار میں قیاس سے کیوں کر تبدیل ہوسکتی ہے؟ (مسائل زکوۃ ص ۱۹۹ بحوالہ: فقہ الزکوۃ ۱ر ۳۳۰)۔

خلاصہ یہ کہ حالات حاضرہ اور تغیر زمانہ منصوص مسائل میں تغیر کا سبب نہیں ہوسکتے، حتی کہ شارع علیہ السلام نے جن اجناس کو مکیلی یا موزونی قرار دیا ہے، اس میں فقہاء کی صراحت کے مطابق عرف بدل جانے کے باوجود اس کی کیلی یا وزنی حیثیت قدیمہ میں فرق نہیں پڑتا، بلکہ بدستور حکم کے اعتبار سے شارع کی تعیین کا اعتبار کیا جاتا رہے گا (قدوری، کتاب الصرف)۔

لہٰذا سونے و چاندی کے مقدار نصاب کے مسئلہ میں شارع کے فیصلہ میں کسی قسم کے اجتہاد کی اجازت نہیں ہوسکتی۔

نقد و عروض تجارت کا نصاب منصوص ہے یا مجتہد فیہ:

اس بات میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ روپیوں اور عروض تجارت کا مقررہ نصاب کیا رہے گا؟ اس سلسلہ میں ایک سے زائد آراء اور ائمہ اربعہ کے مابین اختلاف سے بات ثابت ہوجاتی ہے کہ سامانِ تجارت کا نصاب چاندی کے مطابق بنانا کوئی منصوص مسئلہ نہیں، بلکہ مجتہد فیہ ہے۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

''مال تجارت میں بھی زکوۃ واجب ہونے کی وہی شرطیں ہیں جو دوسرے اموال زکوۃ میں ہیں، البتہ حدیث میں اس کے نصاب کی صراحت نہیں ملتی، اسی لیے فقہاء نے اس میں قیاس واجتہاد سے کام لیا ہے، اور سونے و چاندی کے نصاب اور اس میں زکوۃ کی مقدار کو مال تجارت کے لیے بھی معیار بنایا ہے، اس لیے کہ سونا چاندی ہی سرمایہ کی اصل ہیں اور یہی اصل میں مال

کے لیے تبادلہ کا ذریعہ ہیں (تاتارخانیہ ۲/ ۳۷)، پس مال تجارت چاندی یا سونے کے نصاب کی قوت خرید کو پہنچ جائے تو ڈھائی فیصد کے لحاظ سے زکوۃ ادا کی جائے گی (بدائع الصنائع ۲/ ۲۱)، اگر چاندی اور سونے کی قیمت میں اتنا تفاوت ہوجائے کہ سامانِ تجارت ایک قیمت کے لحاظ سے نصاب کو پہنچ جاتا ہے اور دوسرے کے لحاظ سے نہیں تو فقراء کی رعایت کرتے ہوئے اسے مکمل نصاب مانا جائے گا اور زکوۃ واجب قرار دی جائے گی، یہ اکثر فقہاء کی رائے ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک یہ سامان ان دونوں میں سے جس کے ذریعہ خرید کیے گئے ہوں انہیں کے ذریعہ نصاب بھی متعین کیا جائے گا (المغنی ۲/ ۳۱۷، ۳۲۷، العلماء ۳/ ۱۰۳، ہدایہ مع الفتح ۲/ ۱۶۷) پہلی رائے کے مطابق فی زمانہ چاندی معیار ہوگا اور یہی صحیح ہے، دوسری رائے پر سونا معیار ہوگا، پھر سکوں کے لیے آج سونا ہی معیار ہے اور چاندی کو قوتِ زر سے کوئی تعلق نہیں رہا ہے (اسلام کا نظام عشر وزکوۃ ص ۶۲، ط: مکتبہ نعیمیہ، دیوبند)۔

چاندی کو معیار بنانے کے دلائل:

۱- چاندی کا نصاب مشہور احادیث سے ثابت ہے اور سونے کی بہ نسبت چاندی کے نصاب کی صراحت احادیث میں زیادہ ملتی ہے، نیز چاندی کے نصاب میں کوئی اختلاف بھی نہیں واقع ہوا ہے، جبکہ سونے کے نصاب کا اندازہ بعض فقہاء نے چاندی کو ہی معیار قرار دے کر لگایا ہے، اس لیے چاندی کے نصاب کو ترجیح ہونی چاہئے کہ یہ بے غبار ہے۔

۲- چاندی کا نصاب غریبوں کے مفاد میں ہے، کیونکہ چاندی کے نصاب کا اعتبار کرنے کی صورت میں مسلمانوں کی بڑی تعداد پر زکوۃ واجب ہوگی اور غریبوں کا بھلا ہوگا، یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ سونے اور چاندی میں سے اس چیز کے ذریعہ اشیاء کی قیمت لگانے کو کہتے ہیں جن میں فقراء کے لیے نفع ہو، علامہ سرخسیؒ کہتے ہیں:

”لا بد في اعتبار منفعة الفقراء عند التقوم لأداء الزكاة، فيقومها بأنفع النقدين“ (المبسوط ۲/ ۱۹۱، جدید مسائل ص: ۴۳)۔

(یہ ضروری ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی میں سامانوں کی قیمت مقرر کرنے میں فقراء کے نفع کا پہلو ملحوظ رکھا جائے اور نقدین کی جس قیمت میں زیادہ نفع ہو سکے وہ لگائی جائے)۔

۳-زکوۃ کی ادائیگی میں احتیاط کا بھی یہی تقاضا ہے کہ اقل مقدار کے باوجود وجوب کے قول کو اختیار کیا جائے، تا کہ ترک زکوۃ کا خطرہ نہ رہے۔مولانا یوسف لدھیانوی لکھتے ہیں:

''اس کی دو وجہیں ہیں: ایک یہ کہ زکوۃ فقراء کے نفع کے لیے ہے اور اس میں فقراء کا نفع زیادہ ہے، دوسرے یہ کہ اس میں احتیاط بھی زیادہ ہے کہ جب کہ نقدی (cash) چاندی کے نصاب کے ساتھ پورا ہو جاتا ہے اور دوسرے سونے کے ساتھ نصاب پورا نہیں ہوتا تو احتیاط کا تقاضا یہ ہوگا کہ جس نصاب کے ساتھ (سونے یا چاندی کے) وہ پورا ہو جاتا ہے اسی کا اعتبار کیا جائے'' (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳/۳۵۶)۔

سونے کو معیار بنائے جانے کے دلائل:

۱- سونے کے نصاب کو معیار بنانے کے قائلین کہتے ہیں کہ دور نبوی کے بعد چاندی کی قیمت میں کافی تبدیلی ہوئی ہے اور چونکہ کاغذی نوٹ اور اموال تجارت کا نصاب چاندی کے ساتھ مربوط ہونا کوئی منصوص نہیں، بلکہ دور قدیم کے رواج کے مطابق چاندی کے ثمن ہونے کی بنا پر ہے اور اب چاندی کی حیثیت مفقود ہو جانے کے سبب جدید عرف کے مطابق سونے کو اصل ثمن کا درجہ حاصل ہو گیا ہے، اس لیے اب سونے کا نصاب ہی معیار بنائے جانے کے قائل ہے۔ استاذ ابو زہرہ، خلاف اور حسن وغیرہ کی یہی رائے ہے، علامہ قرضاوی کے نزدیک یہ قول مبنی بر اعتدال اور بلحاظ حجت قوی ہے (فقہ الزکوۃ ص: ۱۹۳، اردو، ملخصاً)۔

۲- شریعت نے دیگر اموال، مویشی وغیرہ کا جو نصاب مقرر کیا ہے اس کے ساتھ موجودہ زمانہ میں سونے و چاندی کے نصاب کا موازنہ کیا جائے تو سونے کا نصاب ہی باقی اموال زکوۃ کے نصاب سے قریب تر دکھائی دیتا ہے، بلکہ خیر القرون میں چاندی کا نصاب بھی بلحاظ قیمت سونے کے نصاب کی طرح دیگر نصابوں سے قریب قریب تھا، لہٰذا جو نصاب تقابل کرنے

میں مماثل ہو وہی معیار ہونا چاہئے اور وہ آج سونے کا ہی نصاب اس کا مصداق رہ گیا ہے۔

۳- شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ چاندی کا نصاب پانچ اوقیہ اس لیے مقرر کیا گیا کہ یہ مقدار ایک گھر کی سال بھر کی تو کیا ایک مہینہ (بلکہ بعض دفعہ ایک ہفتہ) ہی کی ضروریات کے لیے کافی ہو، پھر جس شخص کی ملکیت میں رقم کی اتنی کم مقدار ہوگی، شارع کی نظر میں وہ غنی کس طرح قرار پائے گا، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ زمانہ میں سونے کے نصاب پر انحصار کیا جائے (فقہ الزکوۃ رص:۱۹۴، اردو)۔

۴- حنفی مسلک کے فقہاء کے نزدیک نصاب کا حاجاتِ اصلیہ (مثلاً نفقہ، رہائشی مکان، سواری، پہننے کے کپڑے، سردی گرمی کے لباس، علمی کتابیں، آلاتِ حرفت وغیرہ) سے زائد ہونا بھی شرط ہے، ''بدائع'' میں ہے:

''و منها: کون المال فاضلا عن الحاجة الأصلية؛ لأن به يتحقق الغناء، ومعنى النعمة، و هو التنعم، و به يحصل الأداء عن طيب النفس، إذ المال المحتاج إليه حاجة أصلية لا يكون صاحبه غنيا عنه، و لا يكون نعمة؛ إذ التنعم لا يحصل بالقدر المحتاج إليه حاجة أصلية؛ لأنه من ضرورات حاجة البقاء و قوام البدن، فكان شكره شكر نعمة البدن، و لا يحصل الأداء عن طيب نفس، فلا يقع الأداء بالجهة المأمور بها؛ لقوله صلى الله عليه و سلم: ﴿و أدوا زكاة أموالكم طيبة بها أنفسكم﴾'' (بدائع الصنائع ۲ر۹۱)۔

(وجوب زکوٰۃ کے شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ مال حاجت اصلیہ سے زائد ہو، تب ہی تو غنا اور نعمت مال کا تحقق ہوگا اور پھر خوش دلی سے ادائیگی بھی کریگا؛ اس لیے کہ بنیادی ضرورتوں کے لیے جو مال مہیا ہوگا، اس کے ہوتے ہوئے وہ مالدار نہیں ہوگا اور نہ ایسے بنیادی ضرورتوں کے لیے موجود مال سے خوشحال اور مال کی نعمت والا کوئی ہوتا ہے؛ اس لیے کہ اتنا مال تو اس کی بقا و جسمانی ضروریات کے لیے ضروری ہے، لہٰذا یہ نعمت بدن سے متعلق شکر گزاری کا حصہ ہے، ایسے

قلیل مال والے سے خوش دلی سے زکوٰۃ نہیں حاصل ہوسکتی، جبکہ فرمان نبوی ﷺ کے مطابق مالوں کی زکوٰۃ اندرونی مرض اور طیب نفس کے ساتھ ادا کرنے کا حکم ہے)۔

لہٰذا جو شخص چاندی کے بقدر نقد رقم کا مالک ہو، لیکن وہ اس بات کا ضرورت مند ہو کہ وہ اپنے لیے یا اہل وعیال کے اخراجات کے لیے کھانے پینے کی چیزیں یا سردی گرمی کے کپڑے میں صرف کرے تو ایسی صورت میں اس کے پاس جو نقدی موجود ہوگی اس کی بنا پر وہ غنی نہیں سمجھا جائے گا اور نہ اس پر زکوٰۃ واجب ہونی چاہیے۔

ظاہر ہے کہ ایسے شخص پر زکوٰۃ کس طرح واجب ہوسکتی ہے، جبکہ وہ اپنی بنیادی ضرورتوں کے لیے محتاج ہے۔ فقہاء نے مثال سے اس بات کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر انسان کے پاس کچھ درہم ہوں اور وہ انہیں اس قسم کی مذکورہ حاجتوں پر صرف کرنا چاہتا ہو تو وہ دراہم معدوم کے حکم میں ہوں گے، یعنی زکوٰۃ کے مال میں شمار نہ ہوں گے، جیسا کہ وہ پانی جو پیاس بجھانے کے لیے ہو معدوم کے حکم میں ہے اور اس کی موجودگی میں تیمم جائز ہے (بحوالہ حاشیہ ابن عابدین ۶/۲، البحر الرائق ۲/ ۲۲۲، فقہ الزکوٰۃ ص: ۱۳۵، اردو)۔

فریقین کے دلائل کا تجزیہ اور سونے کے نصاب کی ترجیح:

موجودہ معاشی نظام اور سکوں و روپیوں کی مقدار و قیمت میں سونے کے اصل ہونے سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی اور سونا ہی موجودہ دور میں کرنسی کی اصل بنیاد ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جس شئے کا ربط کرنسی سے ہوگا، اس کی قیمت اور اہمیت نسبتاً کم ہوگی، رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں سونا اور چاندی دونوں ذریعہ تبادلہ تھے اور دونوں دس درہم کے برابر تھا، جیسا کہ ''ہدایہ'' میں ہے:

''**و کل دینار عشرة دراهم في الشرع، فیکون أربعة مثاقیل في هذا کأربعین درهم**'' (ہدایہ ۱/ ۱۷۵ فصل فی الذہب)۔

(شریعت میں ایک دینار دس درہم کے مساوی ہوتا ہے، لہٰذا چار مثقال (دینار)

چالیس درہم کے مانند ہوئے)۔

اور اب ساڑھے سات تولہ سونا اور ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت میں غیر معمولی فرق پیدا ہو گیا ہے اور سونے کے ایک نصاب میں چاندی کے کئی نصاب کا خرید کیا جانا ممکن ہے، ایسی صورت میں یہ بات غور کرنے کی ہے کہ شریعت نے جو معدنیات میں ان ہی دونوں کو معیار زکوۃ بنایا ہے وہ ثمن ہونے کی وجہ سے ہے یا کسی اور وجہ سے بظاہر ثمن ہی بنیاد ہے؛ کیونکہ شریعت کی نظر میں سونا اور چاندی دونوں ہی ثمن ہیں، اگر ثمنیت کا پہلو ملحوظ نہ ہوتا اور محض معدنیات ہونا سبب ہوتا تو لوہا، تانبہ وغیرہ چاندی سے زیادہ اس بات کے مستحق تھے کہ ان کو زکوۃ میں شامل کیا جاتا، لیکن اب جبکہ ثمنیت سونے میں منحصر ہو گئی اور چاندی فی نفسہ ثمن ہونے کے باوجود دوسری چیزوں کے لیے معیار نہیں رہی تو اس طرف کی تبدیلی کا سبب کم از کم یہ ضرور ہونا چاہئے کہ سونے کو چاندی پر ترجیح دی جائے۔

اور جہاں تک معاملہ فقراء کے نفع کو ملحوظ رکھنے کا ہے کہ چاندی کا نصاب معیار قرار دینے میں غریبوں کا فائدہ ہے کہ زکوۃ دینے والے زیادہ ہوں گے، لیکن موجودہ حالات میں تو اس کا برعکس ہو رہا ہے کہ چاندی کے نصاب کے بقدر مالیت کا مالک (قدروں کے بدل جانے اور ضروریات کا دائرہ وسیع ہو جانے اور چاندی کے بے حیثیت اور بے قیمت ہو جانے کے سبب) صاحب نصاب شخص ہی قابل رحم ہو گیا ہے، اور وہ چاندی کے نصاب کے بقدر مال رکھتے ہوئے اپنی ضرورتوں کے لیے محتاج نظر آ رہا ہے، اس لیے چاندی کا نصاب معیار قرار دینے میں جہاں غریبوں کا فائدہ ہے وہاں ارباب مال کے ساتھ ناانصافی بھی ہے اور زکوۃ کے معاملہ میں ارباب اموال صرف بڑے سرمایہ دار اور خوشحال لوگ ہی نہیں، بلکہ امت کا عام طبقہ بھی شامل ہے جو چاندی کے نصاب کی وجہ سے ضیق میں پڑ رہا ہے، اس لیے عوام کی رعایت کا بھی تقاضہ یہ ہوا کہ سونے کے نصب کو ترجیح دی جائے۔

اب رہ گئی بات صرف احتیاط کی کہ چاندی سے نصاب طے کرنے میں احتیاط ہے،

ترکِ زکوٰۃ کی وعید سے امان ہے اور اطمینان کا سبب ہے تو بلاشبہ احتیاط اسی میں ہے کہ جو شخص اموال تجارت اور نقد رقم کا چاندی کے نصاب کے بقدر بھی مالک ہو وہ زکوٰۃ ادا کرے، لیکن احتیاط کے پہلو کو واجب اور لازمی قول بنانا بھی تنگی کا سبب ہے، اس لیے اس کو احتیاط کے درجہ میں رکھنا چاہئے، واجب کہنا صحیح نہ ہوگا۔

چاندی کے نصاب کے بقدر مال کے مالک کے لئے زکوٰۃ لینا:

اوپر کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ روپیوں اور سامان تجارت پر زکوٰۃ کا وجوب جب ہوگا، جب کہ وہ رقم اور مال سونے کے نصاب کے بقدر ہو، چاندی کے نصاب کے بقدر مال کے مالک ہونے سے زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ لیکن چاندی کے نصاب کو معیار کو نظر انداز کردینے کے بعد ایسے شخص پر جو سونے کے بقدر نصاب کا مالک نہ ہو اور چاندی کے نصاب کے بقدر مال کا مالک ہو اس پر صدقۂ فطر، قربانی وغیرہ کے وجوب کا حکم کیا ہوگا؟ اگر صدقۂ فطر وغیرہ واجب قرار دیا جاتا ہے تو اس کو زکوٰۃ لینا بھی جائز نہ رہے گا؛ کیوں کہ اصول یہ ہے کہ جس پر صدقۂ فطر اور قربانی وغیرہ واجب ہے اس کو زکوٰۃ لینا ناجائز و حرام ہے۔

بہر حال یہ مسئلہ اہم ہے، ناچیز کا خیال ہے کہ ایسے شخص کو زکوٰۃ لینے میں بہر حال احتیاط لازم ہے، تاہم بنیادی ضرورتوں کے لیے وہ زکوٰۃ قبول کرلے تو گنجائش ہوگی۔

سونے و چاندی میں انضمام کا مسئلہ:

سونے و چاندی کا شریعت میں علاحدہ علاحدہ نصاب مقرر ہے، سونے کا ۲۰/ دینار (۸۷ء۷۹۴۸/ گرام) اور چاندی کا نصاب دوسو درہم (۶۱۲ء۳۵/ گرام) ہے، اگر کسی کے پاس صرف سونا یا صرف چاندی ہو تو جب تک مذکورہ مقدار پوری نہ ہوجائے زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، یعنی قیمت کو معیار بنا کر زکوٰۃ واجب نہیں کی جائے گی، حدیث میں ہے:

”لیس في أقل من عشرين مثقالا من الذهب، و لا في أقل من مائتي درهم صدقة“ (بحوالہ المغنی ۳/ ۶، اسلامی فقہ ۱/ ۴۲۵)۔

(سونے میں بیس مثقال سے کم میں اور چاندی میں دو درہم سے کم میں کوئی زکوٰۃ نہیں)۔

لیکن اگر کسی کے پاس تھوڑی سی مقدار چاندی کی ہو اور سونے کے نصاب کی بھی کچھ مقدار ہو تو ایسی صورت میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ کیا دونوں کو ملا کر زکوٰۃ واجب کی جائے گی یا نہیں؟ احناف اور مالکیہ کا مسلک یہ ہے کہ دونوں کو ملا کر نصاب پورا ہو جائے، خواہ چاندی کا نصاب پورا ہو یا سونے کا، بہر حال زکوٰۃ واجب ہو جائے گی، جب کہ شوافع اور ایک روایت کے مطابق حنابلہ کے نزدیک دونوں ناقص نصابوں کا ملایا نہیں جائے گا اور زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ فتح القدیر میں ہے:

”و النقدان يضم أحدهما إلى الاٰخر في تكميل النصاب عندنا خلافا للشافعي رحمه الله“ (فتح القدیر ۲/ ۱۶۹)۔

(نصاب کی تکمیل کے لیے دونوں نقدی ثمن (سونا و چاندی) کو ملایا جائے گا ہمارے نزدیک، اور امام شافعیؒ اس کے خلاف ہیں)۔

پھر جو لوگ ضم نصاب کے قائل ہیں، یعنی احناف ان میں بھی اختلاف ہے کہ اس کی صورت کیا ہوگی؟ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سونے و چاندی کے ناقص نصابوں کو باعتبار قیمت کے ملایا جائے گا، مثلاً اگر سونا نصاب کی نصف مقدار ہے اور چاندی اپنے نصاب کے نصف مقدار بھی نہیں ہے تو سونے کی قیمت سے اگر چاندی کا بقیہ نصاب حاصل ہو سکتا ہے تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ صاحبینؒ کے نزدیک دونوں کے ناقص نصاب کو بہ اعتبار اجزاء کے ملایا جائے گا، لہٰذا مذکورہ صورت میں سونا نصف مقدار ہے اور چاندی کا نصاب نصف مقدار بھی نہیں ہے تو دونوں نصف نصف اجزاء نہ ہوئے، لہٰذا زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، اگرچہ قیمت کے اعتبار سے چاندی کے نصاب سے بھی زیادہ رقم بن جاتی ہے، لیکن یہ طریقہ صاحبینؒ کے نزدیک معتبر نہیں، امام ابوحنیفہؒ سے بھی ایک روایت صاحبینؒ کے مطابق ہے۔ عنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

"ثم اختلف علماؤنا في ذلک، فعند أبي حنيفة يضم بالقيمة، و عندهما بالأجزاء، و هو رواية عنه" (حاشی علی فتح القدیر ۲/ ۱۶۹، وکذا فی بدائع الصنائع ۲/ ۱۰۶، و عالمگیریہ ۱/ ۹۲)۔

(ضم نصاب کی نوعیت میں ہمارے علماء کا اختلاف ہے، امام ابو حنیفہ ضم بالقیمۃ کے قائل ہیں اور امام صاحبینؒ کے نزدیک انضمام اجزاء کے اعتبار سے کیا جائے گا، اور امام ابو حنیفہؒ سے بھی ایک روایت یہی ہے)

عدم انضمام کے دلائل:

امام شافعیؒ کے مؤیدین کی طرف سے سونے و چاندی کے دو ناقص نصابوں کے ضم نہ کیے جانے پر مندرجہ ذیل طریقے سے استدلال کیا جاتا ہے:

۱- احادیث میں انضمام کا حکم موجود نہیں ہے، لہٰذا دونوں کا جو مستقل نصاب احادیث میں مذکور ہے اسی پر عمل کیا جائے گا، حتی کہ چاندی ایک سو نوے (190) درہم ہو جائے تو بھی (اس کو دوسرے نصاب میں ضم کرنے کی حاجت نہیں اور) اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ خلاصہ یہ کہ نصوص کے اشارہ سے دونوں کی مستقل حیثیت معلوم ہوتی ہے، لہٰذا وہ باہم ضم نہیں کئے جائیں گے۔

۲- سونے اور چاندی کا جب کہ علاحدہ علاحدہ مستقل نصاب ہے تو جس طرح دیگر نصابوں کو ضم نہیں کیا جاتا، مثلاً گائے اور بکری کے نصاب ناقص ہوں تو دونوں کو ملا کر ایک نصاب پورا کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی، حالاں کہ دونوں ہی جانور ہیں اور دونوں کا مقصد تخلیق بھی یکساں ہی ہے کہ دودھ اور غذا حاصل ہوتی ہے، اس یکسانیت کے باوجود دو جانوروں کا نصاب ملا کر مکمل نہیں کیا جاتا تو سونا و چاندی (خواہ دونوں میں ثمنیت کا پہلو کیوں نہ مشترک ہو) ضم نصاب کی وجہ جواز نہیں نظر آتی۔ علامہ کاسانیؒ اسی بات کو یوں فرماتے ہیں:

"وجه قوله أنهما جنسان مختلفان، فلا يضم أحدهما للآخر في

تكميل النصاب كالسوائم عند اختلاف الجنس، و إنما قلنا: عينان مختلفان لإختلافهما صورة و معنى، أما الصورة فظاهر، و أما المعنى فلأنه يجوز بيع أحدهما بالآخر تفاضلا، و صار كالإبل مع الغنم الخ" (بدائع الصنائع ۲/ ۱۰۶، دیوبند)۔

(امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ سونا و چاندی دو مختلف جنس ہیں، لہٰذا جس طرح مختلف جنس کے مواشی تکمیل نصاب میں ایک نہیں کئے جاتے، اسی طرح یہ دونوں جنس ایک دوسرے میں ضم کرکے ایک نصاب نہیں بنائے جائیں گے)۔

''کفایہ شرح ہدایہ'' میں ہے:

"قال الشافعي رحمه الله: لا يضم؛ لأنهما جنسان مختلفان صورةً و معنىً، كالإبل و الغنم، و اتحاد معنى الثمنية لايوجب اتحاد الجنس، كالركوب في حق الدواب" (فتح القدیر ۲/ ۱۶۹، کوئٹہ)۔

(امام شافعیؒ دونوں نقدی (سونا و چاندی) کو صورت و معنی میں مختلف جنس ہونے کی بنا پر ایک دوسرے میں ضم نہیں کرے، جیسے اونٹ اور بکری ضم نہیں کئے جاتے، اور رہا دونوں کا ثمنیت میں متحد ہونا تو یہ جنس کے اتحاد کا سبب نہیں، جیسے چوپائے جو سواری کے اعتبار سے یکساں ہوں (پھر بھی وہ مختلف الجنس ہی رہتے ہیں)۔

۳- علامہ ابن رشد مالکی کے بقول ضم نصاب غیر معقول بات ہے؛ کیونکہ اس میں دو ایسی چیزوں کو ملا کر نصاب بنانا لازم آتا ہے جن کا نصاب وزن کے اعتبار سے مختلف ہے اور دونوں نصاب کو ایک کرنا دراصل ایک نئی بدعت کے زمرہ میں آتا ہے؛ چنانچہ ضم نصاب پر تبصرہ کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

"و سبب هذا الارتكاب مارامه، من أن يجعلوا من شيئين نصابهما مختلف في الوزن نصابا واحدا، و هذا كله لا معنى له، و لعل من رام ضم أحدهما إلى الآخر ، فقد أحدث حكما في الشرع حيث لا حكم؛ لأنه قد قال

بنصاب: ليس هو بنصاب ذهب و لا فضة" (بدایۃ المجتہد ۱/۱۵۸، جدید فقہی مسائل ۲/۱۶۸)۔

(فقہاء احناف کی اس کارروائی کا سبب وہ ہے جس کا انہوں نے قصد کیا کہ وہ دو ایسی چیزوں کو جن کا نصاب وزن کے لحاظ سے مختلف ہے اس کو ایک نصاب بنا دیا ہے اور یہ سب بے معنی بات ہے، جن لوگوں نے سونا و چاندی میں سے ایک کو دوسرے کے ساتھ ضم کر دیا ہے انہوں نے دراصل شریعت میں ایک نیا حکم گھڑ لیا ہے؛ اس لیے کہ وہ ایک ایسے نصاب کے قائل ہیں جو نہ سونے کا نصاب ہے اور نہ چاندی کا)۔

قائلین ضم نصاب کے دلائل:

جو لوگ نصاب ملا کر پورا کرنے کے قائل ہیں ان کی دلیل حدیث، قیاس اور احتیاط ہے، جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

۱- "بدائع الصنائع" میں ضم نصاب سے متعلق صحابہ کا معمول نقل کیا ہے کہ وہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں سونا چاندی کو باہم ضم کر کے زکوٰۃ نکالا کرتے تھے:

"**روي عن بكير بن عبد الله بن الأشجع أنه قال: مضت السنة من أصحاب رسول الله ﷺ بضم الذهب إلى الفضة، و الفضة إلى الذهب في إخراج الزكاة**" (بدائع الصنائع ۲/۱۰۶، ط: کوئٹہ)۔

(بکیر بن عبداللہ بن اشجع سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ کی سنت یہ چلی آرہی ہے کہ زکوٰۃ میں سونے کو چاندی اور چاندی کو سونے کے ساتھ ضم کر کے زکوٰۃ نکالا کریں)۔

محشی "بدائع" نے اس روایت کی تخریج کرتے ہوئے جو حوالے دیئے ہیں، وہ یہ ہیں:

(الأصل لمحمد بن حسن ۲/۸۴، الأم ۲/۴۰، مختصر المزنی ۴۹، اختلاف أبي حنيفة و ابن أبي ليلى ۱۲۸)۔

باقی یہ روایت کس پایہ کی ہے، یہ قابل تحقیق امر ہے، لیکن اس سے اتنی بات واضح ہوگئی کہ یہ خیال کہ ضم نصاب کا کوئی حدیثی مستدل نہیں ہے، غلط ہے۔

۲-تجارت کے مختلف سامانوں کو جوڑ کر ایک نصاب کئے جانے پر اتفاق ہے، سوال یہ ہے کہ تجارت کی مختلف اشیاء کو متحد کئے جانے کی علت کیا ہے، جب کہ وہ اشیاء صورتاً مختلف ہیں، اس کی وجہ فقہاء ان سامانوں کا ثمنیت میں متحد ہونا لکھتے ہیں، لہٰذا اسی ثمنیت کے اتحاد کی وجہ سے (جو کہ سامانِ تجارت کی اصل و بنیاد کا درجہ بھی رکھتی ہے) ان دونوں کو جمع کرنا اور ان کو نصاب میں جوڑنا قرین قیاس ہے، چونکہ یہ علت مواشی میں نہیں پائی جاتی، وہاں زکوٰۃ کی علت ثمنیت نہیں، بلکہ عینیت ہے اور وہ اعیان مختلفہ ہیں، لہٰذا ان کو متحد کرنا درست نہیں۔ ''کفایہ'' میں ہے:

''نحن نقول بأن الاتحاد بينهما ثابت في الوصف الذي صار العين به سببا لوجوب الزكاة و هو الثمنية فلا يعتبر الاختلاف في الصورة كعروض التجارة بخلاف الإبل و الغنم؛ لأن الزكاة فيها باعتبار العين و الأعيان مختلفة حقيقة'' (حاشیہ فتح القدیر ۲/۱۶۹)۔

(ہم کہتے ہیں کہ سونا و چاندی ثمنیت کے وصف میں متحد ہیں اور یہ وصف اس شان کا ہے کہ اس کی وجہ سے عین میں بھی وجوب زکوٰۃ کا سبب پیدا ہو جاتا ہے، یعنی ثمنیت کا لحاظ۔ لہٰذا ظاہری صورت میں دونوں کا مختلف ہونا لایعبأ بہ کے درجہ میں ہے، جیسا کہ مختلف سامانِ تجارت متحد ہو جاتے ہیں، برخلاف اونٹ و بکری وغیرہ کے، چوں کہ ان میں زکوٰۃ ثمنیت کی بنا پر نہیں، بلکہ عین ہونے کے پیش نظر، اور یہ اعیان مختلفہ ہیں حقیقتاً)۔

۳- سونا و چاندی کی تخلیق کے مقصد پر کہ وہ ''ثمن اصلی'' ہونا ہے اور ان کے ذریعہ قوتِ خرید بہم پہنچتا ہے، اس لحاظ سے بھی یہ دونوں ایک ہی جنس کہلانے کے مستحق ہیں، علامہ علاء الدین کاسانیؒ لکھتے ہیں:

''و لأنهما مالان متحدان في المعنى الذي تعلق به وجوب الزكاة فيهما و هو الاعداد للتجارة بأصل الخلقة و الثمنية فكانا في حكم الزكاة كجنس واحد، و لهذا اتفق الواجب فيهما و هو ربع العشر عن كل حال، و

إنما متفق الواجب عنه اتحاد المال"(بدائع الصنائع ۲/۱۰۶)۔

(اوراس واسطے بھی دونوں کا انضمام کیا جانا چاہیے کہ یہ دونوں معنوی اعتبار سے ایک ہی مال کے حکم میں ہیں اور وہ معنی جوان دونوں میں وجوب زکوٰۃ سے متعلق ہیں وہ ان کا اصل میں خلقت وثمنیت کے اعتبار سے تجارت کا ذریعہ بننا ہے، لہٰذا دونوں زکوٰۃ کے حکم میں جنس واحد کی طرح ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان دونوں میں واجب مقدار ہر حال میں ڈھائی فیصد ہے، اور زکوٰۃ میں واجب مقدار کی یکسانیت مالِ زکوٰۃ میں یکسانیت کے وقت ہوتی ہے)۔

۴- ضم نصاب کا قول مبنی بر احتیاط بھی ہے، بایں طور کہ زکوٰۃ کے مشروع ہونے کی جو حکمتیں ہیں، وہ وجوب زکوٰۃ کی صورت میں برقرار رہتی ہیں، ورنہ لوگ حیلہ کر کے سونے و چاندی کو متفرق مقدار میں جمع رکھیں گے اور ضم نصاب پر عمل نہ کر کے زکوٰۃ سے وہ اپنے کو بچانے کی کوشش کریں گے۔

ضم نصاب باعتبار اجزاء یا باعتبار قیمت؟

اب رہا یہ سوال کہ ضم نصاب کی صورت کیا ہوگی تو جیسا کہ ذکر کیا جا چکا کہ قائلین ضم نصاب کے نزدیک نوعیتِ انضمام میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ ضم بالقیمۃ کے قائل ہیں، جب کہ صاحبینؒ ضم بالاجزاء کے قول پر عمل کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہؒ کا بھی یہی ایک قول ہے:

"**ثم اختلف أصحابنا في كيفية الضم، فقال أبو حنيفة: يضم أحدهما إلي الأخر باعتبار القيمة، و قال أبو يوسف و محمد: يضم باعتبار الأجزاء، و هو رواية عن أبي حنيفة أيضا، ذكره في نوادر هشام**"(بدائع الصنائع ۲/۱۰۷)۔

(پھر ہمارے اصحاب کا نقدین کے انضمام کے طریقہ میں اختلاف ہوا ہے، چنانچہ امام ابوحنیفہؒ ایک کو دوسرے کے ساتھ قیمت کے اعتبار سے جوڑتے ہیں اور صاحبینؒ اجزاء کے اعتبار سے ملاتے ہیں اور امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت جو "نوادر ہشام" میں مذکور ہے بھی یہی ہے، یعنی صاحبینؒ کے قول کے مطابق)۔

اگر نوادر ہشام کی روایت کے مطابق امام ابوحنیفہؒ کے غیر معروف قول ''ضم بالاجزاء'' کو اختیار کیا جائے تو ضم نصاب کی نوعیت میں کوئی اختلاف ہی باقی نہیں رہ جاتا، لیکن معروف روایت کے مطابق امام ابوحنیفہؒ ضم نصاب میں قیمت دونوں نصابوں کی لگاتے ہیں، پھر جو نصاب قیمت میں بن جائے اس کا اعتبار کر کے ڈھائی فیصد نکلواتے ہیں، امام ابوحنیفہؒ کی یہ رائے باب عبادت میں احتیاط اور فقراء پر نظر کرم کی بنا پر ہے، جیسا کہ علامہ کاسانیؒ نے لکھا ہے:

''لأن في التكميل باعتبار التقوم ضرب احتياط في باب العبادة و نظرا للفقراء فكان أولى'' (بدائع الصنائع ۲/ ۱۰۸)۔

(قیمت کے اعتبار سے نصاب کی تکمیل میں عبادت کے باب میں ایک قسم کی احتیاط رہے گی اور فقراء کا نفع بھی ملحوظ رہے گا، لہٰذا قیمت کے اعتبار سے نصاب کا انضمام افضل ہے)۔

صاحبینؒ جو ضم نصاب میں قیمت کا اعتبار نہ کر کے ضم بالاجزاء کے قائل ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ سونا و چاندی کے نصاب میں وزن معتبر ہوتا ہے، قیمت خواہ کچھ ہو، اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا، مثلاً چاندی کا کوئی برتن دو سو درہم کا خرید کرلایا جائے، لیکن اس کا وزن صرف ڈیڑھ سو درہم ہو تو باوجودیکہ قیمت کا اگر اعتبار کریں تو نصاب موجود ہے، لیکن بالاتفاق اس کا وزن کم ہونے کی وجہ سے ایسے برتن کی زکوٰۃ واجب نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ سونے و چاندی میں قیمت ساقط الاعتبار ہے، یہاں تو وزن کا اعتبار ہے، یوں تمام چیزوں کی قیمت سونے و چاندی سے بنتی ہے اور پہلے اس سے قیمت نکالی جاتی تھی، خود ان کی قیمت کو نکالنا بھی پیچیدگی کا سبب ہے، (اگر چہ اب پیمانہ بدل گئے، کاغذی روپیوں سے سب چیزوں کی قیمت نکل رہی ہے) بہر حال صاحبینؒ کا قول سونے و چاندی کی حقیقت سے زیادہ قریب ہے، علامہ کاسانیؒ صاحبینؒ کی دلیل ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وجه قولهما: أن القيمة في الذهب و الفضة ساقطة الاعتبار شرعا؛ لأن سائر الأشياء تقوم بهما، و إنما المعتبر فيهما الوزن، ألا ترى أن من ملك

إبريق فضة وزنه مائة و خمسون درهما و قيمته مائتا درهم، لا تجب الزكاة ...... و لو كانت القيمة فيها معتبرة لوجبت"(مصدر مذکور)۔

(صاحبینؒ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ سونے و چاندی میں قیمت کا اعتبار شرعاً ساقط ہے، کیوں کہ یہ دونوں خود باقی اشیاء کے لیے قیمت کا اندازہ کرنے کا معیار ہیں، ان میں تو صرف وزن کا اعتبار کیا جاتا ہے، ملاحظہ کیجیے کہ ایک شخص چاندی کے ایک ایسے لوٹے کا مالک ہو جس کا وزن تو ڈیڑھ سو درہم ہے، لیکن قیمت دو سو درہم ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ...... اگر اس میں قیمت کا اعتبار ہوتا تو اس پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی)۔

اگرچہ امام ابوحنیفہؒ نے صاحبینؒ کے اس استدلال کا جواب بھی دیا ہے کہ تنہا ایک شئے ہونے کی صورت میں جب ضم نصاب کا کوئی مسئلہ ہی نہیں تو چاندی وغیرہ کے برتن میں قیمت کی ضرورت بھی نہیں، لہٰذا یہ قول قیمت اعتبار نہ کرنے کی بے موقع ہے۔

"**لأن هناك ما وجب ضمه إلى شيء اٰخر، حتى تعتبر فيه القيمة الخ**"(مصدر مذکور)۔

(یہاں جب ایک شئے کا دوسرے میں انضمام کا کوئی حکم ہی نہیں تو اس میں قیمت کے اعتبار کی کیا ضرورت؟)۔

امام ابوحنیفہؒ کا قول چوں کہ مبنی بر احتیاط تھا، اس لیے احناف نے اسی کو مفتی بہ قرار دیا اور اب تک یہی معمول بہ ہے۔

موجودہ زمانہ میں جب کہ ساڑھے سات تولہ سونا اور ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت میں کوئی مناسبت نہیں رہ گئی ہے اور سونے کے ایک نصاب سے چاندی کے کئی نصاب کا خرید کیا جانا ممکن ہو گیا ہے، ایسے بدلتے حالات میں ضم نصاب بالقیمۃ کا قول لائق عمل نہیں معلوم ہوتا۔

اس لیے معتدل راہ جو باب عبادت کے بھی مناسب ہے اور فقراء بھی محروم نہ ہوں گے

اور عام رعایا کے لیے بھی پریشانی کا سبب نہ بنے گی وہ صاحبینؒ کے مسلک میں ہے، جس کو اختیار کرنے میں کوئی دشواری بھی نہ ہوگی، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔

خلاصۂ بحث:

۱- نقدین یعنی سونا و چاندی کا جو نصاب (ساڑھے سات تولہ سونا اور ساڑھے باون تولہ چاندی) شارع علیہ السلام نے مقرر فرمایا ہے وہ نا قابل ترمیم ہے، اس نصاب میں وزن معتبر ہے، قیمت نہیں۔ لہٰذا مرورِ زمانہ سے دونوں کی قیمتیں کچھ ہوں نصاب کی مقدار دونوں میں یہی رہے گی اور تا قیامت منصوص نصاب کو تبدیل کرنے کا کسی کو حق نہیں اور نہ ہی اس میں قیاس کا کوئی دخل ہے۔

۲- اموالِ تجارت یا کاغذی نوٹوں پر زکوٰۃ کا وجوب سونے کے نصاب کی قیمت پہنچنے پر ہوگا، یا چاندی کے نصاب کی قیمت کے بقدر رقم اور مال ہونے پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی، اس میں فقہاء کی آرا مختلف ہیں اور یہ مجتہد فیہ مسئلہ ہے، منصوص نہیں، چونکہ موجودہ دور میں چاندی کے نصاب کو معیار بنانے میں جو دشواریاں ہیں وہ ظاہر ہیں، خصوصاً ایسے نصاب کا مالک شخص اپنی بنیادی حوائج کے لیے بھی محتاج ہوتا ہے، اس لیے اس کو اس نصاب کے معیار سے غنی قرار دے کر زکوٰۃ واجب کرنا غیر معقول ہے اور خود منشاءِ شریعت کے خلاف بھی ہے۔ لہٰذا سونے کے نصاب کو معیار بنائے جانے کے سوا چارہ نہیں۔

۳- چاندی کے نصاب کے بقدر مال تجارت یا نقد رقم کے مالک شخص کو زکوٰۃ لینے کی بھی اجازت ہوگی یا نہیں؟ یہ اس پر موقوف ہے کہ ایسے شخص پر زکوٰۃ کے سقوط کے ساتھ صدقۂ فطر اور قربانی بھی ساقط ہے یا واجب، اگر صدقۂ فطر اور قربانی بھی ساقط ہے تو زکوٰۃ لینا جائز، ورنہ زکوٰۃ لینے کی اجازت نہ ہوگی۔ لہٰذا زکوٰۃ ایسے شخص کو قبول کرنے سے احتیاط لازم ہے۔

۴- نقدین کے ضم نصاب کے مسئلہ میں احناف کا قول ''ضم نصاب'' کا راجح ہے، عدم انضمام کی صورت میں سات تولہ سونا اور باون تولہ چاندی رکھنے والے شخص پر بھی زکوٰۃ واجب

نہ ہو سکے گی اور لوگ پھر اس قسم کے حیلہ سے اپنی زکوٰۃ بچالیں گے، البتہ احناف میں سے صاحبینؒ کے قول ضم باعتبارِ اجزاء کو ترجیح دینا وقت کا تقاضا ہے، تا کہ معمولی چاندی کے زیور کے ساتھ سونے کی ناک کی کیل رکھنے والی غریب و بیوہ عورت پر بھی زکوٰۃ عائد نہ ہو جائے اور چونکہ ایک قول امام ابو حنیفہؒ کا بھی یہی ہے، اس لیے اس مسئلہ میں کوئی بنیادی تبدیلی بھی نہیں پیدا ہوتی اور خروج عن المذہب کا اشکال بھی نہ ہوگا۔

☆☆☆

سونا اور چاندی کی موجودہ قدر و قیمت اور زکوۃ کا نصاب

مولانا محمد صدر الحسن ☆

(۱) اموال زکوۃ تین نوع کے ہیں "ثمن مطلق (سونا اور چاندی) (۲) اموال تجارت (۳) سائمہ جانور۔

جمہور فقہانے سونے اور چاندی دونوں کا علحدہ مستقل نصاب بیان کیا ہے، چنانچہ چاندی کا نصاب دوسودرھم ہے، اس میں پانچ درھم واجب ہے پھر دوسودرھم سے زائد ہر چالیس درھم میں ایک درھم ہے، یہ قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے اور امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک دوسودرھم پر جو بھی زائد ہوگا ہر ایک درھم پر چالیسواں حصہ واجب ہوگا۔

سونے کا نصاب بیس مثقال ہے اس میں نصف مثقال واجب ہوگا۔ بعض فقہانے سونے کے نصاب کو چاندی کے نصاب پر محمول کیا ہے اور اصل چاندی کو ہی معیار نصاب قرار دیا ہے، مفتی سعید احمد پالنپوری نے "رحمۃ اللہ الواسعہ شرح حجۃ اللہ البالغہ" میں سونے اور چاندی سے متعلق نصاب کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

دو روایت سے یہ بات بھی درجہ شہرت تک پہنچی ہوئی ہے کہ چاندی کا نصاب پانچ اوقیہ ہے، یعنی دوسودرھم ہے اس سے کم میں زکوۃ نہیں اور سونا چاندی پر محمول ہے، یعنی چھ سو بائیس گرام چاندی کی قیمت کے بقدر سونا، زکوۃ کا نصاب ہے اور دور نبوی میں ایک دینار کا مبادلہ (Change) دس درھم سے ہوتا تھا، پس دوسودرھم کے بیس مثقال ہوئے۔ اس لئے اسی کو

☆ مدرسہ اسلامیہ جامع العلوم چندوارہ مظفر پور۔

سونے کا نصاب مقرر کیا گیا اور سونے چاندی میں زکوٰۃ چالیسواں حصہ رکھی، یعنی ڈھائی روپے فی سیکڑہ، یہ مقدار زکوٰۃ کی تمام مقداروں سے کم ہے، کیونکہ یہ اموالِ کنز، یعنی خزانہ (ذخیرہ کی ہوئی قابل رغبت چیز) ہیں۔ اور خزائن لوگوں کے نزدیک نفیس ترین اموال شمار ہوتے ہیں۔ اس لئے اگر لوگوں کو ان میں سے بہت مقدار خرچ کرنے کیلئے کہا جائیگا تو ان پر بار ہوگا، اس لئے ان کی زکوٰۃ تمام زکاتوں سے کم رکھی گئی ہے۔

فائدہ: سونے کے نصاب کے سلسلے میں تین روایتیں ہیں مگر ان میں سے ایک بھی اعلی درجہ کی صحیح نہیں۔ وہ تین روایتیں یہ ہیں۔ پہلی روایت:۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہے کہ ''سونے میں کچھ واجب نہیں تا آنکہ وہ بیس دینار ہوجائے پھر اگر کسی کے پاس بیس دینار ہوں اور ان پر سال گزرجائے تو ان میں آدھا دینار ہے'' اس روایت کو ابن وھب مصری نے مرفوع بیان کیا ہے اور شعبہ اور ثوری وغیرہ ھما نے موقوف بیان کیا ہے، یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول قرار دیا ہے۔ امام ابوداؤد نے اس پر سکوت کیا ہے، یعنی کوئی جرح نہیں کی۔ امام نووی نے حسن یا صحیح کہا ہے۔ اور زیلعی رحمہ اللہ نے حسن قرار دیا ہے (ابوداؤد شریف حدیث ۱۵۷۳ باب زکوٰۃ السائمہ نصب الرایہ ۲:۳۸۲)۔

دوسری روایت: حضرت عائشہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنھما سے مرفوعاً مروی ہے کہ ''نبی ﷺ ہر بیس دینار یا زیادہ میں سے آدھا دینار لیا کرتے تھے'' ۔اس کی سند میں ایک راوی ابراھیم ابن اسماعیل بن مجمع انصاری ہے جو ضعیف ہے، مگر ضعف جداً نہیں۔ بخاری میں اس راوی کی روایت تعلیقاً ہے (ابن ماجہ شریف حدیث ۱۷۹۱ باب زکوٰۃ الورق والذھب)۔

تیسری روایت: حضرت عبداللہ بن عمر العاصؓ سے مروی ہے کہ ''دوسو درھم سے کم میں کچھ نہیں اور سونے کے بیس مثقال سے کم میں کچھ نہیں'' حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے درایہ میں اس کی اسناد کو بھی ضعیف کہا ہے۔ یہ حدیث ابوعبید اور ابن زنجویہ نے کتاب الاموال میں روایت کی ہے (نصب الرایہ ۲:۳۶۹ مغنی ابن قدامہ ۲:۵۹۹)۔

مذکورہ تمام روایات کو الگ الگ ضعیف ہیں، مگر ضعف شدید نہیں۔ پھر مل کر ایک قوت حاصل کر لیتی ہے اور قابل استدلال ہو جاتی ہیں۔

اس لئے جمہور کے نزدیک سونے کا نصاب ایک مستقل نصاب ہے اور اس میں قیمت کا اعتبار نہیں، البتہ کچھ حضرات سونے کو چاندی کے نصاب پر محمول کرتے ہیں، یعنی ان کے نزدیک سونے کا نصاب کوئی مستقل نصاب نہیں جتنا بھی سونا چھ سو بارہ گرام چاندی کی قیمت کے برابر ہو جائے اس میں زکوۃ واجب ہے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

ابن قدامہ (المغنی ۲/۵۹۹) میں لکھتے ہیں:

"قال عامة الفقها :۔ نصاب الذهب عشرون مثقالاً من غير اعتبار قيمتها إلا ماحكي عن عطاء، و طاووس، والزهري، وسليمان بن هرب، وأيوب السختياني أنهم قالوا:۔ هو معتبر بالفضة فما كان قيمة مائتي درهم ففيه الزكاة والافلا ۔لأنه لم يثبت عن النبي ﷺ تقدير في نصابه فثبت أنه حمله على الفضة"

(عام فقہا نے فرمایا: سونے کا نصاب بیس مثقال ہے اس کی قیمت کا اعتبار کئے بغیر مگر عطاؒ، اور طاؤسؒ، اور زہریؒ اور سلیمان بن حرب اور ایوب سختیانیؒ نے فرمایا کہ اس کو چاندی پر قیاس کیا جائیگا تو جس کی قیمت دوسو درھم کو پہنچے گی اس میں زکوۃ ہے، ورنہ نہیں۔ اس لئے کہ نبی ﷺ سے کوئی مقدار ثابت نہیں ہے اس کے نصاب میں، تو یہ بات ثابت ہوئی کہ اس کو محمول کیا جائیگا چاندی پر)۔

مذکورہ بالا طویل اقتباس سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ اموال میں صرف چاندی کا نصاب ہی معتبر ہے اس بناء پر اموال تجارت کو بھی چاندی کے نصاب پر محمل کیا جائیگا، کیونکہ سونے کا نصاب محمول ہے چاندی پر، لیکن جمہور فقہا نے سونے کے نصاب کو مستقل نصاب قرار دیا ہے تو اب اس صورت میں اموال تجارت کو سونے کے نصاب پر محمول کیا جائے یا چاندی کے

نصاب پر محمول کیا جائے؟

صاحب ''بدائع الصنائع'' نے اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

''واذاکان تقدير النصاب من أموال التجارة بقيمتها من الذهب والفضة وهو أن تبلغ قيمتها مقدار نصاب من الذهب والفضة فلا بد من التقويم حتى يعرف النصاب ثم بماذا تقوم۔ ذكر القدوری في شرحه مختصر الكرخي ۔ أنه يقوم بأوفى القيمتين من الدراهم والدنانير حتى أنها إذا بلغت بالتقويم باالدراهم نصاباً ولم تبلغ الدنانير قومت بما تبلغ به النصاب، وكذا روى عن أبي حنيفة في الأموال أنه يقومها بأنفع النقدين للفقرا ء وعن أبي يوسف ؒ أنه يقومها بما اشتراهابه،فإن اشتراها بالدراهم قومها بالدراهم، وإن اشتراها بالدنانير قومها بالدنانير، وإن اشتراها بغير هما من العروض أو لم يكن اشتراها بأن كان وهب له فقبل ينوى به التجارة قومها بالنقد الغالب في ذالک الموضع''۔وعند محمدؒ :''يقومها بالنقد الغالب على كل حال ،وذكر في كتاب الزكاة أنه يقومها يوم حال الحلول إن شاء بالدراهم وإن شاء بالدنانير''۔

(اور جب اموال تجارت کے نصاب کی مقدار اس کی قیمت لگا کر سونے اور چاندی سے ہوگا اور وہ یہ کہ اموال تجارت کی قیمت سونے اور چاندی کے نصاب کو پہنچے تو ضروری ہے اموال تجارت کی قیمت لگانا تاکہ مقدار نصاب معلوم ہو تو پھر کس چیز سے اس کی قیمت لگائی جائے؟ صاحب قدوری نے ذکر کیا ہے اپنی شرح ''مختصر الکرخی'' میں کہ دراھم و دنانیر میں سے جو قیمت نصاب کو پوری کرتی ہو، یہاں تک کہ وہ قیمت دراھم کی قیمت کے ذریعہ نصاب کو پہنچتی ہے اور دنانیر کی قیمت کے ذریعہ نصاب کو نہیں پہنچتی ہے تو قیمت اس کے ذریعہ لگائی جائیگی جس سے نصاب کی تکمیل ہو۔ یہی امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے اموال کے بارے میں کہ نقدین میں سے جو زیادہ نفع بخش ہو فقراء کیلئے۔

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جس چیز سے سامان تجارت کو خریدا ہے اس کی قیمت لگائی جائیگی اگر دراھم سے خریدا ہے تو دراھم کی قیمت لگائی جائیگی اور اگر دنانیر سے خریدا ہے تو دنانیر کی قیمت لگائی جائیگی۔ اور اگر سامان کو ان دونوں کے علاوہ سامان سے خریدا ہے یا خریدا نہ کسی نے ہبہ کیا ہو اور اس کو قبول کر کے تجارت کی نیت کیا ہو تو اس جگہ میں جو نقد غالب ہو اسی کے ذریعہ اس کی قیمت لگائی جائیگی۔

امام محمدؒ کے نزدیک ہر حال میں نقد غالب ہی سے قیمت لگائی جائیگی اور کتاب الزکاۃ میں ذکر کیا ہے کہ اگر سال گزر جائے تو اس دن کی قیمت چاہے تو دراھم سے لگائے اور گر چاہے تو دینار سے لگائے)۔

میرے نزدیک کتاب الزکاۃ کی روایت کی دلیل زیادہ مضبوط معلوم ہوتی ہے، کیونکہ زکوۃ کا وجوب تجارت کے سامان میں اس کی مالیت کے اعتبار سے ہے، نہ کہ عین شئی مراد ہے۔ اور قیمت کا اندازہ مالیت کی مقدار پر منحصر ہے اور مالیت میں نقدین برابر کا درجہ رکھتے ہیں تو صاحب مال کو اختیار رہوگا کہ وہ نقدین میں سے جس سے چاہیں اس کی قیمت لگائیں۔ اگر چہ ہمارے مشائخ نے کتاب الزکاۃ کی روایت کو اس صورت پر محمول کیا ہے جب فقراء کے حق میں نفع میں زیادہ فرق نہ پڑے تو نقدین میں سے جس سے چاہے اس کی قیمت لگائے۔

امام ابوحنیفہؒ نے ''انفع للفقراء'' کی علت کے پیش نظر یہ حکم بیان فرمایا کہ جس کی قیمت نصاب کو پہنچ جائے، خواہ وہ سونے کے نصاب کو پہنچے یا چاندی کے نصاب کو پہونچے۔

حالانکہ وجوب زکوۃ کے سلسلہ میں دیکھا جائے تو زکوۃ دینے والوں کی حتی الوسع رعایت کو شریعت نے ملحوظ رکھا اور اسی وجہ سے ہر مال کے اندر زکوۃ کو فرض نہیں کیا، بلکہ اس مال میں زکوۃ کو فرض کیا ہے جو ضرورت اصلیہ سے زائد ہو مال نامی ہو اور نصاب کی مقدار کو پہنچتا ہو اور ادائیگی سال گزرنے پر ہے

لہذا بحالت موجودہ جبکہ سونے اور چاندی کی قیمتوں میں بین تفاوت ہے تو ایک معمولی

سی رقم پر زکوۃ واجب ہوجائیگی جب چاندی کے نصاب کی قیمت لگائی جائے۔مثلاً پندرہ ہزار پر زکوۃ واجب ہوجائیگی، کیونکہ اس سے ساڑھے باون تولہ چاندی خریدی جاسکتی ہے۔اور اگر کسی کے پاس سات تولہ سونا ہے تو اس وقت اس کی مالیت تقریباً ایک لاکھ سے زائد ہے، مگر اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے۔اور اس سے اندازہ کیجئے کہ پندرہ ہزار روپے والے کو زکوۃ لینا حرام ہوگا اور وہ نصاب حرمان زکوۃ میں داخل ہوگا۔مگر ایک لاکھ روپے والے کو زکوۃ لینا حرام نہیں ہوگا۔اور وہ نصاب حرمان زکوۃ میں داخل نہیں ہوگا۔اسی طرح پندرہ ہزار روپے والے پر صدقۂ فطر اور قربانی واجب ہوگی، لیکن ایک لاکھ روپے والے پر صدقۂ فطر اور قربانی واجب نہیں ہوگی۔

اس لئے میرے نزدیک کتاب الزکاۃ کی روایت پر عمل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے اور اس میں اعتدال اور توازن ہے اور چونکہ زکوۃ اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن ہے اور یہ ایک عبادت ہے تو جس طرح دوسری عبادتوں میں اور دوسرے ارکانوں میں سہولت دی گئی ہے اسی طرح یہاں بھی رخصت کی اس قسم پر عمل کرتے ہوئے جس میں مسافر کیلئے رمضان میں روزہ رکھنے یا بعد رمضان روزہ کے قضاء کا اختیار ہے اسی طرح یہاں بھی اختیار دیا جائے اور زکوۃ دینے والے اور زکوۃ نہ لینے والے کو اس کا اختیار حاصل ہو کہ وہ چاہے سونا کو معیار نصاب بنائے یا چاندی کو معیار نصاب بنائے اور اس میں دونوں کی رعایت ہے۔اور اموال تجارت میں مقدار نصاب منصوص علیہ نہیں ہے، اس لئے کتاب الزکاۃ کی روایت پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۲- اگر کسی شخص کے پاس کچھ سونا ہے اور کچھ چاندی ہے اور دونوں میں سے ہر ایک نصاب کو نہیں پہنچتا ہے تو کیا سونا اور چاندی کو ایک دوسرے کے ساتھ ضم کیا جائیگا یا نہیں؟

امام شافعیؒ کے نزدیک سونا اور چاندی دونوں دو مختلف جنس ہیں صورۃً بھی اور معنیً بھی، اس لئے وہ ان دونوں میں ضم کرنے کے قائل نہیں ہیں۔صورۃً مختلف ہونا ظاہر ہے اور معنیً مختلف ہونے کی دلیل یہ ہے کہ سونے کا تبادلہ چاندی کے ساتھ زیادتی اور کمی کے ساتھ جائز ہے، لہذا

تکمیل نصاب کیلئے ایک کو دوسرے کے ساتھ ضم نہیں کیا جائیگا، جیسے سائمہ جانور میں اونٹ کو بکری کے ساتھ ضم نہیں کیا جاتا ہے، کیونکہ وہ مختلف الجنس ہے صورۃً بھی اور معنیٰ بھی بخلاف مال تجارت کے، اس لئے کہ اس میں قیمت کے ذریعہ سے نصاب کی تکمیل ہوتی ہے، اس لئے تمام قسم کے اموال تجارت ایک ہی جنس کا حکم رکھتے ہیں بحیثیت قیمت اور وہ دراھم ہونگے یا دنانیر ہونگے اور وہ قیمت جنس واحد ہے۔لیکن سونا اور چاندی میں اس کے عین میں زکوۃ ہے، نہ کہ قیمت میں زکوۃ ہے، اسی وجہ سے بحالت انفراد قیمت کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ وزن کے ذریعہ نصاب کی تکمیل ہوگی۔

احناف کے نزدیک بحیثیت ثمن دونوں مال متحد ہیں اور دونوں خلقی اعتبار سے ثمن ہیں، لہذا زکوۃ کے باب میں دونوں ایک ہی جنس کا حکم رکھتے ہیں اور اسی وجہ سے دونوں میں چالیسواں حصہ واجب ہے۔

اور یہ اتحاد مال کی علامت ہے اور دونوں معنیٰ متحد مال ہیں، اس لئے صورت کے اختلاف کا اعتبار نہیں کیا جائیگا، جیسے سامانِ تجارت اگرچہ صورۃً مختلف ہے، مگر معنیٰ بحیثیت قیمت ہے۔

البتہ احناف کے درمیان اس میں اختلاف ہے کہ انضمام قیمت کے اعتبار سے ہوگا یا اجزاء کے اعتبار سے ہوگا؟ تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قیمت کے اعتبار سے انضمام ہوگا اور صاحبین کے نزدیک اجزاء کے اعتبار سے ہوگا۔

موجودہ حالات کی رعایت سے کس کو ترجیح دی جائے؟ تو اب تک فقہ کی تمام کتابوں میں تقریباً امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کو ترجیح دی گئی ہے اور تمام مفتیوں کا فتویٰ بھی اسی پر ہے۔اس کے خلاف صاحبین کے قول پر کسی مفتی کا فتویٰ نظر سے نہیں گزرا۔اور اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ "انفع للفقراء" کی علت کے پیش نظر اس پر فتویٰ دیا گیا ہے، حالانکہ ربوا کے باب میں جو علت سونے اور چاندی کی بیان کی گئی ہے اس میں "وزن مع الجنس" کی علت ہے اور امام شافعیؒ

نے بھی وزن ہی کی وجہ سے دونوں کو دو جنس مانا ہے ۔تو قدر کی رعایت کرتے ہوئے صاحبین نے اجزاء کے اعتبار سے ضم کو معتبر قرار دیا ہے تو اب جبکہ سونے اور چاندی کی قیمت میں بین تفاوت ہے تو اجزاء کے اعتبار سے ضم کو ترجیح دی جائے تو اس میں بھی زکوۃ دینے والوں اور لینے والوں میں سے ہر ایک کی رعایت ملحوظ ہوگی ۔اگر چہ میری رائے قیمت ہی کے اعتبار سے ضم کی ہے، مگر سونے اور چاندی میں سے جس کو بھی معیار نصاب بنائے اس کا اختیار زکوۃ دینے والوں کو دی جائے تو اس میں زکوۃ دینے والوں اور زکوۃ لینے والوں دونوں کو سہولت ہوگی ۔

☆☆☆

عصر حاضر میں نصاب زکوۃ کا معیار کیا ہو سونا یا چاندی؟

مولانا محمد اعظم ندوی

سونے اور چاندی کا نصاب:

سونے اور چاندی میں سے ہر ایک کا نصاب ربع عشر یعنی دسویں حصہ کا چوتھائی یا (2.5%) ہے، لیکن یہ سونے اور چاندی کی ہر مقدار پر واجب نہیں، بلکہ جب تک کوئی شخص بیس مثقال (دینار) سونے یا دوسو درہم چاندی کا مالک نہ ہو جائے اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوتی، دوسو درہم کا مالک ہو تو پانچ درہم اور بیس دینار کا مالک ہو تو نصف دینار بطور زکوۃ نکالنا ضروری ہے، نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"إذا كانت لک مائتا درهم، وحال عليه الحول ففيها خمسة دراهم وليس عليک شيء يعني في الذهب حتى يكون لک عشرون دينارا، فإذا كان لک عشرون دينارا، وحال عليها الحول ففيها نصف دينار" (نیل الأوطار حدیث نمبر: ۱۵۴۸ بحوالہ سنن ابو داؤد، ای، ایڈیشن)۔

(جب تمہارے پاس دوسو درہم ہوں، اور اس پر سال گذر جائے، تو اس میں پانچ درہم ہیں، اور سونے میں تم پر کچھ بھی نہیں یہاں تک کہ وہ بیس دینار کو پہنچ جائے، جب بیس دینار کو پہنچ جائے اور اس پر سال گذر جائے تو اس میں نصف دینار ہے)۔

تولے کے اعتبار سے دوسو درہم کو ساڑھے باون تولہ اور بیس دینار کو ساڑھے سات

تولہ قرار دیا گیا ہے، تولہ کو گرام میں بالترتیب ۶۱۲ گرام ۳۶۰ ملی گرام، اور ۸۷ گرام ۴۸۰ ملی گرام عام طور سے مانا گیا ہے (جدید فقہی مسائل ۲۰۲/۱، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند)، جبکہ علمائے عرب نے زیادہ تر چاندی کا نصاب ۵۹۵ گرام اور سونے کا ۸۵ گرام ذکر کیا ہے (دیکھئے: الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۷۷۳/۲ مکتبہ حقانیہ پشاور، فتاوی معاصرہ للقرضاوی ۲۷۹/۱، دار اولی النہی، بیروت، ۱۹۹۶ء)۔

عہد نبوی اور اس کے بعد ایک زمانہ تک ان دونوں مذکورہ نصابوں کے درمیان کوئی فرق نہ تھا، اس لیے، خواہ کوئی دو سو درہم کا مالک ہو یا بیس دینار کا دونوں کی مالیت برابر ہوتی تھی، اور مال تجارت کا مالک ہو تو بھی اسی یکساں مالیت کے حامل پیمانے کو نصاب زکوۃ قرار دیا گیا تھا، او ر دو سو درہم یا بیس دینار کی قوت خرید اگر ان میں پائی گئی تو ان میں اسی مقدار پر زکوۃ واجب ہوتی تھی جس مقدار پر سونے اور چاندی میں واجب ہوتی ہے، یہی مسئلہ کاغذی نوٹ (paper money) کا بھی ہے۔

مال تجارت یا نقد رقم کے لیے پیمانہ کسے قرار دیا جائے؟

لیکن جب سے سونے اور چاندی کی قوت خرید میں فرق آ گیا اس وقت سے علماء کے درمیان یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ مال تجارت اور نقد رقم کے لیے پیمانہ کسے قرار دیا جائے، چنانچہ جس وقت یہ مضمون قلمبند کیا جا رہا ہے (۲۲-۱۲-۲۰۰۹) دہلی میں دس گرام سونا ۱۷۰۱۲ روپے کا ہے، اور ایک کیلو چاندی ۲۷,۸۰۰ روپے کی ہے، عرب علماء نے عام طور سے سونے کو معیار نصاب مانا ہے، چنانچہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

”والأصح تقدير النصاب الورقي بالذهب؛لأنه المعادل لنصاب الأنعام(الإبل والبقر والغنم)ولارتفاع مستوى المعيشةوغلاء الحاجيات ،وإن كان يرى كثير من علماء العصرتقدير النصاب بالفضة، لأنه أنفع للفقراء وللاحتياط في الدين ولأن نصاب الفضة ثابت بالسنة الصحيحة“ (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۷۷۳/۲، ای، ایڈیشن)۔

(نوٹوں کے نصاب کا اندازہ سونے سے کرنا زیادہ صحیح ہے؛ چونکہ یہی نصاب مویشیوں (اونٹ، گائے اور بکری) کے نصاب کے برابر ہے، اور چونکہ معیشت کا معیار بڑھ چکا ہے، اور ضروریات روزافزوں ہیں، اگرچہ بہت سے معاصر علماء کی رائے چاندی کو معیار بنانے کی بھی ہے، چونکہ وہ فقراء کے لیے زیادہ سودمند ہے، اور دینی ذمہ داری کا تقاضا بھی یہی ہے، اور اس لئے بھی کہ چاندی کا نصاب متفق علیہ اور سنت صحیحہ سے ثابت ہے)۔

دوسری جگہ اپنی رائے کو مؤکد کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

''ویجب اعتبار النصاب الحالي کما هو کان في أصل الشرع دون النظر إلی تفاوت السعر القائم بین الذهب والفضة، وتقدر الأوراق النقدیة بسعر الذهب، لأنه هو الأصل في التعامل، ولأن غطاء النقود هو بالذهب، ولأن المثقال کان في زمن الرسول ﷺ، وعند أهل مکة هو أساس العملة'' (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۲/ ۷۶۰، ای، ایڈیشن)۔

(موجودہ نصاب کا اندازہ سونے اور چاندی کے درمیان نرخ کے تفاوت کو نظر انداز کر کے اسی اعتبار سے کرنا چاہئے جیسا کے اصل شریعت میں تھا، اور کاغذی نوٹوں کا اندازہ سونے کے نرخ سے کرنا چاہئے چونکہ تعامل میں اصل وہی ہے، اور چونکہ کاغذی نوٹوں کے درپردہ سونا ہی معیار ہوتا ہے، اور اس لئے بھی کہ سونا ہی رسول خدا ﷺ کے زمانہ میں اور اہل مکہ کے نزدیک کرنسی کی بنیاد تھا)۔

یہی رائے ڈاکٹر یوسف قرضاوی اور ڈاکٹر علی محی الدین قرہ داغی کی بھی ہے (دیکھئے: فقہ الزکاۃ ۱/ ۲۶۵-۲۶۹؛ مجلۃ مجمع الفقہ الاسلامی، ۱۲/ ۴/ ۵۲؛ ۲۰۰۰ء)، ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے شیخ ابوزہرہ، شیخ عبدالوہاب خلاف اور شیخ حسن وغیرہ کا بھی یہی مسلک ذکر کیا ہے۔

''مجمع البحوث الاسلامیہ'' نے بھی اپنے دوسرے سمینار ۱۹۶۵ء میں سامان تجارت اور کاغذی نوٹوں کے لیے سونے کو ہی معیار ٹھہرایا ہے (مجلۃ مجمع الفقہ الاسلامی ۱۲/ ۴/ ۵۲) اور

مجلّہ کی ایک دوسری جلد میں اس کی تصریح یوں کی گئی ہے:

”ومن المعلوم أن مقدار النصاب من الذهب ـعشرون دينارا ـ كانت تساوي مقدار نصاب الفضة في عهد رسول الله ﷺ، ولكن سعر الفضة أخذ في الهبوط بعد ذلک العهد إلى أن صار الفرق بين النصابين كبيرا جداًبينما بقي الذهب محافظا على سعره إلى وقتنا الحاضر مع اختلاف يسير حيث إن القوة الشرائية للذهب في زمن رسول اللهﷺ كانت تساوي (100%-120%)مما هي عليه الآن لا أكثر“ (مجلۃ المجمع الفقہی ۵/۳/۱۶۷۹ بحوالہ مجلۃ ”یسألونک“ الاسلامیۃ)۔

(یہ بات مشہور ہے کہ عہدنبوی میں سونے کے نصاب کی مقدار (بیس دینار) چاندی کے نصاب کے برابر تھی، لیکن چاندی کا نرخ اس عہد کے بعد مسلسل گرتا چلا گیا، یہاں تک کہ دونوں نصابوں کے درمیان بڑا فرق ہوگیا، جب کہ سونا موجودہ عہد تک تھوڑے بہت فرق کے ساتھ اپنے نرخ پر باقی ہے، چنانچہ سونے کی قوت خرید جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تھی وہ اس کی موجودہ قوت خرید سے (100%-120%) سے زیادہ فرق نہیں رکھتی)۔

اس کی مزید وضاحت ڈاکٹر محمد اشقر کی درج ذیل عبارت سے ہوتی ہے:

”إن نصاب الذهب ـالعشرين دينارا ـ كان يشترى بها في عهد النبي ﷺ عشرون شاة من شياه الحجاز تقريبا،وكذلک نصاب الفضة ـالمئتادرهم ـ كان يشترى بها عشرون شاة تقريبا أيضا ،أما في عصرنا الحاضرفلا تكفي قيمة مئتي درهم من الفضة إلا لشراء شاة واحدة بينماالعشرون مثقالا من الذهب تكفي الآن لشراء عشرين شاة من شياه الحجاز أوأقل قليلا “(ابحاث فقہیہ فی قضایا الزکوۃ المعاصرۃ ۱/۳۰۱، ای ایڈیشن)۔

(سونے کے نصاب (بیس دینار) سے رسول اللہ کے زمانہ میں حجاز کی تقریبا بیس

بکریاں خریدی جاسکتی تھیں، ایسے ہی چاندی کے نصاب (دوسو درہم) سے بھی تقریباً بیس بکریاں خریدی جاسکتی تھیں، جہاں تک ہمارے عہد کا تعلق ہے تو دو سو درہم چاندی سے صرف ایک ہی بکری خریدی جاسکتی ہے، جب کہ بیس مثقال (دینار) اب بھی حجاز کی تقریباً بیس بکریاں یا ان سے کچھ کم خرید کرنے کے لیے کافی ہیں)۔

شیخ یوسف قرضاوی (فتاوی معاصرۃ ۱/۲۷۹) اور ڈاکٹر وہبہ زحیلی (جیسا کہ گذرا) نے اس کی ایک معقول وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ سونے کا نصاب ایک اعتبار سے دوسرے شرعی نصابوں، یعنی پانچ اونٹ، چالیس بکریوں، تیس گائے، وغیرہ سے بھی قریب قریب ملتا جلتا ہے۔

ہمارے فقہاء کرام نے عام طور پر تجارت کے سامان کے لیے سونے اور چاندی میں سے جو فقراء کے لیے زیادہ سودمند ہو اس کو معیار قرار دیا ہے۔

شیخ عبدالرحمٰن داماد آفندی (م:۱۶۶۷ء) لکھتے ہیں:

"تقوم عروض التجارة بما هو أنفع للفقراء أيهما كان لقوله عليه الصلاة والسلام: "يقومها فيؤدي من كل مائتي درهم خمسة دراهم"، وهذا عند الإمام يعني يقوم بما يبلغ نصابا إن كان يبلغ بأحدهما دون الآخر احتياطا في حق الفقراء كما في التبيين." (مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر ۱/۲۰۷ دار احیاء التراث العربی)۔

(سامان تجارت کی قیمت سونے چاندی میں سے اس معدنی جوہر سے لگائی جائے گی جو فقیروں کے لیے زیادہ سودمند ہو، چونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، اس کی قیمت لگا کر دو سو درہم میں سے پانچ سو درہم ادا کرے، امام صاحب کے نزدیک اس مسئلہ کا مطلب یہ ہوا کہ اگر سونے چاندی میں سے ایک سے نصاب کو پہنچتا ہو اور دوسرے سے نہ پہنچتا ہو، تو فقراء کے حق میں احتیاط اپناتے ہوئے قیمت اس سے لگائی جائے جس سے نصاب کو پہنچ جاتا ہو، جیسا کہ تبیین میں ہے)۔

امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ سونے چاندی میں سے کسی کو بھی قیمت کا معیار ٹھہرایا جاسکتا ہے، لیکن یہ اس صورت میں ہے، جبکہ دونوں سے نصاب کو پہنچ جاتا ہو، جیسا

قدیم زمانہ میں ہوتا تھا، علامہ ابن ہمام دونوں اقوال ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

" وجمع بين الروايتين بأن المذكور في الأصل من التخيير هو ما إذا كان التقويم بكل منهما لا يتفاوت". (فتح القدیر ۲/۲۲۸)۔

(دونوں روایتوں میں تطبیق اس طرح ہوگی کہ مبسوط میں اختیار کا ذکر اس صورت کے لیے ہے جب دونوں میں سے کسی کو بھی معیار بنانے میں تفاوت نہ ہو)۔

سامان تجارت کے سلسلہ میں شوافع اور صاحبین کے علاوہ جمہور کا یہی مسلک ہے کہ "انفع للفقراء" کا لحاظ کیا جائے، ڈاکٹر وہبہ زحیلی اس بحث کے خاتمہ پر لکھتے ہیں:

" ورأي الجمهور أولى لسهولته ومراعاة مصالح الفقراء"(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/ ۷۹۳-۷۹۴)۔

(جمہور کی رائے سہولت اور فقراء کے مفادات کی رعایت کے اعتبار سے زیادہ بہتر ہے)۔

جبکہ ڈاکٹر وہبہ نے نقد رقم کے سلسلہ میں سونے کو معیار قرار دینے کی وکالت کی ہے، جیسا کہ پہلے گذر چکا۔

سچ پوچھا جائے تو زکوۃ امیروں اور غریبوں دونوں کے فائدے کے لیے ہے، امیروں کو ثواب حاصل ہوتا ہے، ان کے مال کا میل کچیل زکوۃ کے ذریعہ دور ہو جاتا ہے، اور غریبوں کا کام بن جاتا ہے، اس لیے نصاب کا معیار اس معدنی جوہر کو قرار دینا چاہیے جس سے جلد زکوۃ واجب ہوتی ہو تو زیادہ بہتر ہے، چوں کہ زکوۃ کی کوئی بڑی قیمت نہیں چکانی پڑتی بلکہ مال کی ایک معمولی مقدار وہ بھی بڑی شرطوں کے ساتھ عائد ہوتی ہے، برصغیر کے علماء اور فقہ فتاوی سے مناسبت رکھنے والی شخصیات نے بالعموم چاندی ہی کو نصاب کا معیار بنایا ہے، اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) نے بھی اپنے دوسرے فقہی سمینار (دہلی) میں یہ تجویز باتفاق رائے پاس کی تھی: "نوٹوں میں زکوۃ کا نصاب، چاندی کے نصاب کی قیمت کے مساوی ہوگا" (نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے، ص: ۱۲۳، ۲۰۰۹ء)۔

غنا (مالداری) کا معیار:

لیکن مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب اس کے دوسرے پہلو پر نظر کی جائے، یعنی ایک فقیر شخص جس کے حق کے سلسلہ میں یہاں احتیاط اپنائی جارہی ہے، آج کل چاندی کے اعتبار سے وہ خود فقیر کی بجائے غنی بن جاتا ہے اور زکوۃ لینے کا مستحق نہیں رہتا، اس مسئلہ کو وضاحت کے ساتھ سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم پہلے غنا کی وہ تفصیل ذکر کریں جس کی وجہ سے ایک شخص زکوۃ سے محروم ہو جاتا ہے، نبی کریم ﷺ نے "غنی" کو زکوۃ سے محروم فرمایا ہے اور صاف فرما دیا ہے:

"**لا حظ فيها لغني**" (البیہقی، باب بیان اہل الصدقات: ۴۲۳۳)۔

اس میں کسی مالدار کا کوئی حصہ نہیں۔

لیکن غنی کسے کہتے ہیں اس کی وضاحت حدیث میں نہیں، اور اسی لیے غنی کی تعریف میں علماء کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے، حنفیہ کے نزدیک حاجت اصلیہ سے زائد اتنے سامان یا نقد رقم وغیرہ کا مالک شخص جس کی مجموعی مقدار کسی ایک نصاب کو پہنچ جاتی ہو غنی کہلاتا ہے اور اسے زکوۃ کا استحقاق نہیں رہتا۔

ابن رشد لکھتے ہیں:

"**وذهب أبو حنيفة إلى أن الغني هو مالک النصاب**" (بدایۃ المجتہد ص: ۲۵۴، دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲۰۰۲ء)۔

امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ مالدار وہ شخص ہے، جو مالک نصاب ہو۔

اس بات کو مزید وضاحت کے ساتھ علامہ ابو بکر الحدادیمنی (۸۰۰ھ) نے ذکر کیا ہے:

"**والغني هو من يملک نصابا من النقدين أو ما قيمته نصاب فاضلا عن حوائجه الأصلية من ثيابه ودار سكناه وأثاثه وعبيد خدمته ودواب ركوبه وسلاح استعماله**" (الجوہرۃ النیرۃ ص: ۵۸، مکتبہ حقانیہ پاکستان)۔

(غنی وہ ہے جو اپنی ضروریات اصلیہ کے علاوہ سونے چاندی یا اس کی قیمت ایسی چیز کا مالک ہو جو نصاب کو پہنچتی ہو، اور ضرورت اصلیہ سے مراد پہننے کے کپڑے، گھر، فرنیچر، خدمت کے غلام، سواریاں، اور اس کے استعمال کے ہتھیار ہیں۔

ہاں یہ قابل ذکر ہے کہ حوائج اصلیہ کا تعین ہر زمانہ، علاقہ اور افراد کے حالات اور ان کے معیار زندگی کی روشنی میں ہوگا (دیکھئے: نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے ص: ۱۵۳؛ ۲۰۰۹ء)۔

زکوۃ سے محرومی کے سلسلہ میں مالک نصاب ہونے سے مراد بعینہ وہی ہے جو صدقۂ فطر اور قربانی کے واجب ہونے کے لیے ہے، علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

" وأما الغني الذي يحرم أخذ الصدقة وقبولها فهو الذى تجب به صدقة الفطر والأضحية" (بدائع الصنائع ۲/ ۱۵۸، ا ی، ایڈیشن)۔

(جہاں تک اس مالداری کا تعلق ہے جس کی وجہ سے زکوۃ لینا حرام ہو جاتا ہے وہ ہے جس سے صدقۂ فطر اور قربانی واجب ہوتی ہے)۔

مالکیہ کے نزدیک اگر کسی کے پاس ایک سال تک کا ضروری خرچ ہو، تب وہ غنی سمجھا جائے گا، ورنہ وہ فقیر ہے، اس کے لیے زکوۃ لینا جائز ہے، شیخ دردیر مالکی فرماتے ہیں:

"فإن كان عنده قليل يكفيه عامه فلا يعطى" (الشرح الكبير ۱/ ۴۹۲، ا ی- ایڈیشن)۔

(اس کے پاس جو کچھ ہو وہ تھوڑا ہو، لیکن سال بھر کے لیے کافی ہو، تو اسے زکوۃ نہیں دی جائے گی)۔

لیکن ساتھ ہی یہ بھی صراحت ملتی ہے کہ اگر اس کے پاس سال بھر کا خرچ نہ ہو، لیکن اس کا نفقہ جس کے ذمہ ہے وہ غنی ہے، یا اسے بیت المال سے ایک متعین وظیفہ ملتا ہو یا اس کی کوئی صنعت ہو تب بھی وہ زکوۃ کا مستحق نہیں۔

"وقال اللخمي: إن كان للصحيح صناعة تكفيه وعياله لم يعط" (التاج والاکلیل ۳/۲۰۷ء،ا ای ایڈیشن،تفصیل کے لیے دیکھئے: حاشیۃ الصاوی ۳/۲۰۳)۔

اگر ایک تندرست شخص کی کوئی صنعت ہو جو اس کے لیے اور اس کے اہل وعیال کے لیے کافی ہوتو اسے زکوۃ نہیں دی جائے گی۔

گویا جمہور کے نزدیک اگر ایک شخص نصاب کے برابر مال کا مالک ہو، اور اس پر زکوۃ واجب ہو، لیکن چونکہ سال بھر کے خرچ کے لیے وہ مال کافی نہیں، اسے زکوۃ لینا بھی جائز ہوگا۔حاشیۃ الصاوی میں صاف مذکور ہے:

"لا يملك قوت عامه ولو ملك نصابا فيجوز الإعطاء له وإن وجبت عليه" (حاشیۃ الصاوی ۳/۱۹۹)۔

(سال بھر کے خرچ کا مالک نہ ہو، اگر چہ نصاب کا مالک ہو، چنانچہ اس کو زکوۃ دینا جائز ہے اگر چہ اس پر بھی زکوۃ واجب ہو)۔

تقریبا یہی قول حنابلہ اور شوافع کا بھی ہے (دیکھئے: شرح منتہی الارادات ۳/۲۳۹؛ المجموع ۶/۱۹۱)۔

چنانچہ شیخ تقی الدین فتوحی حنبلی میمونی کے حوالے سے وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں:

"قال الميموني: ذاكرت أحمد فقلت: قد يكون للرجل الإبل والغنم تجب فيها الزكوة وهو فقير ويكون له أربعون شاة أو تكون له الضيعة لا تكفيه يعطى من الصدقة؟ قال: نعم" (شرح منتہی الارادات ۳/۲۳۹)۔

(میمونی کہتے ہیں: میں نے اس سلسلہ میں امام احمدؒ سے مذاکرہ کیا، میں نے کہا: بسا اوقات ایک شخص کے پاس اونٹ ہوتا ہے، بکری ہوتی ہے جن میں زکوۃ واجب ہوتی ہے، اور وہ فقیر ہے! اس کے پاس چالیس بکریاں ہیں، جائیداد ہے، لیکن اس کے لیے کافی نہیں، کیا اسے زکوۃ دی جائے گی؟ فرمایا: ہاں دی جائے گی)۔

احناف کے یہاں ایسا نہیں؛ بلکہ جو بھی حوائج اصلیہ سے زائد اتنا مال رکھتا ہو جو نصاب کو پہنچ جائے، اور دوسری ضروری شرطیں پائی جائیں تو اسے زکوۃ دینا ضروری ہوگا، اور یہ امکان نہیں ہے کہ ایک ہی شخص زکوۃ دینے کا بھی پابند ہو اور زکوۃ کا مستحق بھی ہو۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سونے کو معیار نصاب قرار دینا زیادہ قرین انصاف ہے، اور بطور خاص اس پس منظر میں کہ سونا عہد نبوی سے آج تک اپنے نرخ کے اعتبار سے تھوڑے بہت فرق کے ساتھ پائیدار رہے، جبکہ چاندی کی قوت خرید میں عہد بہ عہد گراوٹ آتی گئی، اور آج کل بھی چاندی ایک قیمتی معدنی جوہر ہونے کے باوجود سونے کے مقابلہ میں کوئی وزن نہیں رکھتی، نیز علماء عرب کا سونے کے نصاب ہی کو معیار بنانے پر فتوی ہے، اور یہی رائے موجودہ عہد کے زیادہ مناسب ہے۔

ہم اگر صرف "انفع للفقراء" یا "احظ للفقراء" کی تعبیر پر اعتماد کرتے ہوئے چاندی کو معیار نصاب بناتے ہیں، تو دوسری طرف یہ بھی غور کرنا ہوگا کہ ایک شخص جس کے پاس "حوائج اصلیہ" کے علاوہ بارہ پندرہ ہزار روپئے سال بھر محفوظ ہیں، اور اسے آج ایک معمولی رقم تصور کیا جاتا ہے، گویا ایسے شخص کو عرفاً غنی نہیں سمجھا جاتا، اس کے حق میں "انفع" یا "احظ" یہی ہے کہ اس پر زکوۃ واجب نہ کی جائے، اور اس کے لیے زکوۃ سے حصہ پانے کا استحقاق رہنے دیا جائے، اور خود امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت موجود ہے کہ:

"یخیر المالک فیما یقوّم به ،لأن الثمنین في تقدیر قیم الأشیاء بهما سواء" (ہدایہ مع الفتح ۲/۲۲۷)۔

مالک کو (سونے چاندی میں سے جس سے چاہے) قیمت لگانے کا اختیار دیا جائے گا، چونکہ دونوں ثمن (سونا، چاندی) قیمتوں کے اندازہ لگانے میں برابر ہیں۔

اس قول کی توجیہ یہ کی گئی تھی کہ جب سونے چاندی دونوں سے نصاب کو پہنچے تب یہ اختیار رہے، جیسا کہ علامہ ابن ہمام کا قول ذکر کیا گیا، لیکن خود امام ابوحنیفہؒ نے یہ صراحت نہیں کی،

اور کیا اس زمانہ میں اس بات کا امکان باقی بھی رہا کہ مال کی ایک مقدار سونے چاندی دونوں سے نصاب کو پہنچ جائے، ہرگز نہیں، اس لیے اس قول کو مطلق رکھتے ہوئے اس پر عمل کیا جاسکتا ہے، اور اسی سے فقہ سلف میں ہر زمانہ کے مسائل کو حل کرنے کی جو عظیم الشان خوبی پائی جاتی ہے اسے سمجھا جاسکتا ہے، دوسرے قول سے نہیں۔

جب اگر سونا اور چاندی دونوں نامکمل ہو؟

سونا اور چاندی دو ایسے قیمتی معدنیات ہیں جو شریعت کے بے شمار مسائل میں اصل قرار دیئے گئے ہیں، یہ خود دوسرے اموال کے لئے پیمانہ بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں، لیکن دوسری چیزیں ان کے لئے پیمانہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی ہیں، نہ خود ان دونوں میں سے کسی کو دوسرے کے لئے معیار بنایا جاسکتا ہے، چنانچہ جب حضرت عطاء، طاؤس اور بعض دیگر جلیل القدر بزرگوں سے:

"نصاب الذهب معتبر با لفضة" (حلیۃ العلماء فی معرفۃ مذاہب الفقہاء للقفال ۳/۱۹۸۸)۔

(سونے کے نصاب کا اندازہ چاندی سے کیا جائے گا)۔

نقل کیا گیا تو تمام اہل علم نے اس دعوے کو یکسر مسترد کردیا، چنانچہ علامہ ابن حزم ظاہری (م:۴۵٦ھ) فرماتے ہیں:

"قول لا دليل على صحته" (المحلی ٦/۴۰)۔

(اس قول کے صحیح ہونے کی کوئی دلیل نہیں)۔

اور ان دونوں کی اسی اہمیت کے پیش نظر سونے چاندی کی زکوۃ کا تذکرہ کہیں "زکوۃ العین" (الفواکہ الدوانی فی الفقہ المالکی ۱/۴۹۴) اور کہیں "زکوۃ المال" (المبسوط ۳/۲۹۱) سے کیا گیا ہے، گویا ان کی حیثیت اموال کے درمیان ایسی ہے جیسے جسم انسانی میں آنکھ کی، یا گویا مال کہے جانے کے سزاوار اور حقدار یہی ہیں۔

شریعت میں مال کی چند دیگر قسموں کے ساتھ ان میں بھی زکوۃ فرض ہے، اگر ایک شخص

کے پاس صرف سونے کا نصاب ہو یا صرف چاندی کا نصاب ہو تب تو زکوۃ کی ادائیگی کا مسئلہ آسان ہے کہ ان میں سے "ربع عشر" (2.5%) زکوۃ نکال دی جائے لیکن کچھ مقدار سونے کی ہو اور کچھ مقدار چاندی کی تو زکوۃ کے فرض ہونے کا اصول کیا ہے، یہ مسئلہ غور طلب ہے۔

فقہ اسلامی کی کتابوں میں اس مسئلہ کو "ضم" کے عنوان سے ذکر کیا جاتا ہے، اور یہ تفصیل بتائی جاتی ہے کہ کون سے مالوں کو ایک دوسرے سے ملا کر نصاب کی تکمیل کی جائے گی، اور کون سے مالوں میں ایسا نہیں، مثلاً پانچ اونٹ، تیس گائے، اور چالیس بکریوں سے کم پر زکوۃ نہیں، اب کسی کے پاس اگر یہ تینوں جانور نصاب سے کم ہوں تو سب کا اتفاق ہے کہ ان میں ضم نہیں ہوگا، یعنی تینوں موجود جانوروں کی قیمت اگر کسی ایک نصاب کے برابر پہنچ جائے تو اس پر زکوۃ واجب ہو، ایسا نہیں:

"السوائم المختلفة الجنس لا تضم بالإجماع" (فتح القدیر ۲/۲۲۹)۔

(بالاتفاق مختلف جنس کے جانوروں کو جمع نہیں کیا جائیگا)۔

لیکن اس بات پر امام شافعیؒ کے علاوہ جمہور کا اتفاق ہے کہ سامان تجارت کو سونے، چاندی سے اور سونے چاندی کو سامان تجارت سے تکمیل نصاب کے لیے ضم کیا جائے گا، اسی طرح سونے کو چاندی سے اور چاندی کو سونے سے بھی ضم کیا جائے گا، موسوعہ فقہیہ کی عبارت دیکھئے:

"ذهب الجمهور (الحنفية والمالكية وهو رواية عن أحمد وقول الثوري والأوزاعي) إلى أن الذهب والفضة يضم أحدهما إلى الآخر في تكميل النصاب ......وذهب الشافعية وهورواية أخرى عن أحمدوقول أبي عبيد وابن أبي ليلى وأبي ثور أنه لا تجب فيأحد الجنسين الزكاة حتى يكمل وحده نصابا ،لعموم حديث"ليس فيما دون خمس أواق من الورق صدقة" (الموسوعۃ الفقہیہ ۲۳/۲٦۷)۔

جمہور (احناف، مالکیہ، اور یہی امام احمد کی ایک روایت، اور ثوری اور اوزاعی کا قول

ہے) کا مسلک یہ ہے کہ سونے اور چاندی میں سے ایک کو دوسرے سے تکمیل نصاب میں ضم کیا جائے گا......شوافع (اور یہی امام احمد کی دوسری روایت، ابوعبید، ابن ابی لیلی اور ابوثور کا قول ہے) کا مسلک یہ ہے کہ دونوں جنسوں میں سے ایک میں بھی زکوۃ واجب نہیں ہوگی جب تک کہ وہ تنہا نصاب کو نہ پہنچ جائے، چونکہ حدیث عام ہے "پانچ اوقیہ سے کم چاندی پر زکوۃ نہیں")۔

مالکی فقیہ اشہب (م:۲۰۴) کہتے ہیں:

"وإن زكاة العين يجمع فيها الذهب والفضة" (المدونۃ ۳/۳۹۹)۔

اور عین کی زکوۃ میں سونے چاندی کو جمع کیا جائے گا۔

ابو القاسم قیروانی مالکی رقمطراز ہیں:

"ويجمع بين الفضة والذهب في الزكاة" (تہذیب المدونۃ ۱/۱۴۸؛ التاج والاکلیل ۲/۴۸۹)۔

اکثر حنابلہ نے بھی یہی رائے پسند کی ہے، شمس الدین ابن المفلح (م:۷٦۳) فرماتے ہیں:

"ويكمل نصاب أحدهما بالآخر فيرواية اختارها الأكثر" (الفروع لابن المفلح ۴/۹۵)۔

اس روایت کے مطابق جسے اکثر نے اختیار کیا ہے ایک کا نصاب دوسرے سے مکمل کیا جائیگا۔

جبکہ ائمہ اربعہ میں امام شافعیؒ مطلق جمع کرنے کے قائل نہیں، امام نوویؒ (م:٦٧٦) فرماتے ہیں:

"ولا يضم أحدهما إلى الآخر فيا كمال النصاب،لأنهما جنسان... كالإبل والبقر" (المجموع ٦/۲؛ بدایۃ المجتہد ۱/۲۰٦)۔

نصاب مکمل کرنے کے لیے ان دونوں میں سے ایک کو دوسرے سے ضم نہیں کیا جائیگا۔

لیکن جمہور کا قول نص سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے، چونکہ بکیر بن عبداللہ الاشجؒ کا قول ہے:

"مضت السنة من أصحاب رسول اللهﷺ يضم الذهب إلى الفضة ،والفضة إلى الذهب لإخراج الزكاة"(الأصل -محمد بن الحسن الشيباني ۲/ ۸۴ بحوالہ بدائع الصنائع ۲/ ۱۰۶)۔

(رسول اللہﷺ کے اصحاب کی سنت رہی ہے کہ زکوۃ نکالنے کے لیے سونے کو چاندی سے اور چاندی کو سونے سے ضم کیا جائے)۔

علامہ سرخسی (م: ۴۸۳ھ) فرماتے ہیں:

"ومطلق السنة ينصرف إلى سنة رسول اللهﷺ" (المبسوط ۳/ ۲۹۹)۔

(اور مطلق سنت کا لفظ رسول اللہﷺ کی سنت طرف لوٹتا ہے)۔

علامہ علاء الدین کاسانیؒ نے اس کی عقلی دلیل یہ پیش کی ہے:

"ولأنهما مالان متحدان في المعنى الذي تعلق به وجوب الزكاة فيهما،وهو الإعداد للتجارة بأصل الخلقية والثمنية،فكانا في حكم الزكاة كجنس واحد،ولهذا اتفق الواجب فيهما وهوربع العشر عن كل حال ،وإنما يتفق الواجب عنداتحاد المال" (بدائع الصنائع ۲/ ۱۰۶)۔

(اور اس لیے بھی کہ یہ دونوں اس سبب کے اعتبار سے جس سے ان میں زکوۃ واجب ہوتی ہے، یکساں مال ہیں، اور وہ اصل خلقت اور ثمنیت کے اعتبار سے ان کا تجارت کے لیے تیار کرنا ہے، چنانچہ یہ زکوۃ کے حکم میں ایک جنس کی طرح ہوں گے، اسی لیے ان میں زکوۃ کے لیے واجب ہونے والی مقدار بھی یکساں ہے، اور وہ ہر حال میں عشر (2.5%) ہے، حقیقۃً وجوب کی یکسانیت مال کی یکسانیت سے ہی ہوتی ہے)۔

"ضم" کا طریقہ:

جو حضرات "ضم" کے قائل ہیں اس مسئلہ پر ان کے نقاط نظر میں اختلاف پایا جاتا ہے،

چنانچہ امام ابوحنیفہؒ قیمت کا اعتبار کرتے ہیں، مثلاً کسی کے پاس دس گرام سونا ہے جس کی مالیت ۱۷۰۰۰ روپے ہے، اور دس گرام چاندی ہے جس کی قیمت ۲۷۸ روپئے ہے تو زکوۃ واجب ہوجائے گی چونکہ ۱۷۲۷۸ روپے میں کیا اس سے کم میں ہی ہم ۶۱۲ گرام ۳۶۰ ملی گرام چاندی خرید سکتے ہیں، اور گرام کے اعتبار سے چاندی میں اسی مقدار پر زکوۃ واجب ہوتی ہے، اور سونے کے اعتبار سے ۸۷ گرام ۴۸۰ ملی گرام کو نصاب مانا گیا ہے، جبکہ امام مالکؒ، امام ابو یوسفؒ او رامام محمدؒ اس بات کے قائل ہیں، (اور یہی امام ابوحنیفہؒ او رامام احمد کی بھی ایک روایت ہے) کہ ضم تو دونوں کے درمیان ہوگا، لیکن اس میں قیمت کا کوئی عمل دخل نہ ہوگا، بلکہ وزن کا اعتبار ہوگا، چنانچہ اگر ۴۳.۵ [1] گرام سونا اور ۳۰۶ گرام چاندی ہوں تو گیا دونوں میں سے ہر ایک کے نصاب کا نصف نصف موجود ہے، اسی طرح اگر ۶۵.۲۵ گرام سونا ہو اور ۱۵۳ گرام چاندی ہو تو گویا سونے کے نصاب کا ۳/۴ اور چاندی کے نصاب کا ۱/۴ موجود ہے، اور اس تین چوتھائی اور ایک چوتھائی سے نصاب مکمل ہو رہا ہے، تو اب زکوۃ واجب ہوگی، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اگر ایک طرف نصف ہو اور دوسری طرف ربع ۱/۴ تو چونکہ یہاں ایک ربع ۱/۴ کم ہے، اس لیے زکوۃ واجب نہیں ہوگی، خواہ قیمت کے اعتبار سے نصاب کو پہنچ جائے، علامہ عثمان بن علی زیلعیؒ (م ۷۴۳ھ) فرماتے ہیں:

(۱) ملی گرام کو حسابی سہولت کے لیے نظر انداز کیا گیا ہے۔

”إن أحدهما يضم إلى الآخر بالقيمة قول أبي حنيفة،وعندهما يضم بالأجزاء،حتى لو كان له مائة درهم وخمسة دنانير قيمتها مائة درهم تجب فيها الزكاة عنده خلافا لهما،وعكسه لو كان له مائة درهم وعشرة دنانير قيمتها لا تبلغ مائة درهم تجب فيها الزكاة عندهما ولا تجب عنده“ (تبیین الحقائق ۳۸۲/۳)۔

(ان میں سے ایک کو دوسرے سے قیمت کے ذریعہ ضم کرنا امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے، اور صاحبین کے نزدیک اجزاء کے ذریعہ ضم کیا جائیگا، یہاں تک کے اگر اس کے پاس سو درہم اور

پانچ دینار ہوں جنکی قیمت سو درہم ہوتو اس میں امام صاحب کے نزدیک زکوۃ واجب ہوگی،صاحبین کےنزدیک نہیں،اس کے برعکس اگراس کے پاس سودرہم اور دس دینار ہوں جن کی قیمت سودرہم کونہ پہنچتی ہوتوان میں صاحبین کےنزدیک زکوۃ واجب ہوگی،امام صاحب کے نزدیک نہیں)۔

مالکیہ اور حنابلہ کا قول بھی صاحبین ہی کی طرح ہے،احمد بن غانم نفراوی مالکیؒ (م۱۱۲۶ھ)ذکرکرتے ہیں:

"ویجمع الذهب والفضة في الزكاة ،فمن كان له من الورق وزن مائة درهم من الفضة وله من الذهب عشرة دنانير أو عنده مائة وثمانون درهما وعنده دينار يساوي عشرين درهما،فليخرج من كل مال ربع عشره،لكن بالتجزئةوالمقابلة بأن يجعل كل دينار في مقابلة عشرة دراهم" (الفواکہ الدوانی علی رسالۃ ابی زید القیروانی ۴/۲۳)۔

(زکوۃ میں سونے اور چاندی کوملادیا جائیگا،توجس کے پاس چاندی کےسودرہم کاوزن ہو،اورسونے میں سے دس دینار،یااس کے پاس ایک سواسی درہم اور ایک دینار ہو جوبیس درہم کے برابر ہو،توپورے مال میں سے ڈھائی فیصد نکالے،لیکن اجزاء میں بانٹ کر اور مقابلہ کرکے،بایں طور کہ ہر ایک دینار کودس درہم کے مقابلہ پر رکھا جائے)۔

حنابلہ کے یہاں ضم کے تین طریقے ہیں،اجزاء کے ذریعہ،قیمت کے ذریعہ،دونوں میں سے جوفقراء کے لیے مفید ہواس طریقہ پر،ابن قدامہؒ(م:۶۲۰)ان اقوال کوذکرکرنے کے بعدفرماتے ہیں:

"والأول أصح،لأن الأثمان تجب الزكاة في أعيانها،فلا تعتبر قيمتها كما لو انفردت" (المغنی ۵/۳۶۴)۔

اور پہلاقول زیادہ صحیح ہے،چونکہ اثمان(سونے و چاندی)کے عین میں زکوۃ واجب

ہوتی ہے، چنانچہ ان کی قیمت کا اعتبار نہیں کیا جائیگا، جیسا کہ اس صورت میں جبکہ ان میں سے صرف ایک ہو۔

مشہور حنبلی فقیہ شیخ منصور بن یونس بہوتیؒ (م۱۰۸۱ھ) نے اس کی حکمت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

"ویکون الضم بالأجزاء، ولایکون الضم بالقیمة، لأن الضم بالأجزاء متیقن، بخلاف القیمة، فإنه ظن وتخمین" (کشاف القناع عن متن الاقناع ۵/۲۰۷)۔

(ضم اجزاء کے ذریعہ ہوگا، قیمت کے ذریعہ نہیں، چونکہ اجزاء کے ذریعہ ضم کرنا یقینی ہے، برخلاف قیمت کے، چونکہ وہ تو محض ظن وتخمین سے طے کی جاتی ہے)۔

اس تفصیل کو ذہن میں رکھ کر سمجھنا آسان ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر ایک تولہ سونا اور ایک تولہ چاندی ہو تو زکوۃ واجب ہوجائے گی اور صاحبین وغیرہ کے نزدیک واجب نہیں ہوگی، بلکہ قیمت پر نظر کیے بغیر یہ دیکھا جائے گا کہ دونوں کے ناقص نصاب سے مل کر کوئی ایک نصاب مکمل ہو رہا ہے یا نہیں، مثلاً ۶۵.۲۵ گرام سونا ہو اور ۱۵۳ گرام چاندی تو زکوۃ واجب ہوگی، لیکن ۴۳.۵ گرام سونا اور ۱۵۳ گرام چاندی ہو تو زکوۃ واجب نہ ہوگی، یعنی جہاں بھی اجزاء کو ضم کرنے کے بعد کسی ایک نصاب کا وزن مکمل نہ ہوتا ہو وہاں زکوۃ واجب نہ ہوگی۔

سوال میں جو یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اگر صرف سات تولہ سونا ہو تو ممکن ہے زکوۃ امام صاحب کے نزدیک واجب نہ ہونے پائے، اس پر تو صاحبین کے نزدیک بھی زکوۃ واجب نہ ہوگی۔

"وأجمعوا علی أنه لاتعتبر القیمة في الذهب والفضة عند الانفراد في حق تکمیل النصاب" (بدائع الصنائع ۲/۱۰۷)۔

(سب کا اتفاق ہے کہ سونے اور چاندی میں جب صرف کوئی ایک ہو تو تکمیل نصاب میں قیمت کا اعتبار نہ ہوگا)۔

ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ موجودہ تفاوت کی وجہ سے ضم کی صورت میں امام صاحب کے نزدیک بہت کم مقدار پر زکوۃ واجب ہوجاتی ہے،اور صاحبین کے نزدیک ایسا نہیں ہوگا،اور زکوۃ کے لیے بہر حال ایک ایسی بڑی مقدار ہونی چاہیے جو شریعت میں غنا (مالداری) کے عمومی تصور سے میل کھاتی ہو،اور یہ بات صاحبین کے قول پر عمل کرنے میں کہیں بہتر طور پر سامنے آتی ہے۔

امام صاحبؒ کے قول پر عمل کرنے میں ظاہر ہے کہ چاندی کے اعتبار سے جلد زکوۃ واجب ہوگی،اور اس سے متوسط آمدنی کے لوگوں پر زکوۃ کی ادائیگی کا بار آئے گا اور صرف یہی نہیں، بلکہ زکوۃ کے استحقاق سے محرومی بھی ان کا مقدر ہوگی،اور صاحبین کے قول پر عمل کرنے میں اس صورت میں تو زکوۃ واجب ہوگی جب چاندی کی مقدار کسی کے پاس زیادہ ہو اور سونے کی معمولی مقدار بھی اس نصاب کو مکمل کردے،لیکن جہاں سونا اور چاندی دونوں کم کم ہوں،اگرچہ چاندی کے نصاب کو ان کی مالیت پہنچ رہی ہو،لیکن اجزاء کے اعتبار سے کوئی ایک نصاب مکمل نہ ہو رہا ہو،تو زکوۃ ایک معتد بہ مقدار پر واجب ہوگی،اور زکوۃ میں ایک خطیر رقم ہونی بھی چاہیے،شاید اسی لیے امام صاحب کا دوسرا قول یہی ہے،اور حنابلہ و مالکیہ کا بھی یہی قول ہے،اور امام صاحب کا قول نہ بھی ہوتا تو صاحبین کے قول کے بارے میں صراحت موجود ہے کہ یہ امام صاحب کا ہی مرجوع عنہ قول ہوتا ہے،(رسم المفتی) اور بہت سے مسائل میں اسی حوالہ سے صاحبین کے قول پر فتوی بھی دیا جاتا ہے،"مبسوط" میں اس قول کی بڑی معقول توجیہ کی گئی ہے:

"ألا ترى أن من ملك إبريق فضة وزنه مائة وخمسون وقيمته مائتا درهم لايجب فيه الزكاة،ولو كان للتقويم عبرة في باب الزكاة من الذهب والفضة لوجبت الزكاة ههنا" (المبسوط ۳/۳۰۰)۔

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ جو شخص چاندی کے ایک ایسے لوٹے کا مالک ہو جسکا وزن ڈیڑھ سو ہو،اور اسکی قیمت دوسو درہم ہو اس میں زکوۃ واجب نہیں ہوتی،اگر سونے چاندی کی زکوۃ کے سلسلہ میں قیمت لگانے کا اعتبار ہوتا تو یہاں ضرور زکوۃ واجب ہوتی۔

اس لیے زکوۃ کے سلسلہ میں قیمت کے بجائے ''ضم الأجزاء'' والا قول زیادہ قرین انصاف ہے۔

☆☆☆

زکوۃ میں معیار نصاب

مفتی محمد اقبال قاسمی ☆

سونے اور چاندی میں سے کس کو معیار نصاب قرار دیا جائے اس کا جواب دینے سے پہلے اس پر غور کرنا ضروری ہے کہ زکوۃ کی مشروعیت کا مقصد کیا ہے؟ قرآن وسنت میں غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ جل جلالہ وعم نوالہ نے زکوۃ اس لیے مشروع کیا ہے تا کہ محتاج اور نادار لوگوں کی ضرورت پوری ہو قرآن پاک میں ہے:

﴿إنما الصدقات للفقراء و المساكين﴾ (سورۂ توبہ:۶۰)۔

(زکوۃ فقراء اور مساکین کے لیے ہے)۔

حدیث پاک میں ہے:

"تؤخذ من أغنيائهم و ترد إلى فقرائهم" (صحیح بخاری ۱/ ۲۰۳)۔

(زکوۃ مسلمانوں کے امیروں سے لیا جائے اور ان کے فقراء کو دیا جائے)۔

اور جب زکوۃ کی مشروعیت فقراء کی ضرورت پوری کرنے کے لیے ہے تو وجوب زکوۃ میں معیار اس کو بنایا جائے جس میں فقراء کا فائدہ ہو اور فائدہ اسی صورت میں ہوگا جبکہ اس کی قیمت ایسی چیز سے لگائی جائے جو نصاب کو پہنچ جائے، "ہدایہ" میں ہے:

"يقومها بما هو أنفع للمساكين احتياطا لحق الفقراء۔ ...... و تفسير الأنفع: أن يقومها بما تبلغ نصابا" (الہدایہ علی الفتح ۲/ ۲۲۰)۔

☆ استاذ مدرسہ اسلامیہ شکر پور، دربھنگہ۔

(اس کی قیمت ایسی چیز سے لگائی جائے جس میں مساکین کا فائدہ ہو احتیاطاً حق فقراء کی وجہ سے، اور زیادہ فائدہ کی تفسیر یہ ہے کہ ایسی چیز سے قیمت لگائے جو نصاب کو پہنچ جائے)۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر ایک کے ذریعہ قیمت لگانے کی صورت میں وہ نصاب اور خمس کو پہنچے اور دوسرے کے ذریعہ اس سے کم ہو تو اس کی قیمت ایسی چیز سے لگائے جس میں فقراء کا زیادہ فائدہ ہو، مثلاً اگر درہم سے قیمت لگائی جائے تو دو سو چالیس درہم کو پہنچتی ہے اور دینانیر سے قیمت لگائی جائے تو تیس دینار کو پہونچتی ہے تو اس کی قیمت دراہم سے لگائی جائے گی چونکہ اس میں زکوٰۃ چھ درہم واجب ہوں گے، دنانیر سے قیمت نہیں لگائیں گے چونکہ اس میں صرف آدھا دینار واجب ہوگا جس کی قیمت پانچ درہم ہوتی ہے اور اس میں فقراء کا ایک درہم کا نقصان ہے۔

صاحب "درمختار" لکھتے ہیں:

"و لو بلغ بأحدهما نصابا و خمسا بالآخر أقل قومه بالآخر نفع للفقير" (الدرالمختار ۲/۲۴)۔

(اگر ایک کے ذریعہ نصاب اور خمس کو پہنچ جائے اور دوسرے کے ذریعہ اس سے کم ہو تو اس کی قیمت ایسی چیز سے لگائی جائے جس میں فقراء کا فائدہ ہو)۔

علامہ ابن عابدین شامی نے اس کی تشریح اس طرح کی ہے:

"لو كان بحيث لو قومها بالدراهم بلغت مائتين و أربعين و بالدنانير ثلاثا و عشرين قومها بالدراهم لوجوب ستة فيها بخلاف الدنانير، فإنه يجب فيها نصف دينار و قيمته خمسة" (ردالمحتار ۲/۳۴)۔

زکوٰۃ میں سونے کی قیمت معتبر ہے یا چاندی کی؟

سطور بالا سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وجوب زکوٰۃ میں ہمیشہ فقراء کا فائدہ ملحوظ رکھا جائے، فقراء کا فائدہ اگر سونے سے قیمت لگانے سے ہوتا ہو تو سونے کی قیمت معتبر ہوگی، ورنہ چاندی کی قیمت معتبر ہوگی، اسی سے اس سوال کا جواب بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے کہ اگر کسی شخص

کے پاس مثلاً اتنی نقد رقم ہو جس سے نصاب کے بقدر چاندی تو خرید کی جاسکتی ہو، لیکن نصاب کے بقدر سونا نہیں خریدا جاسکتا تو ایسے شخص پر یقیناً زکوٰۃ واجب ہوگی، چنانچہ فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے کہ اگر مال تجارت وغیرہ کی قیمت سونے چاندی میں سے کسی ایک سے لگائی تو وہ نصاب کو پہنچ جاتا ہے اور دوسرے سے لگائی جائے تو وہ نصاب کو نہیں پہنچتا ہے تو بالاتفاق اس سے قیمت لگائی جائے گی جس سے نصاب کو پہنچ جاتا ہے، صاحب ''فتح القدیر'' علامہ ابن ہمامؒ تحریر فرماتے ہیں:

''لو كان يقومه بأحد النقدين يتم النصاب و بالآخر لا، فإنه يقومه بما يتم به النصاب بالاتفاق'' (فتح القدیر ۲/۲۲۰)۔

(اگر اس کی قیمت نقدین میں سے ایک سے لگاتا ہو تو نصاب پورا ہوجاتا ہے اور دوسرے سے پورا نہیں ہوتا ہے تو بالاتفاق اس چیز سے قیمت لگائی جائے گی جس سے نصاب پورا ہوجاتا ہے)۔

اور علامہ ابن ہمامؒ نے بہت ہی شرح وبسط کے ساتھ لکھا ہے کہ تمام احناف اس پر متفق نظر آتے ہیں کہ اگر سونے چاندی میں سے ایک سے قیمت لگانے میں نصاب پورا ہوجائے اور دوسرے سے پورا نہ ہو تو اسی چیز سے قیمت لگائی جائے گی جس سے نصاب پورا ہوجائے، نہ کہ دوسرے سے۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ اس چیز سے قیمت لگائی جائے جس میں فقراء کا فائدہ ہو اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مال تجارت جس سے خریدا ہو اسی سے قیمت لگائے، خواہ درہم ہو یا دینار، اس لیے کہ اس سے بآسانی مالیت کا اندازہ لگ جائے گا، جبکہ امام محمدؒ کے نزدیک شہر میں جو سکہ زیادہ رائج ہو اس سے قیمت لگائی جائے گی، اگر درہم رائج ہو تو درہم سے، ورنہ دینار سے، چنانچہ علامہ ابن ہمامؒ احناف کے اختلاف کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''هذا إذا كان يتم النصاب بأيهما قوم فلو كان يتم بأحدهما دون الآخر بما يصير به نصابا'' (فتح القدیر ۲/۲۲۰)۔

(یہ اختلاف اس وقت ہے جب نصاب پورا ہو جائے، خواہ ان دونوں میں سے جس سے بھی قیمت لگائی جائے، پس اگر ایک سے نصاب پورا ہو جاتا ہو، دوسرے سے نہیں تو قیمت اس چیز سے لگائی جائے گی جس سے نصاب پورا ہو جاتا ہو)۔

اور جب دونوں سے قیمت لگانے کی صورت میں نصاب پورا ہو جاتا ہو تو اس وقت امام ابوحنیفہؒ سے دو روایتیں ہیں، ایک یہ کہ اس چیز سے قیمت لگائی جائے جس میں فقراء کا فائدہ ہو۔ دوسری یہ کہ زکوٰۃ دہندہ کو اختیار رہے جس سے چاہے قیمت لگائے۔ دونوں روایتوں کا مصداق اور محل کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

"فالمعنی یقوم المالک بالأنفع مطلقا، فیتعین ما یبلغ به نصابا دون ما لا یبلغ، فإن بلغ بکل واحد منهما و أحدهما أروج تعین التقویم بالأروج، و إن استویا رواجا حینئذ یخیر المالک" (فتح القدیر ۲/۲۲۰)۔

(پس مفہوم یہ ہے کہ مالک انفع کے ذریعہ مطلقاً قیمت لگائے گا، لہٰذا متعین ہے وہ جو نصاب کو پہنچ جائے، نہ کہ وہ جو نصاب کو نہ پہنچے، پس اگر ہر ایک کے ذریعہ نصاب کو پہنچ جائے اور ان دونوں میں سے ایک زیادہ رائج ہو تو جو زیادہ رائج ہو اس کے ذریعہ قیمت لگانا متعین ہے اور اگر دونوں رائج ہونے میں برابر ہو تو اس وقت مالک کو اختیار رہے)۔

"بدائع الصنائع" میں علامہ کاسانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"إن الدراهم و الدنانیر و إن کانا في الثمنیة و التقویم بهما سواء، لکنا رجحنا أحدهما بمرجح، و هو النظر للفقراء، و الأخذ بالاحتیاط أولی، ألا تری أنه لو کان بالتقویم بأحدهما یتم النصاب و بالآخر لا، فإنه یقوم بما یتم به النصاب نظرا للفقراء و احتیاطا کذا هذا" (بدائع الصنائع ۲/۲۱)۔

(دراہم اور دنانیر اگرچہ دونوں ثمنیت اور ان کے ذریعہ قیمت لگائے جانے میں برابر ہیں، لیکن ہم نے ان میں سے ایک کو ترجیح دی ہے ایک مرجح کے پیش نظر اور یہ ہے فقراء پر شفقت

اور احتیاط پر عمل کرنا اولی ہے، کیا آپ کو نہیں معلوم کہ اگر ایک کے ذریعہ قیمت لگانے سے نصاب پورا ہو جاتا ہو اور دوسرے کے ذریعہ نہیں تو پھر یقیناً اس کی قیمت اس چیز سے لگے گی جس سے نصاب پورا ہو جاتا ہو، فقراء پر شفقت کرتے ہوئے اور احتیاط پر عمل کرتے ہوئے، اسی طرح یہاں بھی)۔

اب ایک نظر اردو فتاویٰ پر بھی ڈالیے:

مولانا یوسف لدھیانویؒ نصاب میں معیار کس کو قرار دیا جائے اس کے جواب میں لکھتے ہیں: ''اس کی دو وجہیں ہیں، ایک یہ کہ زکوٰۃ فقراء کے نفع کے لیے ہے اور اس میں فقراء کا نفع زیادہ ہے۔ دوم یہ کہ اس میں احتیاط زیادہ ہے کہ جب ایک نقدی کے ساتھ نصاب پورا ہو جاتا ہے اور دوسری نقدی کے ساتھ پورا نہیں ہوتا ہے تو احتیاط کا تقاضا یہ ہوگا کہ جس نقدی کے ساتھ نصاب پورا ہو جاتا ہے اسی کا اعتبار کیا جائے'' (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳/ ۳۵۶)۔

''کتاب العشر والخراج'' میں مولانا عبد الصمد رحمانیؒ لکھتے ہیں:

''مگر ضروری ہے کہ جس صورت میں فقراء کا نفع ہو، یعنی جس تدبیر سے زکوٰۃ زیادہ ہو اس صورت کو اختیار کیا جائے (کتاب العشر والخراج ص ۲۵۲)۔

''شرح سیر کبیر'' میں ہے:

''إنما يؤخذ في العبادة بالاحتياط و طريق الاحتياط في البناء على المتيقن به دون المحتمل'' (شرح السیر الکبیر ۱/ ۱۶۱)۔

(عبادت میں احتیاط والے پہلو کو لیا جاتا ہے اور احتیاط والا پہلو یقین پر بنیاد رکھنے میں ہے، احتمال پر نہیں)۔

''درمختار'' میں ہے:

''و لو بلغ بأحدهما نصابا و خمسا و بالآخر أقل قومه بالأنفع للفقير'' (الدر المختار ۲/ ۲۴)۔

(اگر ایک ذریعہ قیمت لگانے سے نصاب اور خمس کو پہنچ جائے اور دوسرے سے اس سے کم تو ''أنفع للفقراء'' سے اس کی قیمت لگائے)۔

مذکورہ بالا فتاوے سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ وجوب زکوٰۃ کے بارے میں ''أنفع للفقراء'' کا لحاظ رکھا جائے گا، جس چیز سے قیمت لگانے سے زکوٰۃ واجب ہوتی ہو اسی سے قیمت لگائی جائے گی اور جس سے قیمت لگانے سے زیادہ زکوٰۃ واجب ہوتی ہو اسی سے قیمت لگائی جائے گی اور عصر حاضر میں چاندی سے قیمت لگانے سے ان دونوں چیزوں کا لحاظ ہوجاتا ہے۔

نصاب میں اعتبار قیمت کا ہے یا اجزاء نصاب کا:

حنفیہ کے نزدیک اگر کسی شخص کے پاس کچھ سونا اور کچھ چاندی ہو اور دونوں کا مجموعہ نصاب کے بقدر ہوجاتا ہو تو زکوٰۃ واجب ہوجاتی ہے، البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس میں قیمت کا اعتبار ہے، یعنی سونا اور چاندی کی مجموعی قیمت چاندی کے برابر ہوجاتی ہو تو موجودہ قیمت کے لحاظ سے امام صاحبؒ کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہوجائے گی، جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک اجزاء نصاب کا اعتبار ہوگا، ''ہدایہ'' میں ہے:

''و يضم الذهب إلى الفضة للمجانسة من حيث الثمنية و من هذا لوجه صار سببا ثم يضم بالقيمة عند أبي حنيفة و عندهما بالأجزاء و هو رواية عنه حتى أن من كان له مائة درهم و خمسة مثاقيل ذهب تبلغ قيمتها مائة درهم فعليه الزكاة عنده خلافا لهما'' (الہدایہ علی الفتح ۲/ ۲۲۲)۔

(سونے اور چاندی کو ثمنیت کے اعتبار سے ہم جنس ہونے کی وجہ سے ملایا جائے گا، اسی وجہ سے وہ سبب بنا ہے، پھر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قیمت کے اعتبار سے ملایا جائے گا اور صاحبینؒ کے نزدیک اجزاء کے اعتبار سے، یہی ایک روایت ہے امام صاحبؒ سے، یہاں تک کہ جس شخص کے پاس سو درہم اور پانچ مثقال سونا ہو جس کی قیمت سو درہم کو پہنچ رہی ہو تو امام

صاحبؒ کے نزدیک اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، برخلاف صاحبینؒ کے)۔

ضم نصاب کے مسئلہ میں راجح اور مفتیٰ بہ قول:

اب جبکہ امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف ہے کہ جس شخص کے پاس کچھ سونا اور کچھ چاندی ہوتو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں کی قیمت اگر کسی ایک نصاب کو پہنچ جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک اگر اجزاء نصاب کو پہنچ جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے، ورنہ نہیں تو اب سوال یہ ہے کہ موجودہ حالات میں ضم نصاب کے مسئلہ میں کیا صاحبینؒ کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام صاحبؒ کا قول چونکہ ''أنفع للفقراء'' اور احتیاط پر مبنی ہے، اس لیے امام صاحبؒ ہی کا قول اختیار کیا جائے گا، صاحبینؒ کے قول کو نہیں۔

لہٰذا علماء کا جو قول ہے کہ باب العبادات میں امام ابوحنیفہؒ کے قول پر فتویٰ دیا جائے اسی پر عمل کیا جائے گا۔

علامہ ابن عابدین شامی شرح المنیہ کے حوالہ سے شرح عقود رسم المفتی میں لکھتے ہیں:

''فللّٰه در الإمام الأعظم ما أدق نظره و ما أشد فكره و لأمر ما جعل العلماء و الفتوى على قوله في العبادات مطلقا و هو الواقع بالاستقراء'' (شرح عقود رسم المفتی/ ۲۸)۔

(اللہ ہی کے لیے امام اعظمؒ کا خیر کثیر ہو ان کی نظر کتنی دقیق ہے، ان کی سوچ کتنی مضبوط ہے، آخر کوئی نہ کوئی بات تو ہے جس کی بنا پر علماء نے باب العبادات میں مطلقاً ان کے قول پر فتویٰ دیا ہے اور استقراء سے یہی ثابت بھی ہے)۔

بلکہ علامہ شامی نے علامہ ابن شبلی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ کسی بھی قاضی اور مفتی کے لیے امام صاحبؒ کے قول سے عدول کرنا جائز نہیں، مگر جبکہ مشائخ میں کو اس کی تصریح کردے کہ فتویٰ امام صاحبؒ کے علاوہ قول پر ہے:

''و في فتاوى العلامة ابن الشبلي: ليس للقاضي و لا المفتي العدول

عن قول الإمام، إلا إذا صرح أحد من المشائخ بأن الفتوى على قول غيره، فليس للقاضي أن يحكم بقول غير أبي حنيفة في مسألة لم يرجح فيها قول غيره، و رجحوا فيها دليل أبي حنيفة على دليله، فإن حكم فيها محكمة غير ماض ليس له غير الانتقاض" (شرح عقود رسم المفتی ر ۲۳)۔

(علامہ ابن شبلی کے فتاویٰ میں ہے کہ قاضی اور مفتی کے لیے امام صاحبؒ کے قول سے عدول کرنا جائز نہیں، مگر جبکہ مشائخ میں سے کسی نے تصریح کی ہو کہ فتویٰ امام صاحبؒ کے علاوہ کسی اور قول پر ہے، کسی ایسے مسئلہ میں جس میں ان کے علاوہ کا قول راجح نہ ہو اور علماء نے دوسرے کی دلیل پر امام صاحبؒ کی دلیل کو راجح قرار دیا ہو، پس اگر ایسا فیصلہ کر دیا تو اس کا فیصلہ نافذ ہوگا اور اس کے ٹوٹنے کے علاوہ کوئی صورت نہیں ہے)۔

☆☆☆

سونے اور چاندی کا نصاب اور موجودہ معاشی صورتحال

مولانا محمد شاہجہاں ندوی☆

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ زکوۃ فرض عین ہے،اس کی فرضیت کا ثبوت قرآن کریم کی بہت سی آیات سے ہے،جیسے ارشاد الہی ہے:

﴿و أقیمو ا الصلاۃ و اٰتوا الزکاۃ﴾ (البقرۃ:۴۳،۸۳)۔

(اور نماز کا اہتمام کرو اور زکوۃ ادا کرو)۔

رسول اکرم ﷺ نے حضرت معاذ کو یمن بھیجتے وقت جو حدیث ارشا فرمائی اس میں ہے:

"فإن هم أطاعوا لذلک، فأعلمهم أن الله افترض علیهم صدقة، أي زکاۃ۔ تؤخذ من أغنیائهم، و ترد علی فقرائهم" (صحیح البخاري، کتاب الزکاۃ، باب وجوب الزکاۃ، ح ۱۳۹۵)۔

(پھر اگر وہ اس بات میں بھی تمہاری اطاعت کریں تو ان کو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوۃ فرض فرمایا ہے،جو ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور ان کے فقراء کو لوٹا دی جائے گی)۔

اسی کے ساتھ ساتھ زکوۃ کی مشروعیت حکمت و مصلحت سے لبریز ہے، چنانچہ زکوۃ سے اخلاق و روحانیت اور تمدن و معیشت ہر چیز کو نشو و نما حاصل ہوتا ہے اور زکوۃ خود غرضی، منفعت پرستی، بخل و کنجوسی، تنگ دلی، قساوتِ قلبی اور سنگ دلی جیسی صفات سے نفس انسانی کی تطہیر کرتی

☆ جامعہ اسلامیہ شانتاپورم، مالاپورم، کیرالہ۔

ہے، انسان کے احساسات اور منشاء پر مال کی محبت مسلط نہیں ہونے دیتی ہے، باہمی محبت اور معاشرے کے کمزور افراد کو اٹھانے کے جذبات کی پرورش کرتی ہے، ان ہی مصالح کی طرف اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد مشیر ہے:

﴿خذ من أموالهم صدقة تطهرهم و تزكيهم بها ......الخ﴾ (توبہ:۱۰۳)۔

(اے نبی!) آپ ان کے اموال میں سے صدقہ لے کر انہیں پاک کیجئے اور (نیکی کی راہ میں) انہیں بڑھایئے اور ان کے حق میں دعاء رحمت کیجئے)۔

اس تمہید کے بعد ہم سوال کے جواب تحریر کرتے ہیں۔

سوال اول کی دو شقیں ہیں:

۱- اگر کسی شخص کے پاس نقد روپے یا سامان تجارت ہو تو زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے پیمانہ یا معیار سونے کا نصاب ہوگا یا چاندی کا؟ اس سوال کے جواب میں ہمارے قدیم فقہاء تحریر فرماتے ہیں:

"ثم بماذا تقوم؟ ذكر القدوري في شرحه مختصر الكرخي: أنه يقوم بأوفى القميتين من الدراهم و الدنانير، حتى إنها إذا بلغت بالتقويم بالدراهم نصابا، و لم تبلغ بالدنانير، قومت بما تبلغ به النصاب، و كذا روي عن أبي حنيفة في الأمالي أنه يقومها بأنفع النقدين للفقراء" (بدائع الصنائع للکاسانی علاء الدین ابی بکر بن مسعود (۵۸۷ھ) ۲/۲۱، کتاب الزکاۃ، فصل و أما أموال التجارة، فتقدیر النصاب فیھا بقیمتھا من الدنانیر و الدراھم، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت، الطبعۃ الثانیہ ۱۴۰۶ھ-۱۹۸۶م)۔

(پھر سامان تجارت کی قیمت کس پیمانہ سے ہوگی، قدوری نے مختصر الکرخی کی اپنی شرح میں ذکر کیا ہے کہ درہم یا دینار میں سے جو قیمت نصاب کو پہنچ جائے اس کے ذریعہ قیمت لگائی جائے، یہاں تک کہ اگر چاندی کے سکہ کے ذریعہ قیمت لگانے سے نصاب کو پہنچ جائے اور دینار کے ذریعہ نصاب کو نہ پہنچے تو اسی سکہ سے قیمت لگائی جائے جس سے نصاب کو پہنچ جائے۔ ایسے ہی

”لأ مالي“ میں امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ سونے یا چاندی کے اس سکہ سے قیمت لگائی جائے، جس میں فقراء کا زیادہ نفع ہو، یعنی جس سے نصاب کو پہنچ جائے)۔

اور ”ردالمحتار“ میں ہے:

”و محل التخيير إذا استويا فقط، أما إذا اختلفا قوم بالأنفع“ (ردالمحتار لابن عابدین محمد أمین (۱۲۵۲ھ) ۳/۲۲۹، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال، ط: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الأولی ۱۴۱۵ھ-۱۹۹۴م)۔

(محل اختیار صرف وہ صورت ہے جس میں دونوں سکے برابر ہوں، لیکن اگر چاندی اور سونے کے سکے میں زیادہ تفاوت ہو تو اس سکہ سے قیمت لگائے جس میں فقراء کا زیادہ نفع ہو، یعنی جس سے نصاب کو پہنچ جائے)۔

یہی حنابلہ کا مذہب ہے (دیکھئے: المغنی لابن قدامہ عبداللہ بن أحمد (۶۲۰ھ)، باب زکاۃ التجارۃ، مسألۃ قال: وتقوم السلع ...... ۳/۳۳، ط: عالم الکتب بیروت)۔

اور امام ابو یوسفؒ کا مسلک یہ ہے:

”يقومها بما اشتراها بالدنانير قومها بالدنانير، و إن اشتراهما بغيرهما من العروض، أو لم يكن اشتراها، بأن كان وهب له، فقبله، ينوي به التجارة، قومها بالنقد الغالب في ذلك الموضع“ (بدائع الصنائع ۲/۲۱)۔

(سامان تجارت کی قیمت اس سکہ سے لگائے جس کے ذریعہ اس نے خریدا ہے، تو اگر درہم سے خریدا ہے تو درہم سے قیمت لگائے اور اگر دینار سے خریدا ہے تو دینار سے قیمت لگائے، اور اگر ان کے علاوہ سے سامان ہی سے خریدا ہو یا خریدا نہ ہو اس طرح کہ اسے ہبہ کیا گیا ہو اور اس نے اسے تجارت کے قصد کے ساتھ قبول کرلیا ہو تو اس جگہ جو سکہ زیادہ رائج ہو اس سے قیمت لگائے)۔

یہی شافعیہ کا مذہب ہے (دیکھئے: المجموع شرح المہذب للنووي محي الدین بن شرف (۶۷۶ھ)،

کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ التجارۃ، ۶/ ۵۵، ط: دار الفکر، بیروت ۱۴۲۵-۱۴۲۶ھ-۲۰۰۵م)۔

اور امام محمدؒ کا مسلک یہ ہے:

''یقومها بالنقد الغالب علی کل حال؛ لأن إلی تقویم شيء من حقوق العباد کالمصوب و المستهلک یقوم بالنقد الغالب في البلدة، کذا هذا'' (بدائع الصنائع ۲/ ۲۱)۔

(اس سکہ سے قیمت لگائے جو شہر میں زیادہ رائج ہو، کیونکہ اللہ تعالی کے حق میں قیمت لگانے کا اعتبار بندے کے حق میں قیمت لگانے کے ذریعہ ہوگا، پھر اگر بندے کے حقوق میں سے کسی چیز کے بارے میں قیمت لگانے کی ضرورت ہو، جیسے غصب کردہ یا ضائع کردہ مال تو اس کی قیمت شہر کے رائج سکہ سے لگائی جائے گی، تو ویسے ہی یہاں بھی کیا جائے گا)۔

امام صاحبؒ کی ایک روایت ہے کہ مالک کو اختیار رہوگا کہ سونا یا چاندی میں سے جس سکہ سے چاہے قیمت لگائے، کیونکہ دونوں ثمن اشیاء کی قیمت کا اندازان کے ذریعہ لگائے جانے میں برابر ہیں (مرجع سابق)۔

لیکن محقق ابن ہمامؒ کا خیال ہے کہ یہ روایت اس صورت پر محمول ہے، جبکہ دونوں کے ذریعہ سامان تجارت نصاب کو پہنچ جائے (فتح القدیر شرح الہدایۃ لابن الھمام محمد بن عبد الواحد (۸۶۱ھ)، کتاب الزکاۃ فصل في العروض، ۲/ ۱۶۷، ط: دار الکتب العلمیۃ، بیروت)۔

لیکن معاصر فقہاء جیسے ڈاکٹر عبد الکریم زیدان بغدادی حنفی، ڈاکٹر یوسف قرضاوی، ڈاکٹر محمد زحیلی اور ڈاکٹر وہبہ زحیلی وغیرہم نقد روپے یا سامان تجارت کی قیمت لگانے کے لیے پیمانہ سونے کا نصاب قرار دیتے ہیں، ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) سونے میں زیادہ استحکام ہے۔

(۲) حکومتیں بیلینس کے طور پر زیادہ تر سونے ہی پر اعتماد کرتی ہیں اور اسی کی بنیاد پر کاغذی نوٹ تیار کرتی ہیں اور اسی کی اساس پر کاغذی نوٹ کی قیمت طے ہوتی ہے۔

(۳) سونا ہی گویا بین الاقوامی سکہ اور معیار ہے، جس سے دنیا کے سکوں کا اندازہ کیا جاتا ہے اور ان کی قیمت کی نسبت سونے ہی کی طرف کی جاتی ہے، اگر چہ اس کے باوجود اس کی قیمت میں مارکیٹ کے اتار چڑھاؤ کی بنا پر اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے۔

(۴) کاغذی نوٹ پر رمز کے طور پر Golden Cover کا ہی استعمال ہوتا ہے۔

(۵) نبی اکرم ﷺ کے عہد میں سونے چاندی کے نصاب کی قیمت برابر تھی، چنانچہ ایک مثقال کی قیمت دس درہم تھی، لیکن اس عہد کے بعد چاندی کی قیمت گرنے لگی، یہاں تک کہ دونوں نصاب میں بڑا تفاوت پیدا ہو گیا ہے، جبکہ سونا اب تک تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ اپنی قیمت برقرار رکھے ہوئے ہے، کیوں کہ نبی اکرم ﷺ کے دور میں سونے کی قوت خرید (100%-120%) کے برابر تھی جواب بھی باقی ہے (دیکھئے: مجلۃ المجمع الفقهي ۵/ ۳/ ۱۶۷۹ام)۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ سونے کی قیمت میں استحکام اور پائداری ہے، نہ کہ چاندی میں، لہٰذا سونے کے نصاب کو ہی پیمانہ بنایا جائے گا۔

(۶) سونا ہی تعامل میں اصل ہے اور نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں اور اہل مکہ کے نزدیک بھی مثقال ہی سکہ کی بنیاد تھی۔

(۷) نبی کریم ﷺ کے عہد میں بیس دینار سے تقریباً بیس حجازی بکری خرید سکتے تھے اور اس دور میں بھی بیس مثقال سے تقریباً اتنی ہی حجازی بکریاں خریدی جاسکتی ہیں، اس سے پتہ چلتا ہے کہ سونے کی قوت خرید میں استحکام ہے، لہٰذا اسے ہی معیار بنایا جائے گا۔

(۸) مال مسروق کی قیمت لگانے میں شافعیہ نے سونے کو بنیاد قرار دیا ہے اور چاندی کو قیمت لگانے کی اساس نہیں قرار دیا ہے، فقہ شافعی کی مشہور کتاب "مغني المحتاج" میں ہے:

"على أن الأصل في التقويم هو الذهب الخالص، حتى لو سرق دراهم أو غيرها قومت به" (مغني المحتاج للشيخ محمد الشربيني الخطيب، كتاب قطع السرقة ۴/ ۱۵۸، ط: دار إحياء التراث العربي، بيروت ۱۳۷۷ھ-۱۹۵۸م)۔

(اپنے قول ”بأربع دینار خالص“ کی قیمت کو پہنچ جائے، اس سے اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ قیمت لگانے میں اصل خالص سونا ہے، یہاں تک کہ اگر درہم یا درہم کے علاوہ کوئی دوسرا سامان چرائے تو خالص سونے کے ذریعہ اس کی قیمت لگائی جائے گی)۔

(۹) چاندی کے ذریعہ اگرچہ قیمت لگانا فقراء کے لیے زیادہ نفع بخش ہے، لیکن اس میں مالک مال کے ساتھ زیادتی ہے، جو بڑے سرمایہ دار یا بڑے مالدار نہیں، بلکہ جمہور امت میں سے ہیں (مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: ”المفصل في أحکام المرأۃ و بیت المسلم في الشریعۃ الإسلامیۃ“ للدکتور عبد الکریم زیدان: ۱/۳٦۷، ط: مؤسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ الثالثۃ ۱۴۲۰ھ – ۲۰۰۰م، ”الفقہ الإسلامي و أدلتہ“ للدکتور وھبۃ الزحیلي ۳/۱۸۲۱، ط: دار الفکر المعاصر، بیروت، الطبعۃ الرابعۃ ۱۴۱۸ھ – ۱۹۹۷م، ”فقہ الزکاۃ“ للقرضاوي ۱/۳۰۵، ط: مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، الطبعۃ السابعۃ ۱۴۲۳ھ – ۲۰۰۲م)۔

میرے نزدیک یہی راجح ہے کہ نقد رقم اور مال تجارت کی لگانے کے لیے پیمانہ سونے کو قرار دیا جائے، کیونکہ سونا ہی ہر شئے کی پشت پر ہے، اور اس میں زیادہ استحکام ہے اور آپ ﷺ کے عہد میں سونا ہی تعامل کی اساس اور سکہ کی بنیاد تھا۔

۲- اگر کسی شخص کے پاس نقد رقم، مال تجارت یا اموال زکوٰۃ کے علاوہ کوئی مال چاندی کے نصاب کی قیمت کا موجود ہو، مگر وہ سونے کے نصاب کی قیمت کو نہیں پہنچتا ہو تو اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہوگا یا حرام؟

اس سوال کے جواب میں تحریر ہے کہ شریعت میں غنا (مالداری) کا پیمانہ یا مالداری کی کمتر حد نصاب ہے، چنانچہ جس طرح نوٹ یا سامان تجارت کی قیمت لگانے کے لیے سونے کو معیار بنایا گیا ہے، اسی طرح دیگر مال کی قیمت لگانے کے لیے سونا ہی کو معیار بنایا جائے گا، ان ہی دلائل کے پیش نظر جو پیچھے ذکر کیے گئے، اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ چاندی کے نصاب کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”لأنها مقدار یکفی أقل أهل بیت سنة کاملة، إذا کانت الأسعار موافقة

في أكثر الأقطار، و استقرئ عادات البلاد المعتدلة في الرخص و الغلاء تجد ذلک" (حجۃ اللہ البالغۃ للشاہ ولی اللہ احمد بن عبد الرحیم (۱۱۷۶ھ): ۷۶/۲، ط: دار الکتب العلمیۃ، بیروت ۱۴۲۱ھ- ۲۰۰۱م)۔

(یہ ایسی مقدار ہے جو کمتر گھرانہ کے لیے مکمل سال بھر کے لیے کافی ہے، جبکہ اکثر اقالیم میں دام معتدل ہو اور ارزانی اور گرانی کے باب میں تم معتدل مما لک کی عادات کا جائزہ لو تو ایسا ہی پاؤ گے)۔

اب چونکہ چاندی کے نصاب میں یہ بات نہیں رہی، لہٰذا تقویم کا مدار اس پر نہیں رکھا جاسکتا ہے، اگر چہ منصوص ہونے کی وجہ سے اس نصاب کی بھی پابندی لازم ہوگی، لیکن تقویم (قیمت لگانا) کا معیار سونا ہی کو بنایا جائے گا۔

(۲) حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اگر کسی شخص کے پاس کچھ مقدار سونے اور کچھ مقدار چاندی کی ہو اور دونوں کا مجموعہ نصاب کے بقدر ہو جاتا ہو تو زکوۃ واجب ہو جاتی ہے، البتہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس میں قیمت کا اعتبار ہے، اگر کسی کے پاس کچھ چاندی اور کچھ سونا ہو اور دونوں کی مجموعی قیمت چاندی کے نصاب کے برابر ہو جاتی ہو تو موجودہ قیمت کے لحاظ سے امام صاحب کے یہاں زکوۃ واجب ہو جائے گی، جب کہ صاحبینؒ، امام مالکؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ ضم الاجزاء کے قائل ہیں، یعنی سونے اور چاندی میں سے ایک کی مقدار اپنے نصاب کے ایک تناسب کو پورا کرتی ہو اور دوسرے کی مقدار اپنے نصاب کے بقیہ تناسب کو پورا کر دیتی ہو تب زکوۃ واجب ہوگی، مثلاً: سونا اپنے نصاب کا ایک چوتھائی ہے اور چاندی اپنے نصاب کا تین چوتھائی ہے تو اب زکوۃ واجب ہوگی۔

موجودہ حالات میں امام صاحبؒ کے قول پر ممکن ہے کہ ایک تولہ سونا اور ایک تولہ چاندی میں زکوۃ واجب ہو جائے اور سات تولہ صرف سونا ہو تو زکوۃ واجب نہ ہو پائے، ایسی صورت میں کیا ضم نصاب کے مسئلہ میں صاحبینؒ کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے؟

اس سوال کے جواب میں تحریر یہ ہے کہ مذہب حنفی میں فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہے، ''کنز الدقائق'' میں ہے:

''و تضم قيمة العروض إلى الثمنين و الذهب إلى الفضة قيمة''

(کنز الدقائق للنسفي عبد اللہ بن أحمد (۷۱۰ھ) بھامش البحر الرائق، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال ۲/ ۴۰۰، ط: الھند، الطبعۃ الأولی ۱۴۱۹ھ-۱۹۹۸م)۔

(سامان تجارت کی قیمت سونے چاندی کے ساتھ ملائی جائے گی اور سونے کو چاندی کے ساتھ قیمت کے لحاظ سے ملایا جائے گا)۔

''اللباب'' میں ہے:

''قال في التصحيح: و رجح قول الإمام الإسبيجابي الزوزني، و عليه مشى النسفي و برهان الشريعة، و صدر الشريعة، و قال في التحفة: قوله: أنفع للفقراء، و أحوط في باب العبادات'' (اللباب في شرح الکتاب لعبد الغني الغنيمي الدمشقي الميداني ۱/ ۷۶، باب زکاۃ العروض، ط: دار الکتاب العربي، بیروت)۔

(''التصحیح'' نامی کتاب میں ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے قول کو امام اسبیجابی زوزنی نے راجح قرار دیا ہے اور اسی کو نسفی، برہان الشریعہ اور صدر الشریعہ نے اختیار کیا ہے، اور ''تحفہ'' میں ہے کہ امام صاحبؒ کا قول فقراء کے لیے زیادہ نفع بخش اور باب عبادات میں زیادہ محتاط ہے)۔

امام صاحبؒ کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ سونے کو چاندی کے ساتھ ملانا ثمنیت کے اعتبار سے ہم جنس ہونے کی وجہ سے ہے اور ہم جنس ہونے کا تحقق معنی یعنی قیمت کے اعتبار سے ہوگا، نہ کہ صورت کے اعتبار سے، کیونکہ چاندی اور سونے کی صورت الگ الگ ہے، لہٰذا قیمت کے اعتبار سے ضم ہوگا، کیونکہ دونوں ان کے ذریعہ اشیاء کی قیمت لگائے جانے کے لحاظ سے ایک جنس ہیں۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ عین دراہم و دنانیر میں قیمت کا اعتبار نہیں ہے، بلکہ وزن کا

اعتبار ہے، جیسے حالت انفراد میں قیمت کا وزن (۱۵۰) درہم ہو اور قیمت دو سو درہم ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

لیکن امام صاحب کی طرف سے حالت انفراد پر قیاس کرنے کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ سونے چاندی میں قیمت کا ظہور اسی وقت ہوگا، جبکہ ایک کا دوسرے سے مقابلہ ہو، یا قیمت کا ظہور ملانے کے وقت ہوگا، کیونکہ دونوں کو ایک جنس ثمنیت کے لحاظ سے ہی قرار دیا گیا ہے (دیکھئے: تبیین الحقائق لفخر الدین عثمان بن علي الزیلعي الحنفي ۱/ ۲۸۰، باب زکاۃ المال علیه ط: دار الکتاب الإسلامي، القاہرۃ ۱۳۱۳ھ فتح القدیر ۲/ ۱۷۰)۔

غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ مالکیہ اور صاحبینؒ کا قول راجح ہے، کیونکہ شریعت نے ایک دینار کے مقابلہ میں دس درہم کو رکھا ہے، دسوقی مالکی لکھتے ہیں:

"أي التجزئة و المقابلة بأن يجعل كل دينار في مقابلة عشرة دراهم"

(حاشیۃ الدسوقي علی الشرح الکبیر ۲/ ۴۲، باب الزکاۃ، مبحث زکاۃ النقد، ط: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الأولی ۱۴۱۷ھ-۱۹۹۶م)۔

(اجزاء اور مقابلہ کے اعتبار سے جمع کیا جائے گا، اس طرح کہ ہر دینار دس درہم کے مقابلہ میں ہو)۔

چنانچہ اجزاء کے اعتبار سے ضم ہونا چاہئے، جیسے خود سونے یا چاندی میں وزن کا اعتبار ہے، نہ کہ قیمت کا، اسی طرح ملانے کے وقت بھی وزن ہی معتبر ہونا چاہئے۔ لہٰذا صاحبینؒ کے قول پر فتویٰ دے سکتے ہیں، کیونکہ سونا اور چاندی اب اشیاء کی قیمت نہیں رہے، بلکہ ثمن عرفی و رسمی نوٹ نے ان کی جگہ لے لی ہے، لہٰذا ثمن خلقی ہونے کی وجہ سے ملانا ہوگا اور اس میں وزن کا اعتبار ہے، نہ کہ قیمت کا۔ "ہندیہ" میں ہے:

"و كذا في حق الوجوب يعتبر أن يبلغ وزنهما نصابا، و لا يعتبر فيه القيمة بالإجماع" (الفتاویٰ الہندیہ ۱/ ۱۷۹، الفصل الأول في زکاۃ الذهب والفضۃ، ط: دار الفکر، بیروت

۱۴۱۱ھ-۱۹۹۱م)۔

(اور ایسے ہی وجوب کے حق میں اس بات کا اعتبار ہے کہ ان کا وزن نصاب کو پہنچ جائے اور اس میں باتفاق قیمت کا اعتبار نہیں)۔

خلاصۂ بحث:

۱-نقد روپے اور سامان تجارت کی تقویم کا پیمانہ سونے کا نصاب ہے۔

۲-نقد رقم، مال تجارت یا اموال زکوۃ کے علاوہ دیگر اموال کی تقویم کا معیار بھی سونے کا نصاب ہے۔

۳- صاحبین ضم الاجزاء کے قائل ہیں اور موجودہ حالات میں ان کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔

☆☆☆

نصاب زکوۃ

مولانا روح الامین ☆

شریعت نے ہر مال زکوۃ کا ایک نصاب متعین کیا ہے، چنانچہ سونے کا نصاب بیس مثقال اور چاندی کا نصاب دوسو درا ہم مقرر ہے، حضور ﷺ کے زمانہ میں اور اس کے بعد طویل عرصہ تک دونوں نصاب کی قدر میں مناسبت رہی، لیکن اب دونوں میں توازن باقی نہ رہا اور دوسری طرف زندگی کا معیار بلند تر ہو گیا، اور اشیائے ضرورت گراں، تو اس پس منظر میں بڑی شدت سے یہ سوال اٹھ رہا ہے کہ نقد روپے اور سامان تجارت (جن کا نصاب علیحدہ مقرر نہیں ہے) کے سلسلہ میں پیمانہ سونے کا نصاب ہو یا چاندی کا نصاب؟ مندرجہ ذیل سطور میں اسی کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔

مسئلہ کے دو پہلو ہیں:

(۱) وجوب زکوۃ کے سلسلہ میں کیا پیمانہ ہو؟

(۲) حرمانِ زکوۃ کے باب میں کیا معیار ہو؟

وجوب زکوۃ کا معیار:

یہ پہلو دو اعتبار سے غور طلب ہے۔

(۱) دونوں نصاب میں سے کون راجح ہے؟

☆ خادم تدریس، جامعہ مظہر سعادت، ہانسوٹ، گجرات۔

(۲) کیا چاندی کے نصاب کو معیار قرار دینے میں واقعی کوئی ایسا حرج ہے جو شرعاً مدفوع ہے؟

نصاب راجح کی تعیین:

(۱) چاندی کے نصاب کے سلسلہ میں حدیث صحیح موجود ہے:

''عن أبي سعيدؓ يقول: قال النبي ﷺ: ليس فيما دون خمس أواق صدقة، وليس فيمادون خمس ذود صدقة، وليس فيما دون خمس أوسق صدقة'' (اخرجہ الجماعۃ واللفظ للبخاری رقم ۱۴۰۵)۔

جب کہ سونے کے نصاب کے سلسلہ میں امام نوویؒ فرماتے ہیں:

''ولم يأت في الصحيح بيان نصاب الذهب وقد جاء ت فيه أحاديث تحديدلنصابه بعشرين مثقالا وهي ضعاف الخ'' (صحیح مسلم ۳۱۶/۱)۔

یعنی سونے کے نصاب کے باب میں کوئی صحیح حدیث منقول نہیں اور جو احادیث بیس مثقال کی تحدید میں وارد ہوئی ہیں وہ ضعیف ہیں، نیز علامہ زیلعیؒ نے حضرت معاذ، حضرت ابن عمر اور حضرت عائشہؓ کی روایات ذکر کی ہیں اور ہر ایک پر کلام کیا ہے، البتہ ایک روایت ''عمروبن شعيب عن أبيه عن جده '' طریق سے پیش کی ہے اور اس پر سکوت کیا ہے (نصب الرایہ ۳۶۹/۲)۔

لیکن اس سند میں ''عبدالملک بن ابی سلیمان العرزی'' ہیں جن کے متعلق حافظ نے تقریب میں لکھا ہے: ''صدوق له أوهام'' (حاشیہ خلاصہ تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ۲۱۵/۲)، نیز مذکور سند میں اختلاف بھی مشہور ہے۔

(۲) چاندی کا نصاب مجمع علیہ ہے، جب کہ سونے کے نصاب میں سلف کے مابین اختلاف رہا ہے، عطاء، طاؤس، زہری، سلیمان بن حرب، ایوب السختیانی سونے کے لئے نصاب چاندی ہی کو پیمانہ قرار دیتے تھے، ابن قدامہ فرماتے ہیں:

''وجملة ذلك أن نصاب الفضة مائتا درهم لاخلاف في ذلك بين

علماء الإسلام"

"وقال عامة الفقهاء : نصاب الذهب عشرون مثقالاً من ،غير اعتبار قيمتها، إلا ماحكي عن عطاء وطاؤس والزهري وسليمان بن حرب وأيوب السختياني، إنهم قالوا: هو معتبر بالفضة ، فإن كان قيمته مائتي درهم ، ففيه الزكاة ، وإلافلا، لأنه لم يثبت عن النبي صلى الله عليه وسلم تقدير في نصابه فثبت أنّه حمله على الفضّة الخ" (المغنی ۲/ ۲۱۳)۔

(۳) چاندی کے نصاب کوسونے کے لئے بھی بعض سلف نے معیارقرار دیا ہے

:"کماثبت فیما سبق من نص ابن قدامه فی کتابه المغنی"۔

(۴) زکوۃ ایک اہم فریضہ ہےاورعبادات میں احوط پہلوکواختیار کیاجاتا ہے:

في البدائع: "أن الدراهم والدنانير وإن كانا في الثمنية والتقويم سواء لكنا رجحنا أحدهما بمرجح وهو النظر للفقراء والأخذ بالإحتياط أولىٰ" (بدائع ۲/ ۱۱۰)۔

(۵) چاندی اورسونے کے نصاب میں جس کومعیارقرار دینے کی صورت میں زکوۃ واجب ہوتی ہو،فقہاء نے حق فقراء کی وجہ سے اسی کوترجیح دی ہے، بلکہ اس باب میں بقول صاحب "نہایہ"فقہاءکا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

" قال في النهاية: في وجه هذه الروايةأن المال كان في يد المالک ينتفع به زمانا طويلا، فلا بد من اعتبار منفعة الفقراء عندالتقويم، ألا ترى أنه لو كان يقومه بأحد النقدين يتم النصاب وبالأخر لا،فإنه يقومه بما يتم به النصاب بالإتفاق فهذا مثله انتهىٰ" (فتح القدیر ۲/ ۱۶۷)۔

خلاصۂ کلام:

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ چاندی کے نصاب کومعیارقرار دینا کئی اعتبار سے راجح ہے۔

(۱) یہ منصوص ہے۔ (۲) مجمع علیہ ہے۔
(۳) بعض سلف نے سونے کے لئے بھی اسی کو معیار بنایا ہے۔
(۴) یہی احوط ہے۔ (۵) انفع للفقراء ہے۔

لہٰذا ان وجوہ کی بناء پر نقد روپئے اور سامان تجارت کے لئے چاندی ہی نصاب کو پیمانہ قرار دیا جائے گا۔

آیا اس میں کوئی حرج ہے؟

یہاں یہ امر قابل توجہ ہے کہ وجوب زکوٰۃ کے لئے فقط نصاب شرط نہیں، بلکہ دیگر بہت سے شرائط ہیں، جیسے حوائج اصلیہ سے فاضل ہونا، حولان حول ہونا، دین کا نہ ہونا، نیز مقدار واجب سے بھی صرف نظر نہ کرنا چاہئے، جو ڈھائی فیصد کی ایک قلیل مقدار ہے، ان امور کے پیش نظر اگر ایک شخص موجودہ قیمت کے اعتبار سے پندرہ ہزار کا مالک ہے، وہ عاقل و بالغ بھی ہے، پھر یہ مقدار سال پھر اس کی ملکیت میں رہی، حاجت اصلیہ سے فاضل ہے، اس کے ذمہ کوئی دین نہیں ہے، اور شریعت نے اس سے سال بھر میں صرف ایک مرتبہ پندرہ ہزار میں سے ایک معمولی مقدار ''تین سو پچھتر'' روپئے کے تصدق کا مطالبہ کیا، تو کس عاقل کے نزدیک اس میں کوئی حرج یا نقصان ہے، اگر حرج اسی کا نام ہے تو پھر شریعت کی کون سی تکلیف ایسی ہے جس میں حرج نہیں ہے۔

نیز جب ایک شخص بقدر نصاب چاندی کا مالک ہو، تو بالاجماع اس پر زکوٰۃ واجب ہے، تو پھر کیا وجہ ہے کہ جو اس کی قیمت کا مالک ہو اس پر زکوٰۃ واجب نہ کیجائے، حالانکہ دونوں کی قدر ملک یکساں ہے، لہٰذا روپئے اور سامان تجارت کے لئے پیمانہ چاندی ہی کا نصاب ہوگا۔

حرمان زکوٰۃ کا معیار:

زکوٰۃ کا ایک مصرف بالاتفاق فقراء ہیں جو کہ کتاب اللہ اور سنت رسول سے منصوص ہے۔

"إنما الصدقات للفقراء والمساكين" الآیہ (سورۂ توبہ: ۶۰)۔

وقدقال: النبی ﷺ لمعاذ: "أعلمهم أن عليهم صدقة تؤخذ من أغنيائهم ، فترد في فقرائهم" (ابوداؤد شریف-۱۵۸۴)، اور غنی کے لئے مالِ زکوٰۃ حلال نہیں،" قال: النبی ﷺ ولا حظ فيها لغني ولا لقوي مكتسب" (ابوداؤد-۱۶۳۳)۔

البتہ مانع زکوٰۃ حدِغناء کی تحدید میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے، ابن قدامہ مقدسی لکھتے ہیں:

"نقل عن أحمد فيه روايتان : أظهرهما ، أنه ملك خمسين درهما ، أو قيمتها من الذهب ، أو وجودماتحصل به الكفاية على الدوام ، من كسب ، أو تجارة أو أجرعقار ، أو نحوذلك ، ولوملك من العروض أو الحبوب ، أو السائمة ، أو العقار ، مالا تحصل به الكفاية لم يكن غنيا وإن ملك نصابا ، هوالظاهرمن مذهبه ، والروايةالثانية ، أن الغنى ماتحصل به الكفاية ، فإذا لم تكن محتاجا حرمت عليه الصدقة، وإن لم يملك شيئا ، وإن كان محتاجا حلت له الصدقة وإن لم يملك شيئا ، وإن كان محتاجا حلت له الصدقه وإن ملك نصاب ــ وهذا اختيارأبي الخطاب وابن شهاب العكبري، وقول مالك والشافعي– وقال أصحاب الرأى: الغنى الموجب للذكاة هو المانع من أخذها" (المغنی ۴/۱۲۰)۔

حاصل یہ ہے کہ اس باب میں تین قول ہیں۔

(۱) جو پچاس درہم یا اس کے بقدر سونے کا مالک ہو یا اس کے پاس مستقل کوئی ذریعہ معاش ہو جو اس کے گذران کے لئے کافی ہو تو وہ غنی ہے۔ اس کے برخلاف اگر وہ بہت سے مال وسامان یا زمین وجائداد کا مالک ہے، لیکن اس کے گذران کے لئے کافی نہیں، تو وہ غنی نہیں ہے، پھر چاہے نصاب کا مالک ہو۔ یہ امام احمد بن حنبلؒ کا ظاہر مذہب ہے۔

(۲) جس کے پاس بقدر کفایت مال ہو وہ غنی ہے، پھر اگر محتاج نہ ہو، تو زکوٰۃ اس کے لئے حرام ہے، چاہے اس کے پاس کچھ نہ ہو، اور اگر محتاج ہو تو زکوٰۃ اس کے لئے حلال ہے چاہے وہ نصاب کا مالک ہو، یہ امام احمد کی دوسری روایت ہے، اور امام مالکؒ وامام شافعیؒ کا مذہب ہے۔

(۳) جس کے پاس حوائج اصلیہ سے زائد بقدر نصاب (نامی، یا غیر نامی) مال ہو وہ غنی ہے، یہ حنفیہ کا مذہب ہے۔

"في البدائع : وأماالغناالذی یحرم به أخذ الصدقة وقبولها : فهو الذی تجب به صدقة الفطر والأضحیة ،وهو ان یملک من الأموال التی لاتجب فیها الزکوٰة مایفضل عن حاجته وتبلغ قیمة الفاضل مائتی درهم من الثیاب والفرس والدور والحوانیت والدواب والخدم زیادة علی مایحتاج إلیه کل ذلک للابتذال والإستعمال لا للتجارة والإسامة الخ" (بدائع ۱۵۸/۴)۔

مذاہب اربعہ کی تفصیل سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کے یہاں اس باب میں نسبۃً وسعت ہے، کیونکہ حوائج اصلیہ سے معتد بہ بچت کے باوجود زکوٰۃ لینے و دینے کی گنجائش ہے، جبکہ جمہور کے یہاں ضروریات کی کفایت ہوجاتی ہے، تو ایسا شخص زکوٰۃ کا مستحق نہیں۔

نیز شافعیہ وغیرہ کے یہاں قادر علی الکسب بھی مصرف نہیں جبکہ حنفیہ کے یہاں بشرط فقر، وہ زکوٰۃ کا مصرف ہے **"لوکان الفقیر قویا مکتسبا یحل له أخذ الصدقة عندنا وعندالشافعی لایحل"** (بدائع ۱۵۹/۴)۔

خلاصۂ کلام:

حرمان زکوٰۃ کے لئے بھی نصاب فضہ ہی معیار ہے۔

اولاً:- اس لئے کہ یہ مسئلہ وجوب زکوٰۃ کے مسئلہ کی فرع ہے، اور اس میں نصاب فضہ ہی کی ترجیح ثابت ہوچکی، لہٰذا یہاں بھی وہی معیار راجح ہے۔

ثانیاً:-اس لئے کہ جمہور کے مسلک سے قریب تر ہے۔

ثالثاً:-اس لئے کہ نصاب ذہب کو معیار بنانے کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ قیمت کے اعتبار سے تقریباً سوالاکھ روپے حد غناء ہو،لہٰذا جس شخص کی سالانہ ایک لاکھ بچت ہو تب بھی زکوٰۃ کا حقدار ہوگا،اور اس پر قربانی اور صدقۂ فطر بھی واجب نہ ہوگا۔حالانکہ عرفاً ایسا شخص خوشحال، بلکہ متمول کہلاتا ہے۔اس لئے حرمان زکوٰۃ میں بھی نصاب ذہب کو معیار قرار دینے کی گنجائش نہیں ہے۔

ضــــم نقـــدین:

اسی تمہیدی پس منظر میں جو ابتداء ذکر کی گئی،دوسرا سوال یہ ہے کہ کسی شخص کے پاس نہ چاندی بقدر نصاب ہو اور نہ سونا،لیکن دونوں کا مجموعہ نصاب کے بقدر ہو جاتا ہو،تو زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے،البتہ نصاب کی تکمیل میں مجموعی قیمت کا اعتبار ہے،جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے، یا ضم الاجزاء کا اعتبار ہے،جیسا کہ صاحبینؒ کا مذہب ہے،موجودہ حالات میں (جس کی طرف سوال میں اشارہ ہے) آیا صاحبین کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے؟

اس باب میں اوّلاً تین امور قابل لحاظ ہیں:

(۱) امام وصاحبین کی دلیل۔(۲) دیگر فقہاء کے مذاہب۔(۳) مسلک راجح۔

۱- دلیل صاحبینؒ:

حضرات صاحبین کی دلیل ''کاسانی'' کے الفاظ میں یوں ہے:

''أن القيمة في الذهب والفضه ساقطة الإعتبار شرعا،لأن سائر الأشياء تقوم بهما، وانما المعتبر فيهما الوزن، ألا ترى أن من ملك إبريق فضة وزنه مائة وخمسون درهما وقيمته مائتادرهم لا تجب الزكاة ''

جس کا حاصل یہ ہے کہ صورت انفراد میں وزن ہی کا اعتبار ہے،لہٰذا شرعاً اس کی قیمت ساقط الاعتبار ہے،جیسا کہ مسئلہ مصوغ سے ان کی دلیل کی وضاحت ہو رہی ہے۔

دلیل امام:-

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دلیل صاحب ''ہدایہ'' نے یوں پیش کی:

''وهو يقول: إن الضم للمجانسة وهي تتحق باعتبار القيمة دون الصور فيضم بها''

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ ضم دونوں کی مجانست کی وجہ سے ہے اور مجانست ثمنیت کے اعتبار سے ہے نہ کہ صورت اور وزن کے اعتبار ہے، اس لئے ثمنیت اور قیمت کا اعتبار ہوگا۔

۲- دیگر فقہاء کے مذاہب:

''يقول الرازيؒ : قال أصحابنا ،ومالک والثوری : يضم أحدهما إلى الأخر، فيكمل به النصاب ، إلا أن أباحنيفة قال : يضم بالقيمة ، وقال ابويوسفؒ ومحمدؒ ومالکؒ: يضم بالأجزاء ـوقال: ابن ابی ليلىٰ ، وشريک والحسن بن حيّ والشافعيؒ: لايضم ويعتبر في كل واحد منهما كمال النصاب '' (مختصر اختلاف الفقہاء للجصاص ۱/۴۳۰)۔

''ويقول العيني:على قول في الهداية'' تضم بالقيمة عندابی حنيفةؒ''ولايرى الشافعي الضم'' (بنایہ ۳/۳۸۸)۔

یعنی حضرت امام شافعیؒ تو ضم کے قائل ہی نہیں، جبکہ مالکیہ وحنابلہ ضم کے قائل ہیں پھر مالکیہ ضم بالاجزاء کے قائل ہیں، جیسا کہ صاحبین کا مذہب ہے اور حنابلہ کی دونوں روایتیں ہیں، اور بعض حنابلہ نے ضم الاجزاء کی تصویب کی ہے:

''والصواب من هذين القولين أنه يضم بالأجزاء لا بالقيمة '' (الشرح الممتع علی زاد المستقنع ۶/۱۰۹)۔

لیکن امام احمدؒ کا ظاہر قول یہ ہے کہ احوط کا اعتبار کیا جائیگا۔

''قال أبوالخطاب : ظاهر كلام أحمدؒ في رواية المروزی، إنما تضم

بالأحوط من الأجزاء والقيمة، ومعناه أنه يقوم الغالي منهما بالرخيص، فإذا بلغت قيمتهمابالرخيص منهما نصابا وجبت الزكاة فيهما"(المغنی علی مختصر الخرقی ۵/۳)۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اگر صاحبین کی موافقت مالکیہ نے کی ہے تو حضرت امام ابوحنیفہ کی موافقت حنابلہ نے کی ہے۔

۳- مسلکِ راجح:

قال الزيلعي: وله أن الضم للمجانسة، وهي باعتبارالمعنى، وهو القيمة لا باعتبار الصورة، ألا ترى أنهما صارا جنسا واحدا في كونهما قيم الأشياء فيضمان به(تبیین الحقائق ۱/ ۲۸۲)۔

وفي المحيط: "أشارالمعلى، في نوادره إلى أن أبايوسف رجع عن هذا القول، وقال: يضم باعتبار القيمة "وفيه أيضاً"وإنما اعتبر الوزن حالة الإنفرادلقوله عليه السلام:"في مائتي درهم خمسة دراهم" والمراد من الدرهم الوزن "(المحیط البرہانی ۳۸۵/۲)۔

مذکورہ عبارت میں صاحب "تبیین" اور صاحب "محیط" کی جانب سے امام کے مسلک کی ترجیح منقول ہے۔

صاحب تبیین نے ترجیح یوں پیش کی کہ سونا، چاندی ہر دو اشیاء کی قیمت ہونے میں جنس واحد ہے، چنانچہ متلفات وجنایات کے ضمان میں ان کی قیمت ہی کا اعتبار ہوتا ہے، لہٰذا حالت ضم میں قیمت کا اعتبار ہوگا۔

اور صاحب محیط کی تقریر کا حاصل یہ ہے کہ حالت انفراد میں وزن کا اعتبار خلاف قیاس نص سے ثابت ہے۔ ورنہ قیاس کا مقتضی یہ ہے کہ قیمت ہی کا اعتبار ہو، اس لئے کہ یہ مال تجارت ہے (سرمایۂ مال تجارت ہے) اور تمام اموال تجارت میں قیمت ہی کا اعتبار ہے، البتہ حالت ضم

میں کوئی نص موجود نہیں ہے، جس کی بناء پر وزن کا اعتبار کیا جائے، اس لئے قیاس کے مطابق قیمت ہی کا اعتبار رہوگا۔

خلاصۂ کلام:

اس باب میں صاحبین کے قول پر فتویٰ نہ ہو، کیونکہ حضرت امام ہی کا قول بچند وجوہ راجح ہے۔

۱-مسلک احناف میں امام ہی کا قول اصل ہے، جب تک اس کے خلاف کی ترجیح ثابت نہ ہو۔

۲-مشائخ سے امام کے قول کی ترجیح منقول ہے، جبکہ صاحبین کے قول کی کہیں ترجیح منقول نہیں۔

۳- امام کا قول مطابق قیاس ہے۔

۴-نوادر کی ایک روایت کے مطابق امام ابویوسفؒ کا رجوع ثابت ہے، اس اعتبار سے یہ حضرات شیخین کا قول ہے۔

۵-موجودہ حالت میں، جبکہ سونا گراں ہے، یہ قول "أنفع للفقراء" ہے، اور باب زکوۃ میں تمام ہی مذاہب نے اس اصول کو ملحوظ رکھا ہے۔

۶-یہ احوط ہے، اور باب عبادات میں ایسے ہی قول کو اختیار کرنا اولیٰ ہے۔

☆☆☆

نقد مال اور سامان تجارت کا نصاب

مولانا ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی ☆

دنیا میں رائج موجودہ کرنسیاں نہ سونے کی بدل ہیں اور نہ چاندی کی، البتہ نوٹوں کی چھپائی میں چاندی کے بجائے سونے کی کمیت کو بھی ملحوظ رکھا جاتا ہے اور دو ملکوں کے درمیان زر کا مبادلہ سونے کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔

اس لحاظ سے کرنسی نوٹوں میں زکوۃ کی حد مقرر کرنے میں دشواری پیش آرہی ہے کہ کرنسی نوٹوں میں زکوۃ کی فرضیت کے لیے چاندی کے نصاب کو معیار قرار دیا جائے یا سونے کے نصاب کو؟ اکثر علماء نے ازراہِ احتیاط اور فقراء کے فائدے کے پیش نظر چاندی کے نصاب کو معیار قرار دیا ہے، لیکن افراطِ زر کے عروج کے اس دور میں چاندی کے نصاب کو معیار بنانا کیا قرین انصاف ہے؟ کیا یہ راہِ عدل اور اعتدال کے مطابق ہے؟ کیا اس میں صرف زکوۃ لینے والوں کی رعایت کی گئی ہے یا زکوۃ دینے والوں کا بھی خیال رکھا گیا ہے؟ نیز مختلف اموال زکوۃ کے نصاب کی تعیین میں کیا باتیں مشترک ہیں اور ان کی تعیین میں کیا مقاصد پوشیدہ ہیں؟ اور شریعت کی روشنی میں فقر اور غنی کی تحدید کس طرح کی جاسکتی ہے؟ اگر ان تمام پہلوؤں پر غور کرتے ہوئے ہم کرنسی نوٹوں میں زکوۃ کا معیار اور سونے چاندی کے ضم کے مسئلہ میں بحث کریں تو ان شاء اللہ ہم نصاب زکوۃ کی تعیین کی حقیقت اور اس کے مقاصد تک پہنچ سکتے ہیں اور اس بارے میں اعتدال کی راہ پاسکتے ہیں۔

☆ لکچرر گورنمنٹ جونیر کالج، ظہیرآباد، اے پی۔

نقد مال اور سامان تجارت کا نصاب:

نقد رقم یا سامان تجارت کی زکوۃ میں سونے کے نصاب کو معیار بنایا جائے یا چاندی کے نصاب کو؟ اس بارے میں سب سے پہلے یہ اصولی بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ شریعت اسلامی میں زکوۃ مالداروں پر فرض قرار دی گئی ہے اور فقراء و مساکین کو زکوۃ کا مستحق قرار دیا گیا ہے، بخاری کی حدیث ہے:

"**تؤخذ من أغنيائهم و ترد علی فقرائهم**" (صحیح البخاری ۱/ ۲۰۳، باب أخذ الصدقۃ من الأغنیاء و ترد فی الفقراء......، کتاب الزکاۃ)۔

(زکوۃ ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور ان کے فقراء میں لوٹائی جائے گی)۔

اب رہی بات کہ مالداری اور فقر کا معیار کیا ہوگا؟ تو اس بارے میں احادیث میں سونے، چاندی، غلہ اور مویشیوں کی مقدار مقرر کر دی گئی ہے کہ ان مقدار تک پہنچنے پر انسان مالدار شمار ہوگا اور جو ان سے کم ہے، وہ مالداری کی سطح سے نیچے ہے۔

حافظ ابن قیمؒ نے بھی لکھا ہے کہ زکوۃ کی فرضیت ایسے مال میں کی گئی ہے جس کی ادائیگی مالدار کے لیے بہت آسان ہے، ایسے مال میں زکوۃ فرض نہیں ہے جس کی بندے کو خود ضرورت ہو اور جس سے استغناء نہ ہو، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"**ثم فرضها علی أكمل الوجوه و أنفعها للمساكين و أرفقها بأرباب الأموال، و لم يفرضها في كل مال، بل فرضها في الأموال التي تحتمل المواساة و يكثر فيها الربح و الدر و النسل، و لم يفرضها فيما يحتاج العبد إليه من ماله، و لا غنی له عنه**" (اعلام الموقعین ۲/ ۱۰۹، ط: دار الجیل، بیروت)۔

(زکوۃ کامل طریقوں پر فرض کی گئی ہے، جو مسکینوں کے لیے زیادہ نفع بخش اور مالداروں کے لیے زیادہ آسانی کا باعث ہے، ہر طرح کے مال میں زکوۃ فرض نہیں، بلکہ ان مالوں میں فرض ہے جن سے ہمدردی کا مظاہرہ ہو سکے اور جن میں نفع، دودھ اور نسل زیادہ ہو، لہذا

ایسے مال میں زکوٰۃ فرض نہیں جس کی بندے کو ضرورت ہو اور جس سے استغناء نہ ہو)۔

اس لحاظ سے اگر جائزہ لیا جائے تو موجودہ دور میں بیس مثقال مساوی 84.80 گرام سونے کی قیمت کم وبیش ساڑھے سترہ ہزار روپے فی دس گرام کے حساب سے تقریباً ڈیڑھ لاکھ ہوتی ہے (ملاحظہ ہو: 1750x84.80=148400) اور دو سو درہم یا پانچ اوقیہ چاندی مساوی 612.36 گرام کی موجودہ انتہائی قیمت تین سو روپے فی دس گرام کے حساب سے تقریباً اٹھارہ ہزار روپے ہوتی ہے (ملاحظہ ہو: 30x612.36=18370)، اس طرح چاندی کے مقابلہ میں سونے کا نصاب آٹھ گنا زیادہ ہے (ملاحظہ ہو: 148400/18370=8.08)، جبکہ قدیم زمانہ میں سونے اور چاندی دونوں کی حیثیت ثمن اور زر مبادلہ کی تھی، آج چاندی کی حیثیت ثمن اور زر مبادلہ کی نہیں ہے، ثمنیت اور زر مبادلہ کا رشتہ چاندی سے کٹ کر رہ گیا ہے، چاندی کی حیثیت غریب طبقہ کے زیورات اور سامان کی رہ گئی ہے، اس سے مختلف شوقیہ سامان بنائے جاتے ہیں۔

جب چاندی کی حیثیت ثمن کی باقی نہیں رہی تو سامان تجارت یا نقد روپیوں میں چاندی کے نصاب کو معیار بنانا مناسب نہیں ہے۔

اسی طرح جیسا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بیان کیا ہے کہ زکوٰۃ کے نصاب سے ایک مختصر خاندان کی پورے سال کی غذائی ضرورت پوری ہوتی ہے، کیا آج اٹھارہ ہزار روپے سے ایک مختصر خاندان کی غذائی ضرورت پوری ہو سکتی ہے؟ شاہ صاحبؒ نے پانچ وسق غلہ اور کھجور کی مثال دی ہے، پانچ وسق مساوی 945 کیلو کے ہوتا ہے، آج کل حیدرآباد میں گیہوں بائیس تا پچیس روپے فی کیلو ہے (جبکہ چاول تو تیس تا پینتیس روپے کیلو ہے) بائیس روپے فی کیلو کے حساب سے پانچ وسق گیہوں کی قیمت بیس ہزار روپے سے متجاوز ہے (ملاحظہ ہو: 22x945=20790)۔

ایسی صورت میں شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے معیار کے مطابق چاندی کے حساب سے

سامان تجارت اور نقد روپیوں کا نصاب ناقص رہ جاتا ہے، اسی طرح حافظ ابن قیمؒ کے مطابق ایسے مال میں زکوٰۃ فرض نہیں جس کی خود بندے کو ضرورت ہو اور اس سے استغناء نہ ہو سکے، آج اٹھارہ ہزار روپے کی رقم کی انسان کو ضرورت ہے، تا کہ دوا، علاج اور دوسری ناگہانی ضرورت کے وقت کام آ سکے۔

دورِ حاضر کے معتبر عالمِ دین ڈاکٹر وہبہ زحیلی مدظلہ نے صراحت کی ہے کہ نقد مالوں میں سونے کی قیمت کے حساب زکوٰۃ ادا کی جائے گی، چنانچہ ڈاکٹر زحیلی لکھتے ہیں:

"و تقدر الأوراق النقدية بسعر الذهب؛ لأنه هو الأصل في التعامل، و لأن غطاء النقود هو بالذهب، و لأن المثقال كان في زمن النبي ﷺ وعند أهل مكة هو أساس العملة و هو أساس تقدير الديات" (الفقہ الإسلامي وأدلتہ ۲/ ۷۶۰)۔

(کرنسی نوٹوں کا حساب سونے کی قیمت سے لگایا جائے گا، کیوں کہ لین دین میں وہی بنیاد ہے، اور نقود کا دارومدار سونے پر ہے، نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں اور اہل مکہ کے نزدیک مثقال ہی سکوں کی بنیاد تھی اور اسی کی بنیاد پر دیتیں مقرر کی جاتی تھیں)۔

جو شخص سونے کے نصاب سے کم نقد رقم یا سامان تجارت کا مالک ہو تو صاحب نصاب نہ ہونے کی وجہ سے اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہوگا، فقہاء نے نصاب سے کم مال کے مالک کو زکوٰۃ کا مصرف قرار دیا ہے، صاحب فتاویٰ قاضی خاں لکھتے ہیں:

"مصرف الزكاة ما ذكر الله تعالى في قوله: ﴿إنما الصدقات للفقراء﴾ و الفقير عند أبي حنيفة من ليس له نصاب و عنده ما يكفيه و لا يسأل الناس"

(فتاوی قاضي خان علی هامش الہندیہ ۱/ ۲۶۵)۔

(زکوٰۃ کا مصرف وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے {إنما الصدقات للفقراء} (صدقات فقراء کے لیے ہیں) بیان کیا ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فقیر وہ ہے جو صاحب نصاب نہ ہو، اس کے پاس بقدر کفایت مال ہو اور وہ لوگوں کے نہ مانگتا ہو)۔

سونے اور چاندی کے مجموعے پر زکوٰۃ:

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سونے اور چاندی کے مجموعے پر اس وقت زکوٰۃ واجب ہوگی ،جبکہ ان کی مجموعی قیمت سونے اور چاندی میں سے کسی ایک کے نصاب کی قیمت کو پہونچ جائے ، جیسا کہ صاحبینؒ کے نزدیک قیمت کے بجائے ضم الاجزاء کے ذریعہ نصاب کی تکمیل پر زکوٰۃ واجب ہوگی، جیسے سونے کے نصاب بیس مثقال سونے میں سے پانچ مثقال سونا ہو، یعنی سونے کے نصاب کا چوتھائی حصہ ہو اور چاندی کے نصاب دوسو درہم میں سے ڈیڑھ سو درہم ہو، یعنی چاندی کے نصاب کا تین چوتھائی حصہ ہو تو دونوں کے مجموعہ میں زکوٰۃ واجب ہوگی، لیکن اگر پانچ مثقال سونا اور سو درہم چاندی ہو تو صاحبینؒ کے نزدیک زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سونے کی موجودہ قیمت کے لحاظ سے زکوٰۃ واجب ہوگی، البتہ امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت صاحبینؒ کے مطابق ہے، جیسا کہ علامہ کاسانیؒ نے بیان کیا ہے:

''ثم اختلف أصحابنا في كيفية الضم، فقال أبو حنيفة: يضم أحدهما إلى الأخر باعتبار القيمة، و قال أبو يوسف و محمد: يضم باعتبار الأجزاء، و هو رواية عن أبي حنيفة أيضا، ذكره في ''نوادر هشام'' (بدائع الصنائع ۲/۱۰۷)۔

(پھر ملانے کی کیفیت کے بارے میں ہمارے اصحاب کا اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ قیمت کے اعتبار سے ایک کو دوسرے میں ضم کیا جائے گا، امام ابو یوسف اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اجزاء کے اعتبار سے ضم کیا جائے گا، اور یہی ایک روایت امام ابوحنیفہؒ سے بھی ہے، ''نوادر ہشام'' میں اس کو بیان کیا گیا ہے)۔

علامہ کاسانیؒ نے دونوں حضرات کی دلیلیں بھی پیش کی ہیں:

''وجه قولهما أن القيمة في الذهب و الفضة ساقطة الاعتبار شرعا؛ لأن سائر الأشياء تقوم بهما، و إنما المعتبر فيهما الوزن، ألا ترى أن من ملك إبريق فضة وزنه مائة و خمسون درهما و قيمته مائتا درهم لاتجب الزكاة، و

کذلک إذا ملک آنیة ذهب وزنها عشرة مثاقیل و قیمتهامائتا درهم لا تجب الزکاة، و لو کانت القیمة فیها معتبرة لوجبت۔ و لأبي حنیفة أنهما عینان وجب ضم أحدهما إلی الآخر لإیجاب الزکاة، فکان الضم باعتبار القیمة، کعروض التجارة، وهذا لأن کمال النصاب لا یتحقق إلا عند اتحاد الجنس، و لا اتحاد إلا باعتبار صفة المالیة دون العین، فإن الأموال أجناس بأعیانها جنس واحد باعتبار صفة المالیة فیها''(بدائع الصنائع ۱۰۸/۲)۔

(صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ سونے اور چاندی میں قیمت شرعاً نامعتبر ہے، کیوں کہ تمام چیزوں کی ان سے قیمت لگائی جاتی ہے، ان دونوں میں وزن کا اعتبار ہے، کیا نہیں دیکھتے کہ جو شخص چاندی کے لوٹے کا مالک ہو جس کا وزن ایک سو پچاس درہم ہو اور اس کی قیمت دو سو درہم ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، اسی طرح کوئی شخص سونے کے برتن کا مالک ہو، جس کا وزن دس مثقال ہو اور اس کی قیمت دو سو درہم ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، اگر ان میں قیمت معتبر ہوتی تو زکوٰۃ واجب ہوتی۔ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ دونوں نقد ہیں، تو زکوٰۃ کو واجب قرار دینے کے لیے ایک کو دوسرے میں ضم کرنا واجب ہے، تو یہ ضم قیمت کے اعتبار سے ہوگا، جیسا کہ سامان تجارت کا حکم ہے، اور یہ اس لیے کہ جنس کے اتحاد کے بغیر نصاب کی تکمیل متحقق نہیں ہوتی، اور مالیت (نہ کہ قدر) کی صفت کے اعتبار کے بغیر اتحاد ممکن نہیں، کیوں کہ اموال اپنی اصل کے اعتبار سے مختلف جنس ہیں اور مالیت کی صفت کے اعتبار سے ایک جنس ہیں)۔

یہی بات صاحب ''ہدایہ'' نے اختصار کے ساتھ کہی ہے:

''و یضم الذهب إلی الفضة من حیث الثمنیة، و من هذا الوجه صار سببا، ثم تضم بالقیمة عند أبي حنیفة و عندهما بالأجزاء، و هو روایة عنه ...... هما یقولان: المعتبر فیهما القدر دون القیمة، حتی لا تجب الزکاة في مصنوع وزنه أقل من مائتین و قیمته فوقها، هو یقول: إن الضم المجانسة، و هو یتحقق

باعتبار القيمة دون الصورة فيضم بها" (الہدایہ ۱۹۶/۲)۔

(ثمنیت کی حیثیت سے سونے کو چاندی سے ملایا جائے گا، اور اس وجہ سے وہ سبب بن گیا، پھر امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قیمت کے حساب سے ملایا جائے گا، یہی ایک روایت امام صاحبؒ سے بھی .... صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ سونے اور چاندی میں معتبر مقدار ہے، نہ کہ قیمت، یہاں تک کہ ایسی تیار کردہ چیزیں زکوۃ واجب نہیں جس کا وزن دوسو درہم سے کم ہو اور اس کی قیمت دوسو درہم سے زائد ہو، امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ضم مجانست کی وجہ سے ہے اور وہ قیمت کے اعتبار سے متحقق ہوتا ہے نہ کہ صورت سے، لہذا قیمت کے اعتبار سے ملایا جائے گا)۔

یہاں مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر صاحبینؒ کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے:

۱- صاحبینؒ کے قول کے مطابق ایک روایت امام ابو حنیفہؒ کی موجود ہے (دیکھئے: ہدایہ: ۱۹۶/۲، بدائع الصنائع: ۱۰۸/۲)۔

۲- صاحبینؒ کی دلیل میں جو بات کہی گئی ہے وہ اصولی ہے کہ سونے اور چاندی کے نصاب میں شرعاً قیمت کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے:

"**إن القيمة في الذهب و الفضة ساقطة الاعتبار شرعا**" (بدائع الصنائع ۱۰۸/۲)۔

اسی طرح "ہندیہ" میں ہے:

"**و كذا في حق الوجوب يعتبر أن يبلغ وزنهما نصابا، و لا يعتبر فيه القيمة بالإجماع**" (الفتاوی الہندیہ ۱۷۹/۱)۔

۳- امام شافعیؒ کے نزدیک اور ایک روایت امام احمدؒ کی ہے کہ نصاب کی تکمیل کے لیے سونے اور چاندی کو ملایا نہیں جائے گا، بلکہ نصاب کی تکمیل کے لیے ہر ایک کا علاحدہ اعتبار کیا جائے گا۔

"**و عند الشافعي لا يضم أحدهما إلى الآخر، بل يعتبر كمال النصاب**

من كل واحد منهما على حدة"(بدائع الصنائع ۲/۱۰۶)۔

۴- شریعت میں ہر صنف کا علاحدہ علاحدہ نصاب مقرر کیا گیا ہے، سونے اور چاندی کے علاوہ دوسری اصناف جیسے بکری اور گائے کو ملانا جائز نہیں ہے، علامہ کاسانیؒ نے امام شافعیؒ کے قول کی توجیہ اس طرح کی ہے:

"**وجه قوله: إنهما جنسان مختلفان فلا يضم أحدهما للآخر في تكميل النصاب كالسوائم عند اختلاف الجنس**"(بدائع الصنائع ۲/۱۰۶)۔

(ان کے قول کی توجیہ یہ ہے کہ وہ دونوں مختلف جنس ہیں، لہٰذا نصاب کی تکمیل کے لیے ایک کو دوسرے میں ضم نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ مختلف جنس کے جانوروں کو ضم نہیں کیا جاسکتا)۔

۵- امام ابوحنیفہؒ کی دلیل میں صاحب بدائع نے کہا ہے کہ سونا اور چاندی دونوں عین ہیں یعنی دونوں نقد ہیں، اسی طرح صاحب ہدایہ نے ثمن ہونے کی حیثیت سے دونوں کو ضم کرنے کی توجیہ کی ہے، جبکہ آج کے دور میں سونے کو تو نقد اور ثمن کہا جاسکتا ہے، لیکن چاندی کو نقد کہنا مشکل ہے، چاندی کی حیثیت آج سامان یعنی عروض کی ہوگئی ہے، نیز صاحب ہدایہ نے امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ پیش کی ہے کہ سونے اور چاندی میں مجانست کی وجہ سے دونوں کو ملایا جائے گا، جبکہ صورت حال یہ ہے کہ دونوں حقیقت میں الگ الگ جنس ہیں، سونے اور چاندی کی ایک دوسرے کے ساتھ خرید وفروخت کمی و زیادتی کے ساتھ جائز ہے اور ثمنیت کے اعتبار سے بھی دونوں کو ایک جنس نہیں کہا جاسکتا کہ سونے کی حیثیت تو ثمن کی ہے، لیکن چاندی کی حیثیت آج کل عروض کی ہوگئی ہے، لہٰذا جس بنیاد پر دونوں کو ضم کیا جاسکتا تھا، آج وہ بنیاد موجود نہیں ہے۔

خلاصۂ جواب:

۱- نقد روپے اور سامان تجارت میں زکوٰۃ کے وجوب کے لیے سونے کے نصاب کو معیار بنایا جائے، جس شخص کے پاس سونے کے نصاب کی مالیت سے کم نقد روپے یا سامان تجارت ہوں

اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی، جب وہ سونے کے نصاب کے مطابق صاحب نصاب نہیں ہوا تو اس کے لیے زکوۃ لینا جائز ہوگا۔

۲- ضم نصاب کے مسئلہ میں صاحبینؒ کے قول کو اختیار کرنا بہتر ہوگا۔

☆☆☆

زمانہ نبوت میں نقدین کی حیثیت اور زکوۃ کا نصاب

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی ☆

زمانۂ نبوت میں نقدین کی حیثیت:

بعثت سے قبل اور بعد کے حالات کا مطالعہ بتاتا ہے کہ سونا و چاندی دونوں یا تو مساوی طور پر استعمال ہوتے تھے یا پھر چاندی ہی کو معیار سمجھا جاتا تھا، مؤرخین کا بیان ہے:

و حين بعث الرسول ﷺ كان العرب يتعاملون بهذين النقدين: **الذهب في صورة الدنانير، و الفضةفي صورة دراهم، و كانت هذه النقود ترد إليهم من الممالک الكبيرة المجاورة، و كانت النقود الذهبية الدنانير ترد في الأغلب من بلاد الروم ...... و كانت النقود الفضية الدراهم ترد من ديار فارس"**

(فقہ الزکاۃ للقرضاوی ۱/ ۲۴۰، بحوالہ: رسالۃ النقود للمقریزی فی ضمن کتاب النقود العربیہ)۔

(جس وقت رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی اہل عرب ان دونوں نقدین سے معاملات کرتے تھے، یعنی سونا بصورت دینار اور چاندی بشکل درہم، نیز یہ نقود عرب کے پڑوسی بڑے بڑے ممالک سے آتے تھے، سونے کے سکے دنانیر کی شکل میں اکثر روم سے اور چاندی کے سکے دراہم کی شکل میں ایران سے آیا کرتے تھے)۔

حضور اکرم ﷺ نے ان نقود کو شرعی حیثیت دیا، اس لیے سرقہ اور مہر میں معیار چاندی کو اور سودی کاروبار اور زکوۃ، نیز دیات وغیرہ میں دونوں ہی معیار باقی رکھے گئے۔

☆ خادم حدیث مدرسہ حسینیہ کالیم کلم، کیرلا۔

بلکہ خود قرآن کریم نے دونوں کی یکسانیت کی طرف اشارہ کیا ہے:

﴿و الذین یکنزون الذهب و الفضة و لا ینفقونها﴾ (سورۂ توبہ:۳۴)۔

(جو لوگ سونے و چاندی کو کنز بنا کر رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ہیں)۔

محل غور یہاں "لا ینفقونها" کی ضمیر کا مرجع "ذہب و فضہ" ہے، جو بحکم النقد و الثمن ہو کر یکسانیت کی طرف مشیر ہے۔

بعض حدیثوں میں بھی یہی تعبیر استعمال ہوئی ہے:

"ما من صاحب ذهب و لا فضة لا یؤدی منها حقها إلا إذا کان یوم القیامة صفحت له الصفائح من نار" (مسلم ۱/۳۱۸، اثم مانع الزکاۃ، کتاب الزکاۃ)۔

(نہیں ہے کوئی سونے کا مالک اور چاندی کا مالک جو اس سے اس کا حق ادا نہ کرتا ہے مگر بروزِ قیامت اس کے لیے آگ کی تختیاں بنائی جائیں گی)۔

بلکہ خیال یوں گزرتا ہے کہ سونے سے زیادہ چاندی ذریعہ تبادلہ کی حیثیت رکھتی تھی، یہی وجہ ہے کہ ابن ابی شیبہ نے حضرت عطاء کا قول نقل کیا ہے:

"إنما کان إذ ذاک الورق و لم یکن الذهب" (مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۲۲۲، ط: حیدرآباد)۔

(یہ اس وقت کی بات ہے جس وقت کہ صرف چاندی پائی جاتی تھی، سونے کا رواج نہیں تھا)۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

"و المناسب تقدیم الکلام علی الفضة اقتداء بکتب رسول الله ﷺ و لأنها أکثر تداولا و رواجا، ألا تری أن المهر و نصاب السرقة قیم المستهلکات تقدر بها" (طحطاوی/۵۹۰، کتاب الزکاۃ، ط مصر، ۱۹۷۰ء)۔

(چاندی پر گفتگو کو مقدم کرنا مناسب ہے، کیوں کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کے

دستاویز کی اقتداء ہے، نیز رواج ولین دین میں زیادہ استعمال ہے، جاننا چاہئے کہ مہر، سرقہ اور ہلاک کی جانے والی اشیاء کا حساب چاندی سے لگایا جاتا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ نبوی میں چاندی کی حیثیت اصل کی تھی، یا پھر سونے و چاندی دونوں اصل کے طور پر استعمال ہوتے تھے، لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ جہاں بھی سونے کو معیار بنایا گیا وہاں چاندی کو بھی معیار کے طور پر پیش کیا گیا، البتہ بعض مواقع ایسے ہیں جہاں معیار صرف چاندی ہے۔

نصاب میں اتفاق واختلاف:

یہی وجہ ہے کہ سونے کے نصاب کے باب میں کچھ نہ کچھ اختلاف اوائل ہی میں سہی ضرور موجود ہے، لیکن چاندی کے نصاب میں کبھی اختلاف نہیں رہا۔ روایات کے لحاظ سے بھی وہ روایات جن میں سونے کے نصاب کا بیان آیا ہے کلام سے خالی نہیں، سونے کے سلسلے میں تین روایات بنیادی حیثیت رکھتی ہیں:

۱- حضرت علیؓ کی روایت ہے:

"إذا كانت لک مائتا درهم و حال عليها الحول ففيها خمسة دراهم، و ليس عليک شيء يعني في الذهب حتى يكون لک عشرون دينارا، فإذا كانت لک عشرون دينارا و حال عليها الحول ففيها نصف دينار" (أبو داؤد ۱/۲۲۱، کتاب الزکاۃ، زکاۃ السائمۃ، ط: میرٹھ)۔

(جب چاندی دوسو درہم ہوجائے اور سال گزر جائے تو اس میں پانچ درہم ہے، سونے میں کچھ واجب نہیں یہاں تک کہ بیس دینار ہوجائے اور سال بھی گزر جائے تو اس میں نصف دینار واجب ہے)۔

بعض حضرات اس کو موقوفاً، اور بعض مرفوعاً روایت کرتے ہیں، اور بعض نے تحسین وتصحیح کی ہے، جبکہ بعض سے تضعیف بھی مروی ہے۔

۲- ابن ماجہ میں روایت ہے، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ سے مروی ہے:

"**كان يأخذ من كل عشرين دينارا نصف دينار**" (ابن ماجہ، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الورق والذھب)۔

(ہر بیس دینار سے نصف دینار لیا کرتے تھے)۔

اس کی سند میں بعض راوی پر کلام ہے (اور وہ ابراہیم بن اسماعیل بن مجمع انصاری ہیں، جن کے بارے میں ابن معین وابو حاتم نے کلام کیا ہے)۔

۳- "دار قطنی" میں حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے مروی ہے:

"**ليس في أقل من عشرين مثقالا من الذهب، و لا أقل من مائتي درهم صدقة**" (المغنی لابن قدامہ ۲/ ۵۹۹)۔

(بیس مثقال سے کم سونے میں زکوٰۃ نہیں اور نہ دو سو درہم سے کم چاندی میں زکوٰۃ ہے)۔

حافظ ابن حجرؒ وغیرہ نے اس کی بھی تضعیف کی ہے۔

لیکن ساری روایتیں مل کر حسن درجے سے کم نہیں ہوتی ہیں، اس لیے جمہور کی رائے یہی ہے کہ بیس مثقال سونے میں زکوٰۃ واجب ہے، البتہ بعض حضرات اختلاف بھی کرتے ہیں، ابن قدامہ نے لکھا ہے:

"**و قال عامة الفقهاء: نصاب الذهب عشرون مثقالا من غير اعتبار قيمتها، إلا حكي من عطاء و طاؤوس و الزهري و سليمان بن حرب و أيوب الختياني: أنهم قالوا: هو معتبر بالفضة فما كانت قيمته مائتي درهم ففيه الزكاة و إلا فلا؛ لأنه لم يثبت عن النبي ﷺ تقدير في نصابه فثبت أنه حمله على الفضة**" (المغنی لابن قدامہ ۲/ ۵۹۹)۔

(جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ سونے کا نصاب بیس مثقال ہے، قیمت کا اعتبار نہیں،

البتہ عطاء، طاؤس، زہری، سلیمان بن حرب اور ایوب سختیانی نے فرمایا کہ سونا کی قیمت چاندی سے لگائی جائے گی، لہٰذا اگر دوسو درہم کے بقدر سونا ہو جائے تو زکوٰۃ ہے، ورنہ نہیں، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس کے نصاب سے متعلق ثابت نہیں ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ چاندی پر سونے کو محمول کیا جائے گا)۔

اس پوری تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ:

۱- سونے و چاندی میں سے ہر ایک رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں یکساں طور پر رائج تھے، بلکہ چاندی کا چلن سونے کے مقابلہ میں زیادہ تھا۔

۲- زکوٰۃ کے باب میں جمہور دونوں کو اصل مانتے ہیں جبکہ بہت سے حضرات اختلاف کرتے ہوئے چاندی کو ہی اصل قرار دیتے ہیں۔

۳-چونکہ زکوٰۃ ایک بنیادی اور قطعی رکن ہے جس میں احتیاط مطلوب ہے۔

۴- زکوٰۃ کے اکثر مسائل میں مستحقین کی رعایت ہے۔

انہی اصول وقواعد، بلکہ روح زکوٰۃ اور مقصد کا لحاظ کر کے بعض نزاعی مسائل میں عمل کے لیے ایک جانب کو ترجیح دی جاسکتی ہے۔

(الف) اگر کسی شخص کے پاس نقد روپے یا سامان تجارت ہے جو بنیادی ضروریات سے زائد ہے تو اس میں زکوٰۃ کے واجب ہونے کے لیے سونے یا چاندی میں سے کسی کے نصاب کو پہنچ جانا کافی ہے، اگر سونے کے نصاب کو بقدر تو نہیں، لیکن چاندی کے نصاب کو پہنچ رہا ہے تو زکوٰۃ واجب ہونی چاہئے، اس لیے کہ "انفع للفقراء" اور عبادت کے پہلو کے لحاظ سے یہی مناسب ہے، بہت سے اہل متون وشارحین نے تصریح بھی کی ہے، "درمختار" میں ہے:

"و لو بلغ بأحدهما نصابا و خمسا و بالآخر أقل قومه بالأنفع للفقراء" (الدر المختار ۲/ ۳۰۴، باب زکاۃ المال، کتاب الزکاۃ، ط: پاکستان)۔

(اگر کسی ایک سے قیمت لگانے پر نصاب اور پانچ (یعنی دوسو پانچ درہم) اور دوسرے

سے اس سے کم کو پہنچ رہا ہو تو ''انفع للفقراء'' جو ہو اس سے اس کی قیمت لگائے)۔
علامہ کاسانی استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''و لأن في التكميل باعتبار التقويم ضرب احتياط في باب العبادة، و نظرا للفقراء فكان أولى'' (بدائع الصنائع ۱۰۸/۲، أما مقدار الواجب فيه (المذهب)، ط: دیوبند)۔

(اور اس لیے کہ (سونے و چاندی میں سے ایک کی دوسرے سے) قیمت لگا کر تکمیل میں عبادات کے باب میں ایک قسم کی احتیاط ہے اور فقراء کی حاجتوں پر نظر ہے، اس لیے یہ اولی ہے)۔

(ب) جہاں تک یہ مسئلہ کہ جس کے پاس اموال غیر نامی کی قبیل کی کوئی ایسی چیز موجود ہے جو بنیادی ضرورت سے زائد ہے اور اس کی قیمت چاندی کے نصاب کو پہنچتی ہے تو آیا اس کو مالدار سمجھا جائے گا یا نہیں۔

علماء کرام کی تصریحات تو اسی طرف مشیر ہے کہ یہ شخص مالدار ہے، اس کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اور اس کے لیے دست سوال دراز کرنا بھی جائز نہیں۔ یہاں پر صرف حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ کی ایک عبارت سے تھوڑا سا شبہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں جبکہ معیار زندگی بہت بلند ہو چکا ہے، غنا کی اس مقدار میں بھی فرق ہونا چاہیے۔

حضرت شاہ صاحب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں باب مقادیر الزکوٰۃ کے تحت فرماتے ہیں:

''و إنما قدر من الورق خمس أواق؛ لأنها مقدار يكفي أقل أهل بيت سنة كاملة إذا كانت الأسعار موافقة في الأكثر الأوقات'' (حجۃ اللہ البالغۃ: ۱۲۸/۲، باب مقادیر الزکاۃ، ط: مکتبہ حجاز دیوبند، نسخہ محققہ)۔

(اور چاندی کے پانچ اوقیہ آپ نے اس لیے تجویز فرمائے کہ وہ ایسی مقدار ہے جو اکثر ملکوں میں کافی ہو جاتی ہے پورے سال تک ایک چھوٹے کنبہ کے لیے جب کہ نرخ معتدل ہو)۔

اس کا حاصل یہی نکلتا ہے کہ جو مقدار نصاب ہے اس سے سال بھر ایک چھوٹا خاندان

جس میں میاں بیوی، کوئی خادم یا بچہ شامل ہے، گزر بسر کرسکتا ہے، آج جبکہ حالات کہاں سے کہاں پہنچ گئے، یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ہے کہ اتنی جامد مقدار میں ایک چھوٹا گھر بھی چل سکتا ہے۔

دوسرا شبہ:

بعض حضرات نے یہاں اس طرح بھی شبہ ظاہر کیا ہے کہ اگر اموال زکوٰۃ کے نصابوں کے مابین موازنہ کیا جائے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ سونے سے ہی قیمت وغیرہ کا تعین کیا جائے، اس لیے کہ پانچ اونٹ، چالیس بکریاں وغیرہ سب نصاب متقارب ہے، جبکہ سونے و چاندی کے مابین زمانہ ماضی میں صورت حال ضرور ایسی تھی، لیکن اس زمانے میں ایسا نہیں، ساڑھے سات تولے سونے سے کئی ساڑھے باون تولے چاندی خریدی جاسکتی ہے۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ دونوں محض مغالطے ہیں اور کچھ نہیں، اس لیے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی عبارت دراصل سونا و چاندی کے باب میں ہے، تو کیا آج کوئی جرأت کرسکتا ہے کہ اگر چاندی کی مقررہ مقدار موجود ہو تو اس کا اعتبار بھی کرکے محض سونے کا اعتبار کرلے۔

پھر یہ تو حکمت کا بیان ہے، نہ کہ علت کا، مدار حکمت پر نہیں، علت پر ہوا کرتا ہے۔ نیز آج ہم نے چھوٹا گھرانے کی کفایت کا مطلب تعیش و فیشن سمجھا ہے، جب کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی عبارت دلالت کررہی ہے کہ مراد معتدل نفقہ ہے، نہ کہ عیش و عشرت، آج بھی ایسے گھرانے موجود ہیں جو قلیل سے قلیل تعداد میں گزارا کررہے ہیں۔

اسی طرح دوسرا شبہ بھی کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا، کیوں کہ یہ بات مسلم ہے کہ ہر جنس میں نصاب کا تعین اس جنس کے مناسب احوال کی وجہ کر ہے، پھر کیا بات ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے تو پیداوار کی ہر تھوڑی مقدار میں عشر یا نصف العشر کو واجب کردیا، جبکہ جمہور نے اس کے لیے ایک خاص مقدار کا تعین کیا ہے، تو کیا اس نصاب میں اور دوسرے نصابوں میں تناسب ہوا؟

اس طرح کے شبہات کا غالباً منشا ضروریات اصلیہ جو وجوب زکوٰۃ کے لیے زبردست

مانع ہے اس کا ذہن سے ذہول ہے، فقہاء نے تو ضروریات اصلیہ کو کافی اہمیت دی ہے اور اس کے دائرہ کو وسیع تر کیا ہے۔علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

"و هو فقير، و هو من له أدنى شيء أي دون نصاب أو قدر نصاب غير نام مستغرق في الحاجة كدار السكنى و عبيد الخدمة و ثياب البذلة و آلات الحرفة و كتب العلم للمحتاج إليها تدريسا أو حفظا" (ردالمحتار مع الدر ۲/ ۶۴، باب المصرف، ط: پاکستان)۔

(اور وہ فقیر ہے اور فقیر ایسا شخص ہے جس کے پاس نصاب سے کم مال ہو، یا نصاب کے بقدر ہو تو غیر نامی، حاجت کے لیے ہو، جیسے رہنے کے لیے گھر، خدمت کے لیے غلام، استعمال کے کپڑے، آلات حرفت، تدریسی، درسی یا مراجعت کی ضرورت کی علمی کتابیں)۔

"عالمگیری" میں ہے:

"كذا لو كان عنده من المصاحف و هو يحتاج إليه و إن كان لا يحتاج إليه و هو يساوي مائتي درهم لا يجوز صرف الزكاة إليه و لا يجوز له أخذها" (فتاویٰ عالمگیری ۲/ ۱۸۹، باب المصرف، ط: بیروت لبنان، ۱۴۰۰ھ)۔

(اسی طرح اگر اس کے پاس مصاحف ہیں جن کی اس کو ضرورت ہے (تو زکوۃ دینا جائز ہے) اور اگر ضرورت نہیں، نیز وہ دو سو درہم کے بقدر ہے تو زکوۃ دینا لینا جائز نہیں)۔

چھوٹی بڑی ہر چیز کو فقہاء نے ضروریات میں داخل کیا ہے، نیز ہر فرد اور زمانے کے لحاظ سے ضروریات مختلف ہو سکتی ہیں اور ہیں، تو پھر کیوں شبہ کیا جائے کہ وہ مالدار کیسے تصور کیا جا سکتا ہے، جس کے پاس چاندی کے بقدر سامان غیر زکوی موجود ہے۔

ضم نصاب کا مسئلہ:

حضرات احناف ضم نصاب کے قائل ہیں، کیونکہ زکوۃ کا تعلق عین سے نہیں، اس کی مالیت و ثمنیت سے ہے، لہٰذا ثمنیت میں سونا و چاندی دونوں مساوی حیثیت رکھتے ہیں، اس لیے

اگر تھوڑا سونا اور تھوڑا چاندی ہے تو دونوں کو ضم کر کے دیکھا جائے گا کہ نصاب کے بقدر ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر ہوتا ہے تو زکوۃ مجموع پر واجب ہو جائے گی، ورنہ نہیں۔

پھر احناف کے نزدیک ضم کی کیفیت میں اختلاف ہے، حضرت امام ابوحنیفہؒ کی ظاہر روایت تو قیمت کے اعتبار سے ضم کرنے کی ہے، اس میں فقراء کا بہت فائدہ ہے، لیکن بعض اوقات اصحاب مال تنگی وضیق محسوس کرتے ہیں۔

حضرات صاحبینؒ کی رائے ہے کہ ضم الاجزاء ہونا چاہئے۔علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

"فقال أبو حنيفة: يضم أحدهما إلى الآخر باعتبار القيمة، و قال أبويوسف و محمد: يضم باعتبار الأجزاء، و هو رواية عن أبي حنيفة أيضا، ذكره في نوادر هشام" (بدائع الصنائع ۲/ ۱۰۷، ما مقدار الواجب فیہ، ط: دیوبند)۔

امام ابوحنیفہؒ کی رائے ہے کہ قیمت کے اعتبار سے ضم کیا جائے، حضرات صاحبینؒ اجزاء کے اعتبار سے ضم کے قائل ہیں۔ایک روایت امام ابوحنیفہؒ سے بھی یہ مروی ہے جو نوادر ہشام میں مذکور ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسلک میں فقیروں کی رعایت اور عبادت کے پہلو کا لحاظ زیادہ کیا گیا ہے، جبکہ صاحبینؒ کے مسلک میں مستحقین اور اصحاب مال دونوں کی رعایت کو ملحوظ رکھا گیا ہے، زمانہ کے حالات کے اتار چڑھاؤ کے پیش نظر حضرات صاحبینؒ کے مسلک پر عمل کیا جاسکتا ہے جو درحقیقت امام صاحبؒ کی بھی ایک روایت ہے، جیسا کہ علامہ کاسانیؒ نے تصریح کی ہے۔

لیکن زیادہ مناسب ہے کہ جس کے پاس چاندی ہو تو اس کو سونے سے بدل کر رکھ لیں، تا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ظاہر مسلک پر بھی عمل ہو جائے۔

☆☆☆

سونے اور چاندی کی قیمتوں میں موجودہ تفاوت

مفتی سلمان قاسمی پالن پوری☆

سونے اور چاندی کی قیمتوں میں موجودہ تفاوت:

یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ ''سونے اور چاندی کی قیمتوں میں موجودہ تفاوت پچھلے زمانوں میں بھی پیش آچکا ہے، کیونکہ سونے اور چاندی کی قیمتوں میں جو نسبت عہد رسالت اور دور خلافت راشدہ میں تھی، بعد کی صدیوں میں وہ نسبت باقی نہ رہی تھی۔ عہد رسالت اور دور خلافت راشدہ میں ایک دینار کی قیمت دس درہم تھی، لیکن دور بنو امیہ کے نصف آخر میں اس کی قیمت بارہ درہم ہوگئی تھی۔ بنوعباس کے دور میں یہ قیمت بڑھ کر پندرہ درہم سے تجاوز کرگئی تھی اور فاطمین کے زمانہ میں حاکم کے دور حکومت میں تو یہ قیمت بڑھ کر ۳۴ر درہم تک جا پہنچی تھی اور بعض اوقات ۳۵ر درہم تک ایک دینار کی قیمت ہوگئی تھی۔ خلاصہ یہ کہ سونے اور چاندی کی قیمتوں میں اس تفاوت سے جس طرح ہم کو واسطہ پیش آرہا ہے، ہمارے اسلاف کو بھی اپنے دور میں پیش آچکا ہے'' (جواہر الفقہ ۷/ ۴۳، ملخصاً)۔

کیا نصاب کی سطح کو بلند کیا جاسکتا ہے؟

دور حاضر میں سونے اور چاندی کی قیمتوں میں موجودہ تفاوت کے مدنظر کیا نقد روپے اور اموال تجارت میں چاندی کے معیار کو ترک کر کے، یا سونے اور چاندی میں سے جو زیادہ قیمت رکھتا ہو اسے بطور معیار اختیار کر کے نصاب کی سطح کو بلند کیا جاسکتا ہے؟ اسی طرح حرمت

☆ مدرسہ جامعہ خلیلیہ، ماہی، شمالی گجرات۔

اخذ زکوٰۃ کے اندر بھی؟

تفاوت کی صورت میں اموال تجارت اور نقد روپے میں چاندی کے نصاب کا اعتبار کیا جائے یا سونے کے؟ یہ مسئلہ روحِ شریعت کو پیش نظر رکھتے ہوئے فقہاء کرام نے بہت پہلے طے کر دیا ہے، تفصیل آگے آرہی ہے۔

اموال تجارت کا نصاب:

اموال تجارت کا نصاب سونا چاندی کے تابع ہے، اموال تجارت کی زکوٰۃ سے متعلق شریعت مطہرہ کا حکم یہ ہے کہ نقدین، یعنی سونا اور چاندی میں سے جس سے چاہے قیمت لگا کر زکوٰۃ دے، لیکن اس وقت دونوں کی قیمتوں میں بہت بڑا فرق ہے، تو سوال یہ ہے کہ موجب زکوٰۃ اور حرمت اخذ زکوٰۃ کے لیے معیار کس نصاب کو مقرر کیا جائے؟

یاد رکھنا چاہیے کہ اس سلسلے میں بھی حکم شرعی کتب فقہ میں بصراحت موجود ہے، فقہاء نے زکوٰۃ کے باب میں ایک قاعدہ وضابطہ متعین کر دیا ہے، ملاحظہ فرمائیں قدوری کی عبارت:

''و یقومها بما هو أنفع للمساكين'' (قدوری/۴۸، باب زکاۃ العروض)۔

یعنی زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے قیمت اس نقد سے لگائی جائے جو مساکین کے لیے زیادہ نافع ہو۔

صاحب ''جوہرہ'' نے انفع کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ جب قیمتیں ایک نہ ہوں، بلکہ دونوں کی قیمت میں اختلاف ہو تو جس کی قیمت سے مال نصاب کو پہنچ جائے اسی سے قیمت لگائی جائے گی اور جس سے نصاب کو نہ پہنچے اس سے قیمت نہیں لگائی جائے گی (الجوہرۃ النیرۃ ۱/ ۱۵۰، باب زکاۃ العروض، ط: مکتبۃ دار الکتاب، دیوبند)۔

صاحب ہدایہ نے بھی انفع کی یہی تفسیر کی ہے (الہدایۃ ۱/ ۱۹۶، فصل فی العروض، ط: مکتبۃ رشیدیہ، دیوبند)۔

اور جس جگہ فقہاء نے ''من ذهب أو ورق'' تحریر کیا ہے وہاں ''أو'' تخییر کے لیے

ہے اور یہ تخییر اس وقت ہے، جبکہ دونوں کی قیمت برابر ہو، یعنی بیس مثقال سونے کی قیمت دو سو درہم کے برابر ہو، اور اگر قیمت برابر نہ ہو تو جس سے مال بقدر نصاب کو پہنچ جائے اسی سے قیمت متعین ہو جائے گی، جیسا کہ اس کی تصریح "فتاوی ہندیہ" میں کی گئی ہے:

"ثم في تقويم عروض التجارة التخيير يقوم بأيهما شاء من الدراهم و الدنانير، إلا إذا كانت لا تبلغ بأحدهما نصابا، فحينئذ تعين التقويم بما يبلغ نصابا، هكذا في البحر الرائق" (الفتاویٰ الہندیہ ۱/۱۷۹، الفصل الثاني في العروض، ط: مکتبۃ زکریا، دیوبند)۔

(سامان تجارت کی قیمت لگانے میں اختیار رہے، دراہم و دنانیر میں سے جس سے چاہے قیمت لگائے، مگر جب کہ ان میں سے کسی ایک سے نصاب کو نہ پہنچے تو اس وقت جس سے نصاب کو پہنچ جائے اسی سے قیمت لگانا متعین ہو جائے گا، ایسا ہی "البحر الرائق" میں ہے)۔

ملک العلماء علامہ کاسانیؒ نے بھی اس موقع پر اس کی تصریح ان الفاظ میں فرمائی ہے:

"إن الدراهم و الدنانير و إن كانا في الثمنية و التقويم بهما سواء، لكنا رجحنا أحدهما بمرجح، و هو النظر للفقراء و الأخذ بالاحتياط أولى" (بدائع الصنائع ۲/۱۱۰، فصل: و أما أموال التجارة، مکتبۃ دار الکتاب، دیوبند)۔

یعنی دراہم و دنانیر اگرچہ ثمنیت اور ان دونوں کے ذریعہ قیمت لگانے میں برابر ہیں، لیکن ہم نے ان میں سے صرف ایک (چاندی) کو ایک مرجح کی وجہ سے ترجیح دی اور وہ فقراء کا لحاظ ہے اور احتیاط پر عمل کرنا اولی ہے۔

گویا فقہاء کے ذہن میں یہ ہے کہ اگر مال کسی بھی نصاب کو پہنچ جائے تو وہ نصاب سونے کے نصاب کے انتظار میں بیٹھنے کے قائل نہیں ہیں۔

انفع کی تفسیر کے متعلق ایک جزئیہ "درمختار" میں بھی مذکور ہے:

"و لو بلغ بأحدهما نصابا و خمسا و بالآخر أقل قومه بالأنفع

للفقیر'' (الدر المختار ۱/۱۳۵، باب زکاۃ الأموال، ط: مکتبۃ زکریا، دیوبند)۔

یعنی اگر مال ان میں سے ایک سے نصاب اور خمس نصاب کو پہنچ جائے اور دوسرے سے کم تو انفع للفقیر سے قیمت لگائی جائے گی۔

اس عبارت میں انفع للفقیر کی یہاں تک رعایت کی گئی ہے کہ اگر نصاب دونوں سے بن جاتا ہے، مگر ایک کے ساتھ تقویم سے نصاب اور خمس نصاب بن جاتا ہے اور دوسرے سے صرف نصاب یا نصاب اور خمس نصاب سے کم بنتا ہے تو جس نقد کے ساتھ تقویم سے نصاب اور خمس نصاب بنتا ہے اسی سے قیمت لگا کر زکوۃ ادا کی جائے گی، کیوں کہ امام اعظمؒ کے نزدیک خمس نصاب سے کم میں زکوۃ واجب نہیں ہوتی، لیکن جب خمس نصاب بعد تکمیل نصاب ہو جائے تو اس پر زکوۃ اسی اعتبار سے واجب ہوگی۔ بہر حال اس جزئیہ سے یہ بات صراحتاً جانی اور سمجھی جاتی ہے کہ جب انفع کا اعتبار تکمیل نصاب کے بعد بھی کیا جائے گا تو نصاب بناتے وقت کیوں اس کا لحاظ نہیں کیا جائے گا، ضرور کیا جائے گا، جیسا کہ علامہ ابن نجیم نے اس پر اتفاق نقل کیا ہے:

''**و في النهاية : لو كان تقويمه بأحد النقلين يتم النصاب، و بالآخر لا يقومه بما يتم به النصاب بالإتفاق**'' (البحر الرائق ۲/۲۲۹، باب زکاۃ المال، ط: مکتبۃ رشیدیہ، کوئٹہ، پاکستان)۔

(نہایہ میں ہے کہ اگر مال کی قیمت نقدین میں سے ایک سے لگانے سے نصاب مکمل ہو جاتا ہے اور دوسرے سے مکمل نہیں ہوتا ہے تو بالاتفاق مال کی قیمت اس سے لگائی جائے گی جس سے نصاب مکمل ہو جاتا ہے)۔

اسی طرح اگر کوئی شخص (جو کہ دو نصابوں کا مالک ہے) ایک نصاب کو دوسرے کے ساتھ ملا کر کل زکوۃ سونے سے یا چاندی سے ادا کرنا چاہتا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، البتہ اس کا لحاظ ضرور کرنا ہوگا کہ جس کے ساتھ ملانے سے فقراء کا زیادہ نفع ہو اس کے ساتھ ملایا جائے گا (فتاویٰ ہندیہ ۱/۱۷۹، الفصل الاول فی زکوۃ الذہب والفضۃ، ط: زکریا بکڈپو، دیوبند)۔

معلوم ہوا کہ ''انفع للفقراء'' کی رعایت بہرصورت کی جائے گی، پس سونے اور چاندی کے نرخ میں چاہے جتنا تفاوت ہو جائے دورِ حاضر میں اموال تجارت میں چاندی کا نصاب ہی معیار ہوگا۔

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے تفسیر معارف القرآن میں قرآن پاک کی آیت: ﴿و الذین یکنزون الذهب و الفضة و لا ینفقونها﴾ (التوبۃ:۳۴) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ﴿لاینفقونها﴾ کی ضمیر {الفضۃ} کی طرف راجع ہے، جس کے معنی چاندی کے ہیں، اوپر سونے اور چاندی دونوں کا ذکر تھا، مگر ضمیر صرف چاندی کی طرف راجع کی گئی ہے۔ ''تفسیر مظہری'' میں اس کو اشارہ اس بات کا قرار دیا ہے کہ جب کسی شخص کے پاس سونا اور چاندی تھوڑا تھوڑا موجود ہو تو اعتبار چاندی کا کیا جائے گا، سونے کی قیمت بھی چاندی کے حساب میں لگا کر زکوٰۃ ادا کی جائے گی (معارف القرآن ۴/۳۶۸)۔

غور کیجیے! سونا اور چاندی جس کا الگ الگ نصاب شریعت میں متعین ہے، لیکن جب کسی کے پاس سونا اور چاندی نصاب سے کم ہو، تو اس صورت میں حکم ہوتا ہے کہ سونا اور چاندی دونوں کو ملا کر اور نصاب پورا کر کے زکوٰۃ ادا کی جائے اور چونکہ سونے کی قیمت چاندی سے لگانے میں چاندی کا نصاب پورا ہو جاتا ہے، اس لیے قرآن کہتا ہے کہ سونے کی قیمت چاندی سے لگائی جائے، کیونکہ چاندی سے قیمت لگانے میں فقراء کا زیادہ نفع ہے، تو سامان تجارت جس کا کوئی مستقل نصاب متعین نہیں ہے، بلکہ اس کا نصاب سونا اور چاندی کے تابع ہے تو اس کے اندر بدرجہ اولیٰ چاندی کا نصاب متعین ہوگا۔

علاوہ ازیں چاندی کا نصاب جس قدر قوی دلیل سے ثابت ہے، سونے کے نصاب کے لیے اسی قدر قوی دلیل موجود نہیں ہے، پھر یہ بھی ہے کہ چاندی کا نصاب متفق علیہ ہے، حتیٰ کہ بعض فقہائے سلف کے نزدیک وہی اصل نصاب ہے اور جملہ اموال حتیٰ کہ سونے کے لیے بھی وہی معیار ہے، جبکہ سونے کے نصاب کے بارے میں کئی مکتب فکر ہیں اور ائمۂ مجتہدین میں سے

کسی نے بھی اسے معیار نصاب قرار نہیں دیا، اس لیے چاندی کے نصاب کو نظر انداز کر کے سونے کے نصاب کو معیار قرار دینا احتیاط کے تقاضوں کے خلاف ہے۔

دکتور وہبہ زحیلی تحریر فرماتے ہیں:

"**يرى كثير من علماء العصر تقدير النصاب بالفضة؛ لأنه أنفع للفقراء، و الاحتياط في الدين، و لأن نصاب الفضة مجمع عليه، و ثابت بالسنة الصحيحة**" (الفقہ الإسلامي وأدلتہ ۱۸۳۵/۳، زکاۃ الأوراق النقدیۃ، ط: بیروت)۔

(عصر حاضر کے اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ نصاب کا اندازہ چاندی سے کیا جائے گا، کیونکہ یہ فقراء کے لیے زیادہ نافع اور دین میں احتیاط کا تقاضہ بھی ہے اور اس لیے کہ چاندی کا نصاب متفق علیہ اور صحیح حدیث سے ثابت ہے)۔

روپے کا نصاب

کاغذی نوٹ پر کئی ادوار گزرے ہیں، پہلے اس کے پیچھے مکمل طور پر سونا ہوتا تھا، جس کو (Gold Bullian standard) کہتے ہیں، پھر (Fiduciary) (Money کا دور آیا، جب کہ اس کے پیچھے مکمل طور پر تو سونا نہیں ہوتا تھا، لیکن مخصوص تناسب سے سونا ہوتا تھا، پھر ایک وقت آیا کہ تمام کرنسیاں ڈالر سے وابستہ تھیں اور ڈالر سونے سے وابستہ تھا، پھر ۱۹۷۱ء کے بعد امریکہ نے بھی سونا دینے سے انکار کر دیا تو اب اس نوٹ کے پیچھے کوئی چیز نہیں رہی، نوٹ پر لکھی ہوئی عبارت "حامل ہذا کو مطالبہ پر اتنے روپئے ادا کیے جائے" بے معنی ہو گئے، اب صورت حال یہ ہے کہ اب اس کے آلۂ تبادلہ ہونے پر اصطلاح محض ہے، اس کے پیچھے کچھ بھی نہیں ہے (اسلام اور جدید معیشت وتجارت: ۱۰۴، ط: دار الاشاعت، دہلی)۔

اب موجودہ صورت حال میں کرنسی نوٹوں کی فقہی حیثیت کیا ہے؟ اس سلسلے میں علماء کے کئی نقطۂ نظر ہیں، لیکن صحیح نقطۂ نظر یہ ہے کہ نوٹ رسید نہیں، بلکہ خود مال ہیں، سونے چاندی کی طرح ثمن حقیقی نہیں، بلکہ ثمن عرفی ہیں، ان کا حکم وہی ہوگا جو فلوس کا ہوتا ہے۔

یہ مستقل ثمن اصطلاحی ہیں، ان کی اپنی ایک قدر ہے، جس کا سونے اور چاندی سے کوئی تعلق نہیں (بحوالہ سابق: ۱۱۱/۱)۔

بہرحال فقہی اعتبار سے یہ نوٹ اب قرض کی دستاویز کی حیثیت نہیں رکھتے ہیں، بلکہ فلوس نافقہ (مروجہ سکوں) کی طرح یہ علامتی کرنسی کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔

یہ سوال البتہ قابل غور ہے کہ جو کرنسی سونے یا چاندی سے بنی ہوئی نہیں ہے اس کے نصاب کا تعین کیسے ہو؟ یہ تو ظاہر ہے کہ ایسی کرنسی سیم وزر کے حکم میں داخل ہے، اس لیے لامحالہ اسے نصاب کے معاملے میں بھی سونا اور چاندی ہی پر قیاس کیا جائے گا۔ اب فقہائے امت کا تعامل یہ بتا رہا ہے کہ جو سکہ طلائی ہے یا کم از کم اس میں غالب عنصر سونے کا ہے اس کا نصاب تو سونے کا نصاب، یعنی بیس دینار ہوگا اور دوسرے تمام سکوں میں چاندی کا نصاب یعنی دو سو درہم یا ان کے ہم وزن چاندی کی قیمت کا اعتبار ہوگا، چنانچہ ''فتاویٰ ہندیہ'' کی عبارت ملاحظہ ہو:

''الدراهم إذا كانت مغشوشة فإن كان الغالب هو الفضة، فهي كالدراهم الخالصة، و إن غلب الغش فليس كالفضة كالستوقة ، فينظر إن كانت رائجة، أو نوىٰ التجارة اعتبرت قيمتها، فإن بلغت نصابا من أدنىٰ الدراهم التي تجب فيها الزكاة .... وجبت فيها الزكاة'' (الفتاویٰ الہندیہ ۱۷۹/۱، الفصل الأول في زكاة الذهب والفضة)۔

(اگر دراہم میں ملاوٹ ہو، مگر چاندی غالب ہو تو وہ خالص چاندی کے درہم شمار ہوں گے، اور اگر ملاوٹ غالب ہو تو پھر وہ چاندی کے مانند نہ ہوں گے۔ پس دیکھنا ہوگا کہ اگر وہ رائج الوقت ہو یا ان سے تجارت مقصود ہو تو ان کی قیمت کا اعتبار ہوگا، اگر یہ قیمت درہموں کی اس کمترین مقدار کی قیمت کو پہنچ جائے جس پر زکوٰۃ واجب ہے تو ان ملاوٹ والے سکوں میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی)۔

اب آجکل مروج سکے، کاغذی نوٹ سمیت دراہم مغشوشہ یا فلوس کی تعریف میں آسکتے

ہیں، اس لیے ان کی قانونی قیمت کے لحاظ سے ان پر زکوۃ عائد ہوگی اور ان کے لیے چاندی کا نصاب معیار ہوگا۔

مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

وجوب زکوۃ کے مسئلے میں مروجہ سکوں کا حکم سامان تجارت کی طرح ہے، یعنی جس طرح سامان تجارت کی مالیت اگر ساڑھے باون تولہ چاندی تک پہنچ جائے تو ان پر زکوۃ واجب ہو جاتی ہے، بعینہ یہی حکم مروجہ سکوں اور موجودہ کرنسی نوٹوں کا ہے (فقہی مقالات: ۱/۳۰)۔

نقد روپے میں سونے کے بجائے چاندی کا نصاب اختیار کرنے کے حق میں متعدد دلائل و وجوہ موجود ہیں جن کا ذکر سابق میں ہو چکا ہے۔

ضم نصاب کا مسئلہ

فقہائے امت نے جو درحقیقت حکمائے امت ہیں یہ فیصلہ دیا ہے کہ زکوۃ کے باب میں ہمیشہ فقراء کی منفعت کے پہلو کو پیش نظر رکھا جائے گا اور ظاہر ہے کہ ضم نصاب کے مسئلے میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کا قول ہی انفع للفقراء ہے، اسی لیے فقہاء و علماء کا عام رجحان ضم نصاب بالقیمۃ کے اعتبار کا رہا ہے اور اسی کو اختیار کرنا چاہیے، کیونکہ نصاب کی بنیاد چونکہ موجود ذخیرہ ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ضروریات زندگی سے فراغت کے بعد وہ اثاثہ باقی ہے، ایسی صورت میں ادنیٰ نصاب کا تعین ہی قابل ترجیح ہے اور عبادت میں احتیاط کا تقاضہ بھی یہی ہے۔ حاصل یہ کہ ضم نصاب کے مسئلے میں صاحبین کے قول (ضم اجزاء) کو اختیار کرنے کے لیے کوئی ضرورت داعیہ موجود نہیں ہے، نیز سونا چاندی کی قیمتوں میں تفاوت پچھلے زمانوں میں بھی پیش آ چکا ہے، اس کے باوجود فقہاء نے صاحبین کے قول کو اختیار نہیں کیا ہے، بلکہ بڑی صراحت کے ساتھ تحریر کیا ہے کہ انفع للفقراء کا اعتبار ہوگا اور انفع للفقراء امام اعظمؒ کا قول ہے۔

”قال في التصحيح : و رجح قول الإمام الإسبيجابي و الزوزني، و عليه مشى النسفي و برهان الشريعة و صدر الشريعة، و قال في التحفة : و قوله

أنفع للفقراء ، و أحوط في باب العبادات" (اللباب فی شرح الکتاب ۱/۱۴۹، باب زکاۃ العروض)۔

(تصحیح میں کہا ہے کہ علامہ اسبیجابی اور رزوزنی نے امام اعظمؒ کے قول کو راجح قرار دیا ہے اور اسی کا اتباع کیا ہے، علامہ نسفی، برہان الشریعہ اور صدر الشریعہ نے، اور تحفہ میں کہا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا قول انفع للفقراء اور عبادت کے باب میں احوط ہے)۔

خلاصۂ بحث

فقہائے کرام کی تصریحات، فقراء کا نفع، عبادت میں احتیاط، قرآن پاک کا اشارہ، نصاب چاندی کے دلائل کی قوت اور وجوب زکوٰۃ کے مقاصد یہ تمام امور اموال تجارت اور روپے میں وجوب زکوٰۃ کے لیے اور اسی طرح حرمت اخذ زکوٰۃ کے لیے بھی چاندی کے نصاب کے راجح و معیار ہونے پر دال ہیں، لہٰذا اموال تجارت اور روپے میں چاندی ہی کا نصاب معیار ہوگا۔

اور ضم نصاب کے مسئلے میں راجح قول امام اعظم ابوحنیفہؒ کا ہے، اس لیے اسی کو اختیار کیا جائے گا، صاحبینؒ کے قول کو اختیار کرنے کے لیے کوئی ضرورت داعیہ موجود نہیں ہے۔

☆☆☆

سونے اور چاندی کا نصاب

مولانا محمد رمضان علی ☆

۱- شریعت اسلامیہ نے فقراء اور اغناء کے لئے ایک پیمانہ مقرر کیا ہے، جس کو اصطلاح میں ''نصاب'' کہتے ہیں، جو شخص اس نصاب کا مالک ہوجاتا ہے اس پر زکوۃ واجب ہوجاتی ہے، نیز صاحب نصاب ہونے کی وجہ سے وہ مصرف زکوۃ بننے سے محروم بھی ہوجاتا ہے، معلوم ہوا کہ وجوب زکوۃ اور حرمان زکوۃ کے لئے کچھ فرق کے ساتھ یہی نصاب معیار ہے، اموال زکوۃ میں بعض چیزیں وہ ہیں جو انسانی ضرورتوں کو پورا کرتی ہیں جیسے کہ اجناس اور حیوانات اور بعض چیزیں وہ ہیں جو انسانی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے وسیلہ بنتی ہیں، جیسے کہ سونا اور چاندی۔

حضور علیہ السلام نے سونے اور چاندی کا نصاب صراحۃً مقرر فرمایا کہ دو سو درہم چاندی میں پانچ درہم چاندی اور بیس مثقال سونے میں نصف مثقال سونا زکوۃ کے طور پر دینا فرض ہے، چنانچہ ''سنن الدارقطنی'' میں ہے:

''عن محمد بن عبد الله بن جحش عن رسول الله ﷺ انه أمر معاذ بن جبل حين بعثه إلى يمن: أن يأخذ من كل أربعين دينارا، دينارا، ومن كل مائتي درهم خمسة درهم الخ'' (سنن الدارقطنی، ۲/ ۹۵مطبع عالم الکتب بیروت)۔

(محمد بن عبداللہ بن جحش سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کی طرف رخصت کرتے وقت فرمایا کہ ہر چالیس دینار میں سے ایک دینار اور ہر دو

☆ استاذ دار العلوم مجیبیہ خانقاہ، پھلواری شریف، پٹنہ۔

سودرہم میں سے پانچ درہم زکوۃ لیں)۔

اس سے معلوم ہوا کہ دوسودرہم چاندی اوربیس مثقال سونے میں زکوۃ فرض ہے، اگر کسی کے پاس اس سے کم چاندی یا سونا ہوتواس پر زکوۃ نہیں ہے۔

"عن جابر بن عبد الله عن رسول الله ﷺ أنه قال: ليس فيما دون خمس أواق من الورق صدقة الخ" (مسلم شریف ۳۱۶/۱)۔

(حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پانچ اوقیہ سے کم میں زکوۃ نہیں ہے)۔

"قال رسول اله ﷺ: ليس فيما دون مائتي درهم شئ ولا فيما دون عشرين مثقال من الذهب شيء في المائتين خمسة دراهم وفي عشرين مثقالا ذهبا نصف مثقال" (نصب الرایہ ۳۷۹/۲)۔

(حضور ﷺ نے فرمایا کہ دوسودرہم سے کم میں کچھ (زکوۃ) نہیں ہے اوربیس مثقال سونے سے کم میں کچھ (زکوۃ) نہیں ہے اور دوسو (درہم چاندی) میں پانچ درہم اوربیس مثقال سونے میں نصف مثقال (سونا زکوۃ میں دینا فرض ہے)۔

یہ بات تو واضح ہے کہ دوسودرہم چاندی کاوزن علماءعصر کے نزدیک ساڑھے باون تولہ چاندی اوربیس مثقال سونے کاوزن ساڑھے سات تولہ سونا کےوزن کے برابر ہے، اس لئے جس کے پاس بعینہ ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا موجودہواس پران کی زکوۃ نکالنافرض ہے، کیونکہ ان دونوں کانصاب منصوص ہےاورمسئلہ منصوص میں قیاس وغیرہ کےذریعہ کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی ۔لیکن قابل توجہ بات یہ ہے کہ عہدنبوی اوراس کے بعد کے زمانہ میں بھی سونا اور چاندی کے نصاب کی قدرو قیمت یکساں تھیں، یعنی ساڑھے سات تولہ سونا قیمت میں ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہوتا تھا،لیکن اس وقت دونوں میں آسمان وزمین کافرق ہوگیا ہے، کیونکہ اس وقت ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت دس ہزار سے کچھ زائد ہےاورساڑھے

سات تولہ سونا کی قیمت ڈیڑھ لاکھ کے قریب ہے، اس زمانہ میں جس کے پاس دس ہزار یا پندرہ ہزار روپئے ہو اس کو غریب سمجھا جاتا ہے، اور واقعۃً ایسا ہے بھی، کیونکہ ایسا شخص اپنی کوئی اہم ضرورت کو پوری نہیں کرسکتا، اس لئے یہ مسئلہ درپیش ہے کہ جس شخص کے پاس اتنی رقم ہو کہ اس سے نصاب کے بقدر چاندی تو خریدی جاسکتی ہے لیکن نصاب کے بقدر سونا نہیں خریدا جاسکتا تو کیا اس پر زکوۃ واجب ہے اور وہ زکوۃ کا مصرف نہیں ہے؟

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چند اسباب کی بناء پر ایسے شخص پر زکوۃ واجب ہونی چاہئے:

پہلی وجہ یہ ہے کہ زکوۃ دراصل فقراء ومساکین کو نفع پہنچانے اور ان کی ضروریات پوری کرنے کے لئے فرض ہوئی ہے، اگر چاندی کے نصاب کے بقدر صاحب رقم پر زکوۃ فرض نہ کی جائے تو کثیر افراد بہت سے موقع پر زکوۃ نکالنا چھوڑ دیں گے، جس سے فقراء کو کافی نقصان ہوگا اور ان کی بہت سی ضرورتیں پوری نہیں ہو پائیں گی۔

”عند أبي حنيفة يعتبر في التقويم منفعة الفقراء كما هو أصله“ (بدائع الصنائع، کتاب الزکوۃ، مقدار الواجب فیہ ۲/۱۰۸)۔

(امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قیمت لگانے میں فقراء کی منفعت کا اعتبار کیا جائے گا، جیسا کہ ان کی اصل ہے)۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جن احادیث مبارکہ سے سونے کا نصاب ثابت ہے وہ حدیثیں سنداً صحیح نہیں ہیں، جیسا کہ مندرجہ ذیل عبارتوں سے واضح ہے۔

”حدثنا الحسين بن اسماعيل ثنا عبد الله بن شبيب......عن رسول الله ﷺ: أنه امر معاذ بن جبل حين بعثه إلى اليمن: أن يأخذ من كل أربعين دينارا، دينارا، ومن كل مائتي درهم خمسة دراهم الخ“ (سنن الدارقطنی ۲/۹۵، مطبع عام الکتب بیروت)۔

(ہم سے حسین بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ ہم سے عبداللہ بن شبیب نے حدیث بیان کی ...... کہ حضور ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کی طرف روانہ کرتے ہوئے ان کو حکم دیا کہ ہر چالیس دینار میں سے ایک دینار زکوۃ لیں اور ہر دوسو درہم میں سے پانچ درہم زکوۃ لیں)۔

علامہ زیلعی نے "دارقطنی" کی مذکورہ حدیث کو "عبداللہ بن شبیب" کی وجہ سے معلول قرار دیا ہے:

"وروى الدار قطني في "سننه" من حديث عبد الله بن شبيب...... رسول الله ﷺ أنه أمر معاذ بن جبلؓ حين بعثه إلى اليمن أن يأخذ من كل أربعين دينارا، دينارا......وهو معلول بعبد الله بن شبيب" (نصب الرایہ، کتاب الزکوۃ، باب زکوۃ المال ۲/۳۷۴)۔

(دارقطنی نے اپنی سنن میں عبداللہ بن شبیب کی حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کی طرف روانہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ہر چالیس دینار میں سے ایک دینار زکوۃ لیں ...... یہ حدیث عبداللہ بن شبیب کی وجہ سے معلول ہے)۔

ایک حدیث امام ابوداؤد نے بھی نقل کی ہے، جس سے سونے کا نصاب ثابت ہوتا ہے۔

"حدثنا سليمان بن داؤد المصري ثنا ابن وهب ثنا جرير بن حازم......وليس عليك شئ حتي يكون لك عشرون دينارا، فإذا كانت لك عشرون دينارا وحال عليها الحول ففيها نصف دينار" (ابوداؤد، باب زکوۃ المال/۲۲۵)۔

(اور تمہارے اوپر (سونے میں) کوئی (زکوۃ) نہیں ہے، یہاں تک کہ تمہارے پاس بیس دینار ہو جائیں، جب تمہارے پاس بیس دینار ہو جائیں اور اس پر سال گذر جائے تو (ان بیس دینار میں) نصف دینار (زکوۃ) ہے)۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ابوداؤد کی اس حدیث کو معلول قرار دیا ہے، کیونکہ جریر بن حازم نے اس حدیث کو ابواسحاق سے نہیں سنا ہے۔

"الحديث الذي أوردناه من أبي داؤد معلول فانه قال: حدثنا سليمان بن داؤد المصرى ثنا ابن وهب ثنا جريربن حازم......ونبه ابن المواق على علة خفية فيه، وهي أن جرير بن حازم لم يسمع من ابي اسحاق" (تلخیص الحبیر ۲/۱۷۴)۔

(وہ حدیث جس کو ہم نے ابوداؤد سے پیش کیا وہ معلول ہے، کیونکہ انہوں نے فرمایا کہ حدثنا سلیمان بن داؤد المصری......اور ابن المواق نے اس حدیث میں ایک پوشیدہ علت بیان کی ہے اور وہ یہ ہے کہ جریر بن حازم نے اس حدیث کو ابواسحاق سے نہیں سنا ہے)۔

بہرکیف محدثین کے مذکورہ کلام سے واضح ہوگیا کہ جن احادیث مبارکہ سے سونے کا نصاب ثابت ہے وہ سنداً صحیح نہیں ہیں، اس لئے علامہ ابن عبدالبر نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سے سونے کی زکوۃ ثابت نہیں ہے۔

"وقال ابن عبد البر: لم يثبت عن النبي ﷺ في زكوة الذهب شئ من جهة نقل الأحاد الثقات، لكن روى الحسن بن عمارة عن أبي اسحاق عن عاصم والحارث عن علي فذكره، وكذا رواه أبوحنيفة ولو صح عنه لم يكن فيه حجة، لأن الحسن بن عمارة متروك" (تلخیص الحبیر ۲/۱۷۴)۔

(ابن عبدالبر نے فرمایا کہ ثقہ راویوں سے منقول احادیث کے ذریعہ سونے کی زکوۃ میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی چیز ثابت نہیں ہے، لیکن حسن بن عمارہ نے ابواسحاق سے روایت کیا ہے، انہوں نے عاصم اور حارث سے روایت کیا ہے ان دونوں نے حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے، حضرت علیؓ نے اس کا ذکر فرمایا، اسی طرح سے اس کو امام ابوحنیفہ نے روایت کیا ہے، اگر امام ابوحنیفہ سے وہ حدیث صحیح طور سے منقول ہو جب بھی وہ حجت نہیں بن سکتی، کیونکہ حسن بن عمارہ متروک ہیں)۔

امام محمد بن رشد القرطبی رقم طراز ہیں:

''سبب اختلافهم في نصاب الذهب أنه لم يثبت في ذلک شيئ عن النبي ﷺ كما ثبت ذلک في نصاب الفضة''(بدایۃ المجتہد، الفصل الاول فی الذہب والفضۃ ۱/۲۵۵)۔

(سونے کے نصاب میں علماء کرام کے اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ اس (سونے کے نصاب) میں رسول اللہ ﷺ سے کچھ ثابت نہیں ہے، جیسا کہ چاندی کے نصاب کے سلسلہ میں ثابت ہے)۔

امام شافعیؒ ''الرسالہ'' میں فرماتے ہیں:

''فرض رسول الله ﷺ في الورق صدقة، وأخذ المسلمون بعده في الذهب صدقة، إما بخبر عنه لم يبلغنا واما قياسا''(الرسالۃ رقم الحج ۵۲۷ صفحہ ۲۰۶ مطبع دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)۔

(رسول اللہ ﷺ نے چاندی میں صدقہ (زکوۃ) کو فرض کیا، آپ کے بعد مسلمانوں نے سونے میں صدقہ (زکوۃ) لیا یا تو ایسی حدیث کی وجہ سے جو ہم تک نہیں پہنچی یا قیاس کی وجہ سے)۔

مذکورہ عبارتوں سے واضح ہوگیا کہ سونے کا نصاب احادیث غیر صحیحہ سے ثابت ہے، بلکہ کچھ فقہاء کرام کے نزدیک تو سونے کی زکوۃ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہی نہیں ہے، جبکہ چاندی کا نصاب احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، اسی لئے چاندی کے نصاب کا معتبر ہونا قوی معلوم ہوتا ہے، یعنی جس کے پاس نصاب کے بقدر چاندی خریدنے کی رقم موجود ہو اس پر زکوۃ واجب ہونی چاہئے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ کچھ فقہاء کرام کے نزدیک چاندی کا نصاب ہی اصل ہے، ان کے یہاں سونے کا نصاب معتبر نہیں ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ چاندی کے نصاب کا اعتبار

کیا جائے۔

"وقال عامة الفقهاء: نصاب الذهب عشرون مثقالا من غير اعتبار قيمتها، إلاما حكي عن عطاء وطاؤس والزهري و سليمان وأيوب السختياني أنهم قالوا: هو معتبر بالفضة، فما كان قيمته مائتي درهم ففيه الزكوة والا فلا، لأنه لم يثبت عن النبي ﷺ تقدير في نصابه فثبت أنه حمله على الفضة" (المغنی لابن قدامہ المقدسی، باب زکوۃ الذہب والفضۃ ۶/۳)۔

(عام فقہاء کرام نے فرمایا کہ سونے کا نصاب بیس مثقال ہے، بغیر اس کی قیمت کا اعتبار کیے ہوئے، مگر یہ کہ عطاء، طاؤس، زہری، سلیمان اور ایوب سختیانی سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ سونے پر زکوۃ چاندی کے نصاب کے ذریعہ معتبر ہے (سونے کی) جس مقدار کی قیمت دوسو درہم (چاندی) کے برابر ہو اس میں زکوۃ ہے، ورنہ نہیں، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ سے سونے کے نصاب کی مقدار ثابت نہیں ہے، اس سے یہ ثابت ہوا کہ آپ ﷺ نے سونے کو چاندی (کے نصاب) پر محمول فرمایا ہے)۔

چوتھی اور آخری معتبر وجہ یہ ہے کہ مال تجارت کی طرح موجودہ کرنسی کا تعلق بھی نقدین میں سے کسی سے نہیں ہے، جس طرح مالک پر واجب ہے کہ وہ اپنے مال کی قیمت سونا اور چاندی میں سے اس کے ساتھ لگائے جو "انفع للفقراء" ہو اسی طرح یہاں پر بھی لازم ہو جاتا ہے کہ جس کے پاس چاندی کے نصاب کے بقدر رقم ہو اس پر زکوۃ فرض ہو، کیونکہ مثلاً بارہ پندرہ ہزار روپے سے نصاب کے بقدر چاندی تو خریدی جاسکتی ہے، لیکن اتنی رقم سے نصاب کے بقدر سونا نہیں خریدا جاسکتا، اس لئے کہ ساڑھے سات تولہ سونا کی قیمت ڈیڑھ لاکھ سے اوپر ہے، اس کے باوجود اگر ہم سونے کے نصاب کا اعتبار کریں گے تو کثیر تعداد میں لوگ زکوۃ نکالنا بند کردیں گے جس سے غرباء وفقراء کو کافی نقصان پہنچے گا، جو شرعاً درست نہیں ہے، کیونکہ بہت کم افراد ایسے ہیں جن کے پاس بنیادی ضروریات کے علاوہ ایک لاکھ سے زائد رقم موجود ہے، اس کے برخلاف اگر ہم

چاندی کے نصاب کا اعتبار کریں تو کثیر تعداد میں لوگ زکوۃ نکالیں گے جس سے غرباء وفقراء کو فائدہ پہنچے گا، اس لئے ضروری ہے کہ "انفع للفقراء" کو مدنظر رکھتے ہوئے چاندی کے نصاب کا اعتبار کیا جائے۔

"إن شاء قومها بالذهب وإن شاء بالفضة" (خلاصۃ الفتاوی ۱/۲۳۷)۔

(اگر چاہے تو اس کی قیمت سونے کے نصاب سے لگائے اور اگر چاہے تو اس کی قیمت چاندی کے نصاب سے لگائے)۔

"لكن التخيير ليس على إطلاقه" (ردالمحتار باب زکوۃ المال ۳/۲۲۸)۔

(لیکن اختیار مطلق طور پر نہیں ہے)۔

"لكن يجب أن يكون التقويم بما هو أنفع للفقراء رواجا" (ردالمحتار باب زکوۃ المال ۳/۲۳۴)۔

(لیکن واجب ہے کہ قیمت لگائی جائے اس کے ذریعہ جو انفع لفقراء ہو)۔

مذکورہ بالا اسباب سے یہ تو واضح ہو گیا کہ چاندی کے نصاب کا اعتبار کیا جائے گا، لیکن اس سے پہلے موجودہ کرنسی کی اہمیت وافادیت پر غور کرنا ضروری ہے، اس وقت بڑھتی ہوئی مہنگائی کی وجہ سے غالبا عہد نبوی کا پانچ درہم آج کے ۲۷۵ روپئے کے برابر ہے، کیونکہ دوسو درہم چاندی میں پانچ درہم چاندی زکوۃ کے طور پر نکالنا فرض ہے، اور دوسو درہم کا وزن وہی ہے جو کہ ساڑھے باون تولہ چاندی کا وزن ہے، جس کی قیمت اس وقت غالبا گیارہ ہزار روپئے ہے، اور گیارہ ہزار روپئے میں ۲۷۵ روپئے زکوۃ نکالنا فرض ہے، اس لحاظ سے پانچ درہم ۲۷۵ روپئے کے برابر ہوئے، جبکہ عہد نبوی میں غالبا ایک درہم کی اہمیت آج کے ہزار روپئے کے برابر تھی، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کی بیوی کو ایک درہم کے بدلہ میں پندرہ دن کا کھانا دلوایا، اس لحاظ سے عہد نبوی کے دوسو درہم آج کے دو لاکھ کے برابر ہوئے۔

"عن انس بن مالک أن رجلا من الأنصار أتى النبي ﷺ يسأله فقال:

أما في بيتک شئ قال: بلى حلس نلبس بعضه ونبسط بعضه وقعب نشرب فيه من الماء قال: ائتني بهما، قال: فأتاه بهما، فأخذهما رسول الله ﷺ بيده، وقال: من يشترى هذين؟ قال: رجل أنا أخذهما بدرهم، قال من يزيد على درهم مرتين أو ثلاثا، قال رجل: أنا أخذهما بدرهمين فأعطاهما إياه، وأخذ الدرهمين فأعطاهما الأنصارى، وقال: أشترى بأحدهما طعاما فأنبذه إلى أهلک وأشترى بالآخر قدوما فائتني به، فأتاه به، فشد فيه رسول الله ﷺ عودا بيده، ثم قال: اذهب فاحتطب وبع، ولا أرينک خمسة عشر يوما، فذهب الرجل يحتطب ويبيع فجاء وقد أصاب عشرة دراهم الخ" (ابوداؤد کتاب الزکوۃ، باب ماتجوز فیہ المسألۃ، ص ۲۳۲)۔

(حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں ایک انصاری صحابی حاضر ہوئے اور آپ سے امداد کے طالب ہوئے، حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تمہارے گھر میں کچھ نہیں ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ایک کملی ہے، جس کا بعض حصہ ہم پہنتے ہیں اور بعض حصہ بچھاتے ہیں، اور ایک پیالہ ہے جس میں ہم پانی پیتے ہیں، آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ ان دونوں کو میرے پاس لے آؤ، چنانچہ وہ ان دونوں کو رسول اللہ علیہ السلام کی خدمت میں لے آئے، اس کے بعد رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کو کون خریدتا ہے؟ ایک صحابی نے کہا کہ میں ان کو ایک درہم کے بدلہ میں خریدوں گا، رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک درہم پر کون اضافہ کرتا ہے تو ایک صحابی نے کہا کہ میں ان کو دو درہم کے بدلہ میں خریدوں گا، رسول اللہ علیہ السلام نے ان کو دونوں چیزیں دیدیں اور ان سے دونوں درہم لے کر انصاری کو دے دیا اور فرمایا کہ ایک درہم کا کھانا خرید کر اپنی بیوی کو دے دو اور ایک درہم کی کلہاڑی خرید لاؤ......اور فرمایا کہ جنگل جاؤ لکڑیاں کاٹو اور فروخت کرو اور پندرہ روز تک میں تمہیں نہ دیکھوں، وہ صحابی گئے اور لکڑیاں کاٹتے رہے اور بیچتے رہے، جب وہ آئے تو ان کے پاس دس درہم تھے)۔

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں دو سو درہم سے اہم ضرورتوں کو پورا کیاجاسکتا تھا، جبکہ اس دور میں گیارہ ہزار روپے سے کوئی بھی شخص اپنی ایک اہم ضرورت کو پوری نہیں کرسکتا، اتنی رقم سے آج ایک شخص گھر بنانا تو دور کی بات ہے، گھر کی بنیاد بھی کھڑی نہیں کرسکتا، اسی لئے وقت کا تقاضا ہے کہ جس شخص کے پاس چاندی کے نصاب کے بقدر رقم ہو اس کو غریب ہی سمجھا جائے اور جب تک اس کے پاس نصاب کے بقدر سونا خریدنے کی رقم نہ ہوجائے اس پر زکوۃ فرض نہ کی جائے۔

چاندی کے نصاب کا اعتبار نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ صاحب نصاب پر زکوۃ وغیرہ کی طرح قربانی کرنا بھی واجب ہے اور اس وقت ایک چھوٹے جانور کی قیمت کم از کم چار پانچ ہزار روپے ہے، اگر گیارہ ہزار روپے میں سے قربانی کے لئے چار پانچ ہزار روپے کا جانور خریدنا اس پر لازم قرار دے دیا جائے تو وہ کافی پریشانی اور حرج میں مبتلا ہوجائے گا، اور دین اسلام میں کوئی حرج نہیں ہے فرمان باری تعالی ہے:

''وما جعل عليكم في الدين من حرج'' (سورۂ حج:۱۰)۔

خلاصہ کلام:

شریعت اسلامیہ نے وجوب زکوۃ کے لئے ایک پیمانہ مقرر کیا ہے جس کو اصطلاح میں ''نصاب'' کہتے ہیں، یہ غنا کا پیمانہ بھی ہے اور فقر کا بھی ہے، یعنی جو اس نصاب کا مالک ہوجاتا ہے اس پر زکوۃ واجب ہوجاتی ہے اور زکوۃ لینے سے محروم ہوجاتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے سونے اور چاندی کا نصاب صراحۃً مقرر فرمایا ہے، اسی لئے جس کے پاس بعینہ ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا ہو اس پر زکوۃ واجب ہے اور اگر اس کے پاس سونا یا چاندی موجود نہ ہو بلکہ رقم وغیرہ ہو تو اس وقت وجوب زکوۃ کے لئے سونے کے نصاب کا اعتبار کیا جائے گا، یعنی زکوۃ صرف اسی آدمی پر واجب ہوگی، جس کی ملکیت میں اتنی رقم موجود ہو جس سے نصاب کے بقدر سونا خریدا جاسکے، اس کے علاوہ اگر کسی آدمی کے پاس اتنی رقم ہے کہ جس

سے نصاب کے بقدر چاندی تو خریدی جاسکتی ہے، لیکن نصاب کے بقدر سونا نہیں خریدا جاسکتا ہے تو ایسے شخص پر زکوۃ واجب نہیں ہے، اس کے لئے زکوۃ لینا جائز ہے۔

ضم نصاب کا طریقہ:

اگر کسی آدمی کے پاس کچھ مقدار چاندی اور کچھ مقدار سونا ہو اور دونوں کا مجموعہ نصاب کے بقدر ہو جاتا ہو تو فقہاء حنفیہ کے نزدیک ان دونوں کو ضم کیا جائے گا اور اس میں زکوۃ واجب ہو جائے گی، البتہ امام ابوحنیفہؒ ضم میں قیمت کا اعتبار کرتے ہیں اور صاحبین ضم میں اجزاء کا اعتبار کرتے ہیں، اور صاحبین ضم میں اجزاء کا اعتبار کرتے ہیں، لہذا اگر کسی شخص کے پاس سو درہم چاندی اور پانچ مثقال سونا ہو جس کی قیمت سو درہم ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس میں زکوۃ واجب ہو جائے گی، اس لئے کہ قیمت کے اعتبار سے چاندی کا نصاب پورا ہو گیا اور صاحبین چونکہ اجزاء کا اعتبار کرتے ہیں، اس لئے نصاب پورا نہ ہونے کی وجہ سے ان کے نزدیک زکوۃ واجب نہیں ہوگی، کیونکہ اس کے پاس چاندی کا آدھا نصاب موجود ہے اور سونے کا ربع نصاب موجود ہے اس لئے زکوۃ واجب نہیں ہوگی، البتہ اگر سونے کا بھی آدھا نصاب موجود ہوتا تو زکوۃ واجب ہو جاتی۔

”عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى يكمل نصاب الفضة بنصاب الذهب باعتبار القيمة وعند صاحبيه رحمهما الله تعالى باعتبار الأجزاء، وتفسير ذلک إذاملک مائة درهم وخمسة مثاقيل ذهب قيمتها مائة درهم عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى تجب الزكوة وعندهما لاتجب مالم يكن الذهب عشرة مثاقيل“ (فتاوی قاضی خاں علی ہندیہ ۱/ ۲۵۰ مطبع زکریا)۔

(امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چاندی کے نصاب کو سونے کے نصاب کے ساتھ قیمت کے اعتبار سے مکمل کیا جائے گا، اور صاحبین کے نزدیک اجزاء کے اعتبار سے (نصاب) کو مکمل کیا جائے گا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب کوئی شخص سو درہم چاندی اور پانچ مثقال سونا جس کی

قیمت سودرہم ہواس کا مالک ہوجائے توامام صاحب کےنزدیک اس میں زکوۃ واجب ہوجائے گی، اورصاحبین کےنزدیک جب تک دس مثقال سونا نہ ہوجائے زکوۃ واجب نہیں ہوگی)۔

"وعندهما تضم باعتبار الأجزاء فلا يكمل النصاب، لأن له نصف نصاب الفضة وربع نصاب الذهب، فيكون ثلاثة أرباع النصاب فلا يجب شئ" (بدائع الصنائع، کتاب الزکوۃ، مقدار الواجب فیہ ۲/۱۰۷)۔

(صاحبین کےنزدیک اجزاء کےاعتبار سےضم کیاجائے گا تو نصاب مکمل نہیں ہوا، اس لئے کہ اس کے پاس چاندی کا آدھا نصاب ہے اورسونے کا ربع نصاب ہے، اس لئے اس میں کوئی چیز واجب نہیں ہوئی)۔

فقہاء حنفیہ نے متون میں امام صاحب کے قول کو ذکر کیا ہے جس سے اس کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

"ويضم الذهب إلى الفضة وعكسه بجامع الثمنية قيمة" (الدرالمختار علی الرد ۳/۲۳۴ مکتبہ زکریا)۔

اگر امام صاحب کے قول کو اختیار کیاجائے تو کثیر تعداد میں عوام و خواص زکوۃ نکالیں گے، جس سے فقراء کی ضرورتیں پوری ہوں گی، اوران کو آرام ملے گا، مگر علامہ ابن قدامہ المقدسی نے صاحبین کے قول کو اصح قرار دیا ہے۔

"والأول أصح، لأن الأثمان تجب الزكوة في أعيانها، فلا تعتبر قيمتها كما لو انفردت" (المغنی لابن قدامہ المقدسی ۳/۶)۔

(اول اصح ہے، اس لئے کہ اثمان کے اعیان میں زکوۃ واجب ہوتی ہے، لہذا اس میں قیمت کا اعتبار نہیں کیاجائے گا، جیسا کہ انفرادی طور پر قیمت کا اعتبار نہیں کیاجاتا ہے)۔

علامہ ابن قدامہ المقدسی چونکہ حنبلی ہیں اس لئے ہوسکتا ہے کہ فقہاء حنفیہ ان کے قول کو قبول کرنے میں اعتراض کریں، لیکن اس وقت ضرورت اسی بات کی ہے کہ اس مسئلہ میں صاحبین

کے قول کو ہی اختیار کیا جائے، کیونکہ امام صاحب کے قول کو اختیار کرنے کی وجہ سے اس وقت ایک تولہ چاندی اور ایک تولہ سونا میں زکوۃ واجب ہوجائے گی، اس لئے کہ اس وقت ایک تولہ سونا کی قیمت اندازاً ۲۰۰۰۰ ہزار روپئے ہے، اس رقم سے ساڑھے باون تولہ چاندی، بلکہ اس سے بہت زائد چاندی خریدی جاسکتی ہے، اس لئے کہ ایک تولہ چاندی کی قیمت ۲۵۰ روپئے ہے۔

امام صاحب کے قول کو اختیار کرنے کی وجہ سے اگر فقراء کا فائدہ ہے تو دوسری طرف کثیر افراد کو اس سے حرج بھی واقع ہوگا، کیونکہ اس دور میں بہت سی عورتیں اور بہت سے مرد ایسے ہیں جن کے پاس ایک تولہ چاندی اور ایک تولہ سونا موجود ہے، چاہے وہ زیورات کی شکل میں ہو یا کسی اور شکل میں اور وہ خود کسی اہم کام کو انجام دینے میں دوسروں کے محتاج ہیں، ایسے وقت میں اگر ان اشخاص پر امام صاحب کے قول کو مدنظر رکھتے ہوئے زکوۃ فرض کردی جائے تو ان کے لئے زکوۃ نکالنا ضروری ہوجائے گا، اور دوسروں سے زکوۃ لینا حرام ہوجائے گا، ایسے وقت میں ان کو اپنی ضرورتیں پوری کرنے میں کافی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا، جس میں کافی حرج واقع ہوگا، حالانکہ فرمان باری تعالی ہے:

"وما جعل علیکم فی الدین من حرج" (سورہ حج:۱۰)۔

خلاصہ کلام:

خلاصہ یہ ہے کہ موجودہ دور میں ضم نصاب کے مسئلہ میں صاحبین کے قول کو اختیار کیا جائے تا کہ لوگوں کو حرج اور پریشانی لاحق نہ ہو۔

☆☆☆

کرنسی و دیگر اموال میں وجوب زکوۃ کا پیمانہ

مفتی محمد خالد حسین قاسمی نیموی☆

اموال میں وجوب زکوٰۃ کا پیمانہ؟

جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ روپیہ اور دیگر کرنسی نوٹ میں یا مال تجارت میں بقدر نصاب ہونے کا تعین اثمان مطلقہ میں سے کس کے ذریعہ کیا جائے، چاندی کے ذریعہ یا سونے کے ذریعہ؟ اس سلسلہ میں ہر ایک کو ثمن مطلق ہونے کی حیثیت سے مساوی قرار دیا گیا ہے اور ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی گئی ہے، چنانچہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی ذیل کی روایت میں دونوں برابر ہیں:

"ليس فيما دون عشرين مثقالا من الذهب شيء و في المائتين خمسة دراهم و في عشرين مثقالا ذهبا نصف مثقال" (الدرایۃ فی أحادیث الہدایہ/۱۹۵)۔

اسی طرح حضرت معاذؓ کی اس روایت میں بھی سونے اور چاندی کو برابر ذکر کیا گیا ہے:

"عن النبي ﷺ أنه أمر معاذ بن جبل حين بعثه إلى اليمن: أن يأخذ من كل أربعين دينارا دينار أو من كل مائتي درهم خمسة دراهم" (سنن الدارقطنی)۔

ان کے علاوہ بھی اس سلسلے میں جتنی روایتیں ہیں، ان میں سے کسی سے بھی اس بات کی ترجیح نہیں ہوتی ہے کہ مال تجارت میں تقویم سونے سے کی جائے یا چاندی سے، بلکہ فقہی روایتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں ہی ثمنیت ذریعہ مبادلہ ہونے اور خلقی ثمن ہونے میں یہاں

☆ استاذ، مدرسہ بدرالاسلام، بیگوسرائے، بہار۔

تک کہ زیب وزینت کا سامان ہونے میں برابر ہیں۔

علامہ مرغینانیؒ فرماتے ہیں:

"لأن الثمنين في تقدير قيم الأشياء بهما سواء" (الہدایہ/۱۹۶)۔

اور علامہ کاسانیؒ رقمطراز ہیں:

"لأنهما مالان متحدان في المعنى" (بدائع الصنائع ۲/۱۰۶)۔

نفع بخش پیمانہ:

جیسا کہ معلوم ہوا کہ سونے اور چاندی میں سے جس چیز کو پیمانہ بنانے میں غریبوں اور مسکینوں کے لیے زیادہ فائدہ ہو اسی کو پیمانہ بنانا امام ابوحنیفہؒ کا مسلک مختار ہے اور اسی کو حنفی متون میں بیان کیا گیا ہے، لہٰذا موجودہ زمانے میں جبکہ سونے اور چاندی نصاب میں کافی فرق ہے، چاندی کے نصاب کو روپئے اور کرنسی نوٹ کے لیے وجوب زکوٰۃ کا پیمانہ بنانا بہتر رہے گا، اس لیے کہ کرنسی نوٹ کا حکم مروجہ سکوں کی طرح ہے اور مروجہ سکوں کا حکم وجوب زکوٰۃ میں سامان تجارت کا ہے اور سامان تجارت کی زکوٰۃ کا مدار چاندی پر رکھا گیا ہے اور یہ کہا جائے گا کہ نوٹ وال اگرچہ سونے کے نصاب کا مالک نہیں ہے، لیکن چاندی کے نصاب کا معنوی طور پر مالک ہے۔

اسی کی تائید اسلامک فقہ اکیڈمی مکہ کے فیصلے سے بھی ہوتی ہے، جس میں "أوفی النصابین" کو تقویم کا پیمانہ بنایا گیا ہے، یعنی سونے اور چاندی میں سے جس کی قیمت کم ہو (قرارات المجلس/ص:۱۷)۔

یہ صحیح ہے کہ ایسی صورت میں بہت کم ایسے افراد ہوں گے جن پر زکوٰۃ فرض نہ ہو، لیکن یہ اچھی بات ہے کہ زکوٰۃ دینے والے افراد زیادہ ہوں گے تو باقی ماندہ ضرورت مندوں اور محتاجوں کی خبر گیری کرنا آسان ہوگا اور "ید علیا" اوپر کے ہاتھ رکھنے والے کی تعداد زیادہ ہو کر یقیناً زبان رسالت سے نکلنے والی "خیر" کی بشارت کے مستحق ہوں گے۔ **"اليد العليا خير من اليد السفلى"**۔

اوراگر سونے کے نصاب کو معیار بنایا جائے تو بہت کم لوگوں پر زکوٰۃ فرض رہ جائے گی، اس وقت فقراءوغرباء کی خبر گیری اوردست گیری کرنے والوں کوانگلیوں پر شمار کیا جانے لگے گا۔

تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ اگر روپے اورکرنسی نوٹ کے لیے چاندی کے نصاب کو معیار بنایا جائے تو ہر وہ شخص صاحب نصاب بن جائے گا جس کے پاس ضروریات کے علاوہ بارہ سے پندرہ ہزار روپے ہوں، واقعہ یہ ہے کہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت آج کل اتنی کم ہوگئی ہے کہ اس کی وجہ سے کسی کو زکوٰۃ کے لیے غیر مستحق قرار دینا اکثر اوقات دشواری کا باعث ہوتا ہے، مہنگائی کے اس دور میں بارہ پندرہ ہزار بہت معمولی رقم ہے، بعض فوری ضروریات کے لیے ایسے شخص کو زکوٰۃ لینے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، لیکن چونکہ چاندی کے نصاب کے لحاظ سے وہ صاحب نصاب ہے اورغناء کے پہلے درجہ میں ہے، لہٰذا اس کے لیے زکوٰۃ لینا درست نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إنما الصدقات للفقراء﴾ (سورۂ توبہ:۶۰)۔

(صدقات توصرف فقیروں کے لیے ہے)۔

اوررسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"لا تحل الصدقة لغني" (سنن أبي داؤد)۔

(صدقہ تو مالداروں کے لیے درست نہیں ہے)۔

علامہ کاسانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"فإن كان له فضل عن ذلك ما يبلغ قيمته مائتي درهم حرم عليه أخذ الصدقة" (بدائع ۲/۱۵۹)۔

(اگراس کے پاس لازمی ضروریات کے علاوہ اتنے مال یا اسباب ہوں جن کی قیمت دوسو درہم کو پہنچتی ہو تو اس کے لیے صدقہ لینا حرام ہے)۔

ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں وہ شخص سخت پریشانی میں مبتلا ہوسکتا ہے اوراپنی ایمر جنسی

ضرورت میں زکوٰۃ کی رقم سے استفادہ صرف اس وجہ سے نہیں کرسکتا کہ چاندی کے نصاب کے پیانہ سے وہ فقہی طور پر صاحب نصاب ہے اور غنی کے زمرہ میں شامل ہے، صرف اتنا ہی نہیں کہ اس کے لیے زکوٰۃ لینا حرام ہے، بلکہ اس پر قربانی کرنا بھی لازم ہے اور اپنی طرف سے اور اپنے زیر کفالت افراد کی طرف سے صدقۂ فطر بھی واجب ہے، جس کی ادائیگی پر بھی ایک خاصا صرفہ آئے گا۔

لہٰذا ایسا انسان جس کے پاس چاندی کے نصاب کے بقدر روپے یا کوئی اور کرنسی نوٹ یا اسباب ہوں اور اس کے لیے اپنی کسی فوری ضرورت کے تحت زکوٰۃ کی رقم سے استفادہ کرنا ضروری ہو تو اس کے لیے امام ابوحنیفہؒ کی دوسری روایت ''مخیّر بینھما'' کے مطابق سونے کے نصاب کو پیانہ بنانے کے بعد ''غنا'' کے پہلے اور دوسرے درجہ میں داخل نہیں ہوگا اور صاحب نصاب شمار نہیں ہوگا، لہٰذا اس کے لیے زکوٰۃ کی رقم سے استفادہ کی گنجائش نکل آئے گی۔ ''ہدایہ'' میں ہے:

''و في الأصل: خيّره'' (۱۹۶)۔

''مبسوط'' کی روایت کے مطابق امام ابوحنیفہؒ نے صاحب مال کو اختیار دیا ہے کہ سونے یا چاندی میں سے جس کے ذریعہ چاہے تقویم کرے۔

موجودہ زمانہ میں چونکہ نوٹ سونے سے مربوط ہے، اس لیے نوٹوں کے واسطے مخصوص حالات میں سونے کے نصاب کو معیار بنایا جاسکتا ہے۔ واضح رہے کہ یہ استثنائی حالت ہوگی نہ کہ عمومی حالت، مبتلی بہ کے احوال کے پیش نظر، ''المشقة تجلب السير'' کے مشہور اصول کی بنیاد پر، البتہ جس شخص کے پاس خود چاندی ساڑھے باون تولہ کی مقدار میں ہو تو وہ ہر حال میں صاحب نصاب ہوگا اور اس پر زکوٰۃ دینا فرض ہوگا اور زکوٰۃ لینا ناجائز ہوگا، اس لیے کہ سونے کی طرح چاندی کا نصاب بھی منصوص ہے، ارشاد نبوی ﷺ ہے:

''ليس فيما دون خمسة أوسق صدقة'' (متفق علیہ)۔

اور سونے اور چاندی میں سے کسی ایک کی موجودگی میں قیمت اور مالیت معتبر نہیں، بلکہ وزن قابل اعتبار ہے۔

"و أجمعوا علی أنه لا تعتبر القیمة في الذهب و الفضة عند الإنفراد"

(بدائع الصنائع ۲/ ۱۵۷)۔

ایک شکل یہ بھی نکل سکتی ہے کہ مجبوری کی حالت میں اسلام کے تقاضائے عدل کے تحت سونے اور چاندی کی قیمتوں کا اوسط نکالا جائے، اگر روپئے اس اوسط کے مطابق ہوں تو صاحب نصاب شمار کیا جائے ورنہ نہیں۔

ایک ضرورت مند کو مقدار نصاب زکوۃ دینے کی کراہیت:

چاندی کی گرتی ہوئی قیمت سے جو مسائل پیدا ہوتے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ فقہاء کرام نے ایک شخص کو مقدار نصاب زکوۃ کی رقم دینے کو مکروہ لکھا ہے، علامہ مرغینانیؒ فرماتے ہیں:

"و یکره أن یدفع إلی واحد مائتي درهم فصاعدا" (الهدایہ/ ۲۰۷)۔

(ایک شخص کو دو سو درہم یا اس سے زیادہ دینار مکروہ ہے)۔

جبکہ چاندی کی گرتی ہوئی قیمت اور موجودہ مہنگائی کے لحاظ سے دو سو درہم کی قیمت بہت کم ہوتی ہے اور بسا اوقات مستحق زکوۃ انسان کو اپنی یا اپنے اہل و عیال کی ضرورت کے لیے کثیر رقم کی حاجت ہوتی ہے، اگر اسے اتنی کم رقم ادا کی جائے تو اس کی ضروریات پوری نہیں ہو سکیں گی، حالانکہ بعض صورتوں میں فقہاء نے یہ گنجائش نکالی ہے کہ اگر کوئی شخص مقروض ہو، یا اس کا خاندان بڑا ہو کہ خاندان کے تمام افراد پر اگر زکوۃ کی رقم تقسیم کر دی جائے تو فی کس مقدار نصاب سے کم پڑتی ہو تو اس میں کچھ حرج نہیں، علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

"إلا إذا کان مدیونا أو صاحب عیال لو فرق علیهم لا یخص کل النصاب" (ردالمحتار ۳/ ۳۰۳)۔

لیکن اس کے باوجود یہ مسئلہ اپنی جگہ برقرار ہے کہ اگر مستحق زکوٰۃ کو اپنی انفرادی اور نجی ضرورت شدید کے لیے زیادہ رقم کی ضرورت ہو تو وہ کیا کرے گا؟ کیا متعدد افراد کے سامنے اپنی ضرورت کا اظہار کرے گا یا ایک ہی شخص اس کی لازمی ضروریات کی تکمیل کے لیے بلا کراہیت اس کو مقدار نصاب یا اس زیادہ دے سکتا ہے؟ خیال ہوتا ہے کہ اگر استثنائی حالات میں روپے کے لیے سونے کے نصاب کو معیار بنایا جائے یا سونے اور چاندی کی قیمتوں کے اوسط کو پیمانہ مقرر کیا جائے، یا ضم نصاب کے مسئلہ میں حضرات صاحبینؒ کے قول پر عمل کیا جائے (جیسا کہ ذیل میں اس کی تفصیل آرہی ہے) تو اس مسئلہ کا حل بھی نکل آئے گا۔

ضم نصاب کا مسئلہ:

اگر کسی شخص کے پاس سونے اور چاندی میں سے ہر ایک کی کچھ مقدار ہو اور دونوں کا مجموعہ نصاب کو پہنچتا ہو تو حنفیہ کے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بالاتفاق زکوٰۃ فرض ہے، لیکن نصاب زکوٰۃ میں ضم کا عمل اور اس کی ادائیگی قیمت کے لحاظ سے ہوگی یا اجزاء کے لحاظ سے؟ تو اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ قیمت کے ذریعہ ضم نصاب ہوگا، یعنی سونے اور چاندی کی مجموعی قیمت چاندی کے نصاب کو پہونچ جائے تو موجودہ قیمت کے لحاظ سے امام اعظمؒ کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہوگی، جبکہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اجزاء کا اعتبار ہے، یعنی سونے اور چاندی میں سے ہر ایک کی مقدار اتنی ہو جو نصاب کے ایک تناسب کو پورا کرتی ہو اور دوسرا بقیہ تناسب کو پورا کرتی ہو، خود حضرت امام اعظمؒ سے ایک روایت صاحبینؒ کی رائے کے مطابق بھی منقول ہے، جیسا کہ نوادر ہشام میں مذکور ہے (بدائع ۲/ ۱۰۷)۔

امام اعظمؒ اور صاحبینؒ میں سے ہر ایک کے پاس اپنے دلائل ہیں، البتہ نص کسی کے پاس نہیں ہے، یہ اختلاف نص کی بنیاد پر نہیں، بلکہ رائے کی بنیاد پر ہے، امام اعظمؒ کی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ سونے اور چاندی میں سے ہر ایک الگ الگ چیزیں ہیں، محض زکوٰۃ کے وجوب کے لیے دونوں کو ضم کیا جا رہا ہے، لہٰذا ضم کا اعتبار قیمت کے ذریعہ ہوگا، جیسا کہ اسباب تجارت

میں ہوتا ہے۔

صاحبینؒ کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ سونے اور چاندی میں اصل چیز اس کی قدر اور وزن ہے، قیمت نہیں، اس لیے کہ سارے اسباب کی قیمتوں کا اندازہ اسی سے لگایا جاتا ہے، لہٰذا ان دونوں کی قیمت نہیں لگائی جائے گی، بلکہ وزن کا اعتبار کیا جائے گا۔

"هما يقولان: المعتبر فيهما القدر دون القيمة" (الہدایہ ص ۱۹۶)۔

دونوں طرح کی دلیلوں کا تجزیہ کرنے کے بعد خیال ہوتا ہے کہ صاحبینؒ کی رائے موجودہ حالات میں عمل کے لیے زیادہ مناسب ہے، خاص طور پر اس لیے بھی کہ بین الاقوامی طور پر کرنسی نوٹوں کی مالیت میں استحکام یا گراوٹ سونے کی مقدار کے ذریعہ ہوتا ہے اور چاندی گرتی ہوئی حیثیت کے پیش نظر "ضم بالاجزاء" کے ذریعہ صاحب نصاب کے لیے ایک معتدل اور درمیانہ موقف اختیار کیا جاسکتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ضم نصاب کے مسئلہ میں صاحبینؒ کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے، خاص طور پر اس لیے بھی کہ خود امام اعظمؒ کی ایک روایت بھی اس کے مطابق ہے۔

خلاصۂ بحث:

۱- زکوٰۃ ارکان اسلام میں سے ایک اہم رکن اور اسلامی نظام معیشت کی روح ہے، جس کا مقصد مالداروں کے نفس کا تزکیہ، مال کی صفائی اور ضرورت مندوں اور محتاجوں کی ضرورت کی تکمیل ہے۔

۲- نصاب انسان کے فقر وغنا کے مابین حد فاصل ہے جو صاحب نصاب ہے، وہ غنی اور جو صاحب نصاب نہیں وہ فقیر ہے۔

۳- صاحب نصاب پر زکوٰۃ کی ادائیگی تو فرض ہے، لیکن اس کے لیے زکوٰۃ قبول کرنا درست نہیں۔

۴- عہد رسالت اور بعد کی صدیوں میں سونا کے نصاب (ساڑھے سات تولہ) اور چاندی کے نصاب (ساڑھے باون تولہ) میں قیمت کے لحاظ سے تقریباً یکسانیت تھی۔

۵- موجودہ زمانہ میں سونے اور چاندی کی قیمتوں میں تقریباً دس گنا کا فرق ہوگیا ہے،لہٰذا سونے کے نصاب کا مالک تو یقینی طور پر مالدار اور لکھ پتی سمجھا جاتا ہے،لیکن چاندی کے نصاب کا مالک عرف میں مالدار نہیں کہلاتا ہے۔

٦- سونے اور چاندی کا نصاب منصوص ہے، اس لیے اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی ہے۔

۷-روپیہ اور دیگر کرنسی نوٹ خود سونا اور چاندی نہیں، بلکہ ان کے قائم مقام ہیں،اس لیے ان کی قیمت کے ذریعہ نصاب کا تعین ہوگا۔

۸-امام اعظمؒ کے مسلک کے مطابق اس چیز کو نصاب کا پیمانہ بنایا جائے گا جس میں غریبوں کا زیادہ نفع ہو۔

۹- موجودہ وقت میں چاندی کے نصاب کو روپیہ وغیرہ کی زکوٰۃ کے لیے پیمانہ بنانا غریبوں کے لیے زیادہ منفعت بخش ہے،اس لیے چاندی کے نصاب کو پیمانہ بنایا جائے گا۔

۱۰- عالمی طور پر چونکہ نوٹ سونے سے مربوط ہے،اس لیے ضرورت مند افراد یا ان کے معاونین ضرورت شدیدہ کے وقت استثنائی طور پر سونے کے نصاب کو روپے کی زکوٰۃ کے لیے پیمانہ بناتے ہوئے زکوٰۃ کی رقم سے استفادہ کرسکتے ہیں اور اہل ثروت معاونین کسی ضرورت مند کی چاندی کے نصاب کے بقدر یا اس سے زائد رقم کے ذریعہ تعاون کرسکتے ہیں۔

۱۱- ضرورت کے وقت روپیہ کے لیے سونے اور چاندی کی قیمتوں کے اوسط کو نصاب کا پیمانہ بنایا جاسکتا ہے۔

۱۲- ضم نصاب کے مسئلہ میں امام اعظمؒ کی رائے (ضم بالقیمہ) اور صاحبینؒ کی رائے (ضم بالاجزاء) میں سے کوئی بھی رائے منصوص نہیں، بلکہ قیاس پر مبنی ہیں۔

۱۳- موجودہ حالات میں ضم نصاب کے مسئلہ میں صاحبینؒ کے قول پر عمل کی گنجائش ہے۔

زکوٰۃ سے متعلق دو اہم سوال

مولانا محمد ممتاز خاں ندوی☆

سونے اور چاندی کا نصاب:

سونے اور چاندی کا نصاب خود شارع نے متعین فرمادیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:
’’تم پر کوئی چیز نہیں ہے یہاں تک کہ تمہارے پاس بیس دینار ہوجائیں، تو جب تمہارے پاس بیس دینار ہوجائیں اور ان پر سال گذر جائے تو ان میں نصف دینار ہے اور مال میں زکوٰۃ نہیں ہے کہ یہاں تک کہ اس پر سال گذر جائے‘‘ (رواہ دارقطنی من حدیث محمد بن عبداللہ بن جحش عن النبی ﷺ) ۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: میں نے تمہارے لیے گھوڑے اور غلام کی زکوٰۃ معاف کردی، تو تم لوگ چاندی کی زکوٰۃ میں سے ہر چالیس درہم میں ایک درہم ادا کرو اور ایک سو ننانوے درہم میں کچھ نہیں ہے، تو جب دو سو درہم ہوجائیں تو ان میں پانچ درہم زکوٰۃ نکالنی ہوگی (رواہ دارقطنی من حدیث محمد بن عبداللہ بن جحش عن النبی ﷺ) ۔

سامانِ تجارت میں زکوٰۃ کا حکم:

اصل مسئلہ کی وضاحت سے قبل مناسب سمجھتا ہوں کہ سامان تجارت میں زکوٰۃ کن حضرات کے نزدیک واجب ہے اور کن حضرات کے یہاں واجب نہیں ہے اور پھر ان کے دلائل کیا ہیں؟ اس پر روشنی ڈال دی جائے۔

☆ مدرسہ ضیاء العلوم، رائے بریلی، یوپی۔

حکم:

سامان تجارت میں زکوۃ جمہور فقہاء بشمول امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد ابن حنبل کے نزدیک واجب ہے۔

''بدائع'' میں ہے:

''فتجب فیهما الزکوٰة، وهذا قول عامة العلماء''(بدائع ۲/۱۰۹)۔

''وقال مالک: اذا نضت زکاها لحول واحد''(بدائع ۲/۱۰۹)۔

''المغنی'' میں ہے:

''إذا ثبت هذا، فإن الزکوٰة تجب فیه فی کل حول، وبهذا قال الثوری والشافعی واسحق وأبوعبید وأصحاب الرأی''(المغنی ۲/۶۲۳)۔

ظاہریہ کے نزدیک:

البتہ ظاہریہ کے نزدیک سامان تجارت میں اصلاً زکوۃ نہیں ہے۔

''وقال أصحاب الظواهر: لازکوٰة فیها اصلاً''(بدائع ۲/۱۰۹، ایضا فقہ السنہ)۔

''روی عن سمرة بن جندب انه قال: کان رسول الله ﷺ یأمرنا بإخراج الزکوٰة من الرقیق الذی کنا نعده للبیع''(رواہ ابوداؤد، العروض اذا کانت: ۱/۲۱۵)۔

(سمرہ بن جندب سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا: اللہ کے رسول ﷺ ہمیں غلام کی زکوۃ نکالنے کا حکم دیتے تھے، جس کو ہم بیع کے لیے تیار کرتے تھے)۔

۲-''عن ابی عمرو بن حماس عن أبیه قال: کنت أبیع الأدم والجعاب فمربی عمربن الخطابؓ فقال: أو صدقة، فقلنا: یا أمیر المومنین إنما هو الأدم قال: قومه ثم اخرج صدقة''(بدائع ۲/۱۰۹)۔

(ابوعمرو بن حماس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد نے فرمایا: میں چمڑا اور ترکش فروخت کرتا تھا، عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہمارے پاس سے گذرے، تو انہوں

نے فرمایا: زکوٰۃ ادا کرو، ہم نے عرض کیا: اے امیر المومنین یہ چمڑا ہے، انہوں نے فرمایا: اس کی قیمت لگاؤ اور پھر زکوۃ دو۔

ظاہریہ کی دلیل:

ظاہریہ کی نقلی دلیل تو احقر کی نہیں مل سکی، البتہ عقلی دلیل ہے، وہ درج ذیل ہے:

''زکوٰۃ کا وجوب نص سے جانا گیا ہے اور نص میں زکوٰۃ کا وجوب درہم او ر دینار اور جانوروں میں ہے، تو اگر اس کے علاوہ میں زکوٰۃ واجب قرار دی جائے تو یہ قیاس سے واجب قرار دینا ہوگا اور خاص طور سے مقدار کے باب میں قیاس حجت تسلیم نہیں کیا جاتا ہے''۔

"وبه قول أصحاب الظواهر: إن وجوب الزكوٰة إنما عرف بالنص والنص ورد لوجوبها في الدراهم والدنانير والسوائم، فلو وجبت في غيرها لوجبت بالقياس عليها بحجة خصوصاً في باب المقادير۔" (بدائع ۲/۱۰۹)۔

فریقین کے دلائل پر ایک سرسری نظر:

جب ہم جمہور کے دلائل اور ظاہریہ کی دلیل پر غور کرتے ہیں تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ جمہور کا مسلک نہایت مضبوط ہے اور اسی پر عام علماء کا عمل بھی ہے، کیونکہ جمہور کے پاس صریح حدیثیں موجود ہیں، جیسا کہ سنن ابی داؤد کی روایت سے واضح ہے، اور ظاہریہ کے پاس ایک تو کوئی نقلی دلیل نہیں ہے اور جو عقلی دلیل بھی ہے، اس سے استدلال محل نظر ہے۔

اعتبار سونے کے نصاب کا ہوگا یا چاندی کے نصاب کا:

اس بحث کے بعد اب ہم اپنے عنان قلم کو فقہ اکیڈمی کے سوال کی طرف موڑتے ہیں:

۱- فقہ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی کے پاس اتنا تجارتی سامان یا نقد رقم ہے جو چاندی یا سونے میں سے کسی کے نصاب کو پہنچ جاتی ہے تو شرعاً ایسا شخص مالدار رہوگا اور اس پر زکوٰۃ دینی واجب ہوگی۔ بدائع کی عبارت اس سلسلہ میں بڑی صاف ہے:

"أما أموال التجارة فتقدير النصاب فيها بقيمتها من الدنانير والدراهم، فلاشئی فيها مالم تبلغ فقيها مائتی درهم أو عشرين مثقالا من ذهب" (بدائع ۲/۱۰۹)۔

(جہاں تک تجارت کے مال کا تعلق ہے، تو اس میں نصاب کی تعیین دینار اور درہم کی قیمت سے ہوگی، تو تجارت کے مال میں کچھ نہیں ہوگا، جب کہ تجارتی مال دو سو درہم یا بیس مثقال تک نہ پہنچ رہا ہو)۔

المغنی جو فقہ حنبلی کی اہم کتابوں میں سے ہے، اس میں ہے کہ: سامان تجارت یا نقد رقم سونے کے نصاب تک تو نہیں پہنچ رہا ہے۔ البتہ چاندی کے نصاب تک پہنچ رہا ہے اور سامان تجارت یا نقدی رقم پر سال گذر جاتا ہے، تو اس پر زکوۃ واجب ہوجائے گی، کیونکہ چاندی کے نصاب کے اعتبار کرنے میں فقراء کے لیے رعایت زیادہ ہے:

"إذا حال الحول على العروض وقيمتها بالفضة نصاب ولاتبلغ نصابا بالذهب قومناها بالفضة ليحصل للفقراء منها حظ" (المغنی ۲/۶۲۷)۔

"بدائع" میں ہے کہ سامان تجارت یا نقدی رقم سونے کے نصاب تک تو نہیں پہنچ رہا ہے، بلکہ چاندی کے نصاب تک پہنچ رہا ہے، تو چاندی کے نصاب کا اعتبار کرکے واجب ہوجائے گی، کیونکہ اس ہی فقراء کے لیے زیادہ رعایت ہے:

"أنه يقوم بأوفى القيمتين من الدراهم والدنانير حتى أنها إذا بلغت بالتقويم بالدراهم ولم تبلغ بالدنانير قومت بما تبلغ به النصاب حتى أنها إذا بلغت فی الأموال أنه يقومها بانفع النقدين للفقراء" (بدائع ۲/۱۱۰)۔

"ہدایہ مع الفتح" کی عبارت سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے:

"(يقومها بماهو أنفع للمساكين) احتياطا لحق الفقراء وتفسير الانفع أن يقومها بما تبلغ نصابا" (ہدایہ مع الفتح ۲/۱۶۷)۔

خلاصہ بحث:

خلاصہ بحث یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس اتنا سامان تجارت یا نقدی رقم ہے جو سونے کے نصاب تک تو نہیں پہنچ رہا ہے، البتہ چاندی کے نصاب تک پہنچ رہا ہے اور اس پر سال بھی گذر جاتا ہے، تو ایسا شخص شرعاً مالدار تسلیم کیا جائے گا اور اس پر اس تجارت مال یا نقدی رقم کی زکوٰۃ دینی واجب ہوگی۔

دوسرا پہلو:

اوپر یہ بات بیان کردی گئی ہے کہ اگر کسی کے پاس اتنا تجارتی سامان یا نقدی رقم ہے، جو سونے کے نصاب تک تو نہیں پہنچتا ہے۔ البتہ چاندی کے نصاب تک پہنچ جاتا ہے، تو چاندی کے نصاب کا اعتبار کر کے شرعاً ایسا شخص مالدار تصور کیا جائے گا اور چاندی کے نصاب کا اعتبار کر کے زکوٰۃ دینی واجب ہوگی، جب شریعت نے شخص مذکور کو مالدار تسلیم کیا ہے تو اس کے لیے زکوٰۃ لینی جائز نہیں ہوگی، کیونکہ زکوٰۃ فقراء کا حق ہے: سورہ توبہ میں ہے: "إنما الصدقات للفقراء" زکوٰۃ جو ہے سو وہ حق ہے مفلسوں کا اور محتاجوں کا۔

"الجوہرۃ النیرۃ" میں ہے:

"قوله :ولایجوز دفع الزکوٰة إلی من یملک نصابا من أی مال سواء کان النصاب نامیا أوغیر نام حتی لو کان له بیت لایسکنه مائتی درهم لایجوز صرف الزکوٰة الیه" (الجوہرۃ النیرۃ ۱/۱۵۸)۔

(صاحب نصاب کو زکوٰۃ دینی جائز نہیں ہے، خواہ نصاب نامی ہو یا غیر نامی، یہاں تک کہ اگر اس کے پاس ایک گھر ہے، جس میں وہ نہیں رہتا ہے اور وہ گھر دوسو درہم کے برابر ہے تو اس کو زکوٰۃ دینی جائز نہیں ہوگی)۔

"درمختار" میں ہے:

"ولاإلی (غنی) یملک قدر نصاب فارغ عن حاجته" (شامی ۲/۷۰)۔

''ہندیہ'' میں ہے:

''ولایجوز دفع الزکوٰۃ إلی من یملک نصابا ؤو مال کان دنانیر أو دراھم أو سوائم أو عروضا للتجارۃ أو لغیر التجارۃ فاضلاعن حاجتہ فی جمیع السنۃ ھکذا فی الزاھدی''(ہندیہ ۱/۱۸۹)۔

خلاصہ بحث:

خلاصہ بحث یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس اتنا تجارتی سامان یا نقد رقم ہے، جو سونے کے نصاب کے بجائے چاندی کے نصاب تک پہنچ رہا ہے تو شریعت نے ایسے شخص کو چاندی کے نصاب کا اعتبار کر کے مال دار تصور کیا ہے۔ لہذا اس پر زکوۃ دینی واجب ہوگی اور اس کے لیے زکوۃ لینی جائز نہیں ہوگی، کیونکہ زکوۃ فقراء کا حق ہے۔

۲۔ ضم نصاب:

ضم نصاب کے سلسلے میں فقہاء کرام کے دو گروہ ہیں اور دونوں کا نقطہ نظر ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

گروہ اول:

امام ابوحنیفہ، صاحبین، امام مالک، حسن، اوزاعی، ثوری رحمہم اللہ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد ابن حنبلؒ ضم نصاب کے قائل ہیں:

''المغنی'' میں ہے:

''یضم أحدھما إلی الآخر فی تکمیل النصاب وھو قول الحسن وقتادۃ ومالک والأوزاعی والثوری کأنواع الجنس وقال الخطاب: ظاھر کلام احمد فی روایۃ المروزی أنھا تضم بالأحوط من الأجزاء والقیمۃ''(المغنی ۳/۵۹)۔

''بدایۃ المجتہد'' میں ہے:

''فان عند مالک وأبی حنیفۃ وجماعۃ أنھا تضم الدراھم إلی الدنانیر

فإذا كل من مجموعهما نصاب وجب فيه الزكوة''(بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد ۱/ ۲۵۷)۔

گروہ ثانی:

امام شافعی، ابن ابی لیلہ، حسن بن صالح، شریک، ابوعبید، ابوثور رحمہم اللہ ایک روایت کے مطابق امام احمد ابن حنبل ضم نصاب کے قائل نہیں ہیں:

''المغنی'' میں ہے:

''لايضم وهو قول ابن ليلة والحسن بن صالح وشريک والشافعي وأبي عبيد وأبي ثور...... سئل احمد عن رجل عنده ثمانية دنانير ومأة درهم فقال: إنما قال الزكوٰة اذا كان عنده عشرة دنانير ومأة درهم''(المغنی ۳/ ۵۹۸)۔

گروہ اول کے دلائل:

گروہ اول کے پاس ایک حدیث ہے، جس کو صاحب بدائع نے نقل کیا ہے، حدیث درج ذیل ہے:

۱-''روى عن بكير بن عبدالله بن الاشج أنه قال: مضت السنة من أصحاب رسول الله ﷺ بضم الذهب إلى الفضة، والفضة إلى الذهب في إخراج الزكوٰة''(بدائع ۲/ ۱۰۶، نیز دیکھئے، فتح القدیر ۲/ ۱۶۹)۔

(بکیر بن عبداللہ الاشج سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: صحابہ کرام کا سونے کو چاندی سے اور چاندی کو سونے سے ملانے کا طریقہ رہا ہے)۔

۲-ایک دلیل یہ ہے کہ: ''ان دونوں کی تخلیق اس لیے ہوتی ہے کہ وہ اصلاً ثمن ہیں، اس لحاظ سے یہ دونوں ایک ہی جنس ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ سونے چاندی میں مقدار زکوٰۃ (ڈھائی فیصد) یکساں ہے''۔

''ولأنهما مالان متحدان في المعنى الذى تعلق به وجوب الزكوٰة فيهما وهو الإعداد للتجارة بأصل الخلقة والثمنية فكانا في حكم الزكوٰة

کجنس واحد، ولهذا اتفق الواجب فیھما وھو ربع العشر عن کل حال" (بدائع ۲/۱۰۶)۔

گروہ ثانی کے دلائل:

۱-گروہ ثانی اس حدیث کے عموم سے استدلال کرتے ہیں:

"لیس فیما دون خمس أواق صدقة" (المغنی ۳/۵۹)۔

(پانچ اوقیہ سے کم میں زکوۃ نہیں ہے)۔

۲-عقلی دلیل یہ ہے کہ: "دونوں کی جنس الگ الگ ہے، جب الگ الگ ہے تو دونوں کونصاب میں ملانا کیسے درست ہوگا، جیسے کہ گائے اور اونٹ کے الگ الگ جنس ہونے کی وجہ سے نصاب میں ایک دوسرے کونہیں ملایا جاسکتا، اسی طرح سونے اور چاندی کے الگ الگ جنس ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کو نصاب میں نہیں ملایا جاسکتا، جبکہ احناف ضم نصاب میں سونے اور چاندی کو ایک جنس تسلیم کرتے ہیں اور بیع کے باب میں ال الگ جنس تسلیم کرتے ہیں اور دونوں میں تفاضل کو جائز قرار دیتے ہیں۔

"المغنی" میں ہے:

"ولأنھما مالان یختلف نصابھما فلا یضم أحدھما إلی الأخر کأجناس الماشیة" (المغنی ۲/۵۹۸)۔

"بدائع" میں ہے:

"أنھما جنسان مختلفان فلا یضم احدھما للآخر فی تکمیل النصاب کالسوائم عند اختلاف الجنس" (بدائع ۲/۱۰۶)۔

دونوں گروہوں کے دلائل پر ایک سرسری نظر:

اگر دونوں گروہوں کے دلائل کا گہرائی اور انصاف کے ساتھ جائزہ لیا جائے تو اس باب میں گروہ ثانی کے دلائل زیادہ مضبوط نظر آتے ہیں، کیونکہ عقل یہی کہتی ہے کہ سونے اور

چاندی دونوں مختلف جنس ہوں، جبکہ احناف سونے اور چاندی کو بیع کے باب میں مختلف جنس مانتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ تفاضل کو جائز قرار دیتے ہیں، تو کیا وجہ ہے کہ ضم نصاب میں دونوں ایک جنس تسلیم کئے جائیں، صاحب "بدائع" نے ضم نصاب کے سلسلہ میں جو حدیث نقل کی ہے اگر یہ حدیث صحیح ہوتی اور کتب حدیث میں اس کا ذکر ہوتا تو یقیناً جو حضرات ضم نصاب کے قائل ہیں، ان کا مسلک اس باب میں نہایت قوی ہوتا، اس حدیث کے تعلق سے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں:

"جہاں تک اس حدیث کی بات ہے جو علامہ کاسانیؒ نے نقل کی ہے، تو باوجود تلاش کے کہیں نہ کہیں مل سکی، خود عام فقہاء احناف نے بھی اس کا تذکرہ نہیں کیا ہے "کنز العمال" جو ہر طرح کی احادیث کا ضخیم ترین مجموعہ ہے، اس میں بھی یہ روایت نہیں ہے اور نہ مصنف نے اس کی کوئی شخصی سند ہی ذکر کی ہے، اس لیے اس سے استدلال محل نظر ہے" (جدید فقہی مسائل ۲/۵۰)۔

ضم نصاب کی کیفیت:

جو حضرات ضم نصاب کے قائل ہیں، ان کے درمیان بھی ضم نصاب کی کیفیت میں اختلاف ہے، امام صاحب کی رائے یہ ہے کہ ضم نصاب قیمت کے اعتبار سے ہوگا، جب کہ صاحبین کی رائے یہ ہے کہ قیمت کے بجائے اجزاء سے ہوگا، امام مالک کی رائے یہ ہے کہ ضم نصاب اسی وقت ہوسکتا ہے، جبکہ دس دینار اور سو درہم ہوں تو ان دونوں کو ملا کر زکوۃ نکالنی واجب ہوگی، امام صاحبؒ کی رائے کے مطابق آج کے اس دور میں اگر کسی کے پاس ایک دینار اور ایک درہم ہے تو اس پر زکوۃ واجب ہوجائے گی اور صاحبینؒ کی رائے کے مطابق اگر کسی کے پاس چار چوتھائی سونا اور تین چوتھائی چاندی ہے تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی، جبکہ امام مالک کی رائے مختلف ہے، جیسا کہ اوپر مذکور ہے۔

شامی میں ہے:

"روعي عن الإمام أنه قال: إذا كان لرجل خمسة وتسعون درهما

ودينار يساوى خمسة دراهم أنه تجب الزكوٰة وذالک بأنه تقوم الفضة بالذهب كل خمسة منها بدينار........... وهذا دليل على أنه لا اعتبار بتكامل الأجزاء عنده وانما يضم أحد النقدين إلى الآخر قيمة" (شامی ۲/ ۳۷)۔

"(وقالا: بالاجزاء) فإن كان من هذا ثلاثة اربا ع نصاب ومن الآخر ربع ضم أو النصف من كل أو الثلث من أحدهما والثلثان من الآخر، فيخرج من كل جزء بحسابه" (شامی ۲/ ۳۷)۔

"بدایۃ المجتہد" میں ہے:

"فرأى مالک ضمهمابصرف محمود، وذالک بأن تنزل الدينار بعشرة دراهم على ما كانت عليه قديما فمن كانت عنده عشرة دنانير ومأة درهم وجبت عليه فيهما الزكوٰة عنده" (بدایۃ المجتہد ۱/ ۲۵۷)۔

بدلتا معیار:

امام صاحب کی یہ رائے کہ ــــ ضم نصاب میں سونے اور چاندی کا قیمۃً اعتبار کیا جائے گا بلا شبہ امام صاحب کی یہ رائے ان کے اپنے دور کے لحاظ سے عین قرین قیاس ہے، کیونکہ ان کے زمانہ میں سونے اور چاندی کی مالیت یکساں تھی، ایک دینار اور ایک درہم مالیت میں دونوں برابر تھے، صاحب "ہدایہ" علامہ برہان الدین مرغینانیؒ فرماتے ہیں:

"وكل دينار عشرة دراهم فى الشرع، فيكون أربعة مثاقيل فى هذا أربعين" (ہدایہ اولین/ ۱۹۵)۔

لیکن اس دور میں سونے اور چاندی میں اس قدر غیر معمولی فرق ہوگیا ہے کہ سونے کے نصاب سے چاندی کے کئی نصاب پورے ہو سکتے ہیں۔

احقر کی رائے:

لہذا اس سلسلہ میں احقر کی رائے یہ ہے کہ سونے اور چاندی میں غیر معمولی فرق کے

پیش نظر صاحبین کے قول کو اختیار کرنا اقرب الی الفقہ ہے اور صاحبین کے قول کو اختیار کرنے میں امام صاحب کے قول سے کلی خروج بھی لازم نہیں آرہا ہے، بلکہ صاحبین کے قول پر عمل کرتے ہیں، امام صاحب کے قول پر خود عمل ہوجائے گا اور متاخرین فقہاء کرام کے یہاں یہ اصول ہے کہ جب امام صاحب اور صاحبین کے قول میں تعارض ہوجائے اور تغیر زمانہ کے سبب صاحبین کے قول کو اختیار کرنے میں مصلحت کا تقاضا ہو تو فقہاء کرام صاحبین کے قول کو اختیار کرنے میں فتویٰ دیتے ہیں۔ فخر المتاخر علامہ شامیؒ کی عبارت ملاحظہ ہو:

"(التاسع ما اذا كان أحدهما أوفق لأهل الزمان، فإن ما كان أوفق لعرفهم أو أسهل عليهم فهو أولى بالاعتماد عليه، ولذا افتوا بقول الإمامين في مسئلة تزكية الشهود وعدم القضاء بظاهر العدالة لتغيير أحوال الزمان، فإن الإمام كان في القرن الذي شهدله رسول الله ﷺ بخلاف عصرهما، فإنه قد نشي فيه الكذب .... وجود القرون إلى القول بجوازه" (رسائل ابن عابدین: ۴۰)۔

☆☆☆

وجوب زکوۃ کا سبب اور سونا چاندی کا نصاب

مولانا محمد عثمان بستوی ☆

چاندی کا نصاب:

چاندی کا نصاب ۲۰۰ درہم ہے جس کا وزن مروج ۶۱۲/گرام ہوتا ہے، اگر صرف چاندی ہو اس کے ساتھ سونا، مال تجارت وغیرہ دوسرے اموال زکوۃ اس کی جنس کے نہ ہوں تو دو سو درہم سے کم میں زکوۃ واجب نہ ہوگی۔

"لما روی أن رسول اللہ ﷺ لمّا کتب کتاب الصدقات لعمرو ابن حزم ذکر فیه الفضة لیس فیها صدقة حتی تبلغ مائتی درهم؛ فإذا بلغت مأتین ففیها خمسة، وروی عنه قال معاذ: لما بعثه إلی الیمن لیس فیما دون مأتین من الورق شئ وفی ماتین خمسة" (بدائع ۲/۱۰۰-۱۰۱)، "ونصاب الفضة مألتادرهم......" (موسوعہ ۲۳/۲۶۴)۔

سونے کے نصاب میں اقوال علماء:

جمہور فقہاء کے نزدیک سونے کا نصاب ۲۰/مثقال سونا جس کا رائج وزن ۸۷/گرام ہوتا ہے، لہذا اگر صرف سونا ہی اس کے ساتھ اس کے جنس کے دوسرے اموال (چاندی، مال تجارت) وغیرہ نہ ہوں تو ۲۰/مثقال سے کم میں زکوۃ واجب نہ ہوگی۔

☆ جامعہ ریاض العلوم، گورینی، جونپور۔

"نصاب الذهب عند جمهور الفقهاء عشرون مثقالا، فلا تجب الزكوة فى أقل منها، لما روى عن النبى ﷺ أنه قال لعلى، ليس عليك فى الذهب زكاة مالم يبلغ عشرين مثقالا" (بدائع ۱۰۵/۲، الموسوعۃ الفقہیہ ۲۶۳/۲۳)۔

حضرات جمہور کے علاوہ عطاء، طاوس، زہری، سلیمان ابن حرب، ایوب سختیانی وغیرہم کے نزدیک سونے کا اپنا کوئی نصاب مستقل نہیں ہے، بلکہ سونے کے نصاب میں بھی چاندی والا نصاب معتبر ہوگا، لہذا جب سونا مالیت کے اعتبار سے دو سو درہم چاندی کے بقدر ہوجائے تو زکوۃ واجب ہوگی، اگرچہ سونے کی مقدار ۲۰ مثقال سے کم ہو اور اگر موجود سونے کی قیمت دوسو درہم کے بقدر نہ ہو تو زکوۃ واجب نہ ہوگی، اگرچہ سونا بیس مثقال سے زائد ہی کیوں نہ ہو۔

"سواء كان أقل من (۲۰) مثقالا أوساوية لها أو أكثر منها، قالوا: لأنه لم يثبت عن النبي ﷺ تقدير فى نصاب الذهب، فيحمل نصابه على نصاب الفضة" (موسوعہ فقہیہ ۲۶۳/۲۳، بدائع الصنائع ۱۰۵/۲)۔

نصاب ناقص کا حکم:

جب سونا یا چاندی یا مال تجارت نصاب کے بقدر تنہا نہ ہو، بلکہ نصاب سے کم ان تینوں یا دونوں کا مجموعہ موجود ہو تو اس صورت میں جمہور علماء کے نزدیک سب کے مجموعہ کو ملا کر نصاب کا اندازہ لگایا جائے گا، اگر مجموعے سے نصاب مکمل ہوجاتا ہے تو زکوۃ واجب ہوگی، اور اگر مجموعے سے نصاب مکمل نہیں ہوتا ہے تو زکوۃ واجب نہیں ہوگی، البتہ حضرات جمہور کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ ناقص نصاب کو کس طرح سے ملایا جائے گا مالیت کا لحاظ کرتے ہوئے یا اجزاء (وزن) کا اعتبار کرتے ہوئے۔

قول امام ابوحنیفہ:

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نصاب سے ناقص مجموعے کو ملانے میں قیمت کا اعتبار

کیا جائے گا، لہٰذا مجموعے کی قیمت سے سونا یا چاندی میں سے جس کا بھی نصاب مکمل ہوجائے تو مجموعی قیمت سے ڈھائی فیصد زکوۃ ادا کرنا واجب ہے۔

قول صاحبین وغیرہ:

صاحبین اور حضرت امام مالک، احمد رحمہم اللہ نصاب ناقص کو ملانے میں اجزاء کا اعتبار کرتے ہیں، لہٰذا اگر کسی کے پاس پندرہ مثقال سونا ہو اور پچاس درہم چاندی ہو تو زکوۃ واجب ہوگی، کیونکہ پندرہ مثقال سونے سے سونے کا ۳؍۴ نصاب بنتا ہے، اور پچاس درہم چاندی سے ۱؍۴ نصاب مکمل ہوتا ہے، اسی طرح اگر کسی کے پاس ڈیڑھ سو درہم چاندی ہو اور پانچ مثقال سونا ہو تو زکوۃ واجب ہوگی، اور ادائے زکوۃ میں غالب کا لحاظ کیا جائے گا۔

قول امام شافعیؒ واحمدؒ:

حضرت امام شافعی اور امام احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت اور ابوعبید ابن ابی لیلی، ابوثور اس بات کے قائل ہیں کہ جب نصاب مکمل نہ ہو تو ناقص نصاب کو کسی بھی اعتبار سے دوسرے کے ساتھ شامل نہیں کیا جائے گا، اور نصاب کی زکوۃ ان کے نزدیک واجب نہ ہوگی۔

قول راجح ومفتی بہ:

سونے چاندی کا نصاب جب ناقص ہو اور دونوں کا مجموعہ ہو تو اس صورت میں حضرت امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے درمیان جو اختلاف ہے اس میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح و مفتی بہ ہے، کیونکہ حضرت امام صاحب کے قول پر فتوی دینے میں احتیاط ہے اور مقصود زکوۃ (نفع فقیر) کی رعایت بھی ہے اور یہ باب عبادات سے ہے، لہٰذا احوط ہی مفتی بہ ہے، نیز باب عبادات میں قول امام ہی پر فتوی ہوتا ہے اور قول امام ہی کو متون میں ذکر کیا گیا ہے، اور شروح میں اس کے دلائل مؤخر ہیں مذکورہ بالا امور علامات ترجیح و افتاء ہیں، نیز حضرات فقہاء نے اس کے مفتی بہ اور راجح ہونے کی صراحت بھی کی ہے، اور جب اقوال مختلفہ میں کسی ایک کو ترجیح دے دی گئی ہو تو اس صورت میں قول راجح پر عمل کرنا اور اس پر فتوی دینا لازم ہے قول مرجوح کو اختیار

کرنا جہالت اور خرق اجماع ہے، جس کی تصریح ''رسم المفتی، درمختار'' وغیرہ میں موجود ہے۔

''ورجح قول الإمام الإسبیجابی والزوزنی وعلیه مشی النسفی و برهان الشریعة وصدر الشریعة، وقال فی التحفة: وقوله أنفع للفقراء وأحوط من باب العبادات'' (اللباب ۱/۱۴۵، درمختار ۱/۵۱، ۵۳)۔

تنبیہ:

سوال میں مذکور حرج وتنگی حضرات صاحبین کا قول (ضم بالاجزاء) اختیار کرنے سے بھی ختم نہیں ہوگی، اور جو سوال ضم بالقیمت کی صورت میں پیدا ہوتا ہے وہی سوال ضم بالاجزاء کی صورت میں بھی باقی رہتا ہے، مثلاً کسی کے پاس صرف سات تولہ سونا ہے، جس کی مالیت ایک لاکھ سے بھی متجاوز ہوتی ہے اس پر زکوۃ واجب نہیں، اس کے برعکس ایک دوسرے شخص کے پاس مثلاً ۵۲ تولہ چاندی ہے اور آدھا تولہ سونا ہے جس کی مجموعی مالیت زیادہ سے زیادہ ۲۳/ہزار روپئے ہوتی ہے، اس پر ضم بالاجزاء کے اعتبار سے بھی زکوۃ واجب ہوگی، مذکورہ صورت میں ضم بالاجزاء کو اختیار کرنے کے باوجود ایک لاکھ کی مالیت پر زکوۃ واجب نہیں اور صرف ۲۲/ہزار کی مالیت پر زکوۃ واجب ہورہی ہے، لہذا قول مرجوح اختیار کرنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی۔

مال تجارت کا نصاب:

اموال تجارت معنوی اعتبار سے سونے چاندی کی طرح ہیں، کیونکہ جس طرح دراہم و دنانیر بذات خود مقصود نہیں ہوتے، بلکہ ان سے دوسرے اموال کا حصول مقصود ہوتا ہے، اسی طرح اموال تجارت بھی خود مقصود نہیں ہوتے، اور ان سے دیگر اموال کا حصول مقصود ہوتا ہے، ورنہ اگر یہ خود مقصود ہوتے تو ان کو فروخت کرنے کی ضرورت نہ رہتی، لہذا معنوی اعتبار سے دونوں کے ایک ہونے کی وجہ سے دونوں کا نصاب بھی ایک ہی ہوگا، جیسا کہ جمہور علماء اسی کے قائل ہیں۔

نیز روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سونے چاندی میں زکوۃ کی جو مقدار (ربع عشر) ہے وہی مقدار مال تجارت میں بھی واجب ہے اس سے معلوم ہوگیا کہ دونوں کا نصاب بھی ایک

ہی ہوگا،اسی لئے مال تجارت میں وجوب زکوۃ اوراس کے نصاب پر تقریباً اجماع ہے۔

''الزكوة واجبة في عروض التجارة كائنة ماكانت إذا بلغت قيمتها نصابا من الورق أو الذهب لقوله عليه السلام يقومها فيؤدى من كل مائتى درهم خمسة دراهم، ولأنها معدة للاستنما باعداد العبد فأشبه المعد بإعداد الشرع'' (ہدایہ علی ہامش الفتح ۲/۲۱۸،بدائع الصنائع ۲/۱۰۹)۔

مال تجارت کی تقویم:

مال تجارت کا نصاب سونے سے متعین کیاجائے گا یا چاندی سے،اس سلسلے میں صاحب ہدایہ اور صاحب بدائع وغیرہ نے کل چار اقوال نقل کئے ہیں،اور الموسوعۃ الفقہیہ میں بھی یہی چار اقوال منقول ہیں۔

۱-حنابلہ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت میں انفع للفقراء کا اعتبار کیا جائے گا، یعنی جب سونے یا چاندی سے مال تجارت کی قیمت لگائی جائے تو جس کی قیمت بقدر نصاب بنے اسی سے قیمت لگائی جائے گی، اور جس کی قیمت بقدر نصاب نہ بنے اس سے قیمت نہیں لگائی جائے گی۔

۲-امام ابوحنیفہؒ کی دوسری روایت یہ ہے کہ قیمت لگانے میں مالک کو اختیار ہوگا،خواہ وہ سونے سے قیمت لگائے یا چاندی سے،کیونکہ سونا اور چاند یا شیاء کی قیمتوں کی تعیین میں دونوں برابر ہیں۔

۳-شافعیہ اور ابویوسفؒ یہ فرماتے ہیں کہ اگر مال تجارت کی خریداری سونے سے ہوئی ہے تو اسی سے اس کی قیمت لگائی جائے گی اور اگر چاندی سے ہوئی ہے تو اس سے اس کی قیمت لگائی جائے گی، اور اگر کسی سامان سے خریداری ہوئی ہے تو اس وقت شہر میں رائج سکہ (درہم و دینار) سے قیمت لگائی جائیگی۔

۴-حضرت امام محمدؒ کے نزدیک ہر حال میں رائج سکہ (درہم و دینار) سے ہی مال

تجارت کی قیمت لگائی جائے گی۔اور حضرات مالکیہ سے اس سلسلے میں کوئی صراحت نہیں ملتی کہ مال تجارت کی قیمت کس سے لگائی جائے گی، البتہ ان کی یہ صراحت موجود ہے کہ جب تک مال تجارت نصاب کو نہ پہنچے زکوۃ واجب نہیں (الموسوعہ الفقہیہ ۲۳/ ۲۷۲، ہدایہ علی ہامش الفتح ۲/۲۱۹)۔

صاحب فتح القدیر کی تطبیق:

علامہ کمال الدین ابن ہمام شارح ہدایہ، ان اقوال اربع مذکورہ بالا میں تطبیق دیتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ جب مال تجارت کی قیمت لگانے میں ثمنین میں سے ایک کی قیمت بقدر نصاب ہوجائے اور دوسرے کی قیمت بقدر نصاب نہ ہوتو اس صورت میں باتفاق صاحبین وامام ابوحنیفہؒ اس سے قیمت لگانا واجب اور متعین ہے جس کی قیمت بقدر نصاب ہوجائے، کیونکہ یہی ''انفع للفقراء'' ہے اور جس کی قیمت بقدر نصاب نہ ہو اس سے کسی کے نزدیک بھی قیمت نہیں لگائی جائے گی، اور جب ثمنین سے مال تجارت کی قیمت لگائی جائے اور ہر ایک کی قیمت بقدر نصاب ہوجائے تو امام صاحب کے نزدیک اختیار ہے جس سے چاہے قیمت لگائے اور امام ابو یوسف ذریعہ خرید سے قیمت لگائی جائے اور امام محمدؒ کے یہاں نقد غالب فی البلد سے قیمت لگائی جائے اس تطبیق کے بعد اقوال مذکورہ میں کوئی اختلاف اور تعارض باقی نہیں رہ جاتا ہے۔

''فلذا أفادت عبارة الخلاصة اللتى ذكرناها والكافى أن اعتبار الأنفع للفقراء'' (فتح القدیر ۲/۲۲۰)۔

مال تجارت کی تقویم میں قول راجح:

موجودہ زمانے میں مال تجارت کی قیمت میں چاندی کے نصاب سے زکوۃ کا حکم لگایا جائے گا جس کی وجوہات درج ذیل ہیں:

۱-صاحب فتح القدیر اور ابن عابدین صاحب خلاصہ اور صاحب ''بنایہ'' وغیرہم کے نزدیک چاندی کے نصاب سے تعیین موجودہ زمانے میں اتفاقی مسئلہ ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں، کیونکہ چاندی کے نصاب سے تقویم میں انفع للفقیر ہونا متعین ہے۔

۲-چاندی کا نصاب مشہور معروف اتفاقی واجماعی ہے اور سونے کے نصاب میں بہر حال یہ اختلاف موجود ہے کہ وہ اصل ہے کہ نہیں، جیسا کہ سونے کے نصاب کے تحت گذر چکا ہے: ''حضرت عطاء، زہری، سلیمان، ابن حزم اور ایوب سختیانی وغیرہم کے نزدیک سونے کا کوئی الگ نصاب نہیں بلکہ سونے مین بھی چاندی ہی کا نصاب معتبر ہے''۔

۳-مال تجارت معنوی اعتبار سے ملحق بالثمن ہے، لہذا جب اس کی قیمت چاندی کے نصاب کے بقدر ہو جائے تو گویا کہ حکماً و معنی بقدر نصاب چاندی ہی موجود ہے اور جو حکم اصل ثمن کا ہوگا وہی حکم ملحق بالثمن کا ہونا چاہئے۔

۴-سونے چاندی کے درمیان تفاوت کا مسئلہ کوئی نیا نہیں ہے، بلکہ ان کے درمیان تفاوت بہت پہلے ہی سے چلا آرہا ہے، ذکر کیا جاتا ہے کہ خلفاء عباسیہ کے زمانہ میں سونے اور چاندی کے درمیان جو نسبت آپ ﷺ کے زمانہ میں تھی وہ باقی نہ رہ گئی تھی بلکہ ان کے زمانہ میں یہ فرق ڈیوڑھے تک پہنچ چکا تھا، یہاں تک کہ ۳۵ بمقابلہ ایک تک کی بات آئی ہے (بحث و نظر)۔ اس کے باوجود حضرات فقہاء کا اس فرق کو بنیاد بنا کر کوئی حکم نہ ذکر کرنا یہ دلیل ہے کہ تقویم مال تجارت میں تفاوت ثمنین کی وجہ سے وہ حکم جو متفق علیہ مفتی بہ احوط انفع للفقراء سے متغیر نہ ہوگا۔

۵-''وأن الحكم والفتيا بالقول المرجوح جهل وخرق للإجماع'' (درمختار ۱/ ۵۱)۔

''وأما نحن فعلينا اتباع مارجحوه وما صححوه كما أفتوا في حياتهم'' (درمختار ۱/ ۵۳)۔

خلاصہ جواب:

۱-الف: مذکورہ صورت میں چاندی کے نصاب کا اعتبار کرتے ہوئے زکوۃ ادا کرنا واجب ہے کیونکہ چاندی کے نصاب کا استقلالی، انفع للفقراء، احوط، مفتی بہ ہونا متفق علیہ ہے بخلاف سونا

کے۔

"لابد من اعتبار منفعة الفقراء عند التقويم، ألاترى أنه لوكان يقومه بأحد النقدين يتم النصاب و بالآخر لا، فإنه يقومه بما يتم به النصاب بالاتفاق" (فتح القدیر ۲/۲۳۲،شامی)۔

"وروى عن عطاء، و طاووس، الزهرى،سليمان بن حرب، ايوب السختياني أن نصاب الذهب معتبر بالفضةالخ......ونصاب الفضة مائتادرهم بالاجماع" (موسوعہ فقہیہ ۲۳/ ۲٦۳)۔

ب- جب کسی کے پاس ضرورت (حوائج اصلیہ) سے زائد مال غیر نامی چاندی کے نصاب کے بقدر موجود ہوتو ایسا شخص شرعاً فقیر نہیں، بلکہ ایسا غنی ہے جس کے لئے زکوۃ لینا جائز نہیں، کیونکہ وہ باعتبار مالیت کے متفق علیہ نصاب استقلالی کا مالک ہے۔

"أما الغناء الذى يحرم به أخذ الصدقة وقبولها فهو الذى تجب به صدقة الفطر والأضحية، وهو أن يملک من الأموال اللتي لا تجب فيه الزكاة ما يفضل عن حاجته وتبلغ قيمة الفاضل مأتي درهم من الثياب والفرش" (بدائع ۲/۱۵۸)۔

۲- اس مسئلہ مختلف فیہا میں بھی حضرات امام صاحبؒ کا قول راجح و مفتی بہ ہے اور کسی مقلد حنفی کے لئے اس سے عدول کی گنجائش نہیں رہی سوال میں مذکور حرج و تنگی اگر اس کا اعتبار کیا جائے تو سرے سے چاندی کے نصاب ہی کی نفی کرنی پڑے گی، کیونکہ دونوں کے نصاب میں آج کوئی تناسب موجود نہیں، بلکہ دونوں کے درمیان بدیہی فرق ہے۔

"رجح قول الإمام الاسبيجابى، والزوزنى وعليه مشى النسفى وبرهان الشريعة و صدر الشريعة، و قال في التحفة: وقوله: أنفع للفقراء و أحوط في باب العبادت" (اللباب ۱/۱۴۵فی شرح الکتاب)۔

مسائل زکوٰۃ اور موجودہ حالات

مولانا محمد حذیفہ محمود لوناواڑا ☆

۱-نقد روپے اور سامان تجارت میں زکوۃ واجب ہونے کے لئے پیمانہ سونے کا نصاب ہوگا یا چاندی کا؟

شرعاً سونے کا نصاب ۲۰؍مثقال اور چاندی کا نصاب ۲۰۰؍درہم ہے، عہد نبوی میں ایک دینار (مثقال) بمقابلہ دس درہم شمار ہوتا تھا، اس لیے بیس دینار (مثقال) دوسو درہم کے مساوی تھے، مگر فی زمانہ سونے اور چاندی کی قیمتوں میں خاصا تفاوت پایا جاتا ہے، چاندی کی قوت خرید بمقابلہ سونے کے بہت کم ہے فطری بات ہے کہ جس معدنی شئے کا ربط کرنسی سے ہوگا اس کی قیمت بڑھے گی، اب جبکہ چاندی کا کرنسی سے کوئی ربط نہیں رہا تو اس کی قیمت کم ہوگئی، نتیجتاً سونے اور چاندی کی قیمت میں کوئی توازن نہیں رہا، سونے اور چاندی کی قیمتوں میں عدم توازن اور اس غیر معمولی تفاوت کی وجہ سے دونوں کے نصابوں کی مالیت میں بھی کوئی تناسب و تقارب نہیں رہا، اس وقت دونوں نصابوں کے درمیان لگ بھگ ایک اور دس کی نسبت ہے، اس بناء پر یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ موجودہ حالات میں نقد رقم اور اموال تجارت میں وجوب زکوۃ اور حرمان زکوۃ کا پیمانہ اور معیار سونا اور چاندی دونوں کا نصاب ہونا چاہیے یا پھر صرف سونے کا نصاب نہ کہ چاندی کا؟ اس کی تحقیق کے لیے سامان تجارت میں نصاب زکوۃ سے متعلق اہل علم و فقہ کی آراء ذکر کی جاتی ہیں، پھر اس بات کو واضح کیا جائے گا کہ موجودہ حالات میں بھی کونسی رائے راجح اور اوفق

☆ دارالعلوم لوناواڑہ، گجرات۔

بالدلیل والعمل ہے؟

اہل علم کی اس سلسلہ میں دو رائے ہیں: ایک جمہور علماء وفقہاء کی اور دوسری بعض معاصر علماء کی۔

جمہور علماء وفقہاء کی رائے:

یہ ہے کہ سونا اور چاندی دونوں کا نصاب پیمانہ ہوگا، اگر دونوں کی قیمت کے اعتبار سے صاحب نصاب ہوجاتا ہے تو جس کو چاہے معیار بنائے اور اگر دونوں میں سے کسی ایک کی قیمت کے اعتبار سے صاحب نصاب ہوتا ہے تو پھر "أنفع للفقراء" کا لحاظ کرتے ہوئے اسی کو پیمانہ بنایا جائے گا اور اس پر زکوۃ واجب ہوگی۔ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں چاندی کے نصاب کے اعتبار سے قیمت لگانے میں آسانی سے صاحب نصاب ہوجائے گا اور یہی "أنفع للفقراء" ہے، اس لیے اس کا اعتبار ہوگا، جمہور فقہاء کا یہی مسلک ہے، البتہ امام شافعیؒ کی رائے تھوڑی سی الگ ہے کہ اگر سونے سے خریدا ہے تو سونے کے نصاب کو اور چاندی سے خریدا ہے تو چاندی کے نصاب کو معیار بنایا جائے گا اور اگر سامان کے عوض خریدا ہے تو جس نقد بلد کا رواج زیادہ ہے اس کو، ورنہ جس سے صاحب نصاب ہوجاتا ہے اس کو معیار بنائیں گے، اس کا حاصل بھی وہی ہے جو جمہور فقہاء کی رائے ہے۔

چنانچہ وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

"و طريقه تقويم العروض هي عند الجمهور غير الشافعية أن تقوم السلع إذا حال الحول بالأحظ"

"فتاویٰ تاتارخانیہ" میں ہے:

"في السراجية: الزكاة في الفلوس الرائجة – كما في دراهمنا اليوم – لا تجب ما لم يكن قيمتها مائتى درهم من الدراهم التي تغلب النقرة فيها على الغش أو عشرين مثقالا من الذهب و لا تشترط فيه نية التجارة" (الفتاویٰ

التاتارخانیہ ۲/ ۱۴)۔

اس مفہوم کی عبارتیں فقہ کی دیگر کتابوں اور ائمہ اربعہ کی کتب میں بھی ہیں، مثلاً: (الدر المختار علی الرد ۳/ ۲۳۰، ۲۳۱، رد المحتار ۳/ ۲۳۰، ۲۳۱، وکذا في البدائع ۲/ ۱۰۳، ط: مکتبۃ زکریا، دیوبند، تخمس لاشراق في حکم التعامل بالأوراق/ص ۶۷، بحوالۃ الورق النقدي/ص ۹۵، از: جدید فقہی تحقیقات: ۲، کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت/ص ۲۲۵، المہذب مع المجموع ۶/ ۲۲، ۲۳، ط: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، المغني مع الشرح الکبیر ۲/ ۶۲۷، ط: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، وکذا في الشرح الکبیر مع المغني ۲/ ۲۲۷، ط: دار الکتب العلمیۃ، بیروت)۔

بعض معاصرین کی رائے:

بعض معاصر اہل علم کی رائے یہ ہے کہ اموال تجارت اور نقد رقم (کرنسی) میں وجوب زکوۃ کے لیے پیمانہ سونے کا نصاب ہوگا، نہ کہ چاندی کا، بلکہ ان کی رائے میں تو اصل نصاب ہی سونا ہے، چاندی کے نصاب کا فی زمانہ کوئی اعتبار نہیں ہے، کیونکہ:

۱- سونا اور چاندی کی قیمت میں بہت زیادہ تفاوت ہو گیا ہے۔ نیز چاندی کی قدر و قیمت میں مختلف زمانہ میں تبدیلی ہوتی رہی ہے، جبکہ سونے کی قدر و قیمت ہر عہد میں ایک حد تک یکساں رہی ہے، چاندی کی مالیت کے مقابلہ میں اس کے اندر رچاؤ رہا ہے۔

۲- دوسرے نصاب (مثلاً نصاب سوائم) کے قریب فی زمانہ سونے کا نصاب ہے، نہ کہ چاندی کا۔

۳- اس زمانہ میں کرنسی کا قانونی ربط ہونے کے ساتھ ہے، نہ کہ چاندی کے ساتھ، سونا ہی فی زمانہ معیار تقویم ہے۔

۴- چاندی کی قیمت بہت کم ہو جانے کے باوجود اس کو معیار نصاب باقی رکھنے میں ایک طرف فقراء کا فائدہ ہے تو دوسری طرف اصحاب اموال کے ساتھ ناانصافی اور زیادتی بھی ہے۔

یہ رائے علامہ یوسف قرضاوی، عبد الوہاب خلاف، ابو زہرہ اور عبد الرحمٰن حسن وغیرہ کی ہے۔

چنانچہ قرضاوی "بما ذا نحدد النصاب في عصرنا بالذهب أم الفضة؟" کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

و لكن البحث الذي لا بد منه هنا هو – بأي النقدين نحدد النصاب – أي الحد الأدنى للغني الموجب للزكاة؟ و ذلک أن الشارع قد حدد لكل منهما نصابا يخالف الآخر، هل نحدده بالفضة؟ ربما مال إلى ذلک كثير من العلماء المعاصرين ...... و يذهب علماء آخرون إلى أن تقدير النصاب يجب أن يكون بالذهب و ذلک أن الفضة تغيرت قيمتها بعد عصر النبي ﷺ و من بعده، و ذلک لاختلاف قيمتها باختلاف العصور كسائر الأشياء، أما الذهب فاستمرت قيمته ثابتة إلى حد بعيد و لم تختلف قيمة النقود الذهبية ...... لهذا كان الأولى أن نقتصر على تقدير النصاب في عصرنا بالذهب و إذا كان التقدير بالفضة أنفع للفقراء فهو إجحاف بأرباب الأموال، و أرباب الأموال في الزكاة ليسوا هم الرأسماليين بل هم جمهور الأمة" (فقہ الزکاۃ ۱/ ۲۶۴، ۲۶۵، ط: موسسۃ الرسالۃ، بیروت، اسی کتاب کی صفحات ۱/ ۲۷۷، ۳۲۹ بھی دیکھے جا سکتے ہیں)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی کی صرف نقد و کرنسی کے متعلق یہی رائے ہے، لکھتے ہیں:

"و يقدر نصابها (أي الأوراق النقدية) بسعر صرف نصاب الذهب المقرر شرعا ...... و الأصح تقدير النصاب الوافي بالذهب؛ لأنه المعادل لنصاب الأنعام و الإبل و البقر و الغنم و لإرتفاع استوى المعيشة و غلاء الحاجيات و إن كان يرى كثير من العلماء تقدير النصاب بالفضة؛ لأنه أنفع للفقراء و لاحتياط في النقدين، و لأن نصاب الفضة مجمع عليه و ثابت بالسنة الصحيحة" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۲/ ۷۷۳)۔

"أبحاث و أعمال مؤتمر الزكاة الأول، بيت الزكاة، دولة الكويت،

میں ''مجمع البحوث الاسلامیۃ مؤتمر ثانی برائے زکوٰۃ کے قرارات'' کے عنوان سے لکھا ہے:

''یکون تقویم نصاب الزکاۃ في نقود التعامل المعدنیة و الأوراق النقدیة و عروض التجارة علی أساس قیمتها ذهبا فما بلغت قیمته من أحدهما عشرین مثقالا ذهبیا وجبت فیه الزکاة و ذلک، لأن الذهب أقرب إلی الثبات من غیره و یرجع في معرفة قیمة مثقال الذهب بالنسبة إلی النقد الحاضر إلی ما یقرره الخبراء'' (۲/۴۴۷)۔

ترجیح ومناقشہ:

مذکورہ بالا دونوں رایوں میں سے پہلی رائے جو جمہور فقہاء کی ہے وہی موجودہ حالات میں سونے اور چاندی کی قیمتوں میں غیر معمولی تفاوت کے باوجود راقم الحروف کے نزدیک راجح اور اوفق بالعمل ہے، جس کی وجوہات بالتفصیل مندرجہ ذیل ہیں:

۱- زکوٰۃ نکالنے اور زکوٰۃ لینے دونوں باتوں میں جمہور فقہاء کی رائے کے مطابق عمل کرنے میں احتیاط ہے اور طے ہے کہ عبادات میں احتیاط پر عمل کرنا اولی ہے۔

۲-تقریباً تمام ہی فقہاء و علماء کے نزدیک زکوٰۃ کے باب میں فقراء و مساکین کی مصلحت اور ان کے فائدے کی رعایت کی جاتی ہے، عام طور پر وہی پہلو قابل ترجیح ہوتا ہے جس میں فقراء کا نفع ہو۔

۳- سونا اور چاندی دونوں ثمن ہیں، اموال کی اصل ہیں، شریعت نے اثمان کی ان دونوں نوعوں کو معیار نصاب تسلیم کیا ہے۔

۴- چاندی کا نصاب متفق علیہ ہے، جبکہ سونے کا نصاب مختلف فیہ ہے۔

۵- چاندی کا نصاب احادیث مشہورہ صحیحہ سے ثابت ہے، جبکہ سونے کا نصاب اگرچہ قابل عمل اور لائق استدلال احادیث سے ثابت ہے، مگر وہ احادیث ضعاف یا حسان ہیں۔

۶- بعض اہل تحقیق نے لکھا ہے کہ نصاب زکوٰۃ میں چاندی یعنی دوسو درہم اصل معیار ہیں

اور سونا چاندی پر محمول ہے، یعنی دوسو درہم (چھ سو بارہ گرام چاندی) کی قیمت کے بقدر سونا ہوتو اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے اور دورنبوی میں ایک دینار کا چینج دس درہم سے ہوتا تھا،

"كل دينار عشرة دراهم في الشرع۔ و في الفتح: أي مقوم في الشرع بعشرة كان في الابتداء" (ہدایہ و فتح القدیر ۲/۱۶۳)، پس دوسو درہم کے بیس مثقال ہوئے، اس لیے اس کو (ساڑھے ستاسی گرام سونے کو) نصاب مقرر کیا گیا ہے۔

۷- سامان تجارت میں اثمان کی دونوں نوع، یعنی سونا اور چاندی دونوں کا معیار اور پیمانہ ہونا یہ اجماعی اور اتفاقی مسئلہ ہے، تمام مکاتب فقہ کے یہاں دونوں کا اعتبار ہے، اگرچہ جزوی تفصیلات میں قدرے اختلاف ہے اور اجماع بجائے خود ایک حجت ہے، اس لیے اقتصادی حالات بدلنے اور دونوں کی قیمتوں میں تفاوت کی وجہ سے اجماع کی مخالفت کی گنجائش معلوم نہیں ہوتی۔

پس جس طرح اقتصادی وسیاسی احوال کے تغیر اور داخلی وخارجی حالات کی تبدیلی کے باوجود مقدار زکوٰۃ کو بڑھا کر اجماعی مسئلہ کے خلاف نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح اقتصادی احوال کی تبدیلی اور سونا اور چاندی کی قیمتوں کے تفاوت کے باوجود سامان تجارت کے لیے نصاب زکوٰۃ کے سلسلہ میں اجماعی مسئلہ کے خلاف نہیں کرنا چاہیے۔

رائے ثانی کے قائلین کے دلائل پر ایک نظر:

۱- جو حضرات اس باب میں صرف سونے کے نصاب کو پیمانہ قرار دینے کی حمایت و وکالت کرتے ہیں ان کی ایک دلیل یہ ہے کہ فی زمانہ سونا اور چاندی کی قیمت میں بہت زیادہ تفاوت ہوگیا ہے۔ نیز چاندی کی قدر و قیمت میں مختلف زمانہ میں تبدیلی ہوتی رہی ہے، جبکہ سونے کی قدر و قیمت ایک حد تک یکساں رہی ہے۔

لیکن راقم الحروف کے نزدیک یہ کوئی قابل توجہ بات نہیں ہے، کیونکہ سونے اور چاندی کی قیمتوں میں فرق ہونا یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، ابتدائی عہد کو چھوڑ کر تقریباً ہر عہد میں یہ بات پائی

گئی ہے،اس کے باوجود فقہاء کا رجحان عام طور پر ''انفع للفقراء'' کا اعتبار کرتے ہوئے چاندی کو ہی پیمانہ برقرار رکھنے کا رہا ہے۔دیکھئے! تقریباً تمام فقہی کتابوں میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ ''اموال تجارت میں اور اسی طرح مسئلہ ضم میں سونا اور چاندی دونوں میں سے کسی ایک کا نصاب پایا جاتا ہے تو زکوۃ واجب ہوگی۔'' ظاہر ہے کہ یہ بات اسی وقت کہی جا سکتی ہے جبکہ ان کے عہد میں سونا اور چاندی کی قیمت میں تفاوت ہو یا پہلے ایسا ہوا یا آئندہ ہونے کا اندازہ ہو۔ممکن ہے کہ کسی کو یہ خیال ہو کہ اگرچہ پہلے یہ تفاوت پایا گیا تھا،مگر وہ معمولی تفاوت تھا،اس بنا پر فقہاء نے اس کی طرف توجہ نہیں کی،مگر راقم الحروف کے نزدیک یہ خیال صحیح نہیں ہے،کیونکہ بعض زمانہ میں غیر معمولی تفاوت بھی پایا گیا ہے،علامہ یوسف قرضاوی لکھتے ہیں:

''**الفضة تغيرت قيمتها بعد عصر النبي ﷺ و من بعده**''(فقہ الزکوۃ ۱/۲۲۴)۔

''**و نقل علي مبارک عن المقريزي أنه في زمن الفاطميين في عهد الحاكم كثرت الدراهم كثرة زائدة حتى صارت الدينار يبدل بأربعة و ثلاثين درهما**''(الخطط التوفیقیہ ۲/۴۳)۔

۲- دوسری دلیل ان حضرات کی یہ ہے کہ چاندی اور سونے کے نصاب کا سوائم کے نصاب سے موازنہ کرتے ہیں،تو معلوم ہوتا ہے کہ سونے کا نصاب سوائم کے نصاب سے قریب اور چاندی کا نصاب سوائم کے نصاب سے دور ہے،اس لیے سونے کا نصاب ہی اولیٰ ہے،پھر اپنی بات کی تائید میں حضرت عمرؓ کا عمل پیش کرتے ہیں جو دیت سے متعلق منقول ہے،''ابوداؤد'' میں ہے:

''**عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال: كانت قيمة الدية على عهد رسول الله ﷺ ثمان مائة دينار أو ثمانية آلاف درهم ...... قال: فكان ذلک كذلک حتى استخلف عمر، فقام خطيبا فقال: إن الإبل قد غلت، قال:**

ففرضها عمر على أهل الذهب ألف دينار و على أهل الورق اثنى عشر ألفا"
(رواہ أبو داود،کتاب الدیات،باب في الدیۃ کم هي،۱۲/ ۶۴۷،برقم:۴۵۴۲،مع شرحہ بذل المجھود مع تعلیقات تقي الدین الندوي)۔

راقم الحروف کے نزدیک ان حضرات کا یہ استدلال بوجوہ محل نظر ہے:

(الف) ایک تو اس وجہ سے کہ سوائم کا نصاب اور اثمان کا نصاب دونوں الگ الگ ہیں، دونوں قسم کے نصاب مستقل ہیں، کوئی کسی کے تابع نہیں ہے، اس لیے یہ موازنہ و مقاربہ ہی درست نہیں ہے۔

(ب) دوسری بات یہ ہے کہ مسئلہ دیت میں اونٹ کا بھاؤ بڑھ جانے سے درہم و دینار کی مقدار کو بڑھا دیا گیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ دیت میں اونٹ اصل تھا، اس لیے اس کی قیمت کو معیار بنا کر دراہم و دنانیر کی مقدار میں تبدیلی کی گئی، چنانچہ مذکورہ بالا حدیث کی شرح کرتے ہوئے صاحب "بذل المجھود" لکھتے ہیں:

"عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال: كانت قيمة الدية (أي قيمة الإبل الدية التي هي الأصل في الدية) على عهد رسول الله ﷺ أثمان مأة دينار أو ثمانية آلاف درهم ...... قال فكان ذلك كذلك حتى استخلف عمر، فقام خطيبا فقال: إن الإبل قد غلت (أي ارتفعت قيمتها) قال: ففرضها على أهل الذهب ألف دينار و على أهل الورق اثنى عشر ألفا (على وزن ستة، فلا يخالفه ما وقع في الروايات أنه فرض عشرة آلاف درهم، فإنه على وزن سبعة، فلا مخالفة بين الروايات) و على أهل البقر مائتى بقرة و على أهل الشاة ألفى شاة و على أهل الحلل مائتى حلة" (أیضا)۔

شارح کے الفاظ "**قيمة إبل الدية التي هي الأصل في الدية**" سے واضح ہوتا ہے کہ دیت میں اونٹ اصل تھا، شریعت نے دیت کے حق میں اصل و معیار اونٹ اور اس کی

مخصوص مقدار کو قرار دیا ہے، یعنی سو اونٹ، بقیہ جن چیزوں کا تذکرہ روایات میں ملتا ہے وہ سب فرعی ہیں، یعنی سو اونٹ کی مالیت و قیمت پر مبنی ہیں اور اس کے تناسب سے ذکر کی گئی ہیں، حتی کہ درہم و دینار بھی جن کی مالیت و قیمت دس ہزار و ایک ہزار ہے۔

بہر حال دیت میں اونٹ اصل تھا، اس وجہ سے حضرت عمرؓ نے اونٹ کی قیمت سے درہم و دینار کا موازنہ کیا اور دیت کی مقدار بڑھادی، جبکہ زیر بحث مسئلہ میں ایسا بالکل نہیں ہے، آخر کوئی تو بات ہے کہ حضرت عمرؓ جنہوں نے دیت کی مقدار بڑھانے سے متعلق بر سر منبر اعلان کیا، ان سے نصاب زکوٰۃ میں درہم و دینار کی مقدار بڑھانے سے متعلق کوئی صراحت یا اشارہ منقول نہیں ہے۔

ج- تیسری بات یہ ہے کہ خود حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں بھی نصاب سوائم اور نصاب اثمان میں تقارب نہیں تھا۔ غور کیجئے! مذکورہ بالا روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اونٹ کی قیمت ۸/دینار یا ۸۰/درہم تھی، اونٹ کا نصاب زکوٰۃ پانچ اونٹ ہیں، پس اونٹ کے نصاب کی مالیت ۴۰/دینار یا ۴۰۰/درہم دونوں میں تقارب نہ ہونا ظاہر ہے، قرضاوی صاحب نے بھی اس حساب کو ذکر کیا ہے (دیکھئے: فقہ الزکوۃ ۱/۲۶۸، ۲۶۹)۔

پس جب عہد نبوی میں بھی نصاب سوائم اور نصاب اثمان میں تقارب نہ تھا، بلکہ ایک اور دو کی نسبت تھی، اس کے باوجود اس کی طرف توجہ نہیں دی گئی تو ابھی تقارب کے عنوان سے اثمان کی ایک نوع کو راجح اور قابل عمل اور دوسری نوع کو مرجوح اور نا قابل عمل کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟

د- چوتھی بات یہ ہے کہ نصاب سوائم اور نصاب اثمان میں موازنہ و مقاربہ اس وجہ سے بھی درست نہیں ہے کہ دونوں میں ایک بنیادی فرق ہے، وہ یہ ہے کہ اثمان کے ذریعہ اپنی ضروریات کو آسانی کے ساتھ پورا کیا جاسکتا ہے، جبکہ سوائم کے ذریعہ اپنی ضروریات کو پورا کرنا دشواری سے خالی نہیں، قرضاوی لکھتے ہیں:

" فمن كان عنده إبل و هو يحتاج إلى نفقة أو كسوة أو دواء أو نحو ذلک لم يستطع أن يحصل عليها إلا ببيع بعض ما عنده من الإبل بالنقود و قد لا يتيسر له البيع دائما و لا بالثمن الناسب دائما، بخلاف من يملک النقود، فإنها الواسطة المباشرة للتبادل و الأداة المعدة لشراء الحاجات"(۲۶۸/۱)۔

لہٰذا اگر دونوں نصابوں میں تقارب نہ ہو، اثمان کا نصاب کم اور سوائم کا نصاب زیادہ ہو تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

۳- تیسری دلیل ان کی یہ ہے کہ فی زمانہ کرنسی کا قانونی ربط سونے سے ہے، چاندی سے نہیں، جبکہ اگلے زمانہ میں دونوں ذریعہ تبادلہ تھے، اس لیے دونوں کو معیار بنایا گیا تھا اور اب یہ صورت حال نہیں ہے، اس وجہ سے صرف سونے ہی کو نقد رقم اور سامان تجارت کے لیے معیار اور پیمانہ بنایا جائے گا۔

راقم الحروف کے نزدیک یہ بات بھی اشکال سے خالی نہیں۔ اولاً تو اس وجہ سے کہ ذریعہ تبادلہ اس وقت نہ سونا ہے اور نہ چاندی، بلکہ دونوں کی جگہ ایک اصطلاحی و عرفی ثمن نے لے لی ہے جو ایک مستقل ثمن کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ثانیاً اس وجہ سے کہ عہد نبوی میں اگرچہ سونا اور چاندی دونوں ذریعہ تبادلہ تھے اور عام رواج اور چلن چاندی کا تھا، مگر کرنسی کی اساس و بنیاد سونا ہی تھا، جیسا کہ وہبہ زحیلی کی اس بات سے واضح ہوتا ہے جو انہوں نے "دکتور ضیاء الدین الریس" کی کتاب "الخراج فی الدولۃ الاسلامیۃ ص ۳۴۴" کے حوالہ سے نقل فرمائی ہے:

"و لأن المثقال كان في زمن النبي ﷺ و عند أهل مكة هو أساس العملة"(الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۷۶۰/۲)۔

بہر حال جب حقیقت یہی ہے کہ اس زمانہ میں کرنسی کی اصل و بنیاد سونا ہونے کے باوجود حضور اکرم ﷺ نے چاندی کو بھی معیار نصاب قرار دیا تو پھر ظاہر ہے کہ قانونی ربط سونے سے ہونے کے عنوان سے چاندی کے نصاب کو نظر انداز کر کے صرف سونے کے نصاب کو نقد رقم

اوراموال تجارت کے لیے معیارقرار دینااحتیاط کےخلاف اور منافی عقل ونقل ہے۔

۴- چوتھی دلیل یہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں چاندی کی قیمت کم ہونے کے باوجودنقدرقم اوراموال تجارت کوزکوٰۃ کے وجوب وحرمان کے اعتبار سے چاندی کے ساتھ مربوط کرنے میں فقراء کی رعایت ہورہی ہے،مگر مالداروں کی ---جوامت کا بہت بڑا حصہ ہے--- رعایت نہیں ہورہی ہے،یہ توان کے ساتھ ناانصافی اورزیادتی ہے۔

لیکن حقیقت یہ نہیں ہے،اس کا شافی جواب محیط برہانی کی اس عبارت میں جوموود ہے،لکھا ہے:

"لأن هذا المال كان في يد المالک و قد انتفع به في ابتداء الحول من حيث التجارة فيجب اعتبار منفعة الفقراء عند التقويم لأداء الزكاة تسوية بين المالک و بين الفقراء؛ لأن الزكاة وجبت على وجه يعتدل النظر من الجانبين فيهما" (۳/ ۲۳ا،وهكذا في المبسوط ۲/ ۱۹۱،وفتح القدیر مع الکفایۃ ۲/ ۱۶۷)۔

خلاصۂ کلام:

یہ ہے کہ مذکورہ بالا دلائل وحقائق کے پیش نظر راقم الحروف کے نزدیک راجح اوراوفق بالعمل یہ ہے کہ فی زمانہ سونااور چاندی کی قیمتوں میں تفاوت فاحش پائے جانے کے باوجودنقدرقم اورسامان تجارت میں زکوٰۃ کے وجوب وحرمان کا پیمانہ "انفع للفقراء" یعنی چاندی کا نصاب ہوگا،برصغیر کے علماء بھی اسی کے قائل ہیں،تفصیل کے لئے دیکھئے:(جدید تحقیقات،زکوٰۃ کے نئے مسائل ص ۴۵،فقہی مقالات ۱/ ۳۰،احسن الفتاویٰ ۷/ ۲۹،فتاویٰ رحیمیہ ۵/ ۱۳۹،نئے مسائل اورعلماء ہند کے فیصلے ص ۱۰۷،مکہ فقہ اکیڈمی کے فیصلے ص ۱۱۰،فقہ العبادات للشیخ بدرالمتولی عبدالباسط،ط: بیت التمویل الکویتی،الفقہ الإسلامي وأدلتہ ۲/ ۷۹۴)۔

سوالات کے جوابات:

مندرجہ بالا جملہ توضیحات وتفصیلات کی روشنی میں سوالات کے جوابات یہ ہیں:

۱- موجودہ حالات میں بھی اگر کسی شخص کے پاس نقد روپے اور سامان تجارت ہو تو وجوب زکوٰۃ اور حرمان زکوٰۃ کے لیے پیمانہ چاندی کا نصاب ہوگا۔ پس

(الف) اگر کسی شخص کے پاس اتنی نقد رقم یا سامان تجارت ہو جس سے نصاب کے بقدر چاندی خریدی جاسکتی ہے، چاہے نصاب کے بقدر سونا نہیں خریدا جاسکتا، تو ایسے شخص پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

(ب) اگر کسی شخص کے پاس نقد رقم، مال تجارت یا اموال زکوٰۃ کے علاوہ ضرورت سے زائد کوئی اور مال چاندی کے نصاب کی قیمت کا موجود ہو، چاہے وہ سونے کے نصاب کی قیمت کو نہ پہنچتا ہو، تو اس شخص کے لیے زکوٰۃ لینا جائز نہیں، بلکہ حرام ہے۔

۲- سونا اور چاندی کو ضم کرنے میں قیمت کا اعتبار ہوگا یا اجزاء کا؟

اس سلسلہ میں مشہور تین نقطہائے نظر پائے جاتے ہیں۔

پہلا نقطۂ نظر:

یہ ہے کہ نصاب مکمل کرنے کے لیے سونے اور چاندی کو ملایا نہیں جائے گا، دونوں کا علاحدہ علاحدہ اعتبار کیا جائے گا، یہ رائے امام شافعیؒ، ابو ثور، اور داؤد ظاہری کی ہے، امام احمدؒ سے بھی اس طرح کی ایک روایت منقول ہے۔

دوسرا نقطۂ نظر:

یہ ہے کہ نصاب مکمل کرنے کے لیے سونے اور چاندی کو ملایا جائے گا، اکثر فقہاء کی یہی رائے ہے، پھر ان میں سے بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ یہ سونے اور چاندی کو ملانا اجزاء اور وزن کے لحاظ سے ہوگا، نہ کہ قیمت کے لحاظ سے، مثلاً کسی کے پاس سونے کا آدھا نصاب، یعنی دس دینار ہے اور چاندی کا آدھا نصاب، یعنی سو درہم ہے، تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر سونے کا تو آدھا نصاب ہے، مگر چاندی آدھے نصاب سے کم ہے، مثلاً ۹۰/درہم ہے یا اس کا

برعکس ہے تو اس صورت میں اس پر زکوۃ واجب نہ ہوگی، چاہے موجود سونے اور چاندی کی مجموعی قیمت سونا یا چاندی کے نصاب کے بقدر ہو۔ یہ رائے ضم کے قائلین میں سے امام مالک اور صاحبینؒ کی ہے، امام ابوحنیفہؒ سے بھی اس طرح کی ایک روایت منقول ہے، حنابلہ کا مسلک بھی یہی ہے۔

تیسرا نقطۂ نظر:

یہ ہے کہ نصاب مکمل کرنے کے لیے سونے اور چاندی کو ملایا جائے گا اور یہ ملانا قیمت کے اعتبار سے ہوگا، یہ رائے امام ابوحنیفہؒ کی ہے، یہی آپؒ کا آخری قول ہے، احناف کا اسی پر عمل ہے، امام ابو یوسفؒ کا اس قول کی طرف رجوع بھی بعض حضرات نے نقل کیا ہے، بعض حنابلہ نے بھی اس کا اظہار کیا ہے، چنانچہ ''الام'' میں ہے:

''**و لا يجمع الذهب إلى الورق و لا الورق إلى الذهب**'' (۵۴/۲، طبع دارالکتب العلمیہ، بیروت)۔

روضۃ الطالبین میں ہے:

''**و لا يكمل نصاب أحد النقدين بالآخر**'' (۱۱۸/۲، ط: دارالکتب العلمیہ، بیروت)۔

''المجموع شرح المہذب'' میں ہے:

''**مذهبنا أنه لا يكمل نصاب الدراهم بالذهب و لا عكس حتى لو ملک مائتين إلا درهما و عشرين مثقالا إلا نصفا أو غيره فلا زكاة في واحد منهما و به قال جمهور العلماء**'' (۵۰۴/۵)۔

ابن رشد مالکی لکھتے ہیں:

''**و أما المسئلة الثالثة: و هي ضم الذهب إلى الفضة في الزكاة، فإن عند مالک و أبي حنيفة و جماعة أنها تضم الدراهم إلى الدنانير، فإذا كمل من**

مجموعها نصاب وجبت فيه الزكاة، و قال الشافعي و أبو ثور و داؤد: لا يضم ذهب إلى فضة و لا فضة إلى ذهب" (بدایۃ المجتہد ۱/ ۳۳۹،المبسوط ۲/ ۱۹۲، ۱۹۳،و کذا فی البدائع ۲/ ۱۰۶،والبحر ۲/ ۲۰۱،والھدایۃ فی ھامش الفتح ۲/ ۱۷۹)۔

مذکورہ بالا آراء فقہیہ میں سے کسی ایک رائے کی ترجیح کے لیے مناسب ہے کہ ان آراء کے دلائل و براہین پر ایک نظر ڈال لی جائے۔

قائلین عدم ضم کے دلائل:

۱- ان حضرات کی ایک دلیل یہ ہے کہ سونا اور چاندی دونوں دو الگ الگ جنسیں ہیں، مثلاً ابل، بقر، غنم میں جنس مختلف ہونے کی وجہ سے ضم نہیں کیا جاتا، اسی طرح یہاں بھی ضم نہیں ہوگا۔

۲- دوسری دلیل یہ ہے کہ سونا اور چاندی میں ہر ایک مقررہ نصاب سے کم ہونے کے باوجود دونوں کو ضم کر کے اس میں زکوٰۃ واجب کرنا حضور اکرم ﷺ کے ارشاد کے خلاف ہے، جس میں آپ نے سونا اور چاندی نصاب سے کم ہونے پر ان میں وجوب زکوٰۃ کی نفی کی ہے، آپ ﷺ نے تو فرمایا: "**ليس فيما دون خمسة أواق صدقة**"، اور آپ ضم کر کے واجب کر رہے ہیں۔

ابن قدامہ لکھتے ہیں:

"ذكر الخرقي فيه روايتين في الباب قبله إحداهما: لا يضم ...... لقوله عليه السلام: ليس فيما دون خمس أواق صدقة، و لأنهما مالان يختلف نصابهما، فلا يضم أحدهما إلى الآخر كأجناس الماشية" (المغنی ۲/ ۵۹۷، فتح القدیر ۲/ ۱۶۹، کتاب الأم: ۲/ ۵۴، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت)۔

قائلین ضم کے دلائل:

۱- ان کی ایک دلیل یہ ہے کہ دونوں خلقی ثمن ہیں، دونوں کا مقصد تخلیق متحد ہے، یعنی

ثمنیت، اس لیے باب زکوٰۃ میں دونوں کا حکم یکساں ہوگا۔

۲- دوسری دلیل یہ ہے کہ دونوں کے منافع و مقاصد بھی ایک ہیں، دونوں ایک ہی کام کرتے ہیں، اس لیے دونوں ایک ہی چیز کہلائیں گے۔

ابن قدامہ کا بیان ہے:

"لأن نفعهما واحد، و الأصول فيهما متحدة، فإنهما قيم المتلفات و أروش الجنايات و أثمان البياعات وحلي لمن يريدهما للملک، فأشبه النوعين" (المغنی ۲/۵۹۸)۔

قرضاوی آیت کریمہ ﴿**و الذين يكنزون الذهب و الفضة**﴾ کے تحت لکھتے ہیں:

"المراد بالفضة و الذهب نقدهما؛ لأنهما هي المعدة للإنفاق و الآلة المباشرة له و يؤكد ذلک قوله: "و لا ينفقونها" بدل "و لا ينفقونهما"؛ لأن الضمير العائد عليهما باعتبار دراهم و دنانير، أي نقودا" (فقہ الزکاۃ ۱/۲۴۱)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

"لأن مقاصدهما و زكاتهما واحد فهما كنوعي الجنس الواحد" (الفقہ الإسلامی وأدلتہ ۲/۷۶۰)۔

۳- تیسری دلیل یہ ہے کہ سونا اور چاندی اگرچہ صورتاً مختلف الجنس ہیں، جس کی وجہ سے ان میں ربا الفضل جاری نہیں ہوتا، مگر معناً دونوں متحد الجنس اور ایک جنس دو نوعوں کی طرح ہیں، بالخصوص باب زکوٰۃ میں، وجہ اس کی یہ ہے کہ دونوں میں وجوب زکوٰۃ کی بنیاد ایک ہی ہے اور وہ ہے ان کا ثمن ہونا اور اصالۃً ان میں مالیت کا پایا جانا، حقیقت ہے کہ وجوب زکوٰۃ کا حقیقی سبب و مدار ثبوت غنی ہے اور ثبوت غنی یہ شئے کی مالیت اور قیمت ہی کی بنیاد پر ہوتا ہے اور اسی چیز میں یہ دونوں متحد ہیں، اس لیے باب زکوٰۃ میں دونوں ایک ہی جنس شمار ہوں گے، اس کی تائید اس

سے بھی ہوتی ہے کہ دونوں میں واجب شدہ مقدار بھی یکساں ہے۔

''محیط برہانی'' میں ہے:

''و لأن الذهب و الفضة و إن كانا مختلفين صورة فهما متفقان معنى من حيث إنه تعلق بهما وجوب الزكاة و هو وصف الثمنية فجاز تكميل أحدهما بالآخر'' (۳/۱۵۷، المبسوط ۲/ ۱۹۳، ہدایہ مع الفتح ۲/ ۱۶۹، ۱۶۷)۔

بہر حال صورتاً مختلف ہونے کے باوجود دونوں معناً جب متحد ہیں تو پھر اختلاف صورت کا اعتبار نہ ہوگا، بلکہ معناً اتحاد کا لحاظ کرتے ہوئے دونوں میں ضم کیا جائے گا، جیسا کہ سامان تجارت میں اور سونا چاندی میں صورتاً اختلاف ہونے کے باوجود معناً اتحاد کا لحاظ کرتے ہوئے سامان تجارت کو سونا اور چاندی کے ساتھ ضم کیا جاتا ہے اور اختلاف صورت کا اعتبار نہیں ہوتا، تمام فقہاء اس موقع پر صورتاً اختلاف سے صرف نظر کر کے معناً اتحاد کا لحاظ کرتے ہوئے ضم ہی کے قائل ہیں۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

''و لأنهما مالان متحدان في المعنى الذي تعلق به وجوب الزكاة فيهما و هو الإعداد للتجارة بأصل الخلقة و الثمنية، فكانا في حكم الزكاة كجنس واحد'' (بدائع الصنائع ۲/۱۰۶)۔

۳- چوتھی دلیل بکیر بن عبداللہ ابن اشج کی روایت ہے:

''مضت السنة في ضم الذهب إلى الفضة لإيجاب الزكاة و مطلق السنة ينصرف إلى سنة رسول الله ﷺ''۔

کتب فقہیہ میں اس روایت کو نقل کیا گیا ہے، اگر یہ ثابت ہو تو اس باب میں قول فیصل کا درجہ رکھتی ہے۔

۴- امام جصاص رازی آیت کریمہ {و الذين يكنزون الذهب ......} کے تحت

لکھتے ہیں:

”و قد دلت الآية على وجوب الزكاة في الذهب و الفضة بمجموعهما فاقتضي ذلک وجوب ضم بعضها إلى بعض“(تفسیر مظہری ۱۹۲/۴، ۳۰۵)۔

قائلین ضم بالاجزاء کے دلائل:

ان کی دلیل یہ ہے کہ سونا اور چاندی نقود ہیں اور نقود میں تقویم اور قیمت لگانے کا اعتبار نہیں ہوتا، جیسا کہ حقوق العباد میں ہوتا ہے، نقود کی وضع تو اس لیے ہوئی ہے کہ ان کے ذریعہ اشیاء کی قیمت لگائی جائے، نہ کہ اس لیے کہ اس کی قیمت لگائی جائے، اس لیے قیمت کا اعتبار نہ ہوگا، اجزاء اور وزن کا اعتبار ہوگا اور اسی لحاظ سے ضم کیا جائے گا۔

علامہ کاسانی رقم طراز ہیں:

”وجه قولهما: أن القيمة في الذهب و الفضة ساقطة الاعتبار شرعا؛ لأن سائر الأشياء تقوم بهما، و إنما المعتبر فيهما الوزن، ألا ترى أن من ملك إبريق فضة وزنه مأة و خمسون درهما و قيمته مائتا درهم كانت القيمة معتبرة فيهما لوجبت“(بدائع الصنائع ۱۰۸/۲، والمبسوط ۱۹۳/۲، المغنی ۵۹۸/۲، فتاوی ولوالجیہ ۱۹۲/۱)۔

قائلین ضم بالقیمہ کے دلائل:

۱- ان کی ایک دلیل یہ ہے کہ دونوں کو ملانا اور ضم کرنا معناً متحد الجنس ہونے کے اعتبار سے ہے اور جنس کا یہ اتحاد خود ان کی ذات اور عین کی بنیاد پر نہیں ہے، کیونکہ ذات اور عین کے لحاظ سے تو دونوں مختلف الجنس ہیں، بلکہ جنس کا یہ اتحاد ان کے اندر پائی جانے والی صفت مالیت و ثمنیت کی بنیاد پر ہے۔

فتح القدیر میں ہے:

”إنما كانا نصاب الزكاة بسبب وصف الثمنية“(۱۶۹/۲)۔

خلاصۂ کلام:

یہ ہے کہ مسئلہ زیر بحث میں ضم بالقیمۃ کی رائے ہی دلائل کے لحاظ سے نسبتاً قوی ہے، یہی احوط اور "أنفع للفقراء" ہے، اس میں کوئی دشواری اور حرج نہیں ہے، سونا اور چاندی کی قیمتوں کا موجودہ تفاوت موجب حرج نہ ہونا ظاہر ہے، جبکہ دوسری آراء دلائل کے اعتبار سے نسبتاً ضعیف بھی ہیں اور ان میں کوئی ضرورت و حاجت بھی متحقق نہیں ہے، بناءً علیہ راقم الحروف کے نزدیک راجح اور قابل عمل رائے ضم بالقیمۃ ہی کی رائے ہے۔

☆☆☆

سونے اور چاندی کی قیمت میں تفاوت اور نصاب

مولانا محمد صادق مبارک پوری☆

اسلامی شریعت نے دیگر اشیاء کی طرح سونے اور چاندی کا نصاب بھی مقرر کیا ہے، سونے کا نصاب بیس مثقال (یا بیس دینار) ہے اور چاندی کا نصاب دوسو درہم ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ایک مثقال ایک دینار کے مساوی تھا اور ایک دینار دس درہم کے برابر۔ اس لحاظ سے بیس مثقال (یا بیس دینار) دوسو درہم کے برابر ہوئے۔

دوسو درہم اکثر علمائے ہند کی تحقیق کے مطابق ساڑھے باون تولہ چاندی کے مساوی ہوئے ہیں اور بیس مثقال (یا بیس دینار) ساڑھے سات تولہ سونے کے مساوی سمجھا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں سونے اور چاندی کی قوت خرید اور قدر یکساں تھی، لیکن دور حاضر میں بڑا فرق پیدا ہو گیا ہے۔

مثلاً ساڑھے سات تولہ سونے کی قیمت ایک لاکھ سے زائد ہے اور ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت تقریباً بارہ ہزار روپے ہیں۔

اس طرح ان دونوں کی قدر میں کوئی مناسبت نظر نہیں آتی، اس پس منظر میں دو سوال پیدا ہوئے ہیں:

۱- اگر کسی کے پاس نقد روپے یا سامان تجارت ہو تو زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے پیمانہ سونے کا نصاب ہوگا یا چاندی کا نصاب، یعنی اگر کسی شخص کے پاس اتنی رقم ہے جس سے نصاب

☆ جامعہ عربیہ احیاء العلوم، مبارکپور، اعظم گڈھ یوپی۔

کے بقدر چاندی خریدی جاسکتی ہے، لیکن نصاب کے بقدر سونا نہیں خریدا جاسکتا تو ایسے شخص پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں اور ایسا شخص زکوٰۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟

۲۔حضرات حنفیہ اور دیگر فقہاء کرام ضم نصاب کے قائل ہیں یعنی کچھ سونا اور کچھ چاندی ہو اور ان دونوں کا مجموعہ نصاب کے بقدر ہوجاتا ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی تو سوال یہ ہے کہ اس ضم نصاب کی کیا صورت ہوگی؟ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قیمتاً ضم ہوگا اور صاحبین کے نزدیک ضم الاجزاء ہوگا، ایسی صورت میں کیا ضم نصاب کے مسئلہ میں صاحبینؒ کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے؟

سونے کا نصاب:

سونے کا نصاب ۲۰/دینار، ۲۰/دینار سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے، ابوداؤد شریف کی روایت ہے:

"عن النبی ﷺ قال: لیس علیک شئی یعنی فی الذھب حتی تکون لک عشرون دینارا، فإذا کانت لک عشرون دینارا وحال علیھا الحول ففیھا نصف دینار" (ابوداؤد ۱/ ۲۳۰، باب فی زکوٰۃ السائمۃ، الزکوٰۃ، دارالحدیث، سعودیہ)۔

(نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: سونے میں تم پر کچھ بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہے، یہاں تک کہ تم بیس دینار کے مالک بن جاؤ، جب بیس دینار کے مالک بن جاؤ اور ان پر سال گذر جائے تو اس میں نصف دینار زکوٰۃ واجب ہوگی)۔

فقہ حنفی کی شہرۂ آفاق کتاب "ہدایہ" میں ہے:

"لیس فیما دون عشرین مثقالا من ذھب صدقۃ، فاذا کانت عشرین مثقالا ففیھا نصف مثقال" (ج:۱ص:۱۷۵، فصل فی الذہب، باب زکوٰۃ المال، رشیدیہ، دیوبند)۔

(بیس مثقال سے کم سونے میں زکوٰۃ (واجب) نہیں ہوتی ہے، جب بیس مثقال پہنچ جائے تو اس میں سے نصف مثقال زکوٰۃ واجب ہوگی)۔

فقہ حنفی کے مشہور متن ''درمختار'' میں ہے:

''**نصاب الذهب عشرون مثقالاً**'' (۲/ ۲۸، باب زکوٰۃ المال، دار احیاء التراث، بیروت)۔

(سونے کا نصاب بیس مثقال ہے)۔

''مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر'' میں ہے:

''**نصاب الذهب عشرون مثقالاً**''(۱/ ۲۰۵، باب زکوٰۃ الذہب، دار احیاء التراث، وکذا فی العینی شرح الکنز باب زکوٰۃ المال ۱/ ۷۴)۔

(سونے کا نصاب بیس مثقال ہے)۔

چاندی کا نصاب:

چاندی کا نصاب ۲۰۰/ درہم ہے، اس سے کم چاندی میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

''ابوداؤد شریف'' کی روایت ہے:

''**ابوسعيد الخدری يقول: قال رسول الله ﷺ: ليس فيما دون خمس أواق صدقة**''(باب ما تجب فیہ الزکوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ: ۱/ ۲۱۷، رشیدیہ، دہلی)۔

(حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پانچ اوقیہ چاندی سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے)۔

فقہ حنفی کی مشہور تصنیف ''درمختار'' میں ہے:

''**نصاب الفضة مائتا درهم**''(۲/ ۲۸، باب زکوٰۃ المال، دار احیاء التراث، بیروت)۔

(چاندی کا نصاب دوسو درہم ہے)۔

''مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر'' میں ہے:

''**نصاب الفضة مائتا درهم**'' (۱/ ۲۰۵، باب زکوٰۃ الذہب والفضۃ، دار احیاء التراث، بیروت)۔

(چاندی کا نصاب دوسو درہم ہے)۔

مصنف ابن ابی شیبہ (۶/۳۸۴) میں ہے:

"عن جعفر عن ابيه قال: قال رسول الله ﷺ: اذا بلغ المال مائتا درهم ففيه خمسة دراهم، فيما تجب فيه الزكوة من المراهم" (کتاب الصلوۃ، المجلس العلمي)۔

(حضرت جعفر اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب مال دوسو درہم پہنچ جائے تو اس میں پانچ درہم زکوٰۃ واجب ہوگی)۔

سونے چاندی کا نصاب مروجہ اوزان سے:

دور حاضر میں سونے اور چاندی کی بیع وشرا جس وزن سے ہورہی ہے، اس رائج وزن سے سونے کا نصاب کیا ہوگا اور چاندی کا نصاب کیا ہوگا؟ اس کی تعیین کی جائے، مختلف فقہاء ومفتیان کرام نے اپنے اپنے عہد میں اس کی تعیین کی کوشش کی ہے، برصغیر ہند وپاک کے علماء نے اس میں کافی حصہ لیا ہے۔

علمائے کرام کی ایک بڑی جماعت کا خیال ہے کہ چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولہ ہے اور سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ ہے، یہ خیال ورائے حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی، مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند (فتاوی دارالعلوم دیوبند، ۶/ص ۱۱۱، مکتبہ دارالعلوم دیوبند)، مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی (قاموس الفقہ: ۴/ ۶۷، بحوالہ فتاوی رضویہ: ۴/ ۴۰۷) اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب صدر مفتی دارالعلوم دیوبند ومفتی اعظم پاکستان کی ہے (جواہر الفقہ: ۱/ ۴۰۷، مکتبہ سیرت النبی جامع مسجد دیوبند) اور ہندوستان کے بعض قدیم فتاویٰ میں بھی یہی رائے منقول ہے (قاموس الفقہ: ۴/ ۶۷)۔

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کی رائے میں نصاب کی مقدار اس سے بھی زیادہ یعنی ۵۴/ تولہ دو ماشہ چاندی اور سات تولہ ساڑھے آٹھ ماشہ سونا ہے (کفایت المفتی ۴/

۲۵۳)۔

ایک رائے یہ بھی ہے کہ چاندی کا نصاب ۳۶/تولہ ۵، ۱/۲ ماشہ ہے اور سونے کا نصاب ۵/تولہ ۲، ۱/۲ ماشہ ہے، اس رائے کے حاملین ملا مبین اور ان کے فرزند مولانا معین الدین صاحب، نیز مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلیؒ ہیں۔

نصاب کے سلسلے میں زیادہ صحیح اور محقق رائے یہی ہے کہ ساڑھے باون تولہ چاندی (۳۵/ ۶۱۲ گرام) اور ساڑھے سات تولہ سونا (۸۷،۴۷۹ گرام) زکوۃ کا نصاب ہے، یہی رائے موجودہ دور کے اکثر علماء کی ہے اور اسی پر فتویٰ بھی ہے۔

ضم نصاب:

کچھ سونا ہو اور کچھ چاندی ہو اور ان کی مجموعی قیمت چاندی کے نصاب کی قیمت کو پہنچ جائے تو ان دونوں کو ملا کر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

یہ مسئلہ فقہائے کرام کے درمیان مختلف فیہ رہا ہے، کتب فقہ وفتاویٰ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں دو مسلک ہیں:

مسلک اول:

سونا اور چاندی دونوں ملا کر مقدار نصاب کو پہنچ جائے تو زکوۃ واجب ہوگی، امام ابن ابی شیبہؒ نے ابراہیم نخعیؒ، امام شعبیؒ اور امام بصریؒ یہ رائے نقل کی ہے اور یہی رائے امام اعظم حضرت ابوحنیفہ اور امام دار ہجرت حضرت امام مالک رحمہا اللہ کی ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ (۶/ ۳۹۳) میں ہے:

”عن عبيدة قال: سألت عن رجل له مائة درهم وعشرة دنانير؟ قال من المأة درهم درهمين ونصفا ومن الدنانير بربع دينار قال: وسألت الشعبي فقال: يحمل الأكثر على الأقل أو قال: الأقل على الأكثر، فإذا بلغت فيه الزكوٰة ذكاة“ (باب في الرجل عنده مئة درهم وعشرة دنانير، المجلس العلمي)۔

اسی کتاب میں ہے:

"عن الحسنؒ أنه قال: إذا كانت له ثلاثون دينار أومأة درهم كان عليه فيها الصدقة وكان يرى الدراهيم والدنانير عيناً كله" (مصنف ابن أبي شيبة ۶/ ۳۹۴، المجلس العلمي)۔

(حضرت حسنؒ نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس تیس دینار اور ایک سو درہم ہوں، اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور وہ درہم اور دینار کو یکساں سمجھتے تھے)۔

ابن قدامہ حنبلیؒ نے امام اوزاعیؒ، امام ثوریؒ اور اصحاب رائے کی بھی یہی رائے نقل کی ہے (المغنی ۴/ ۲۱۱، باب ذکاۃ الذہب)۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ سونا اور چاندی دونوں کی تخلیق اس لیے ہوئی ہے کہ وہ ثمن ہیں اور ان کے ذریعہ قوت خرید بہم پہنچے اس لحاظ سے یہ دونوں ایک ہی جنس کے ہیں، اس لیے زکوٰۃ واجب ہوگی، یہی وجہ ہے کہ سونے اور چاندی میں زکوٰۃ کی مقدار (ڈھائی فیصد) یکساں ہے (الہدایہ ۱/ ۱۹۵، رشیدیہ، دیوبند)۔

مسلک دوم:

دونوں کو ضم نہیں کیا جائے گا، اس کے قائل امام شافعیؒ، امام ابوثورؒ اور ابوعبیدؒ ہیں اور ایک روایت امام احمد بن حنبلؒ سے بھی ایسی ہی ہے (المغنی ۴/ ۲۱۰، باب زکوٰۃ الذہب والفضۃ)۔

ان کے دلائل یہ ہیں کہ بلاشبہ سونا اور چاندی ثمن ہیں، لیکن اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ دونوں کی جنس ایک ہے، اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ احناف کے نزدیک ہم جنس اشیاء کی خرید وفروخت میں کمی بیشی اور تفاضل جائز نہیں ہے، حالانکہ سونا چاندی کے معاملہ میں تفاضل جائز ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ خود احناف بھی جانوروں، مثلاً گائے بکری میں ملا کر نصاب پورا کرنے کے قائل نہیں، حالانکہ ان دونوں کا مقصد تخلیق یہ ہے کہ ان سے غذا اور دودھ حاصل کیا

جاتا ہے، مگر یہ یکسانیت اس بات کے لیے کافی نہیں کہ دو جانوروں کو ملا کر نصاب مکمل کیا جائے، تو آخر ثمن ہونے کی وجہ سے یکسانیت کیوں کر اس بات کی دلیل ہو سکتی ہے کہ سونا اور چاندی باہم ضم کر کے نصاب زکوٰۃ قرار پائے (جدید فقہی مسائل حصہ دوم: ۷، مجلس تحقیقات اسلامی، حیدر آباد)۔

ضم نصاب کی صورت:

جو لوگ ضم نصاب کے قائل ہیں، ان میں اختلاف ہے کہ اس کی کیا صورت ہوگی؟ اس میں دو مشہور قول ہیں:

قول اول:

دونوں باعتبار اجزاء ملایا جائے گا، مثلاً ایک شخص کے پاس مقدار کے لحاظ سے چاندی کے نصاب کا دو تہائی موجود ہو اور سونے کے نصاب کا ایک تہائی اب زکوٰۃ واجب ہوگی، اگر سونا اس کے مقررہ نصاب کے ایک تہائی سے کم ہو تو اس کی قیمت کچھ بھی ہو، زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، اس کے قائل امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ ہیں۔

قول دوم:

نصاب قیمت کے اعتبار سے ضم کیا جائے گا، مثلاً اگر سونا اپنے نصاب مقررہ کے ایک تہائی سے کم ہو، لیکن اس کی قیمت سے چاندی کا بقیہ ایک تہائی بھی مکمل ہو جاتا ہے تو زکوٰۃ واجب ہوگی، اس کے قائل امام ابو حنیفہؒ ہیں۔

اب فقہائے کرام کی تصریحات وعبارات ملاحظہ فرمائیں:

مشہور حنفی فقیہ علامہ علائی حصکفی لکھتے ہیں:

"قيمة العروض تضم الى الثمنين ويضم الذهب الى الفضة وعكسه بجامع الثمنية قيمة وقالا: بالأجزاء" (۲۸/۲، باب زکوٰۃ المال، دار احیاء التراث، بیروت)۔

(سامان تجارت کی قیمت ثمنین یعنی سونے اور چاندی کے ساتھ ضم کی جائے گی اور سونے کا چاندی کے ساتھ اور اس کے برعکس کا ضم کیا جائے گا، قیمت کے اعتبار سے کیونکہ دونوں

میں ثمنیت پائی جاتی ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ اجزاء کے اعتبار سے ضم کیا جائے گا)۔

علامہ برہان الدین مرغینانیؒ کا بیان ہے:

"ویضم الذهب الی الفضة للمجانسة من حيث الثمنية ومن هذا الوجه صار سببا ثم تضم بالقيمة عند أبي حنيفة وعندهما بالأجزاء" (ہدایہ اول ۱۹۶، فصل فی العروض، کتاب الزکوۃ)۔

سونے کو چاندی سے ملایا جائے گا، کیوں کہ ثمنیت کے لحاظ سے ہم جنس ہیں، اسی وجہ سے سبب بن گیا، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قیمت کے اعتبار سے ملایا جائے گا اور صاحبینؒ کے نزدیک اجزاء کے اعتبار سے ملایا جائے گا (تفصیل کے لئے دیکھئے: مراقی الفلاح ص ۱۴۳، کتاب الزکوۃ، دارالمعرفۃ، بیروت، العینی شرح الکنز ۱/۵۷، باب زکوۃ المال، کتاب الزکوۃ)۔

کرنسی نوٹ کی حقیقت:

اب دنیا میں جو نوٹ رائج ہیں، ان کی حقیقت کیا ہے، یہ قرض کے وثیقے ہیں؟ یا عرفی ثمن؟

اس مسئلہ میں علمائے کرام اور مفتیان کرام کا بڑا اختلاف ہے، اس مسئلہ پر جانبین سے بڑی لمبی چوڑی بحثیں ہو چکی ہیں، راقم الحروف ان بحثوں کا خلاصہ، لب لباب اور راجح رائے سپرد قلم کرتا ہے۔

علماء وفقہاء کی ایک جماعت پہلی رائے کی قائل ہے، اس میں گذشتہ صدی کے ہندوستان کے بہت سے علمائے کرام شامل ہیں۔

ان کے نزدیک یہ کاغذی نوٹ مالی دستاویز اور سند ہیں، یہ اس قرض کی سند ہیں جو اس کے جاری کرنے والے بینک کے ذمہ واجب ہے۔ لہٰذا اس رائے کے مطابق یہ نوٹ نہ تو ثمن ہیں اور نہ مال، بلکہ یہ وثیقے سے عبارت ہیں۔

علماء وفقہاء کی ایک بڑی جماعت دوسری رائے کی قائل ہے، ان کے نزدیک یہ نوٹ

بذاتِ خود ثمن بن گئے ہیں، اس لیے جو شخص یہ نوٹ ادا کرے یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے مال اور ثمن ادا کر دیا۔ لہٰذا ان نوٹوں کی ادائیگی سے دین کا حوالہ نہیں سمجھا جائے گا اور ان نوٹوں کے ذریعہ زکوۃ فی الفور ادا ہو جائے گی اور ان کے ذریعہ سونا اور چاندی خریدنا بھی جائز ہوگا۔

دورِ حاضر میں ان دو رایوں میں کون سی رائے قابلِ عمل اور دلیل و برہان کی روشنی میں صحیح تر ہے، اس کا فیصلہ مفتی محمد تقی صاحب عثمانی نے سنایا ہے:

''اس موضوع پر کتبِ فقہ اور معاشیات کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد میرے خیال میں ان نوٹوں کے بارے میں دوسری رائے زیادہ صحیح ہے، وہ یہ ہے کہ نوٹ اب عرفی ثمن بن گئے ہیں اور اب حوالہ کی حیثیت نہیں رکھتے'' (فقہی مقالات ۱/۱۵، کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم)۔

اسی فقہی مقالات، ۱/۳۰ پر ہے:

''مندرجہ بالا بحث سے یہ بات پوری طرح ثابت ہوگئی کہ یہ کاغذی نوٹ کرنسی کے حکم میں ہیں۔''

یہی مولانا عثمانی صاحب اپنی ایک دوسری تصنیف ''تکملہ فتح الملہم'' میں لکھتے ہیں:

''إن المختار عندنا قول من يجعلها اثما نا اصطلاحية'' (۱/۵۸۹)۔

جس نے کرنسی نوٹ کو اصطلاحی ثمن قرار دیا ہے اس کا قول ہمارے نزدیک پسندیدہ ہے۔

اس مسئلہ پر مسند احمد کے مرتب اور شارح علامہ احمد ساعاتی رحمہ اللہ نے سیر حاصل بحث فرمائی ہے، آخر میں اپنی رائے جو حق اور صحیح ہے، ان الفاظ میں ثبت فرمائی ہے:

''فالذي أراه حقا وأدين الله عليه أن حكم الورق المالي كحكم النقدين في الزكوٰة سواء بسواء؛ لأنه يتعامل به كالنقدين تماما، ولأن مالكه يمكنه صرفه وقضاء مصالحه به في أى وقت شاء، فمن ملك النصاب من الورق المالي ومكث عنده حولا كاملا، وجبت عليه زكاته'' (الفتح الربانی مع شرحہ بلوغ

الماني: ۸/ ۲۵۱، تتمة في زكوة الأوراق المالية، مقدار نصاب الذهب والفضة، دار الشهاب، القاهرة)۔

(میرے نزدیک صحیح بات جس پر میں اللہ کے حضور جواب دہ ہوں یہ ہے کہ زکوٰۃ کے وجوب اور اس کی ادائیگی کے مسئلہ میں ان کاغذی نوٹوں کا حکم بھی بعینہٖ سونے چاندی کے حکم کی طرح ہے، اس لیے کہ لوگوں میں ان نوٹوں کا لین دین بالکل اسی طرح جاری ہے، جس طرح سونے چاندی کا لین دین رائج ہے اور ان نوٹوں کے مالک کو اس کا بالکل اختیار ہے کہ وہ جس وقت چاہیں ان کو خرچ کریں اور ان کے ذریعہ اپنی ضروریات پوری کریں۔ لہٰذا جو شخص نصاب کے بقدر ان نوٹوں کا مالک بن جائے اور اس پر ایک سال گذر جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی)۔

ہندوستان کے بعض دوسرے علماء کی بھی یہی رائے تھی، چنانچہ حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنویؒ کے خصوصی شاگرد اور ''عطر ہدایہ'' اور ''خلاصۃ التفاسیر'' کے مصنف حضرت مولانا فتح محمد صاحب لکھنویؒ کی بھی نوٹ کے بارے میں یہی رائے تھی اور ان کے بیٹے مولانا مفتی سعید احمد لکھنویؒ (سابق مفتی وصدر مدرس مدرسہ تکمیل العلوم کانپور) نے اپنے والد ماجد کی یہ رائے ان کی کتاب ''عطر ہدایہ'' کے آخر میں نقل کی ہے اور یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ علامہ عبدالحی لکھنویؒ بھی اس مسئلہ میں ان کے موافق تھے۔'' (فقہی مقالات مولانا تقی صاحب عثمانی: ۲۴/ ۱، زمزم، دیوبند)، اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے دوسرے فقہی سمینار (دہلی) میں کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت کے سلسلے میں ثمن ہونے کا فیصلہ صادر ہوا ہے، یہ فیصلہ نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے:

کرنسی نوٹ سند و حوالہ نہیں، بلکہ ثمن ہیں اور اسلامی شریعت کی نظر میں کرنسی نوٹ کی حیثیت اب اصطلاحی وقانونی کی ہے (ص ۱۲۲)۔

نقد روپے کا پیمانہ سونا ہے یا چاندی:

اگر کسی کے پاس نقد روپے یا سامان تجارت ہو تو اس کا پیمانہ کیا ہوگا؟ سونے کا نصاب

ہوگا یا چاندی کا نصاب، فقہائے کرام کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس سے نصاب مکمل ہو، اسی کا اعتبار ہوگا، اگر چاندی کے نصاب کے مساوی یا اس سے زیادہ ہو اور سونے کے نصاب کو نہ پہنچتا ہو تو چاندی کا اعتبار کرتے ہوئے اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی، اگر اس کے برعکس فرض کیا جائے تو سونے کا اعتبار کرتے ہوئے زکوٰۃ واجب ہوگی۔

فقہ حنفی کی مشہور درسی کتاب ''ہدایہ'' میں ہے:

''الزكوٰة واجبة في عروض التجارة كائنة ماكانت إذا بلغت قيمتها نصابا من الورق أو الذهب ...... يقومها بما هو أنفع للمساكين احتياطا لحق الفقراء قالؒ: وهذا رواية عن أبي حنيفةؒ، وفي الأصل خَيره، لأن الثمنين في تقدير قيم الأشياء بهما سواء وتفسير الأنفع أن يقومها بما يبلغ نصاباً'' (۱۹۶/۱، فصل في العروض، باب زکوٰۃ المال، رشیدیہ، دیوبند)۔

(سامان تجارت میں زکوٰۃ واجب ہے، چاندی اور سونے کے نصاب سے جتنی بھی قیمت کو پہنچ جائے، فقراء کے حق میں احتیاط کرتے ہوئے مساکین کے لیے جو انفع ہے، اس سے قیمت لگائے اور یہ امام ابوحنیفہ کی ایک روایت ہے اور کتاب الاصل میں اختیار دیا، کیونکہ سونے اور چاندی اشیاء کی قیمت لگانے میں مساوی ہیں اور انفع کی تفسیر یہ ہے کہ اس چیز سے قیمت لگائے جس سے نصاب کو پہنچ جائے)۔

''مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر'' میں ہے:

''وتجب الزكوٰة أيضا في عروض تجارة بلغت قيمتها نصاباً من أحدهما أى الذهب والفضة تقوم أي عروض التجارة بما هو أنفع للفقراء ...... وهذا عند الإمام نقوم بما يبلغ نصابا إن كان يبلغ بأحدهما دون الآخر احتياطا في حق الفقراء'' (۲۰۷/۱، باب ذکاۃ الذہب والفضۃ والعروض، دار احیاء التراث، بیروت)۔

(اور ایسے سامان تجارت میں جس کی قیمت سونے یا چاندی کے نصاب کو پہنچتی ہے اس

میں زکوۃ واجب ہوگی، سامان تجارت کی قیمت اس چیز سے لگائی جائے گی جو فقراء کے لیے انفع ہے، اور امام صاحب کے نزدیک اگر ایک کے ذریعہ نصاب کو پہنچتا ہے، تو جس کے ذریعہ نصاب کو پہنچے اسی سے قیمت لگے گی۔ یہی فقراء کے حق میں احتیاط ہے)۔

عصر حاضر میں کرنسی نوٹ کا نصاب کیا ہے:

ماقبل میں گذر چکا ہے کہ کرنسی نوٹ کے سلسلے میں فقہائے کرام رحمہم اللہ کا یہ اصول ہے کہ سونے یا چاندی میں سے جس سے نصاب پورا ہو، اسی کا اعتبار ہوگا۔

دور نبوی میں سونے اور چاندی کی قیمت کی قوت خرید اور قدر یکساں تھی، آج اس میں بڑا فرق ہوگیا، ان حالات میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ موجودہ حالات میں کرنسی نوٹ کا نصاب کیا ہو، ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت ہو یا ساڑھے سات تولہ سونا کی قیمت؟

دور حاضر کے بہت سے علمائے کرام نے زیر بحث مسئلہ میں چاندی کو پیمانہ قرار دیا ہے، اور ان کے پیش نظر دو دلائل ہیں:

۱-چاندی کا نصاب اجماعی ہے، صحیح اور مشہور احادیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔

۲-چاندی کو پیمانہ قرار دینے میں فقراء اور غرباء کا فائدہ ہے، کیونکہ اس صورت میں مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت پر زکوۃ واجب ہوگی۔

فقہ اکیڈمی اپنے دوسرے سیمنار میں چاندی کو پیمانہ قرار دینے کا فیصلہ کرچکی ہے۔

''نوٹوں میں زکوۃ کا نصاب چاندی کے نصاب کے مساوی ہوگا'' (نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے/ص ۱۲۳)۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی تحقیق بھی اسی کی تائید کرتی ہے جو ان کی نہایت محقق تصنیف ''فقہی مقالات'' ص: ۱/ ۳۰ پر ثبت ہے۔

''جب کرنسی نوٹ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر پہنچ جائیں، تو ان پر

بالاتفاق زکوۃ واجب ہوگی'' (فقہی مقالات: ۱/ ۳۰، زمزم بکڈ پو، دیو بند)۔

مسند احمد کے مرتب اور شارح احمد ساعاتی بھی اس کی تائید کرتے ہیں:

"فمن ملک النصاب من الورق المالي ومكث عنده حولا كاملا وجبت عليه زكاته باعتبار زكوٰة الفضة" (الفتح الربانی، مقدار نصاب الذہب والفضۃ تحقیق أن ورق البنکنوت تجب فیہ الزکوۃ: ۸/ ۲۵۱، دار الشہاب، القاہرہ)۔

جو شخص کرنسی نوٹ کے نصاب کا مالک ہو اور اس پر ایک سال مکمل گذر جائے، تو اس پر چاندی کی زکوۃ کے اعتبار سے زکوۃ واجب ہوگی۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اپنی تصنیف ''قاموس الفقہ: ۴/ ۷۰'' پر لکھتے ہیں:

''عصر حاضر میں کرنسی کا ربط قانونی طور پر سونے سے ہے نہ کہ چاندی سے، اس لیے یہ بات راجح معلوم ہوتی ہے کہ سونے کے نصاب کا جو نرخ ہو، وہی کرنسی کے لیے نصاب ہو، لیکن چاندی کا نصاب بہ مقابلہ سونے کے بہت کم قیمت کا ہوتا ہے، اس لیے چاندی کی قیمت سے کرنسیوں کے نصاب کو مربوط کرنے میں فقراء کا فائدہ ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زکوۃ میں وہی میں وہی پہلو قابل ترجیح ہے، جس میں فقراء کا فائدہ ہو، اس لیے موجودہ حالات میں اتنی کرنسی کہ چاندی کے نصاب کی قیمت بن سکے، زکوۃ واجب ہونے کے لیے کافی ہے''۔

علامہ یوسف قرضاوی لکھتے ہیں:

"الواقع أن الذي يطمئن إليه النفس هو النصاب الذهبي وهو مقارب نوعا للانصبة الشرعية الأخرى وهي خمسة من الأبل أو أربعين من الغنم أو ثلاثين من البقر غير ذالک من الأنصبة" (فتاوی معاصرۃ/ص ۲۳۶، دار آفاق الغد)۔

(حقیقت یہ ہے کہ دل جس بات پر مطمئن ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ سونا نصاب کا پیمانہ ہے، اس لیے کہ یہ دیگر شرعی نصاب، یعنی پانچ اونٹ، چالیس بکریوں اور تیس گائے وغیرہ کے تقریباً مساوی ہے)۔

دوسرے شیخ وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

”والأصل تقدير النصاب الورقي بالذهب، لأنه العادل لنصاب الأنعام ولارتفاع مستوى المعيشة وغلاء الحاجيات“ (۲/۷۷۳، الفقہ الاسلامی وأدلتہ زکوۃ الأوراق النقدیۃ، کتاب الزکوۃ، دارالفکر)۔

(اصح قول کے مطابق کرنسی نوٹ کا پیمانہ سونا ہے، اس لیے کہ یہ جانوروں کے نصاب کے مساوی ہے اور معیشت کے معیار کے بلند ہونے اور ضروریات زندگی کے گراں ہونے کی بنا پر سونا ہی معیار ہوگا)۔

بہر حال احقر کے خیال میں پہلی رائے، یعنی کرنسی نوٹ کے لیے چاندی کا نصاب پیمانہ ہوگا راجح ہے۔

سوالات کے جوابات:

۱- اگر کسی شخص کے پاس نقد روپے یا سامان تجارت ہو تو زکوۃ واجب ہونے کے لیے پیمانہ چاندی کا نصاب ہوگا، جیسا کہ تفصیلی بحث گذر چکی ہے۔

اسی طرح اگر کسی شخص کے پاس نقد رقم، مال تجارت یا اموال زکوۃ کے علاوہ کوئی مال چاندی کے نصاب کی قیمت کا موجود ہو اگر چہ سونے کے نصاب کی قیمت کو نہ پہنچتا ہو تب بھی زکوۃ لینا حرام ہوگا۔

۲- ضم نصاب کے سلسلے میں امام صاحب کا قول ”قیمت کا اعتبار ہوگا“ راجح ہے، یعنی اگر کسی شخص کے پاس کچھ چاندی اور کچھ سونا ہو اور دونوں کی مجموعی قیمت چاندی کے نصاب کے برابر ہو جاتی ہو تو موجودہ قیمت کے لحاظ سے زکوۃ واجب ہوگی۔

☆☆☆

زکوۃ میں کاغذی کرنسی کی حیثیت

مولانا عبدالرشید قاسمی ☆

عروض تجارت کے لیے پیمانہ سونے کا نصاب ہوگا؟

سونے اور چاندی میں سے ہر ایک کا نصاب منصوص ہے، یہ بات الگ ہے کہ سونے کے مقابلہ میں چاندی کے نصاب کا حکم زیادہ صراحت کے ساتھ ملتا ہے اور غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ عہد نبوت میں چاندی کا چلن زیادہ تھا، سونے کے نصاب کے بارے میں اگرچہ ایک سے زائد اقوال ہیں، تاہم فقہاء اس پر متفق ہیں کہ سونے کا اپنا نصاب متعین ہے، سونا اور چاندی دونوں ہی خلقی ثمن ہیں، عہد نبوی میں بیع وشراء کے امور طے کرنے میں چاندی کو فوقیت حاصل تھی، لیکن اب ایسا نہیں رہا، اس وقت ثمنیت میں سونا کو بالادستی حاصل ہے، دور حاضر کے علماء اس پر متفق نظر آتے ہیں کہ اب اصل سونا ہے، فقہاء کرام نے سامان تجارت کو ثمن (سونے و چاندی) کے ساتھ لاحق فرمایا ہے، چونکہ اس زمانے میں سونے اور چاندی کے مابین اس قدر تفاوت نہیں تھا، زکوٰۃ نکالنے والا ''انفع للفقراء'' کے اعتبار سے سونے اور چاندی میں سے کسی ایک کو معیار بنا کر زکوٰۃ نکال دیتا، پھر دونوں کی قیمتوں میں اس قدر فرق ہوا تو فقہاء نے ''انفع للفقراء'' کے اعتبار سے سونے اور چاندی میں سے جس سے جلدی نصاب بن جائے اسی کو معیار قرار دے دیا، لیکن اب اتنا زیادہ فرق ہوگیا ہے کہ سونے کے ایک نصاب سے چاندی کے تقریباً دس نصاب بن جائیں گے اور چاندی کی قیمت کے اعتبار سے صاحب نصاب ہونے والا کبھی خود

☆ مفتی مدرسہ جامع العلوم جامع مسجد، پٹکا پور، کانپور۔

مفلس نظر آتا ہے، اس تناظر میں اس بات کی سخت ضرورت محسوس کی جانے لگی کہ نصاب کا پیمانہ سونے کو قرار دیا جائے یا چاندی کو؟

یہاں یہ تحریر کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ جس طرح فقہاء نے عروض تجارت کو ثمن کے ساتھ لاحق کر کے اس کے لیے معیار نصاب وہی قرار دیا جو معیار ثمن کا ہے، اسی طرح نقدی اور کاغذی نوٹوں میں بھی معیار خلقی ثمن (سونے و چاندی) کے نصاب کو معیار قرار دیا گیا، گویا مال تجارت ہو یا کاغذی نوٹ، نصاب کے حق میں ان کو ثمن خلقی کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے۔

''لا خلاف بینهم أیضا أن العروض التجاریة تضم إلی الأثمان (النقود)'' (الفقہ الإسلامي وأدلتہ لوھبۃ الزحیلی ۱۸۹۶/۳)۔

(سامان تجارت کو زکوٰۃ ادا کرنے کے حق میں اثمان کے ساتھ لاحق کرنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے)۔

اب یہ اگر طے ہو جائے کہ موجودہ وقت میں سونے اور چاندی میں سے بحیثیت ثمن کس کو فوقیت حاصل ہے تو اس مسئلہ کو سمجھنے میں کافی مدد ملے گی۔ یہ بات مخفی نہیں کہ دور حاضر میں چاندی کی حیثیت بمقابلہ سونا ایک سامان کی ہے اور چاندی باوجود خلقی ثمن ہونے کے اس وقت اپنی حیثیت کھو چکی ہے، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی فرماتے ہیں:

''سب سے زیادہ ثمنیت شریعت کی نظر میں بھی اور قانون معیشت میں بھی سونے ہی کے اندر ہے، چاندی کو فقہاء نے ثمن مانا ہے، مگر کہیں کہیں اس کو سامان کے حکم میں بھی تسلیم کیا ہے، مگر سونے کو ہر حال میں زر (ثمن) تسلیم کیا ہے، سیوطیؒ کہتے ہیں:

''الذهب و الفضة قیم الأشیاء إلا في باب السرقة، فإن الذهب أصل و الفضة عروض بالنسبة إلیه، نص علیه الشافعي في الأم''۔

(سونا و چاندی اشیاء کی قیمت ہیں، سوائے چوری کی سزا کے کہ سونا اصل ہے اور چاندی بمقابلہ اس کے سامان ہے، امام شافعیؒ نے کتاب الام میں اس کی صراحت فرمائی

ہے‘‘(مستفاد جدید فقہی مسائل ۴؍۳۷)۔

علاوہ ازیں سونے کی قیمت میں بہ نسبت چاندی کے ٹھہراؤ زیادہ ہے اور سونے کی قیمت دنیا کے ہر ملک میں انیس بیس کے فرق سے یکساں رہتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ سونا ثمن خلقی ہونے کے ساتھ ساتھ عرف عام میں بھی ثمنیت میں صف اول پر قائم ہے۔

دکتور وہبہ زحیلی فرماتے ہیں:

’’و تقدر الأوراق النقدية في الأرجح دليلا يسعر الذهب؛ لأنه هذا الأصل في التعامل، و لأن غطاء النقود هو بالذهب، و لأن المثقال كان في زمن النبي ﷺ و عند أهل مكة هو أساس العملة، و هو أساس تقدير الديات، و يسأل الصراف عن الذهب بالعملة المحلية الرائجة في كل بلد‘‘ (الفقہ الاسلامی و أدلتہ ۳؍۱۸۲۱)۔

(راجح دلائل کی بنیاد پر کاغذی نوٹوں کا اندازہ سونے کے بھاؤ سے ہوگا، اس لیے کہ اب تعامل میں (ثمن کے اعتبار سے) یہی اصل ہے اور نقود کے لیے پیمانہ اب سونا ہی ہے، نیز حضور علیہ السلام کے زمانہ میں مثقال کا وجود تھا (جو سونے کا ہوتا تھا) اور اہل مکہ کے نزدیک سکوں کے لیے بنیاد وہی مثقال تھا، اسی سے دیت کا اندازہ لگایا جاتا تھا اور ہر شہر میں علاقائی رائج الوقت سکوں کی قیمت سے متعلق جب بھی کرنسی تبدیل کرنے والوں سے پوچھا جاتا تو وہ سونے سے ہی اندازہ لگا کر بتاتے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ سونے کی ہر زمانے میں بحیثیت ثمن بادشاہت رہی ہے، اگرچہ آپ علیہ السلام کے زمانے میں چاندی کے درہموں کا چلن زیادہ تھا، بہر حال سونا ہی اصل ٹھہرا اور یہ بات آچکی ہے کہ عروض تجارت کو ثمن کے ساتھ لاحق کیا جائے گا اور موجودہ وقت میں سونا ہی اصل ثمن کا درجہ لے چکا ہے، لہٰذا عروض تجارت کے لیے معیار سونا والا نصاب ہونا چاہیے۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی فرماتے ہیں:

"و الأصح تقدير النصاب الورقي بالذهب؛ لأنه المعادل النصاب الأنعام (الإبل و البقر، و الغنم)، و لارتفاع مستوى المعيشة و غلاء الحاجات، و إن كان يرى كثير من علماء العصر تقدير النصاب بالفضة؛ لأنه أنفع للفقراء، و لاحتياط في الدين، و لأن نصب الفضة مجمع عليه و ثابت بالسنة" (الفقہ الإسلامي وأدلتہ ۳/۱۳۴، ۱۳۵)۔

(صحیح بات یہ ہے کہ کاغذی نوٹوں کے نصاب کا معیار سونا ہے اس لیے کہ یہی چوپایوں (اونٹ، گائے اور بکری) کے نصاب کے مساوی اور ہم پلہ ہے، نیز معیار زندگی کے بلند ہونے اور ضروریات زندگی کے گراں ہونے کی وجہ سے بھی یہی مناسب ہے کہ نصاب میں معیار سونے کو قرار دیا جائے، اگرچہ بہت سے علماء کی رائے میں چاندی معیار ہونا چاہئے، کیوں کہ "انفع للفقراء" ہے اور دینی امور میں احتیاط ہی بہتر ہے، نیز یہ متفق علیہ نصاب ہے اور صحیح احادیث سے ثابت ہے)۔

اگرچہ علماء میں ایک گروہ کی رائے یہ کہ چاندی نصاب ہونا چاہیے اور اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ نصاب متفق علیہ اور "انفع للفقراء" ہے، لیکن اگر غور کیا جائے تو اس اتفاق کی وجہ یہ ہے کہ آپ علیہ السلام کے زمانے میں چاندی کو بحیثیت ثمن سرپرتی حاصل تھی، ورنہ ثابت بالسنہ تو سونے کا نصاب بھی ہے اور اب چاندی کی بالادستی بحیثیت ثمن ختم ہو چکی ہے، لہٰذا سونے کو نصاب کے لیے معیار قرار دینا یہ نص کے مقابلہ کوئی اجتہاد نہیں، بلکہ ایک نص کو دوسری نص یعنی سونے کو چاندی پر بحیثیت ثمن ترجیح دینا ہے۔

اس لیے نصاب کا مرجع سونا ہونا چاہئے، نہ کہ چاندی۔ علامہ یوسف القرضاوی نے بھی اپنی کتاب "فقہ الزکاۃ" میں تفصیلی بحث کے بعد سونے کے نصاب کو راجح قرار دیا ہے (ملاحظہ ہو: فقہ الزکاۃ (اردو) ص: ۱۸۸)۔

ان دلائل سے ہمارا منشاء یہ ثابت کرنا ہے ک اگر یہ طے ہو جائے کہ ثمنیت میں اب

اصل سونا ہے تو سونے ہی کو معیار قرار دے دیا جائے۔

فریقین کے دلائل اور سونے کے نصاب کی ترجیح:

اب ہم مختصر طور پر فریقین کے دلائل کا جائزہ لیتے ہیں، جو حضرات چاندی کو معیار نصاب بنانے کے قائل ہیں، بنیادی طور پر ان کے تین دلائل ہیں:

۱- چاندی کے نصاب کا ثبوت مشہور احادیث سے ہے اور یہ نسبت سونے کے متفق علیہ۔

۲- اس میں احتیاط کا پہلو ہے، تاکہ ترک زکوۃ کا خطرہ نہ رہے۔

۳- چاندی کا نصاب ''أنفع للفقراء'' ہے

''لا بد في اعتبار منفعة الفقراء عند التقويم لأداء الزكاة فيقومها بأنفع النقدين'' (المبسوط ۸/۱۹۱ جدید مسائل ص ۷۳)۔

(زکوۃ کی ادائیگی کے وقت اشیاء کی قیمت لگانے میں فقراء کے نفع کو ملحوظ رکھا جائے اور نقدین میں ''أنفع للفقراء'' والی قیمت لگائی جائے)۔

سونے کو معیار بنانے والوں کے دلائل:

۱- اگرچہ آپ کے زمانے میں چاندی کا چلن زیادہ تھا، لیکن اب سونے کی بالادستی ہے۔

۲- سونے میں ٹھہراؤ زیادہ ہے۔

۳- دیگر معدنیات تانبا، پیتل اور لوہا وغیرہ کو چھوڑ کر سونے و چاندی کو معیار بنانے کا انتخاب اس کے ثمن ہونے کی وجہ سے ہوا اور اب سونے کو اصل ثمن کا درجہ حاصل ہے۔

۴- دیگر منصوص نصابات اونٹ، گائے اور بکری وغیرہ کے نصاب کا اگر موازنہ کیا جائے تو وہ سونے سے قریب ہے، نہ کہ چاندی سے۔

۵- شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ چاندی کا نصاب پانچ اوقیہ اس مقرر کیا گیا کہ

یہ مقدار ایک گھر کی سال بھر کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کافی تھی۔لیکن کیا آج کوئی ملک ایسا ہے جہاں کسی خاندان کی سال بھر کی تو کیا ایک مہینہ ہی کی ضرورت کے لیے یہ مقدار کافی ہو، پھر اتنی کم مقدار رقم کا مالک شریعت کی نظر میں غنی کس طرح قرار پائے گا۔اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ زمانے میں سونے کے نصاب پر انحصار کیا جائے (ماخوذ از فقہ الزکاۃ، اردو ص ۱۹۴)۔

۶-احناف کے نزدیک اس نصاب کا حاجات اصلیہ سے فاضل ہونا بھی شرط ہے، آج کے دور میں حاجات اصلیہ جو چیزیں آتی ہیں ان میں بعض یہ ہیں: نفقہ، کسوہ، رہائشی مکان، سواری، آلات حرب وحرفت، بچوں کے تعلیمی اخراجات، دوا علاج کا خرچ، بجلی کا بل، ٹیلیفون کا بل، ہاؤس ٹیکس، واٹر ٹیکس وغیرہ۔

وہبہ زحیلی احناف کا مسلک بیان کرتے ہوئے درمختار اور شامی کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

"بأن يكون النصاب فاضلا عن الحاجات الأصلية لمالكه من نفقة و كسوة و أجوة سكنىٰ و آلة حرب" (الدر المختار ۵/۲-۸، بحوالہ الفقہ الاسلامی و أدلتہ ۱۸۳۵/۳)۔

(مالک کی حاجات اصلیہ سے نصاب کا فاضل ہونا شرط ہے، مثلاً نفقہ، کسوہ، مکان کا کرایہ اور آلات حرب (بغرض حفاظت اسلحہ وغیرہ خریدنے) سے نصاب فارغ ہو)۔

اور اب یہ بات سونے کے نصاب پر صادق آتی ہے، چاندی کے نصاب پر نہیں۔

علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

"و منها كون المال فاضلا عن الحاجة الأصلية به يتحقق الغناء و معنى النعمة و هو التنعم و به يحصل الأداء على طيب النفس؛ إذ المال المحتاج إليه حاجة أصلية لا يكون صاحبه غنيا عنه و لا يكون نعمة ...... فلا

یقع الأداء بالجھة المامور بھا لقولہ ﷺ: أدوا زکاۃ أموالکم طیبة بھا أنفسکم" (بدائع الصنائع ۲/۹۱، ط دار الکتاب)۔

(وجوب زکوۃ کے شرائط میں یہ بھی ہے کہ مال حاجت اصلیہ سے زائد ہو، تب ہی غنا اور نعمت کا تحقق ہوگا اور پھر خوش دلی سے ادا بھی کرے گا، اس لیے کہ جو مال کی اسے خود سخت ضرورت ہے اس سے وہ غنی کیسے ہوگی، لہٰذا خوش دلی سے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوسکتی، جبکہ فرمان نبوی کے مطابق خوش دلی سے زکوۃ ادا کرنے کا حکم ہے)۔

چاندی کو معیار بنانے والے حضرات کے دلائل کا تجزیہ:

یہ کہنا کہ چاندی کا نصاب متفق علیہ اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے تو سونے کے نصاب سے متعلق بھی احادیث موجود ہیں (ملاحظہ ہو علامہ یوسف القرضاوی کی الفقہ الزکاۃ (اردو) ص: ۱۸۶-۱۸۸) اور رہی بات شہرت کی تو چاندی کے نصاب کے شہرت کی وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں چاندی کا چلن بحیثیت ثمن زیادہ تھا اور اب معاملہ الٹ گیا ہے، لہٰذا یہ چیزیں چاندی کے نصاب کو معیار بنانے کے لیے ترجیح کا سبب نہیں بن سکتیں۔

☆ یہ کہنا کہ چاندی کو معیار بنانے میں احتیاط ہے، بلاشبہ درست ہے، بلکہ چاندی کو معیار بنا کر زکوۃ نکالنے والے کی حوصلہ افزائی کی جائے، لیکن اس معیار کو لازم قرار نہ دیا جائے، ورنہ قلب موضوع لازم آئے گا کہ صبح زکوۃ دے اور شام کو زکوۃ لے، نیز اس سے لوگ ضیق میں پڑیں گے اور ان کو شرعی احکام سے تنفر ہوگا۔ امام شافعیؒ نے جب ایسے شخص پر صدقۃ الفطر واجب فرمایا جس کے پاس خود اس کے اور اس کے عیال کے لیے ایک یوم سے زیادہ کا نفقہ ہو تو احناف نے اعتراضاً یہی جواب دیا کہ ایسے شخص پر صدقۃ الفطر کیوں کر واجب ہوسکتا ہے کہ آج دے اور کل لے؟ اسی طرح چاندی کو زکوۃ کے لیے معیار قرار دینے میں اعتراض ہوگا کہ آج زکوۃ دے اور کل لے۔

☆ رہا "انفع للفقراء" کا ضابطہ تو یہ منصوص نہیں، بلکہ مجتہد فیہ ہے، علاوہ ازیں ایسا

شخص جو چاندی کے بقدر مالیت کا مالک ہو (معیار زندگی بدل جانے، اشیاء خوردنی کی گرانی اور ضروریات زندگی کے وسیع ہوجانے کی وجہ سے) خود قابل رحم ہوگیا ہے اور اپنی ضروریات کے لیے محتاج نظر آرہا ہے۔ "انفع للفقراء" کے تحت اگر چاندی کو معیار بنایا گیا تو غریبوں کا فائدہ ضرور ہوگا، لیکن ایسے صاحب نصاب کے ساتھ زیادتی ہوگی اور یہ صرف ایک پہلو کی رعایت ہوگی، دوسرے کو نظر انداز کر کے۔

☆نیز عروض تجارت کے لیے حتمی طور پر چاندی کو معیار قرار دینا نص کے اطلاق کو مقید کرنا ہے، کیوں کہ نص تو مطلق ہے، یعنی زکوٰۃ نکالنے والا ان دو چیزوں میں سے جس کو چاہے معیار بنالے، اسے اختیار ملنا چاہیے، نہ یہ کہ متعین طور پر چاندی کو معیار ٹھہرایا جائے، یہ تو نص کے اطلاق کو باطل کرنا ہے اور رہا "انفع للفقراء" کا ضابطہ تو یہ خود منصوص نہیں ہے۔

مذکورہ بالا جملہ معروضات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ مال تجارت وغیرہ کے نصاب میں سونے کے نصاب کا اعتبار کیا جانا چاہیے۔ لہٰذا جو شخص چاندی کے نصاب کے بقدر مال تجارت وغیرہ کا مالک ہو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہونا چاہیے، تاہم اگر وہ احتیاطاً ادا کردے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے، تاکہ بلاشبہ "انفع للفقراء" پر عمل ہوسکے۔

چاندی کے نصاب کے بقدر مال کے مالک کے لیے زکوٰۃ لینے کا حکم:

زکوٰۃ لینے نہ لینے کے سلسلے میں لوگوں کی تین قسمیں ہیں:

اول: وہ جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

دوم: وہ جو زکوٰۃ لے سکتا ہے۔

سوم: وہ جس پر نہ تو زکوٰۃ واجب ہے اور نہ وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے، یہ وہ شخص ہے جس کے پاس نصاب کے بقدر مال موجود ہوتا ہے، لیکن وہ مال نامی اور مال تجارت نہیں ہوتا، ایسے شخص پر دو حکم عائد ہوتے ہیں، ایک یہ کہ اس پر قربانی اور صدقۃ الفطر واجب ہوتا ہے، دوسرے یہ کہ اس کو زکوٰۃ لینا حرام ہوجاتا ہے، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

”و يتعلق بهذا النصاب حرمان الصدقة و وجوب الأضحية و الفطر“ (ہدایہ ۱/۱۸۸، ط: مکتبہ رشیدیہ)۔

(اگر اموال زکوٰۃ کے علاوہ سے وہ صاحب نصاب ہوا ہے تو ایسے نصاب سے دو چیزیں متعلق ہوتی ہیں، ایک ی کہ زکوٰۃ نہیں لے سکتا، دوم اس پر قربانی اور صدقۃ الفطر واجب ہوجاتا ہے)۔

خلاصہ یہ کہ فقہاء کرام نے نصاب کے تحقق میں مال نامی اور مال غیر نامی کا فرق تو کیا ہے، اس کے علاوہ بین النصابات کوئی اور فرق نہیں کیا۔ لہٰذا اگر یہ ثابت ہوجائے کہ اب زکوٰۃ کے لیے معیار سونا ہے تو صدقۃ الفطر اور قربانی کے لیے بھی معیار سونا ہی ہوگا اور زکوٰۃ لینے نہ لینے کے حق میں بھی معیار سونا ہوگا، اس لیے اگر کسی شخص کے پاس چاندی کے معیار کے مطابق نصاب موجود ہو، خواہ نامی یا غیر نامی، مال تجارت ہو یا حوائج اصلیہ سے زائد غیر مال تجارت، اس کے لیے زکوٰۃ لینے کی گنجائش ہونا چاہیے، البتہ اگر اس کے پاس سونے کے معیار سے نصاب موجود ہو، پھر اگر یہ نصاب مال نامی اور مال تجارت کے علاوہ ہے تو ایسے شخص پر زکوٰۃ تو واجب نہ ہوگی، لیکن صدقۃ الفطر اور قربانی واجب ہوگی اور ایسے شخص کے لیے زکوٰۃ لینا بھی حرام ہوگا۔

ضم نصاب کا حکم:

ضم نصاب سے متعلق دو بحثیں ہیں: ایک یہ کہ نفس ضم کا کیا حکم ہے؟ دوسرے یہ کہ سونے و چاندی کے ضم میں اعتبار قیمت کا ہے یا اجزاء کا؟

جہاں تک تعلق نفس ضم کا ہے تو چوپایوں کے نصاب میں بالاتفاق ضم نہیں ہے اور نقدین کے آپس میں ضم، یا مال تجارت کو نقدین کے ساتھ ضم کرنے میں امام شافعیؒ کے علاوہ بقیہ فقہاء متفق نظر آتے ہیں۔ وہبہ زحیلی فرماتے ہیں:

”و يضم عند الجمهور (غير الشافعية) أحد النقدين إلى الآخر في تكميل النصاب، فيضم الذهب إلى الفضة و بالعكس بالقيمة“ (الفقہ الاسلامی وأدلتہ

۱۸۲۰/۳)۔

(شافعیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک تکمیل نصاب کے لیے نقدین کو ایک دوسرے کے ساتھ ضم کیا جائے گا)۔

آگے لکھتے ہیں:

"و لا خلاف بينهم أيضا في أن العروض التجارية تضم إلى الأثمان (النقود) و تضم الأثمان إليها، إلا أن الشافعي لا يضمها إلا إلى جنس ما اشتريت به" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱۸۹۶/۳)۔

(اور اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اموال تجارت اور نقدین کو ایک دوسرے کے ساتھ ضم کیا جائے گا، الا یہ کہ امام شافعیؒ کے نزدیک عروض تجارت کو نقدین کی اسی جنس کے ساتھ ضم کریں گے جس سے اس کو خریدا گیا ہے) (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱۸۹۶/۳، ورشامی زکریا ۲۲۹/۳-۲۳۴، نیز ملاحظہ ہو: بدائع الصنائع ۱۰۶/۲، ط: دار الکتاب، اور حاشیہ فتح القدیر ۱۶۹/۲)۔

چونکہ نقدین اور اموال تجارت کے ضم میں امام شافعیؒ کے علاوہ بقیہ فقہاء متفق ہیں اور اصل دشواری ضم بالقیمۃ کی وجہ سے پیدا ہوئی، اس لیے ہم اس بحث کو چھوڑتے ہوئے ضم بالقیمۃ اور ضم بالاجزاء کی طرف آتے ہیں۔

ضم نصاب میں ضم الاجزاء ہی دشواریوں کا حل:

یہ بات مشہور ہے کہ جیسا کہ سوال نامہ سے بھی واضح ہے کہ ضم نصاب میں امام صاحبؒ ضم بالقیمۃ کے قائل ہیں اور صاحبینؒ ضم بالاجزاء کے۔ دلائل کی بنیاد پر امام صاحبؒ کا مذہب قوی ہے، یہی مفتی بہ اور اس وقت مروج ہے (ملاحظہ ہو: بدائع الصنائع ۱۰۸/۲، طبع مکتبہ زکریا)۔

لیکن امام صاحبؒ کے قول کو مفتی بہ قرار دینے کی بات اس زمانے کی ہے، جبکہ سونے اور چاندی کے نصابوں کے درمیان توازن قائم تھا اور دو سو درہم چاندی بیس مثقال سونے کے

قریب قریب ہوتی تھی، اب زمین وآسمان کا فرق ہے۔

ضم نصاب کے سلسلے میں امام صاحب اور صاحبین کے دلائل اور تفصیلات کو حذف کر کے فقط اس قدر عرض کرنا چاہتے ہیں کہ جب موجودہ حالات میں حوائج اصلیہ کے گراں ہوجانے کے سبب اس بات کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے کہ تحقق نصاب میں چاندی کے بجائے سونے کو معیار بنایا جائے، جبکہ اس سے بظاہر اس ضابطہ کی خلاف ورزی معلوم ہوتی ہے جس میں امام صاحب اور صاحبین سب متفق ہیں، یعنی ''انفع للفقراء'' کا ضابطہ تو اگر ضم الاجزاء کی بات تسلیم کر لی جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ لازم آئے گا کہ امام صاحب کے قول کو چھوڑ کر صاحبین کے قول کو اپنایا گیا۔ مزید یہ کہ ایک قول امام صاحب کا بھی صاحبین کے موافق ہے، تب تو بات ہی ختم ہوجاتی ہے، یعنی خروج عن المذہب کا الزام بھی نہ رہے گا، اب اگر امام صاحب کے غیر معروف قول کو دور حاضر کی رعایت میں لے لیا جائے تو گویا یہ مسئلہ عندالاحناف متفق علیہ ہوجائے گا۔

بہرحال ضم نصاب کے سلسلے میں مذکورہ تفاصیل اور ضم بالاجزاء کی ترجیح تو اس وقت ہے جبکہ نصاب کا معیار چاندی ہو، لیکن اگر معیار سونے کو قرار دیا جائے تو پھر ضم نصاب میں ضم بالقیمۃ یا ضم بالاجزاء سے کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ ایسی صورت میں جب تک ایک لاکھ چالیس ہزار کی مالیت کا مالک نہ ہوگا، زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، اس صورت میں امام صاحب کے قول معروف اور مفتی بہ قول کو چھوڑنے کی کوئی ضرورت پیش نہ آئے گی۔

خلاصہ بحث:

☆منصوص نصاب میں ترمیم ممکن نہیں اور نہ ہی اس میں اجتہاد وقیاس کا دخل ہے، لہٰذا اگر کسی کے پاس بعینہ ساڑھے باون تولہ چاندی موجود ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اس کی قیمت کچھ بھی ہو۔

☆اگر نقد روپے یا سامان تجارت ہو تو زکوٰۃ واجب ہونے میں پیمانہ سونے کا نصاب ہوگا۔

☆قربانی وصدقۃ الفطر کے وجوب کے لیے بھی معیار سونے کا پیانہ ہوگا، کیونکہ کم حیثیت آدمی کے لیے کو وہ صاحب نصاب ہو قربانی کی ادائیگی بمقابلہ زکوٰۃ زیادہ مشکل ہے۔

☆اگر یہ بات طے ہو جاتی ہے (اور ہم نے اسی کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے) کہ اب وجوب زکوٰۃ کے لیے پیانہ سونے کا نصاب ہوگا تو چاندی کے معیار سے نقد یا مال تجارت رکھنے والے شخص کے لیے زکوٰۃ لینے کی اجازت ہوگی۔

☆مفتٰی بہ قول ضم بالقیمہ کے اعتبار سے بعض شکلیں انتہائی مضحکہ خیز ہو جاتی ہیں اور اس میں موجودہ پریشانیوں کا حل بھی نہیں، اس لیے بدلتے حالات میں صاحبین کے قول ضم بالاجزاء پر فتویٰ دینے ہی میں موجودہ دشواریوں کا حل نظر آتا ہے۔

☆اگر نصاب کے لیے معیار سونا قرار پاتا ہے تو مفتٰی بہ قول کو چھوڑنے اور صاحبین کے قول الاجزاء کو اختیار کرنے کی کوئی ضرورت نہ ہوگی۔

☆موجودہ کرنسی کا تال میل اب سونے سے ہے، لہٰذا کرنسی کے انضمام میں بھی معیار سونا ہوگا، یعنی کرنسی کو سونے کی جگہ رکھ کر نصاب کا اعتبار ہوگا۔

☆☆☆

مالِ تجارت، کرنسی اور زکوۃ کا نصاب

مولانا ابرار حسن ایوبی ندوی☆

۱-(الف) چاندی کی موجودہ قیمت اور زکوۃ کا پیمانہ:

متقدمین احناف اور دورِ حاضر کے اکثر فقہاء کے نزدیک اگر نقد روپئے یا مالِ تجارت چاندی کے نصاب کی مالیت کو پہنچ جائیں تو زکوۃ واجب ہوجاتی ہے، چنانچہ شیخی زادہ ''مجمع الأنہر'' میں فرماتے ہیں: ''**العروض ليس نصابها إلا ما تبلغ قيمتها مائتي درهم**'' (مجمع الأنہر فی شرح ملتقی الأبحر ۱/ ۳۰۳)۔

(نقدین کے علاوہ دیگر اموالِ تجارت یا سامانوں میں زکوۃ اس وقت واجب ہوگی جب ان کی مالیت دوسو درہم کو پہنچ جائے)۔

ایک دوسرے مقام پر اس سے متعلق بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''**و تجب الزكاة أيضا (في عروض تجارة بلغت قيمتها انصابا من أحدهما) أى الذهب و الفضة(نقوم) أي عروض التجارة بما هو أنفع للفقراء أيهما كان، لقوله عليه السلام " يقومها، فيؤدي من كل مائي درهم خمسة دراهم ... يعنى نقوم بما يبلغ نصابا إن كان يبلغ بأحدهما دون الأخر احتياطا في حق الفقراء**'' (أیضا/ ۳۰۶ طبع دار الکتب العلمیہ، بیروت وکذا فی الدر المختار ۲/ ۲۲۹، طبع دار الکتب العلمیہ، بیروت)۔

☆ مرکز الامام أبی الحسن علی الندوی، رائے بریلی۔

(اموالِ تجارت پر بھی زکوۃ واجب ہوگی اگر ان کی مالیت سونے یا چاندی میں سے کسی کے نصاب کو بھی پہنچ جائے۔مزید فرماتے ہیں کہ ہم سامانِ تجارت کی مالیت کو سونے اور چاندی میں اس نصاب کے متوازی کریں گے جو "أنفع للفقراء" ہو، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: "سامانِ تجارت کی مالیت کا اندازہ کرو اور پھر دوسو درہم چاندی میں پانچ درہم کے حساب سے زکوۃ نکالو۔اس کا مطلب یہ ہے کہ سامان تجارت کی مالیت کو اگر وہ سونے یا چاندی میں سے کسی ایک کے ہی نصاب کے برابر ہو رہا ہے تو اسی چیز کو اس کے لیے معیار مانیں گے جس کے ذریعہ وہ نصاب کو پہنچ جائے")

مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ نے "فتاوی رحیمیہ" میں مختلف استفتاءات کے جواب میں یہی بات تحریر فرمائی ہے کہ اگر نقد روپیہ یا سامانِ تجارت دوسو درہم چاندی کی مالیت کو پہنچ جائے تو زکوۃ واجب ہو جائے گی (فتاویٰ رحیمیہ ۵/ ۱۵۹، ۱۶۶)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی بھی رائے یہی ہے، جیسا کہ "قاموس الفقہ" میں ہے: "فی زمانہ سونے اور چاندی کی قیمت میں خاصا تفاوت پایا جاتا ہے اور چاندی کی قوت خرید بہ مقابلہ سونے کے بہت کم ہے، اس لیے فقراء کی رعایت کرتے ہوئے اگر مالِ تجارت چاندی کے نصاب کی قوت خرید کو پہنچ جائے تو ڈھائی فیصد کے لحاظ سے زکوۃ ادا کی جائے گی" (قاموس الفقہ ۴/ ۷۰)۔

سونے چاندی کی قوت خرید میں جو فرق ہے اس کو مدنظر رکھتے ہوئے نقد روپئے اور کرنسیوں کے نصابِ زکوۃ کے تعلق سے فرماتے ہیں "فی زمانہ کرنسی کا ربط سونے سے ہے نہ کہ چاندی سے، اس لیے یہ بات راجح معلوم ہوتی ہے کہ سونے کے نصاب کا جو نرخ ہو، وہی کرنسی کے لیے نصاب ہو، لیکن چاندی کا نصاب بہ مقابلہ سونے کے بہت کم قیمت کا ہوتا ہے، اس لیے چاندی کی قیمت سے کرنسیوں کے نصاب کو مربوط کرنے میں فقراء کو نفع ہے، اس لیے موجودہ حالات میں اتنی کرنسی کہ چاندی کے نصاب (615.35) کی قیمت بن سکے زکوۃ واجب ہونے

کے لیے کافی ہے'' (ایضا)۔

ایک اور مقام پر: ''سامانِ تجارت میں زکوٰۃ اور اس کے نصاب'' کے تعلق سے فرماتے ہیں، مالِ تجارت میں بھی زکوٰۃ واجب ہونے کی وہی شرطیں ہیں، جو دوسرے اموال زکوٰۃ میں ہیں، البتہ حدیث میں اس کے نصاب کی صراحت نہیں ملتی اسلئے فقہاء نے اس میں قیاس و اجتہاد سے کام لیا ہے، اور سونے چاندی کے نصاب اور اس میں زکوٰۃ کی مقدار کو مال تجارت کیلئے بھی معیار بنایا۔ اسلئے کہ سونا چاندی ہی سرمایہ کی اصل ہیں اور یہی اصل میں مال کیلئے تبادلہ کا ذریعہ ہیں، مزید فرماتے ہیں چاندی کی قوت خرید بمقابلہ سونے کے بہت کم ہے اسلئے فقراء کی رعایت کرتے ہوئے اگر مال تجارت چاندی کے نصاب کی قوت خرید کو پہنچ جائے تو ڈھائی فیصد کے لحاظ سے زکوٰۃ ادا کی جائیگی'' (ایضا ۴/ ۷۰)۔

مذکورہ نقطۂ نظر کے علاوہ، یعنی نقد روپے یا مسلمان کی مالیت اگر چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ واجب ہوجاتی ہے۔ دو اور نقطہائے نظر پائے جاتے ہیں۔

(۱) اموال تجارت اور کرنسیوں کے نصاب کو سونے کی مالیت سے مربوط کردیا جائے، یہ رائے امام ابوزہرہ عبدالوہاب خلاف اور شیخ حسن کی ہے (1) ذرا سی تفصیل کے ساتھ کچھ اسی طرح کی رائے کا اظہار مفتی محمد رفیع عثمانی پاکستان نے بھی کیا ہے۔ آگے حضرت مفتی صاحب کی رائے کی تفصیل ان کی تحریر کے ساتھ پیش کررہے ہیں:

(۲) شیخ یوسف القرضاوی نے ''فقہ الزکوٰۃ'' میں انصبہ کا تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے اور بعض دلائل کی وجہ سے ان کی رائے یہ ہی کہ نسبوں اور مال تجارت کے نصاب کو بجائے سونے اور چاندی، ثروت حیوانیہ (ابل و غنم) کے نصاب کی نصف مالیت سے مربوط کردیا جائے۔ آگے ان شاء اللہ ہم ان کی تحریر کا ترجمہ پیش کریں گے۔

مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب کی تحریر کا پس منظر:

۱۹۸۲ء میں حکومت پاکستان کے شعبۂ زکوٰۃ کی انتظامیہ نے زکوٰۃ کے بعض مسائل پر

مشتمل ایک سوالنامہ تیار کیا گیا تھا،اس میں ایک سوال خاص طور پر سونے اور چاندی کی قیمتوں میں تفاوت کے پیش نظر نصاب کی سطح کو بلند کرنے تعلق سے تھا،وہ سوالنامہ پاکستان کے متعدد فقہاء کے پاس روانہ کیا گیا تھا۔اور مجلس تحقیقات حاضرہ، کے پاس بھی بھیجا گیا تھا۔اس کا جواب مفتی محمد رفیع عثمانی نے تحریر فرمایا تھا۔اور مجلس تحقیقات حاضرہ کے اراکین کے مشورہ سے اس میں حذف واضافہ بھی گیا تھا،اوران کی تصدیق وتائید کے بعد اسے شعبہ زکوۃ کی انتظامیہ کو بھیج دیا تھا۔

سوال یہ تھا کہ سونے اور چاندی کی قیمتوں میں تفاوت کو دیکھتے ہوئے کیا چاندی کی بنیاد کو ترک کرکے یا کسی اور فارمولے کو اختیار کرکے نصاب کی سطح پر نظر ثانی کرنا جائز ہوگا؟مفتی صاحب نے اہم امور کی طرف توجہ دلانے کے بعد اور بعض غلط فہمیوں کے ازالہ کے بعد فرمایا تھا کہ نصاب کی سطح بلند کرنے کے ۳طریقے ہوسکتے ہیں(۱) سونے اور چاندی دونوں کے نصاب میں اضافہ(۲)سونے کے نصاب کو اپنی حالت پر رہنے دیں لیکن چاندی کے نصاب کو سونے کے نصاب سے مربوط کردیں۔ان دونوں کے بارے میں فرمادیا کہ یہ شرعاً ممکن ہی نہیں، یہ اجتہاد نہیں، بلکہ انحراف ہے۔آگے فرمایا تھا جو ہمارے موضوع سے متعلق ہے،نصاب کی سطح بلند کرنے کی ایک تیسری شکل ہوسکتی ہے،وہ یہ کہ سونے اور چاندی کا نصاب تو اصل حالت پر رہنے دیں،لیکن نقد روپیئے کا نصاب چاندی کے بجائے سونے سے وابستہ کردیا جائے،تیسری صورت کے تعلق سے کوئی حتمی رائے قائم کرنے سے پہلے چند ضروری سوالات پر غور کرنا ہوگا،جن کا صحیح اور مستند جواب وزارت خزانہ ہی دے سکتی ہے۔وزارت خزانہ ہی دے سکتی ہے،وزارت خزانہ کے جواب کے روشنی میں ہوسکتا ہے اس کا شرعی جواز نکل آئے (نوادر الفقہ، از مفتی محمد رفیع عثمانی ر۳۶۰)۔

چند صفحات کے بعد تحریر فرماتے ہیں:نصاب کی سطح بلند کرنے کی تیسری صورت یہ زیر غور لائی جاسکتی ہے کہ روپیے کا نصاب چاندی کے بجائے سونے سے وابستہ کردیا جائے اس

کے لئے ہمیں یہ تحقیق کرنے کی ضرورت ہوگی کہ ہمارے روپے کے موجودہ نوٹ جس مالیت کے وثیقے ہیں، یا یہ جس مالیت کی نمائندگی کرتے ہیں وہ مالیت سونا ہے یا چاندی ہے یا کچھ اور؟

انگریزی دور حکومت میں جبکہ روپیہ چاندی کا ہوتا ہے تھا تو یہ نوٹ اسی چاندی کے وثیقے سمجھے جاتے تھے، اسلئے علمائے برصغیر نے نوٹوں کا نصاب اتنی ہی رقم کو قرار دیا تھا جو 521/2 تولہ چاندی کی قیمت رکھتی ہو۔ اگر ہمارے زمانے میں وہ صورت باقی نہیں رہی، یعنی تحقیق سے یہ ثابت ہوجائے کہ ہمارے ان نوٹوں کی پشت پر سونے کی مالیت ہے چاندی کی نہیں تو اس سے وہ اشکال حل ہوسکتا ہے۔ جو سوالنامہ میں زیر بحث لایا گیا ہے۔ کیونکہ اس طرح روپے کا نصاب دو ہزار کے بجائے سونے کی موجودہ قیمت کے اعتبار سے تقریباً بارہ تیرہ ہزار روپے ہوجائے گا۔ کیونکہ اس صورت میں جس کے پاس چاندی بالکل نہ ہو اس کے حق میں روپے کا نصاب اتنی رقم ہوگی جس سے سات تولہ سونا خریدا جاسکے (حوالہ سابق)۔

علامہ یوسف القرضاوی نے سونے چاندی کے بجائے ثروت حیوانیہ میں سے ابل وغنم کے نصف نصاب کو اموال تجارت اور نقد روپے کے لیے معیار بنانے کی بات کہی ہے۔

موجودہ زمانے میں معیار نصاب چاندی ہو یا سونا؟

شیخ نے لکھا ہے کہ موجودہ دور میں نہ تو چاندی کا چلن رہ گیا ہے نہ سونے کا، اب تو کاغذی نوٹوں نے کاروبار میں تبادلہ کا مقام حاصل کرلیا ہے، لہٰذا ضم النقدین والی بحث جس پر متقدمین فقہاء نے لمبی بحث کی ہے اس بحث کی ضرورت نہیں۔ ضم تو لازمی امر ہے، اب تو مسئلہ یہ ہے کہ وجوب زکوٰۃ کیلئے یا غنی کی تعریف وتحدید کیلئے معیار کس کو تسلیم کیا جوئے؟ یہ خیال اس لئے ذہن میں آتا ہے کہ شارع نے دونوں کا جو نصاب متعین فرمایا ہے وہ ایک دوسرے سے بہت مختلف ومتفاوت ہے۔ کیا چاندی کے نصاب کو معیار مان لیا جائے؟ دور حاضر کے اکثر علماء کا رجحان اسی طرف ہے اور اسکی دو بنیادی وجوہات ہیں:

۱-چاندی کا نصاب متفق علیہ ہے اور صحیح اور مشہور احادیث سے ثابت ہے۔

۲-اس کو معیار تسلیم کرنے میں فقراء کا زیادہ فائدہ ہے ۔اسلئے کہ اس صورت میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد پر واجب ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مصر میں جس کے پاس بیس سے کچھ زائد ریال ہوں خلیج اور سعودی عرب میں جو پچاس ریال کا مالک ہو اور ہندوستان میں جس کے پاس پچاس سے ساٹھ روپے ہوں، وہ صاحب نصاب ہو جاتا ہے اور اسپر زکوۃ لازم ہو جاتی ہے ۔بعض دوسرے علماء کا خیال ہے کہ چاندی کی قیمت میں تو دور نبوت کے بعد ہی تبدیلی آگئی تھی ،اور اس لئے بھی کہ دیگر اشیاء کی طرح زمانے کے اختلاف کے ساتھ ساتھ چاندی کی قیمت بھی مختلف ہوتی رہی ہے ۔جہاں تک سونے کی بات ہے تو اسکی قیمت میں کسی حد تک ٹھہراؤ اور ثبات تھا ۔اور اختلاف زمانہ کا اثر سونے کے سکوں پر نہیں ہوتا ،اسلئے کہ سونا ہر زمانے میں معیار کا یکساں پیمانہ رہا ہے۔

یہ رائے امام ابو زہرہ ،عبد الوہاب خلاف شیخ حسن کی ہے (حلقۃ الدراسات الاجتماعیۃ : ۲۳۸)۔

میں سمجھتا ہوں کہ مذکورہ رائے دلیل کے لحاظ سے قوی ہے اور ایک بہتر نظریہ ہے، اس لیے کہ جب انصبۂ زکوۃ (پانچ اونٹ، ۴۰ بکریوں اور ۵ وسق کھجور یا مٹی) کے درمیان موازنہ کیا جاتا ہے تو مذکورہ اموال کا نصاب ہمارے زمانے میں سونے کے قریب پہنچتا ہے چاندی کے نہیں۔

لہٰذا اس زمانے میں سونے کے نصاب کو ہی معیار (غنیٰ) سمجھنا چاہئے۔اگر چاندی کے نصاب کو تسلیم کرنے ایک طرف فقراء کا فائدہ ہے تو دوسری طرف ارباب اموال کے کے ساتھ زیادتی بھی ہے (اور جن کے پاس بقدر نصاب فضہ مال ہو وہ) بڑے بڑے مال والے اور سرمایہ دار والے، بلکہ امت کا عام طبقہ ہے۔

نقود کے نصاب کے لئے پائیدار معیار کیا ہو؟

ماہرین اقتصادیات وتاریخ کے اوپر یہ بات مخفی نہیں کہ نقود کی قیمتوں میں ٹھہراؤ نہیں

ہے ان میں عہد بہ عہد اتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے۔اور نقود کی حقیقی قیمت تو قوت خرید سے ہی ظاہر ہوتی ہے۔اور آج جبکہ کاغذی نوٹ ہی تبادلہ کا ذریعہ ہو گئے ہیں اسکا بھرپور مشاہدہ ہو رہا ہے۔اسلئے کہ لوگ اسے نہ تو کھاتے ہیں نہ پہنتے ہیں، بلکہ اسی سے ضرورت کی چیزیں خریدتے ہیں۔اور خود ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ کس طرح چاندی کی قیمت میں کمی آگئی ہے کہ دیگر انصبہ شرعیہ، یعنی سونے اور حیوانات کے مقابلہ قابل ذکر شئی رہا ہی نہیں۔

اسی طرح چاندی کا نصاب اگر سونے کی قیمت بھی گھٹ گئی،اور ۲۰ دینار یا ۸۵ گرام سونا دوسرے انصبہ کے مقابلہ میں برابر یا قریب قریب قیمت کا نہ رہا تو کیا ہوگا؟(پھر نصاب کو کس سے مربوط کریں گے؟)

وجوب زکوٰۃ کے لئے اسلام نے جس غنی شرعی کو معتبر سمجھا ہے(بغیر غنی کے زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی) کیا اس کا کوئی پائیدار معیار متعین کیا جاسکتا ہے۔

یہی سوال اس صورت میں بھی اٹھے گا، جبکہ نقود کی قوت خرید کسی زمانہ میں بہت زیادہ (غیر معقول حد تک) بڑھ جائے۔

اموال تجارت، یا دیگر اشیاء پر وجوب زکوٰۃ کے لئے معتبر نصاب:

ہم نقدی نصاب کے لئے ایک ایسا معیار پیش کر سکتے ہیں جس کے اندر ثبات اور ٹھہراؤ ہو،اور کبھی سونے اور چاندی کی قیمت اس قدر بڑھ جائے کہ فقراء واغنیاء دونوں کے لئے پریشان کن ہو تو اس کی طرف رجوع کیا جاسکے۔اور یہ معیار ابل وغنم کی نصف قیمت یا اس کے متوازی مالیت کا نصاب ہوسکتا ہے۔اس میں بھی اس بات کا خیال کرنا ہے کہ بلاد معتدلہ اور متوسطہ کے لحاظ سے قیمت طے کی جائے۔اور شرط یہ ہے کہ اس کا اندازہ ماہرین کریں اور بتائیں۔

ہمارے بعض اساتذہ کی ایک رائے:

ہمارے بعض اساتذہ نے فرمایا کہ جب شریعت نے کسی ایک نصاب کو متعین طور پر معیار نہیں طے کیا ہے تو کیوں نہ انصبۂ منصوصہ متفقہ (ابل وغنم ذھب وفضہ) میں سے ہر ایک

کی ربع مالیت کو جمع کیا جائے۔اور اس مجموعہ کو اموال تجارت اور کرنسیوں کے لئے نصاب بنا دیا جائے۔راقم نے یہ رائے تحقیق و مناقشہ کے لئے تحریر کی ہے اس پر شرح صدر نہیں

خلاصۂ بحث:

۱-سونے، چاندی کا نصاب منصوص ہے، لہٰذا جو اس کا مالک ہو جائے اور دیگر شرائط پائی جائیں تو زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوگا۔

۲-اگر کسی کے پاس نقد روپئے یا سامان تجارت دوسو درہم چاندی کی مقدار کو پہنچ رہے ہیں اور دوسری شرائط پائی جارہی ہیں تو اس پر زکوٰۃ لازم ہونے کے تعلق سے تین نقطہائے نظر ہیں۔

(الف)اس پر زکوٰۃ لازم ہوگی تقریباً جمہور فقہاء متقدمین و متاخرین کا یہی قول ہے۔

(ب)نقد روپئے یا سامان تجارت کو سونے کے نصاب سے مربوط کریں گے، یعنی اگر چاندی کے نصاب کے بقدر مالیت ہے تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔یہ رائے امام ابوزھرہ ،شیخ عبدالوہاب خلاف، شیخ حسن اور کچھ تفصیل کے ساتھ مفتی رفیع عثمانی صاحب کی بھی ہے۔

(ج)نقد روپئے یا اموال تجارت کے نصاب کو سونے چاندی کے بجائے۔ابل و غنم کے نصاب کی مالیت سے مربوط کر دیا جائے۔اس صورت میں بھی اس شخص پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی جس کے پاس دوسو درہم چاندی کی مالیت کے برابر روپئے وغیرہ ہوں یہ رائے شیخ یوسف القرضاوی کی ہے۔

نوٹ:

راقم موخر الذکر رائے جو کہ شیخ قرضاوی کی ہے کو ہی انسب سمجھتا ہے۔گرچہ بعض مصالح کے پیش نظر (مثلاً یہ انفرادی اجتہاد کا نتیجہ ہے، مقالہ کے بعض مندرجات سے اتفاق بھی نہیں ہے۔عبادات میں احتیاط کا پہلو غالب رہتا ہے) شیخ قرضاوی کی رائے پر فتویٰ دینے کی جسارت نہیں کرسکتا۔

ضم نصاب کی صورت:

چونکہ زکوٰۃ اصلافقرا کا حق ہے اوراس میں عبادت کی شان بھی ہے،اس لیے ایسا عمل کیاجائیگا۔جس سے دیگر مقاصد کے ساتھ یہ دونوں مقصد خاص طور پر حاصل ہوجائیں۔اس لحاظ سے ضم النقدین بأعتبار القیمہ راجح معلوم ہوتا ہے۔

''بدائع''میں ہے:

''ولأن فيي التكميل با عتبار التقويم ضرب احتياط في باب العبادة ونظر للفقراء فكان أولي'' آگے فرماتے ہیں:**''ثم عند أبي حنيفة يعتبر في التقويم منفعة الفقرا كما هو أصله''** (بدائع الصنائع ۲/ ۴۱۲)۔

(قیمت کے لحاظ سے تکمیل نصاب مین یک کو احتیاط کا پہلو ہے عبادت کے مسائل میں اورفقراء کی رعایت بھی ہے اسلئے اولی بھی ھے مزیدفرماتے ھیں پھرامام صاحب کے نزدیک قیمت کا اعتبارفقراء کی منفعت کی وجہ سے ہے جیسا کہ امام صاحب کی اصل وہی ہے،اس ''أنفع للفقراء''پر مسئلہ مستنبط کیا گیا ہے)۔

مذکورہ نقطۂ نظر ''أنفع للفقراء'' واضح کرتے ہوئے امام قاسم بن قطلو بغافرماتے ہیں:

''ولذلک يضم الذهب إلى الفضة بالقيمة، حتى يتم النصاب عند أبي حنيفة، حجة الإسبيجابي، وقال الزوزني: والرجحان لقوله، وعليه مشى النسفي و برهان الشريعة، وصر الشريعة، وقال في التحفة: وقوله أنفع للفقراء و في باب العبادة'' (التصحیح والترجیح علی مختصر القدوری ص ۱۹۹-۲۰۰)۔

(اوراسی لیے (انفع للفقرا کو دیکھتے ہوئے) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سونے کو چاندی کے ساتھ قیمت کے لحاظ سے ملایا جائیگا۔اسی کو امام اسپجابی نے راجح قرار دیا ہے۔اورامام زوزنی نے کہا کہ امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہے۔اوریہی مسلک ہے امام نسفی برہان الشریعہ اورصدر الشریعہ کا۔اورصاحب ''تحفۃ الفقہا'' نے فرمایا کہ امام صاحب کا قول فقراء کے لیے انفع ہے اور

باب عبادت میں زیادہ احتیار پر مبنی ہے۔امام صاحب نے''انفع للفقراء''والی حکمت کو سامنے رکھتے ہوئے مذکورہ مسئلہ اختیار کیا ہے)۔

لیکن صاحبین کے پیش نظر ایک اور وجہ ہے۔جیسا کہ''البحر الرائق''میں ہے:''**هما يقولان المعتبر فيهما القدر دون القيمة حتى لا تجب الزكوة في مصوغ وزنه أقل من مائيتين و قيمته فوقهما**''(البحر الرائق ۱/۳۲۰)۔

(صاحبین کہتے ہیں کہ سونے چاندی میں اصل اعتبار قدر کا ہے، قیمت کا نہیں، یہاں تک کہ اگر کوئی سکہ ڈھلا ہوا ہو اور وہ دوسو درہم کم وزنی ہو گرچہ قیمت اس سے زیادہ ہو تب بھی زکوۃ واجب نہیں ہوگی)۔

صاحب مغنی علامہ ابن قدامہ (۶۳۰) بھی تقریبا اس وجہ کو اقرب الی الصواب سمجھتے ہیں، چنانچہ مغنی میں امام احمد سے دونوں طرح کی روایتیں ضم بالاجزاء، ضم بالقیمہ۔نقل کرنے کے بعد مذکور الاول کو اصح قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''**والأول أصح، لأن تجب الزكوة في أعيانها فلا تعتبر قيمتها كمالو أنفردت**''(المغنی ۲/۵۹۸)۔

(پہلا قول زیادہ صحیح ہے، اس لیے کہ اثمان میں زکوۃ واجب ہوتی ہے۔لہٰذا قیمتوں کا اسی طرح اعتبار نہیں کیا جائیگا، جیسا کہ دونوں الگ الگ ہوں)۔

مذکورہ بالا بحث سے معلوم ہوا کہ مفتی بہ قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے۔لیکن موجودہ دور میں جبکہ سونے اور چاندی کی قیمتوں میں غیر معمولی تفاوت پیدا ہوگیا ہے اگر صرف''انفع للفقرا''والی حکمت سامنے رکھیں تو جمہور امت حرج میں پڑ جائے گی۔اس لیے کہ شاید ہی مسلمانوں کا کوئی گھر ایسا ہوگا جہاں تھوڑی چاندی اور تھوڑا سونا نہ پایا جاتا ہو۔گرچہ گھر میں کھانے کو بھی نہ ہو۔اس لیے اگر اس سلسلہ میں صاحبین کا قول اختیار کرلیا جائے تو اس کی گنجائش ہونی چاہئے۔اور پھر جیسا کہ''بدائع''سے معلوم ہوا کہ اس طرح کی ایک روایت خود امام صاحب سے منقول ہے۔

زمانہ قریب کے متاخرین احناف میں سے مفتی کفایت اللہ صاحب کی بعض تحریروں سے اسکا اشارہ بھی ملتا ہے۔

خلاصہ بحث:

۱-" ضم النقدين باعتبار القيمه "میں "أنفع للفقراء" والی حکمت" کو دیکھتے ہوئے امام صاحب کی رائے قوی ہے۔اور احوط ہے۔

۲-لیکن موجودہ دور میں نقدین کی قیمتوں کے تفاوت کو دیکھتے ہوئے اگر جمہور امت کے حرج میں پڑنے کو صحیح سمجھا جاتا ہو اور "الحرج مدفوع" کا فقہی قاعدہ صادق آتا ہو تو صاحبین کا قول اختیار کیا جاسکتا ہے۔

راقم صاحبین کے مسلک سے اتفاق رکھتا ہے۔

☆☆☆

سونے اور چاندی کا نصاب

مولانا ارشد شاداب☆

نصاب زکوٰۃ:

نصاب مال کی اس مقدار کو کہتے ہیں جس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے، اب فرضیت زکوٰۃ کا نصاب کیا ہے؟ تو چونکہ مالوں کی مختلف قسمیں ہیں اس لیے اس کا نصاب بھی مختلف ہے، انہی میں سے سونا اور چاندی ہے، سونے اور چاندی میں زکوٰۃ کی فرضیت قرآن وحدیث اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿و الذين يكنزون الذهب و الفضة و لا ينفقونها في سبيل الله فبشرهم بعذاب أليم﴾ (التوبہ:۳۴)۔

(جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، ان کو دردناک عذاب کی خبر دیجیے)۔

ایسی شدید وعید کسی فریضہ کے ترک پر ہی ہو سکتی ہے اور مالی عبادت میں فرض کا درجہ اسی زکوٰۃ کو حاصل ہے۔ اب ان دونوں کا نصاب کیا ہوگا؟ سونے اور چاندی کے نصاب میں وجوب اور ادائیگی دونوں میں ان کے وزن کا اعتبار ہوگا، یعنی اگر صرف سونا ہے تو جب تک ساڑھے سات تولہ سونا نہیں ہوگا اس وقت تک زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، مثلاً کسی کے پاس صرف

☆ المعہد العالی للتدریب فی الافتاء والقضاء، پھلواری شریف، پٹنہ۔

پانچ تولہ سونا ہے، اس کے علاوہ چاندی و مال تجارت میں سے کچھ بھی نہیں ہے تو ایسے شخص پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، اگر چہ اس کی قیمت چاندی کے نصاب سے کئی گنا زیادہ ہی کیوں نہ ہو، چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

"عن عمر و عائشة أن النبي ﷺ كان يأخذ من كل عشرين دينارا نصف دينار و من الأربعين دينار" (ابن ماجہ: باب زکاۃ الورق والذھب)۔

صاحب بدائع لکھتے ہیں:

"فأما إذا كان الذهب مفرد فلا شيء فيه حتى يبلغ عشرين مثقالا" (البدائع الصنائع ۲/۱۰۵)۔

(اگر صرف سونا ہے تو جب تک بیس مثقال نہ ہو جائے اس وقت تک زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ہے)۔

اسی طرح اگر صرف چاندی ہے تو جب تک ساڑھے باون تولہ نہ ہو اس وقت تک زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، کیونکہ احادیث میں ان دونوں کا الگ الگ ایک مستقل نصاب بیان کیا گیا ہے، چنانچہ حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے:

"عن النبي ﷺ قال: ليس فيما دون خمسة أوسق صدقة، و لا فيما دون خمس ذود صدقة، و لا فيما دون خمسة أواق صدقة" (مسلم ۱/۳۱۵، کتاب الزکاۃ)۔

اس حدیث کی تشریح میں علامہ نوویؒ حاشیہ مسلم میں لکھتے ہیں:

"حد الشرع نصاب كل جنس ما يحتمل المواساة، فنصاب الفضة خمس أواق، و هي مأة درهم بنص الحديث و الإجماع، أما الذهب فعشرون مثقالا" (حاشیہ مسلم ۱/۳۱۵)۔

(شریعت نے تمام چیزوں کا نصاب تقریباً برابر متعین کیا ہے، چنانچہ چاندی کا نصاب

پانچ اوقیہ ہے، اجماع اور حدیث کی صراحت کے مطابق یہ دوسو درہم کے برابر ہے اور سونا کا نصاب بیس مثقال ہے)۔

صاحب بدائع لکھتے ہیں:

" فإن كان له فضة فلا زكاة فيها حتى تبلغ مائتي درهم وزنا" (بدائع الصنائع ۲/۱۰۰)۔

(اگر صرف چاندی ہے تو وزن کے اعتبار سے جب تک دوسو درہم کے بقدر نہ ہوجائے اس وقت تک زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی)۔

لیکن یہاں مسئلہ یہ ہے کہ مختلف اشیاء موجود ہوں، مثلاً اموال تجارت و نقد روپے وغیرہ تو ایسے میں سونا اور چاندی میں سے کس کی رعایت کی جائے؟ اور تقویم میں کسے معیار بنایا جائے؟ اس بارے میں اصل تو یہ ہے کہ شریعت نے اختیار دیا ہے، جس کو چاہے نصاب قرار دے کر اپنے مال کی زکوٰۃ نکالے، یعنی چاندی کو معیار قرار دے کر زکوٰۃ ادا کرے یا سونے کو نصاب مان کر زکوٰۃ ادا کرے، لیکن یہ اختیار اس وقت ہے، جبکہ نصاب دونوں قدروں سے بن جاتا ہو اور اگر نصاب کسی ایک سے بنتا ہو اور دوسرے سے نہ بنتا ہو تو اس بارے میں علماء کے دو گروہ ہیں، ایک گروہ چاندی کو معیار مانتا ہے، دوسرا گروہ سونا کو معیار مانتا ہے۔

پہلے گروہ کے دلائل:

پہلے گروہ والے کہتے ہیں کہ اگر ہم فقہاء کی عبارتوں کو غور سے پڑھتے ہیں تو ہم کو دو اہم اصول ملتے ہیں:

پہلا اور سب سے اہم اصول یہ ہے کہ تعین نصاب میں فقراء کی رعایت کی جائے گی اور دیکھا جائے گا کہ "أنفع للفقراء" کی صورت کونسی ہے؟ جس صورت میں فقیروں کا زیادہ نفع ہو اسی صورت پر عمل کیا جائے گا، فقہ حنفی کی مشہور کتاب "ہدایہ" میں ہے:

"يقومها بما هو أنفع للمساكين احتياطا لحق الفقراء" (ہدایہ ۱/۱۷۵، کتاب

المال)۔

(اس کی ایسی قیمت لگائی جائے گی جو مساکین کے لیے زیادہ نفع بخش ہو، تاکہ فقراء کے حق کا اعتبار ہو سکے)۔

''الدر المختار'' میں ہے:

''و لو بلغ بأحدهما نصابا و بالآخر أقل قومه بالأنفع للفقراء'' (الدر مع الرد ۳/۲۲۹)۔

(اگر دونوں میں سے ایک نصاب کو پہنچ جائے اور دوسرا نصاب سے کم ہو تو ''أنفع للفقراء'' سے قیمت لگائی جائے گی)۔

دوسرا اصول یہ ہے کہ تقویم میں تخییر کے باوجود اعتبار اس کا ہوگا جس سے نصاب مکمل ہو جائے، چنانچہ ''بنایہ'' میں ہے:

''لا بد أن یقوم مما یبلغ نصابا و حتی إذا قومت بالدرهم تبلغ نصابا و إذا قومت بالذهب لا تبلغ نصابا یقوم بالدراهم'' (البنایۃ علی حاشیۃ الہدایہ ۱/۱۷۵)۔

(قیمت اس سے لگائی جائے گی جس سے نصاب مکمل ہو جائے، اگر دراہم کے ذریعہ قیمت لگائی جائے اور وہ نصاب کو پہونچ جائے اور جب سونے سے قیمت لگائی جائے تو نصاب کو نہ پہنچے تو دراہم کے ذریعہ قیمت لگائی جائے گی)۔

دوسرے گروہ کے دلائل:

دوسرے گروہ والے کہتے ہیں کہ جب ہم چاندی کے نصاب کو جن کا وزن ساڑھے باون تولہ ہے، زکوٰۃ کے دوسرے جنس کے نصاب سے ملا کر دیکھتے ہیں تو ان کے درمیان کوئی توازن نظر نہیں آتا ہے، ایک طرف ہم اونٹ کا نصاب جو پانچ ہے اور بکری کا نصاب جو چالیس ہے دیکھتے ہیں، دوسری طرف چاندی کے نصاب کو دیکھتے ہیں تو دونوں میں کوئی مناسبت نظر نہیں آتی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ عہد نبویؐ میں جبکہ نصاب کی تعیین کی گئی تو اس وقت ایک دینار یا ایک مثقال سونا قیمتاً دس درہم کے مساوی تھا، اس طرح دوسو درہم اور بیس مثقال سونا میں مالیت کے اعتبار سے کوئی تفاوت نہیں تھا، چنانچہ صاحب ''بدائع''علامہ کاسائیؒ لکھتے ہیں:

''كانت الدينار على عهد رسول الله ﷺ مقوما بعشرة دراهم'' (بدائع الصنائع ۲/ ۹۰)۔

(آپ ﷺ کے زمانہ میں دینار کی قیمت دس درہم کے بقدر تھی)۔

''بدایۃ المجتہد''میں ہے:

''ينزل الدينار بعشرة دراهم'' (بدایۃ المجتہد ۱/ ۲۵۶، ط: بیروت)۔

علامہ نوویؒ لکھتے ہیں:

''حد الشرع نصاب كل جنس ما يحتمل المواساة'' (حاشیۃ مسلم ۱/ ۳۱۵)۔

اس لیے میرا خیال ہے کہ سونے کا معیار مقرر کیا جائے، کیونکہ اس وقت بین الاقوامی طور پر جس کو معیار مانا گیا ہے وہ سونا ہے، اب اگر کوئی شخص اتنے مال، نقد یا مال تجارت کا مالک ہوجائے جس سے ساڑھے سات تولہ سونا خرید کی جاسکے تو ایسا شخص مالدار اور غنی سمجھا جائے گا، اس کے لیے زکوٰۃ لینا حرام اور زکوٰۃ دینا واجب ہوگا، اور اگر کسی شخص کے پاس اتنی مالیت نہ ہو تو وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے۔

''شامی''میں ہے:

''و لا يصرف الزكاة إلى غني يملك قدر نصاب من أي مال كان'' (شامی ۲/ ۶۵)۔

(مالدار کو جبکہ وہ بقدر نصاب مال کا مالک ہو تو اس کو زکوٰۃ کی رقم نہیں دی جائے گی)۔

۲- اگر کسی آدمی کے پاس سونا اور چاندی دونوں تھوڑے تھوڑے مقدار میں موجود ہے اور دونوں کا نصاب نامکمل ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں فقہاء کے دو گروہ ہیں:

۱- ایک گروہ ضم کا اعتبار کرتا ہے، یعنی سونے اور چاندی کے نامکمل نصاب میں سے دونوں کو ملا کر نصاب پورا ہو جائے تو زکوۃ واجب ہوگی، یعنی تکمیل نصاب کے لیے ضم کی صورت اختیار کی جائے گی، یہی حنفیہ کی رائے ہے، چنانچہ امام محمدؒ اپنی مشہور کتاب ''کتاب الاصل'' میں لکھتے ہیں:

''قلت أ رأيت الرجل يكون له مثاقيل ذهب أربعة أو خمسة تساوي مأة درهم أخرى، ثم يحول عليه الحول، أ يزكيهما جميعا؟ قال: نعم، يزكيهما جميعا'' (کتاب الأصل ۲/۷۵، ط: بیروت)۔

(میں نے پوچھا کہ آپ کا کیا خیال ہے ایسے شخص کے بارے میں جس کے پاس چار پانچ مثقال سونا ہو اور وہ سو درہم کے برابر ہے اور اس کے پاس مزید کچھ اور درہم ہے، اس پر حولان حول بھی گذر چکا ہے، تو کیا ایسا شخص دونوں کو ملا کر زکوۃ ادا کرے گا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں، ان دونوں کی زکوۃ ادا کرے گا)۔

بدائع الصنائع میں علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

''فإنه يضم أحدهما إلى الآخر في حق تكميل النصاب عندنا'' (بدائع الصنائع ۲/۱۰۶، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: بدایۃ المجتہد ۱/۲۵۷)۔

۲- دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ ایسی صورت میں نصاب ملایا نہیں جائے گا اور اس وقت تک زکوۃ واجب نہیں ہوگی جب تک دونوں کا علاحدہ نصاب مکمل نہ ہو جائے، اس کے قائل امام شافعیؒ اور ایک کے مطابق امام احمدؒ بھی ہیں (شرح المہذب ۶/۱۸، بدائع الصنائع ۲/۱۰۶، بدایۃ المجتہد ۱/۲۵۷)۔

پھر جو لوگ ضم کے قائل ہیں ان میں یہ اختلاف ہے کہ ضم کی حقیقت وصورت کیا ہوگی؟

پہلی رائے یہ ہے کہ دونوں کو اجزاء کے اعتبار سے ملایا جائے گا، مثلاً کسی کے پاس مقدار کے لحاظ سے چاندی کے نصاب کا دو تہائی موجود ہے اور سونے کے نصاب کا ایک تہائی، تب زکوۃ واجب

ورنہ نہیں، یہ امام محمدؒ وامام ابو یوسف کا قول ہے۔

''بدائع الصنائع''میں ہے:

''قال أبو يوسف و محمد: يضم باعتبار الأجزاء'' (بدائع الصنائع ۲/ ۱۰۷)۔

''مبسوط''میں ہیں:

''و عندهما باعتبار الأجزاء''(المبسوط للسرخسی ۲/ ۱۹۲)۔

دوسری رائے یہ ہے کہ نصاب باعتبار قیمت ملایا جائے گا، مثلاً مذکورہ مثال ہی میں اگر سونا اپنے نصاب مقررہ کے ایک تہائی سے کم ہو، لیکن اس کی قیمت سے چاندی کا بقیہ ایک تہائی بھی مکمل ہو جائے تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی، یہ رائے امام ابوحنیفہؒ کی ہے، چنانچہ ''مبسوط''میں ہے:

''قال أبو حنيفة: يضم أحدهما إلى الاٰخر باعتبار القيمة'' (المبسوط للسرخسي ۲/ ۲۹۱)۔

''کتاب الاصل''میں ہے:

''قال أبو حنيفة: يضم أحدهما إلى الاٰخر باعتبار القيمة'' (کتاب الاصل ۲/ ۵۷، ط: بیروت)۔

امام ابوحنیفہؒ اور ان کے نظریہ کے حاملین کی دلیل:

جو لوگ قیمت کا اعتبار کرتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ دونوں خلقی طور پر ثمن ہیں اور وہ قوت خرید کا ذریعہ ہے، چنانچہ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

''تضم قيمة العروض إلى الذهب و الفضة حتى يتم النصاب .... و يضم الذهب إلى الفضة للمجانسة من حيث الثمنية و من هذا الوجه صار سببا'' (الہدایہ ۱/ ۱۹۶)۔

دوسری بات یہ ہے کہ امام صاحبؒ تقویم میں انفع للفقراء کی رعایت کرتے ہیں۔

"عند أبي حنيفة يعتبر في التقويم منفعة الفقراء" (المبسوط للسرخسی ۲/۱۹۲)۔

دوسرے گروہ کے دلائل:

دوسرے گروہ کے دلائل یہ ہیں کہ اگر چہ سونا اور چاندی ثمن ہیں، لیکن محض اتنی سی بات یہ ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں ہے کہ دونوں کی جنس ایک ہی ہے، اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ احناف کے یہاں دو ہم جنس اشیاء کی خرید وفروخت میں کمی وبیشی اور تفاضل جائز نہیں، حالانکہ خود حنفیہ سونا اور چاندی میں تفاضل کو جائز کہتے ہیں۔

"أما المعنى فلأنه يجوز أحدهما بالآخر متفاضلا" (بدائع الصنائع ۱/۱۰۶)۔

دوسری بات یہ ہے کہ خود احناف جانوروں مثلاً اونٹ، گائے اور بکری میں ملا کر نصاب مکمل کرنے کے قائل نہیں ہیں، حالانکہ ان دونوں کا مقصد تخلیق ایک ہی ہے کہ ان سے غذا اور دودھ حاصل کیا جائے، اگر یہ نیت اس بات کے لیے کافی نہیں ہے کہ دو جانوروں کو ملا کر نصاب مکمل کرایا جائے تو ثمن ہونے میں یکسانیت کیوں کر یہ دلیل بن سکتی ہے؟

تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر صرف سونا اور چاندی ہو تو وجوب زکوٰۃ میں قیمت کا اعتبار نہیں ہوتا ہے، بلکہ وزن کا اعتبار ہوتا ہے اور یہ کہ وجوب زکوٰۃ میں عین کا اعتبار رہتا ہے نہ کہ ثمن کا۔

"الأول أصح؛ لأن أثمان تجب الزكاة في أعيانها، بل تعتبر قيمتها، كما لو انفردت" (المغنی ۲/۵۹۸)۔

چوتھی دلیل یہ ہے کہ اگر ہم حدیث کا بغور مطالعہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ سونا اور چاندی دونوں کا مستقل نصاب مقرر کیا گیا ہے، کیوں کہ حدیث میں کہا گیا ہے کہ اگر چاندی ایک سو نوے درہم ہو جائے تب بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

"ليس لي في تسعين و مائة شيء فإذا بلغت مائتين ففيها خمسة دراهم" (سنن الترمذي، باب ماجاء في زكاة الذهب والورق)۔

ترجیح:

مذکورہ بالا عبارتوں سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں کی مستقل حیثیت ہے اور وہ باہم قیمتاً ضم نہیں کیے جائیں گے، خود امام صاحبؒ کی ایک روایت صاحبینؒ کے قول کے مطابق ہے، یعنی تکمیل نصاب کے لیے سونا اور چاندی کو ملایا جائے گا اور قیمت کا اعتبار نہ کیا جائے گا، چنانچہ بدائع میں ہے:

''يضم باعتبار الأجزاء، و هو رواية عن أبي حنيفة أيضا'' (بدائع الصنائع ۲/۱۰۷، البنایہ ۱/۱۱۹، کتاب الأصل ۲/۷۵)۔

ترجیح کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے جس طرح احناف ضم کے قائل ہیں، اسی طرح امام مالکؒ بھی ضم کے قائل ہیں، یہ بھی ضم بالأجزاء کو صحیح قرار دیتے ہیں، چنانچہ علامہ قرافیؒ رقمطراز ہیں:

''يضم الذهب إلى الفضة بالأجزاء، لا بالقيمة'' (الذخیرۃ للقرافی ۳/۱۳)۔

علامہ ابن قدامہؒ اپنی شہرہ آفاق کتاب ''المغنی'' میں لکھتے ہیں:

''فإذا قلنا بالضم أن أحدهما يضم إلى الآخر بالأجزاء ...... إن نقصت أجزائهما عن نصاب فلا زكاة فيهما'' (المغنی ۲/۵۹۸، الإنصاف ۳/۱۳۶)۔

ان تمام اقتباسات کی روشنی میں میرا خیال ہے کہ ضم اجزاء والی صورت زیادہ بہتر ہے، کیوں کہ صاحبینؒ کا یہی مسلک ہے اور خود امام صاحبؒ سے ایک قول یہی منقول ہے اور ائمہ اربعہ میں سے اکثر کی رائے یہی ہے۔

خلاصہ بحث:

۱- زکوٰۃ ہر صاحب نصاب آزاد مسلمان پر فرض ہے۔

۲- اگر صرف سونا ہے تو جب تک ساڑھے سات تولہ سونا اور اگر صرف چاندی ہے تو جب تک ساڑھے باون تولہ چاندی نہ ہو تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

۳-اگر نقد یا اموال تجارت وغیرہ موجود ہو تو سونا کو معیار مانا جائے گا۔

۴- اگر کچھ سونا اور کچھ چاندی ہو تو ضم نصاب کے بارے میں دو گروہ ہیں، ایک ضم قیمت کا اعتبار کرتے ہیں ان میں امام ابو حنیفہؒ ہیں، دوسرے گروہ جن میں صاحبینؒ ہیں ضم اجزاء کا اعتبار کرتے ہیں۔

۵-ضم نصاب کے وقت ضم اجزاء کا اعتبار کیا جائے گا۔

☆☆☆

موجودہ اوزان میں سونے اور چاندی کا نصاب

مولانا ریحان مبشر قاسمی ☆

شریعت کے اندر سونے و چاندی کا جو نصاب متعین کیا گیا ہے وہ قدیم اوزان کے اعتبار سے ہے، اس لیے موجودہ زمانہ کے اوزان سے اس کا انطباق ضروری ہے، تا کہ امت کے لیے عمل کی راہ آسان ہو، چنانچہ علماء نے اس سلسلے میں تحقیق کی اور مستقل رسائل معرض وجود میں آئے ،بالعموم دونظریے پائے جاتے ہیں۔

مولانا عبدالحیٔ لکھنویؒ نے چاندی کا نصاب ہندوستانی اوزان کے اعتبار سے چھتیس تولہ ساڑھے پانچ ماشہ، اور سونے کا پانچ تولہ اڑھائی ماشہ بتایا ہے۔ دوسری طرف مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ اور حضرت تھانویؒ کی رائے یہ ہے کہ چاندی کا نصاب باون تولہ چھ ماشہ اور سونے کا سات تولہ چھ ماشہ ہے، ''فتاویٰ دارالعلوم'' میں بصراحت موجود ہے:

''نصاب نقرہ ساڑھے باون تولہ ہوتا ہے، کیونکہ دراہم کے اندر وزن سبعہ معتبر ہے، اس کی تصریح کتب فقہ میں ہے اور وزن سبعہ یہ ہے کہ دس دراہم برابر سات مثقال کے ہوں، اس حساب سے دوسو درہم برابر ۱۴۰ر مثقال کے ہوئے اور مثقال وزن معروف ساڑھے چار ماشہ، چنانچہ اس کی تصریح بہت جگہ موجود ہے اور علماء کبار نے اس کو اختیار کیا ہے، پس دوسو درہم برابر ۶۳۰ر ماشہ کے ہوئے ،اس کو ۱۲ر پر تقسیم کرنے سے ساڑھے باون تولہ خارج قسمت نکلا، یہی نصاب فضہ ہے'' (فتاویٰ دارالعلوم: ۶/۹۷، کتاب الزکوۃ، ط: دارالعلوم دیوبند)۔

☆ مدرس افتاء دارالعلوم دیوبند، سہارنپور (یوپی)۔

نصاب چاندی کا ساڑھے باون تولہ چاندی اور نصاب سونے سے ساڑھے سات تولہ ہے (فتاویٰ دارالعلوم: ۶/۵۱، کتاب الزکوۃ، ط: دارالعلوم دیوبند)۔

علامہ بنوریؒ نے ''معارف السنن'' میں مولانا عبدالحیؒ کے قول کو غیر معتبر بتایا ہے، چنانچہ وہ رقم طراز ہیں:

''و المعتبر في نصاب الذهب و الفضة هو قول القاضي ثناء الله الباني بتي دون الشيخ عبد الحئي اللكنوي'' (معارف السنن: ۵/۱۷۱، کتاب الزکاۃ، باب ما جاء فی زکاۃ الذھب والورق، ط: دارالکتاب دیوبند)۔

(سونے و چاندی کے نصاب میں معتبر قول قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کا ہے نہ کہ مولانا عبد الحیٔ لکھنویؒ کا)

اور مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صاحبؒ نے بھی ان کی تحقیق پر نقد کیا ہے (دیکھئے: کفایت المفتی (جدید): ۴/۲۶۸، کتاب الزکوۃ والصدقات، ط: دارالاشاعت کراچی)۔

تاہم ان دونوں تحقیقات میں پہلی تحقیق ''انفع للفقراء'' اور مبنی بر احتیاط ہے، اسی لیے بعض دیگر علماء نے اس سے بھی اتفاق کیا ہے اور سابق ریاست حیدرآباد میں بھی اسی پر عمل تھا، اور دوسری تحقیق میں امت کے لیے آسانی ہے اور زیادہ تر لوگ اسی کی طرف مائل ہیں اور فتویٰ بھی اسی پر دیا جاتا ہے۔

سونے کا معیار نصاب نہ بنایا جائے:

اسلام مواخات و غمخواری و ترحم سے عبارت ہے اور اس نے مسئلہ غربت کو حل کرنے کی جانب جس قدر توجہ دی ہے، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ زکوٰۃ کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اعلم أن عمدة ما روعي في الزكاة مصلحتان:

مصلحة: ترجع إلى تهذيب النفس، و هي: أنها أحضرت الشح، و

الشح أقبح الأخلاق، ضار بها في المعاد، و من كان شحيحا، فإنه إذا مات بقي قلبه متعلقا بالمال، و عذب بذلک۔

و مصلحة: ترجع إلى المدينة، و هي: أنها تجمع لا محالة الضعفاء، و ذوي الحاجة، و تلک الحوادث تغدو على قوم و تروح على اٰخرين، فلو لم تكن السنة بينهم مواساة الفقراء و أهل الحاجات، لهلكوا و ماتوا جوعا'' (حجۃ اللہ البالغۃ: ۱۱۸/۲، من أبواب الزکاۃ، ط: مکتبۃ حجاز دیوبند)۔

(جاننا چاہیے کہ جو مصلحتیں زکوٰۃ میں ملحوظ ہیں، ان میں بہترین مصلحتیں دو ہیں: ایک وہ مصلحت جس کا تعلق اصلاح نفس سے ہے اور وہ یہ کہ نفس میں حرص حاضر کی گئی ہے اور حرص بدترین خصلت ہے، نفس کے لیے آخرت میں مضر ہے، اور جو شخص انتہائی درجہ حریص ہوتا ہے، جب وہ مرتا ہے تو اس کا دل مال کے ساتھ الجھا رہتا ہے، جس کی بنا پر اس کو سزا دی جاتی ہے۔ اور دوسری مصلحت کا شہر سے تعلق ہے اور وہ یہ کہ شہر میں بہت سے حاجت مند ہوا کرتے ہیں اور یہ حوادث صبح وشام اقوام کے پاس آتے جاتے رہتے ہیں، تو اگر ان فقیروں اور حاجت مندوں کی غم خواری کا طریقہ نہ ہو تو وہ ہلاک ہوں گے اور بھوکوں مریں گے)۔

اگر معیار نصب چاندی کے بجائے سونے کو بنایا جائے تو اوپر ذکر کردہ مصلحتیں یا طریقہ غمخواری سب بے کار ثابت ہوں گے، غناء کے سلسلے میں احکام اسلام راہِ اعتدال پر ہیں، اس کے علاوہ دیگر تمام سرمایہ دارانہ نظام وسوشلزم کے طریقے افراط وتفریط پر مبنی ہیں، اب اگر کوئی پندرہ ہزار (وہ کم سے کم قیمت جو نصاب کے بقدر ہو) کا مالک ہو اور اس کی یومیہ آمدنی اتنی ہو کہ اس کا یا اس کے اہل خانہ کا گزر اوقات ہو جاتا ہو تو اگر اس نے سال بھر میں ان کی زکوٰۃ نکالی اور تین سو پچھتر روپیہ اللہ کی راہ میں فریضہ سے سبکدوش ہوتے ہوئے غریب بندوں کی حاجات پوری کردی تو اس کو کون سا نقصان لاحق ہو گیا، حساب لگایا جائے تو یومیہ فی روپیہ کچھ پیسہ نکلے گا۔

اعتراض وجواب:

معیار نصاب چاندی ہونے کی حکمت بیان کرتے ہوئے شاہ صاحبؒ رقم طراز ہیں:

"قال النبي ﷺ: ليس فيما دون خمس أواق صدقة، أقول: إنما قدر من الورق خمس أواق، لأنها مقدار يكفي أقل أهل بيت سنة كاملة إذا كانت الأسعار موافقة في أكثر الأقطار و استقرئ عادات البلاء المعتدلة في الرخص و الغلاء، تجد ذلك" (حجۃ اللہ البالغۃ: ۲/۱۲۸، مقادیر الزکاۃ)۔

(نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: پانچ اوقیہ سے کم چاندی میں زکوٰۃ نہیں، اور چاندی کے پانچ اوقیے آپ ﷺ نے اس لیے مقرر فرمائے ہیں کہ وہ ایک ایسی مقدار ہے جو اکثر ملکوں میں ایک چھوٹے کنبے کے لیے پورے سال تک کافی ہوتی ہے، جب کہ نرخ معتدل ہو، اگر آپ معتدل ممالک کی عادات کا ارزانی وگرانی کے اعتبار سے جائزہ لیں تو آپ کو یہی بات ملے گی)۔

شاہ صاحبؒ کی اس ذکر کردہ حکمت پر لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ مقدار اس زمانہ کے اعتبار سے ہے، لیکن کیا اس دور میں کوئی ایسا ملک ہے جہاں خاندان کی سال بھر کی تو کیا ایک ماہ، بلکہ ایک ہفتہ کی بھی ضروریات پوری ہوتی ہے، قطعی کوئی ایسا ملک نہیں ہوسکتا، اس لیے معیار نصاب سونے کو بنایا جائے۔

اس بارے میں عرض یہ ہے کہ شاہ صاحبؒ کی کتاب اسرار و رموز اور حکمتوں پر مبنی ہے اور اسلام کے احکام کا مدار حکمتوں پر نہیں، بلکہ علتوں پر ہوتا ہے، اس کی صراحت قواعد اصول میں ملتی ہے۔

"الأصل: أنه يفرق بين علة الحكم و حكمته، فإن علته موجبة، و حكمته غير موجبة" (قواعد الفقہ: ۱/۲۱، الأصل التي عليها مدار كتب أصحابنا من جهة الكرخي، ط: مكتبة اشرفي دیوبند)۔

(قاعدہ: حکم کی علت وحکمت کے مابین فرق کیا جائے گا؛ کیونکہ علت موجب حکم ہے،

حکمت موجب حکم نہیں، اس لیے شاہ صاحبؒ کی مذکورہ عبارت سے سونے کو معیار بنانے پر استدلال کرنا قابل نظر اور محل غور ہے۔

شریعت سے متصادم عرف معتبر نہیں:

جس آدمی کے پاس بنیادی ضروریات کے علاوہ چاندی کے نصاب کے بقدر مالیت موجود ہو تو ہو شریعت کی نگاہ میں امیر آدمی شمار ہوگا اور حولانِ حول کے بعد اس مال پر زکوٰۃ واجب ہوگی، گو کہ عرف میں وہ آدمی صاحب ثروت نہ سمجھا جاتا ہو اور لوگ اس کو غریب سمجھتے ہوں۔

شریعت میں بہت سے احکام کا مدار ہر چند کہ عرف ہے، لیکن عرف کے معتبر ہونے کے لیے ایک شرط یہ ہے کہ وہ عرف منصوص حکم کے خلاف و معارض نہ ہو، چنانچہ علامہ ابن نجیم مصریؒ رقمطراز ہیں:

"**إنما العرف غير معتبر في المنصوص عليه**" (الأشباه:۸۰، الفن الأول في القواعد الكلية، القاعدة السادسة، ط: بيروت)۔

(منصوص احکام میں عرف کا اعتبار نہیں ہوتا)۔

اگر کسی آدمی کے پاس سامانِ تجارت ہو تو اس کی قیمت لگائی جائے گی اور نصاب کے بقدر اس کی مالیت ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

"**عن سمرة بن جندب قال: أما بعد! فإن رسول الله صلى الله عليه و سلم كان يأمرنا أن نخرج الصدقة من الذي نعد للبيع**" (سنن أبي داود: ۱/۲۱۸، كتاب الزكاة، باب العروض إذا كانت للتجارة هل يكون فيها زكاة)۔

(حضرت سمرہ بن جندبؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ہم کو ان سامانوں کی زکوٰۃ نکالنے کا حکم دیتے تھے جن کو ہم بطور تجارت کے لیے رکھتے تھے)۔

اس باب میں دیگر احادیث بھی مروی ہیں، جن کو امام زیلعیؒ نے نصب الرایہ (۲/۳۷۵، ط: جدہ) میں بیان کیا ہے، ان احادیث کی بنا پر جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ سامانِ

تجارت کی قیمت لگائی جائے گی اور نصاب کے بقدر پہنچ جانے پر اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی، اصحاب ظواہر کے نزدیک اس میں زکوٰۃ نہیں، اور امام مالکؒ کہتے ہیں:

"**إذا نضت زكاها لحول واحد**" (بدائع الصنائع ۲/۱۰۹، کتاب الزکاۃ، ط: مکتبۃ زکریا، دیوبند)۔

اموال تجارت اگر چاندی کے نصاب کے بقدر ہوں تو اس میں زکوٰۃ واجب ہو جائے گی، سونے کے نصاب کے بقدر اس کا پہنچنا ضروری نہیں، چنانچہ اس سلسلے میں صاحب "ہدایہ" نے ایک حدیث بھی پیش کی ہے:

"**قال عليه السلام: يقومها، يعني عروض التجارة، فيؤدى من كل مائتي درهم خمسة دراهم**" (الہدایہ ۱/۱۹۵، باب زکاۃ المال، فصل في العروض، ط: مکتبۃ تھانوي دیوبند)۔

(سامان تجارت کی قیمت لگائی جائے گی اور ہر دو سو درہم میں سے پانچ درہم کی زکوٰۃ نکالی جائے گی)۔

امام زیلعیؒ نے اس کو غریب کہا ہے:

"**قلت: حديث غريب، و في الباب أحاديث مرفوعة**" (نصب الرایۃ: ۲/۳۷۵، ط: المکتبۃ المکیۃ، جدۃ)۔

امام ابن حجرؒ نے اس کے بارے میں فرمایا: میں نے اس کو اس طرح نہیں پایا۔

"**قال: لم أجده هكذا**" (الدرایۃ في تخریج أحادیث الهدایۃ: ۱/۱۹۷، باب زکاۃ المال، ط: مکتبۃ تھانوي دیوبند)۔

امام عینیؒ نے بھی اس کو غریب کہا ہے:

"**هذا حديث غريب، لا يعرف من رواه من الصحابة، و في الباب أحاديث مرفوعة و موقوفة**" (حاشیہ الہدایۃ: ۱/۱۹۵، ط: مکتبۃ تھانوي دیوبند)۔

یہ روایت اس بارے میں صریح ہے کہ سامان تجارت کی قیمت اگر دوسو درہم کے بقدر ہوجائے تو اس میں واجب ہوگی۔

اب ہم ذیل میں مسئلہ بالا کی تائید میں کتب معتبرہ متداولہ سے عبارت پیش کرتے ہیں، علامہ کاسانیؒ متوفی ۵۸۲ھ فرماتے ہیں:

"ذكر القدوري في شرحه مختصر الكرخي: أنه يقوم بأدنى القيمتين من الدراهم و الدنانير حتى أنها إذا بلغت بالتقويم بالدراهم نصابا و لم تبلغ بالدنانير قومت بما تبلغ به النصاب"(بدائع الصنائع: ۲/ ۱۱۰، کتاب الزکاۃ، ط: مکتبۃ زکریا دیوبند)۔

(امام قدوریؒ نے اپنی شرح مختصر کرخیؒ میں لکھا ہے کہ دراہم ودنانیر میں جن کی قیمت کم ہوگی اسی کے ذریعہ سامان تجارت کی قیمت لگائی جائے گی، یہاں تک کہ جب سامان تجارت دراہم سے قیمت لگانے میں نصاب کے بقدر رہوں اور دنانیر سے نہ ہو تو اسی کے ذریعہ سے قیمت لگائی جائے گی جس سے وہ بقدر نصاب ہوں گے)۔

صاحب ہدایہؒ متوفی ۵۹۲ھ فرماتے ہیں:

"الزكاة واجبة في عروض التجارة كائنة ما كانت إذا بلغت قيمتها نصابا من الورق أو الذهب ...... يقومها بما هو أنفع للمساكين احتياطا لحق الفقراء" (الھدایۃ: ۱/ ۱۹۵، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال، ط: مکتبۃ تھانوی دیوبند)۔

(سامان تجارت کی قیمت اگر سونے یا چاندی کے نصاب کے بقدر رہو تو اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی، خواہ وہ کتنے ہی ہوں، ان کی قیمت لگائی جائے گی اس سے جس میں مساکین کا فائدہ ہو، احتیاطاً فقراء کے حق کے باعث)۔

اس مسئلہ کی مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (فتح القدیر ۲/ ۲۲۷، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال، ط: مکتبۃ زکریا دیوبند، البحر الرائق ۲/ ۴۰۰، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال، ط: مکتبۃ زکریا دیوبند، تبیین الحقائق

۱/۹۷۲، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال، ط: امدادیہ، ملتان، الفتاوی التاتارخانیۃ رص ۱۷۹، کتاب الزکاۃ، الفصل الثالث في بیان زکاۃ عروض التجارۃ، ط: قدیمی کتب خانہ کراچی، مجمع الأنہر ۱/۳۰۶، باب زکاۃ الذھب و الفضۃ و العروض، ط: دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ردالمحتار المعروف بالشامي ۳/۲۲۹، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال، ط: مکتبۃ زکریا دیوبند)۔

مذکورہ تفصیلات کا ماحصل یہ ہے کہ فقراء و مساکین کا جس میں نفع ہوگا اسی سے قیمت لگائی جائے گی، اور ظاہر ہے کہ فی زمانناچاندی کی صورت میں قیمت لگانے سے فائدہ ہوگا، اس لیے اسی سے قیمت لگانا متعین ہوگا اور وہی معیار نصاب بھی ہوگا۔

۲- اگر کسی آدمی کے پاس سونے کی کچھ مقدار ہو اور چاندی کی کچھ مقدار ہو اور دونوں کا مجموعہ نصاب کے بقدر ہوجاتا ہو تو ان دونوں کو ملایا جائے گا یا نہیں؟ اور ان کے ملانے کے بعد ان کے مجموعہ پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ ملانے اور نہ ملانے کے سلسلے میں فقہائے کرام میں اختلاف ہے۔

مذاہب فقہاء:

ہمارے نزدیک ان دونوں کو ملایا جائے گا اور اس کے مجموعہ پر زکوٰۃ واجب ہوگی، علامہ کاسانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"فأما إذا كان له الصنفان جميعا، فإن لم يكن كل واحد منهما نصابا، بأن كان له عشرة مثاقيل و مأة درهم، فإنه يضم أحدهما إلى الآخر في حق تكميل النصاب عندنا" (بدائع الصنائع: ۲/۱۰۶، کتاب الزکاۃ، ط: مکتبۃ زکریا، دیوبند)۔

(جب کسی آدمی کے پاس صنفان (سونا چاندی) ہوں، ان میں سے ہر ایک علاحدہ علاحدہ بقدر نصاب نہ ہو، مثلاً دس مثقال اور سو درہم ہوں تو تکمیل نصاب کے لیے ایک کو دوسرے کے ساتھ ہمارے نزدیک ملایا جائے گا)۔

امام مالکؒ کے نزدیک بھی یہی حکم ہے، چنانچہ علامہ ابن رشد مالکی تحریر کرتے ہیں:

"فإن عند مالک و أبي حنیفة و جماعة: أنها تضم الدراهم أی المنانیر، فإذا کملت من مجموعهما نصاب، وجبت فیه الزکاة" (بدایۃ المجتہد ۱/۸۰۳، کتاب الزکاۃ، ط: دار الکتب العلمیۃ، بیروت)۔

(امام مالکؒ، ابو حنیفہؒ اور ایک جماعت کے نزدیک دنانیر کو دراہم کے ساتھ ملایا جائے گا، ملانے کے بعد جب ان کے مجموعے سے نصاب مکمل ہو جائے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی)۔

امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں کو ملایا نہیں جائے گا، بلکہ ان میں سے علاحدہ علاحدہ اگر بقدر نصاب ہوں تو اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی، ورنہ نہیں، چنانچہ علامہ نوویؒ لکھتے ہیں:

"و لا یضم الذهب إلی الفضة و لا هي إلیه في إتمام النصاب" (شرح المہذب للنووی ۵/۳۴۸، ط: دار احیاء التراث العربی، بیروت)۔

(سونے کو چاندی اور چاندی کو سونے سے تکمیل نصاب کے لیے ایک دوسرے میں ملایا نہیں جائے گا)۔

امام احمدؒ کے مختلف اقوال نقل کیے گئے ہیں: ایک قول توقف کا ہے۔ دوسرا یہ کہ ملایا نہیں جائے گا۔ تیسرا یہ کہ دونوں کو باہم ملایا جائے گا۔ ابن قدامہ حنبلیؒ رقمطراز ہیں:

"کان له نصاب من أحدهما، و أقل من نصاب الآخر فقد توقف أحمد عن ضم أحدهما إلی الآخر في روایة الأثرم و جماعة، و قطع في روایة أنه لا زکاة علیه حتی یبلغ کل واحد منهما نصابا، و ذکر الخرقي فیه روایتین في الباب قبله، إحداهما: لا یضم، و الثانیة: یضم أحدهما إلی الآخر في تکمیل النصاب" (المغنی لابن قدامہ ۳/۵، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الذہب والفضۃ، ط: دار الکتب العلمیۃ، بیروت)۔

(جس آدمی کے پاس ایک صنف کا نصاب ہو، اور دوسرے سے کم ہو تو اس سلسلے میں امام احمدؒ نے ایک دوسرے کو باہم ملانے میں توقف اختیار کیا ہے، اثرم اور ایک جماعت کی روایت کے مطابق۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس پر زکوٰۃ نہیں تا آنکہ ہر ایک نصاب کو پہنچ

جائے،اس باب میں امام خرقیؒ نے ان سے دو روایت نقل کی ہے: پہلی نہ ملانے کی،اور دوسری تکمیل نصاب کے لیے ایک کو دوسرے میں ملانے کی)۔

دلائل فقہاء:

جو لوگ ملانے کے قائل نہیں ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) اس سلسلے میں ابن قدامہؒ نے "**لیس فیما دون خمس أواق صدقة**" سے عدم ضم پر استدلال کیا ہے۔

(۲) ان دونوں کی جنس علاحدہ علاحدہ ظاہری و باطنی دونوں اعتبار سے مختلف ہے اور ان میں سے ہر ایک کی اپنی اپنی مستقل حیثیت ہے،ظاہری اعتبار سے مختلف ہونے کی وجہ تو ظاہر ہے،معنوی اعتبار سے بھی علاحدہ ہیں،اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک کو کمی زیادتی کے ساتھ بیچنا جائز ہے،اگر یہ ایک جنس کے ہوتے تو تقاضا ان کی بیع جائز نہ ہوتی (المغنی: ۵/۳،ط: دار الکتب العلمیہ،بیروت،وبدائع الصنائع ۲/ ۱۰۶،ط: زکریا،دیوبند)۔

قائلین ضم بھی اس سلسلے میں حدیث پیش کرتے ہیں:

"**عن بکیر بن عبد الله بن الأشج قال: من السنة أن یضم الذهب إلی الفضة لإیجاب الزکاة**" (فتح القدیر ۲/ ۲۲۹،کتاب الزکاۃ،ط: زکریا دیوبند)۔

(بکیر بن عبداللہ بن الاشج نے فرمایا کہ زکوۃ واجب کرنے کے لیے سونے کو چاندی کے ساتھ ملایا جانا سنت میں سے ہے)۔

اور یہ بات طے شدہ ہے کہ جب "من السنۃ" کہا جاتا ہے تو اس کا حکم مرفوع کا ہوتا ہے،اس کو علامہ ابن ہمامؒ نے فرمایا:

"**حکم مثل هذا الرفع**" (فتح القدیر ۲/ ۲۲۹)۔

علامہ کاسانیؒ نے بھی اس حدیث سے استدلال کیا ہے (بدائع الصنائع ۲/ ۱۰۶)۔

نیز سونا چاندی کی تخلیق اس لیے ہوئی ہے کہ وہ دونوں ثمن ہیں اور ان سے خرید و

فروخت کیا جاسکے، تو جب یہ ثمنیت میں یکساں ہیں تو ان کو ملا کر زکوٰۃ ہونی چاہیے، یہی وجہ ہے کہ سونے اور چاندی میں زکوٰۃ کی مقدار برابر مقرر کی گئی ہے۔

احناف جو ضم کے قائل ہیں ان میں اختلاف ہے کہ ضم سے کیا مراد ہے؟ ضم بالاجزاء یا ضم بالقیمہ؟

صاحبینؒ ضم بالاجزاء کے قائل ہیں اور امام صاحبؒ ضم بالقیمہ کے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس مقدار کے لحاظ سے چاندی کے نصاب کا دو تہائی ہو اور ایک سونے کے نصاب کا ایک تہائی ہو تو زکوٰۃ بالاتفاق واجب ہوگی۔ صاحبینؒ کے نزدیک تو اس لیے کہ دونوں کو ملانے سے ایک کامل نصاب ہوجاتا ہے اور امام صاحبؒ کے نزدیک تو ظاہر ہے، البتہ صورتِ مذکورہ میں اگر سونا اپنے نصاب مقرر کے ایک تہائی سے کم ہو تو صاحبینؒ کے نزدیک اس میں زکوٰۃ واجب نہیں، کیوں کہ کامل نصاب نہیں، اور امام صاحبؒ کے نزدیک اگر سونے کی قیمت سے چاندی کی بقیہ ایک تہائی مکمل ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔

حنفی مذہب میں اصول یہ ہے کہ امام صاحبؒ کے قول پر ہی فتویٰ دیا جائے گا، الا یہ کہ اصحاب ترجیح نے امام صاحبؒ کے قول سے عدول کیا ہو، یا اس کے خلاف فتویٰ دینے کی صراحت کی ہو، ورنہ عام حالات میں امام صاحبؒ کے قول ہی کو اختیار کیا جائے گا۔

سوالات کے جوابات:

۱- اگر کسی کے پاس نقد روپے یا سامان تجارت ہو تو زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے چاندی کا نصاب ہی پیمانہ ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی پاس نقد رقم مال تجارت یا اموال زکوٰۃ کے علاوہ کوئی مال چاندی کے نصاب کی قیمت کا موجود ہو، مگر وہ سونے کے نصاب کی قیمت کو نہیں پہنچتا ہو تو اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز نہیں۔

۲- ضم نصاب کے مسئلہ میں امام صاحبؒ کے قول (ضم بالقیمہ) کو ہی اختیار کیا جائے گا۔

☆☆☆

جدید فقہی تحقیقات

تیسرا باب

مختصر تحریریں

سونے اور چاندی کا نصاب اور فقہاء کی تصریحات

مولانا زبیر احمد قاسمی ☆

بالعموم سارے ہی علماء وفقہاء سونے اور چاندی کے نصاب بیس مثقال برابر ساڑھے سات تولہ سونا اور دوسو درہم برابر ساڑھے باون تولہ چاندی کو منصوص ہی کہتے ہیں، گوحضرت شاہ ولی اللہؒ کا خیال ہے کہ اصل منصوص نصاب صرف چاندی کا ہے اور "**الذهب محمول علی الفضة**" (حجۃ اللہ البالغہ ۲/ ۴۴)، اسی طرح المغنی (۲/ ۵۹۹) میں نقل کیا گیا ہے کہ حضرت عطاء، طاؤس، زہری، سلیمان بن حرب اور ایوب سختیانی رحمہم اللہ اس بات کے قائل تھے کہ "**هو (أی الذهب) معتبر بالفضة فما كان قيمته مأيتى درهم ففيه الزكوة والا فلا؛ لأنه لم يثبت على النبی ﷺ تقدير فی نصابه فثبت أنه حمله على الفضة**"۔

ان حضرات کے قول کا حاصل تو یہی نکلتا ہے کہ چاندی کے نصاب کی تقدیر وتحدید دوسو درہم کے ساتھ تو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، مگر سونے کے نصاب کی تقدیر بیس مثقال کے ساتھ ثابت نہیں، اگر کسی نص میں بیس مثقال کے ساتھ سونے کے نصاب کی تقدیر بھی آ گئی ہے تو دراصل اس زمانے میں چونکہ بیس مثقال سونے کی قیمت ہی دوسو درہم کے مساوی ہوجاتی تھی، اس لئے چاندی پر حمل کرتے ہوئے بیس مثقال کے ساتھ سونے کے نصاب کی تقدیر کردی گئی ہے، اور بس۔

مذکورہ بالا حضرات بلاشبہ اپنی جگہ قابل احترام اکابر اور علمی طور پر عظیم الشان شخصیت

☆ ناظم اشرف العلوم کنہواں، سیتامڑھی، بہار۔

کے مالک تھے، لیکن جمہور علماء وفقہاء کی رایوں کے مقابلہ میں ان حضرات کی رایوں کا مقام بہر حال ایک تفردات ہی کا مقام ہوسکتا ہے، جس سے احکام ومسائل کی تحقیق وبیان میں استدلال کرنا مشکل ہے، ہاں بدرجہ استیناس اسے پیش نظر رکھا جاسکتا ہے۔

چنانچہ اب موجودہ زمانے میں افراط زر کے نتیجے میں، جبکہ سونے اور چاندی کی قیمتوں میں بہت زیادہ فرق ہو چکا ہے، بہت کچھ اور مختلف پیچیدگیاں سامنے آنے لگی ہیں، جس کا حل وقت کی ایک ضرورت بن چکا ہے۔

اس سلسلے میں جمہور علماء فقہاء کی رایوں کے مطابق سونے اور چاندی دونوں کے قدر نصاب بیس مثقال اور دوسو درہم کو منصوص مانتے ہوئے دونوں مسئلہ، یعنی وجوب زکاۃ اور حرمان زکوۃ کے متعلق میری رائے درج ذیل ہے:

۱- عین نقدین سونا چاندی کے قدر نصاب منصوص کے مالک پر وجوب زکاۃ میں تو کوئی اشکال نہیں، دیگر اموال، مثلاً کاغذی نوٹوں کی شکل میں نقد روپئے یا اموال تجارت یا دیگر حاجت اصلیہ سے زائد اموال میں زکاۃ واجب ہونے کے لئے اصل پیمانہ ومعیار چاندی ہی کے نصاب کو مانا جائے گا، کیونکہ یہی طریقہ کار ''انفع للفقراء'' بن سکے گا، اور اسی سے اللہ کے ایک حق کی ادائیگی سے بیر اذمہ یقینی انداز سے فارغ بھی ہوگا، سونے کے نصاب کو معیار اور پیمانہ بنانے میں اگر ایک طرف فقراء کے حق کا ضیاع ہوسکتا ہے تو دوسری طرف خود اپنے ذمہ کے بھی مشغول بحق اللہ رہ جانے کا خطرہ بھی باقی رہے گا، اس لئے احوط طریقہ وہی چاندی کے نصاب کو معیار وپیمانہ بنانا ہی ہوسکتا ہے، کیونکہ اس میں ان حضرات کی رایوں سے استیناس بھی ہوجاتا ہے، جو حضرات اکابر اصل نصاب منصوص چاندی ہی کے نصاب کو کہتے ہیں۔

۲- جو شخص کاغذی نوٹ یا دیگر اموال کا مالک ہوجائے اور اس کی قیمت نصاب وفضہ کے مساوی ہوتو اسے شرعاً غنی کہا جائے گا، اس پر حولان حول کے بعد زکوۃ بھی واجب ہوگی، اور اس کے لئے زکاۃ کی رقم لینا بھی ممنوع ہوگا، یہ حکم وجوب زکوۃ اور حرمان زکوۃ کا تو حکم اصلی ہوا،

لیکن ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص ایسا بھی ہو جو نصاب فضہ کی قیمت کے بقدر نقد سکے، کاغذی نوٹ یا دیگر اموال کا مالک ہو جو یقیناً موجودہ زمانے میں ایک حقیر سی رقم پندرہ سولہ ہزار روپے کی ہوگی، اور اس کے سامنے کچھ ضرورتیں ہوں، مثلاً رہنے کے لئے مکان کی تعمیر، تو استثنائی طور پر ایسے شخص کے اس بقدر نصاب مال کو مشغول بالحاجۃ کالمعدوم کہہ کر اس شخص کو غنی نہیں کالفقیر مان لیا جائے، اور پھر نہ اس پر وجوب زکوۃ کا حکم لگے نہ اخذ زکاۃ کی ممانعت کا، تو ہمارے خیال میں اس کی گنجائش ہونی چاہئے۔

چنانچہ ہمیں یاد پڑتا ہے کہ شامی میں یہ جزئیہ موجود ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص جس کو رہنے کا مکان نہ ہو اور وہ تعمیر مکان کے لئے پسماندہ رقم جمع کرتے کرتے بقدر نصاب جمع کر چکا، مگر اب بھی وہ رقم تعمیر مکان کے لئے ناکافی ہو، اور اس پر سال گذر جائے تب بھی اس پر زکوۃ واجب ہوگی۔

اور المغنی (۲/۵۲۵) میں نقل کیا گیا ہے: **"من ملک نصابا زکائیا لاتتم به الكفايةمن غير الأثمان فله الأخذ من الزكاة......لأن الفقر عبارة عن الحاجة وهذا محتاج، فيكون فقيرا غير غني"۔**

ان عبارتوں کی روشنی میں میرا خیال ہے کہ تعمیر مکان کی ضرورت کے ساتھ اس قسم کی دوسری ضرورت، مثلاً بچی کی شادی والی ضرورت کو بھی ملحق کر کے ایک ہی حکم لگایا جاسکتا ہے، اور کہا جاسکتا ہے کہ موجودہ زمانے میں ایک بچی کی شادی کے لئے احوال وظروف اور عرف کے دباؤ کے نتیجے میں ایک خطیر رقم ضروری ہے، اور نصاب فضہ کی قیمت کے بقدر موجودہ حقیر رقم اس ضرورت کے لئے ناکافی ہے، تو ایسے شخص کے اس بقدر نصاب موجود رقم کو بھی مشغول بالحاجہ کالمعدوم کہہ کر فقیر قرار دیا جائے، جس پر نہ زکوۃ واجب ہو، اور نہ اس کے لئے اخذ زکاۃ ممنوع ہو۔

خلاصہ یہ کہ یہ پہلو قابل غور ہے، اور استثنائی طور پر حکم خاص کا مقتضی ہے۔

"لعل الله يحدث بعد ذلك أمرا"۔

۳-مرسلہ سوال ۲ میں ایک استفسار ہے اور ایک اشکال۔

استفسار تو یہ ہے کہ اگر سونے اور چاندی میں سے کسی کا نصاب مکمل نہ ہو، اور تکمیل نصاب کے لئے "ضم نقدین" کی صورت آجائے، تو کیا موجودہ زمانے میں امام صاحب کے قول "ضم بالقیمۃ" کے بجائے صاحبین کے قول "ضم بالاجزاء" کو اختیار کیا جاسکتا ہے؟ اس کا صحیح جواب میری نظر میں یہی ہے کہ نہیں، کیونکہ "أنفع للفقراء" والی صورت کو اختیار کرنا بہر حال اولیٰ ہے، امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں:

"يقومهما بأنفع النقدين للفقراء" (بدائع الصنائع ۲/ ۲۲)۔

صاحب "المغنی" بھی لکھتے ہیں: "لأن أصل الضم لتحصيل حظ الفقراء فكذلك ......" (المغنی لابن قدامہ)۔

یعنی مالک نقدین پر زکوۃ واجب ہوجائے، اور ظاہر ہے کہ یہ وجوب زکوۃ کی صورت امام صاحب کے قول کے مطابق ہی زیادہ سے زیادہ وجود پذیر ہوسکتی ہے، مثلاً سوال ہی میں مفروضہ کی جو صورت ہے کہ ایک تولہ سونا اور ایک تولہ چاندی ہو تو "ضم بالقیمۃ" میں زکوۃ واجب ہوجائے گی، لیکن "ضم بالاجزاء" میں ہرگز نہیں، اس کے علاوہ متعدد صورتیں فرض کی جاسکتی ہیں، جس میں علی قول ابی حنیفہ تو زکوۃ واجب ہوگی، لیکن صاحبین کے قول پر زکوۃ واجب ہی نہیں ہوسکے گی، جو حق فقراء کے ضیاع کو مستلزم ہونے کے علاوہ خود اس انسان مکلف کے ذمہ کے مشغول بحق اللہ رہ جانے کا بھی احتمال رہ جائے گا، اس لئے ضم النقدین میں بہر حال قول ابی حنیفہ ہی کو قابل عمل سمجھا جاوے۔

باقی رہا سوال میں امام صاحب کے قول کے نتیجہ میں جس اشکال کو پیش کیا گیا ہے، اس کا حل، صاحبین کے قول کو اختیار کر لینے سے تو ہوسکتا نہیں، مثلاً اشکال یہ ہے کہ ایک تولہ چاندی ایک تولہ سونے کی کمالیت کے مالک پر زکوۃ واجب ہوجاتی ہے، اور صرف چھ تولہ سونا جس کی

مالیت بہت زیادہ ہے، اس کے مالک پر زکوۃ واجب نہیں ہو پاتی، یہ اشکال تو صاحبین کے قول پر بھی رہے گا، کہ مثلاً نصف نصاب چاندی و نصف نصاب سونا کے مالک پر ضم بالاجزاء کر کے وجوب زکوۃ کا حکم لگے گا، جبکہ اس کی مالیت بھی بزمانہ حال صرف چھ تولہ سونے کی مالیت سے کم ہی رہتی ہے۔

درحقیقت یہ اشکال خلط مبحث کا نتیجہ ہے، سونے چاندی ہر دو کے نصاب سے کم ہونے والی صورت کو مقابل کیا گیا ہے، صرف ایک سونا کے نصاب سے کم والی صورت کے، جبکہ چھ تولہ سونا شارع کے منصوص نصاب سونا سے کم ہونے کی بنیاد پر محل وجوب زکوۃ ہی نہیں ہوتا، گویا شارع ہی نے چھ تولہ سونا پر زکوۃ واجب نہیں کیا، اب خلاف شارع اور خلاف نص اس پر زکوۃ کیسے واجب کی جاسکتی؟۔

☆☆☆

زکوۃ کی ادائیگی اور سونے و چاندی کا موجودہ نصاب

مفتی شیر علی گجراتی ☆

رسول اللہ ﷺ نے صراحتاً سونے اور چاندی کا نصاب مقرر فرمایا ہے، چنانچہ حضور پاک ﷺ کے زمانہ میں اور آپ ﷺ کے بعد بھی طویل عرصہ تک سونے اور چاندی کی قوت خرید یکساں تھی، لیکن اب دونوں میں بڑا فرق ہو گیا ہے۔

اور ظاہری بات ہے کہ اگر کوئی شخص سونے یا چاندی کی مقرر کردہ مقدار کا مالک ہو جاتا ہے تو اس پر زکوۃ واجب ہو جائے گی، کیونکہ یہ منصوص امر ہے، شریعت نے خود ہی سونے اور چاندی کا نصاب مقرر کر دیا ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ موجودہ حالات میں اگر کسی شخص کے پاس نقد روپے یا سامان تجارت ہو تو وجوب زکوۃ یا حرمان زکوۃ کے لیے پیمانہ سونے کا نصاب ہو گا یا چاندی کا؟

اس سلسلہ میں جیسا کہ معلوم ہے کہ فی زمانا کرنسی کی بناوٹ قانونی اعتبار سے سونے سے مربوط ہے، چاندی سے مربوط نہیں ہے، اس لیے مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ وجوب زکوۃ اور حرمان زکوۃ کے سلسلہ میں سونے کے نصاب ہی کو پیمانہ بنایا جائے۔

آج کل چاندی سونے کے مقابلہ میں بہت ارزاں ہے، چنانچہ اگر چاندی کو نصاب کا پیمانہ بنا کر اس کی قیمت جو کہ دس پندرہ ہزار ہوتی ہے معتبر مانی جائے تو نصاب جلد تیار ہو جائے گا، جبکہ آج کل اشیاء کی گرانی کو دیکھتے ہوئے یہ رقم بہت معمولی متصور ہوتی ہے، میں پیمانہ سونے کی

☆ مفتی جامعہ فلاح دارین ترکیسر، گجرات۔

قیمت ہونا چاہیے، احقر کا یہی خیال ہے۔

حنفیہ کے نزدیک اگر کسی شخص کے پاس کچھ مقدار سونے کی ہو اور کچھ مقدار چاندی کی اور دونوں کا مجموعہ نصاب کے بقدر ہو جاتا ہو تو زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے۔

البتہ فرق یہ ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک تکمیل نصاب میں قیمت کا اعتبار ہوتا ہے، جبکہ صاحبینؒ ضم اجزاء کے قائل ہیں۔

ضم اجزاء، یعنی مثلاً سونے اس کے نصاب کا ایک چوتھائی ہے اور چاندی اس کے نصاب کی تین چوتھائی ہے تو اب صاحبینؒ کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے۔

موجودہ حالات میں تکمیل نصاب کے باب میں صاحبینؒ کا قول اختیار کرتے ہوئے ضم اجزاء کا اعتبار کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے اور اس سلسلہ میں خود امام صاحبؒ سے قیمت کے بجائے ضم اجزاء کی روایت منقول ہے، چنانچہ امام ابن ہمامؒ ضم نصاب پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"ثم يضم بالقيمة عند أبي حنيفة و عندهما بالأجزاء، و هو رواية عنه"

(فتح القدیر ۲/۱۶۹)۔

(پھر ضم نصاب میں امام صاحبؒ کے نزدیک قیمت کا اعتبار ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک اجزاء کا، اور امام صاحبؒ سے بھی اسی طرح کی ایک روایت منقول ہے)۔

☆☆☆

نصاب زکوۃ
اور کاغذی کرنسی کا نقدین سے ربط

محمد مختار سلامی، تیونس
اردو ترجمہ: مفتی احمد نادر القاسمی

آپ کی طرف سے روانہ کئے گئے سوالنامہ میں سوال اول یعنی ''سونے چاندی کے نصاب کی تعیین'' کے سلسلہ میں، میں نے غور کیا، جس میں ۸۵ رگرام سونے کا نصاب مذکور ہے، اس بارے میں مجھے تھوڑا سا توقف ہوا، کیونکہ میں نے بارہا سونے کے مثقال کا جو سے موازنہ کیا تو میرے سامنے یہ بات واضح ہوئی کہ اس کا وزن 4.25 اور نصاب کی بنیاد 85 گرام سونے پر ہے، اسی طرح چاندی کا وزن 2.95 اور 3 گرام قرار پایا، اس طرح 590 یا 600 گرام نصاب شرعی قرار پاتا ہے۔

نیز موجودہ کرنسی کی قیمت اور سامان تجارت کے نصاب کی تعیین کی جہاں تک بات ہے تو میرے خیال میں آج دور میں اس چیز کو بنیاد نہیں بنایا جاسکتا، جس کو ہمارے سابق علماء حضرات نے پیش کیا ہے، بلکہ اسے مرکزی بینک نے موجودہ کرنسی کے سونے چاندی سے ربط کے سلسلے میں جو معیار متعین کیا ہے، اس کی روشنی میں طے کیا جانا چاہئے۔

جہاں تک میری معلومات ہے، اس زمانہ میں چاندی سے موجودہ کرنسی کا ربط مدتوں پہلے ختم ہو چکا اور سونے کے ساتھ محض رسمی طور پر اور صرف کہنے کے لئے کرنسی کا ربط باقی ہے، مرکزی بینک پر کاغذی کرنسی کے بدلے موجودہ عہد میں سونا حوالہ کرنا لازم و ضروری نہیں ہے، اور

یہ اسی دن سے ہو گیا جس دن امریکی صدر نیکسن نے یہ اعلان کیا تھا کہ ڈالر اور سونے کے درمیان اب کوئی ربط نہیں ہے۔

میں نے بہت عجلت میں یہ چند سطریں لکھ دی ہیں، میں ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں، اور آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اپنی نیک دعاؤں میں ہمیں ضرور یاد رکھیں۔

☆☆☆

آج کے ماحول میں سونے چاندی کا نصاب

مولانا قاضی عبدالجلیل قاسمی ☆

سوال نامہ میں مذکورمندرجہ ذیل عبارت قابل غور ہے:

''وجوب زکوٰۃ کے ساتھ ساتھ حرمان زکوٰۃ کے مسئلہ میں بھی خاص طور پر دشواری پیش آتی ہے، کیونکہ چاندی کے نصاب کے اعتبار سے اگر کوئی شخص بنیادی ضروریات کے علاوہ پندرہ ہزار روپئے کی کسی شئے کا مالک ہوتو اسے زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی ہے، حالانکہ آج کے ماحول میں یہ بہت معمولی رقم متصور ہوتی ہے''۔

یعنی اگر کسی کے پاس رہائش کے لیے اعلیٰ درجہ کا مکان ہو، سواری کے لیے عمدہ گاڑی ہو، فرنیچر ہوں، برتن ہوں، ضرورت کے مطابق کپڑے ہوں، گھر میں استعمال ہونے والے سازو سامان موجود ہوں، ان بنیادی ضروریات کے علاوہ اگر چہ اس کے پاس سونا، چاندی، مال تجارت اور نقد روپیہ نہ ہو، لیکن ان بنیادی ضروریات سے زائد غیر نامی مال اس کے پاس اتنا ہو کہ اس کی قیمت پندرہ ہزار روپئے کے برابر ہو تو اس کو زکوٰۃ نہیں دی جائے گی، اس میں کیا دشواری پیش آتی ہے، میری سمجھ میں نہیں آیا۔

ضرورت ہے کہ عام لوگوں کو بتایا جائے کہ زکوٰۃ کوئی ٹیکس یا جرمانہ کی قسم کی کوئی چیز نہیں ہے، بلکہ یہ ایک عبادت ہے، یہ مالداروں پر اس لیے فرض کی گئی ہے کہ غریب و نادار لوگوں کی ضروریات پوری کی جاسکیں، اگر نصاب زیادہ رکھا جاتا اور نصاب سے کم مال رکھنے والوں کو زکوٰۃ

☆ امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ و جھارکھنڈ، پھلواری شریف، پٹنہ۔

کا مستحق قرار دیا جاتا تو زکوۃ دینے والے بہت ہی کم ہوتے اور زکوۃ لینے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہو جاتی۔

معاشی خوشحالی و تنگی کے اعتبار سے لوگوں کو چار زمروں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

۱- غنی: ایسا آدمی جس کے پاس زندگی کی بنیادی ضروریات (مکان، سواری، فرنیچر، برتن گھریلو ساز و سامان، خواہ بہت قیمتی ہوں) کے علاوہ نامی مال (سونا، چاندی، نقد روپیہ یا مال تجارت) بقدر نصاب ہو اور سال بھر خرچ سے محفوظ بھی رہ جائے تو اس پر زکوۃ واجب ہو جاتی ہے، سال میں ایک بار ڈھائی فیصد۔

۲- کم مالدار: ایسا آدمی جس کے پاس زندگی کی بنیادی ضروریات (جن کی تفصیل اوپر گزری) کے علاوہ نام مال (سونا، چاندی، نقد روپیہ یا مال تجارت) تو نصاب کے بقدر نہ ہو، لیکن بنیادی ضروریات سے زائد اتنا غیر نامی مال اس کے پاس موجود ہو جس کی قیمت نصاب کے برابر ہو جائے تو اس پر زکوۃ تو واجب نہیں ہوگی؛ اس لیے کہ زکوۃ صرف نامی مال پر ہی واجب ہوتی ہے اور نامی مال اس کے پاس بقدر نصاب نہیں ہے، البتہ اس پر صدقۂ فطر اور قربانی واجب ہوگی؛ اس لیے کہ زکوۃ لینا جائز نہ ہوگا۔

"الحاصل أن النصاب قسمان: موجب للزكاة و هو النامي الخالي عن الدين، و غير موجب لها و هو غيره، فإن كان مستغرقا بالحاجة لمالكه أباح أخذها، و إلا حرمه، و أوجب غيرها من صدقة الفطر و الأضحية و نفقة القريب المحارم كما في البحر و غيره" (ردالمحتار ۳/۲۸۴، کتاب الزکاۃ، باب المصرف، ط: مکتبہ زکریا)۔

الغرض نصاب کی دو قسمیں ہیں: یک نصاب وہ جس کی وجہ سے زکوۃ واجب ہوتی ہے، یہ وہ مال ہے جو نامی ہو اور دین سے فارغ ہو۔ دوم وہ نصاب ہے جس کی وجہ سے زکوۃ واجب نہیں ہوتی ہے، یہ وہ مال ہے جو نامی نہ ہو، پھر اگر وہ اپنے مالک کی ضرورت کے بقدر ہو تو

اس کے لیے زکوۃ کا لینا مباح ہوگا، ورنہ نہیں حرام ہوگا اور اس کی وجہ سے اس پر صدقۂ فطر، قربانی اور محرم رشتہ داروں کا نفقہ واجب ہوگا)۔

۳-فقیر: ایسا آدمی جس کے پاس بنیادی ضروریات سے زائد غیر نامی مال بھی نصاب کے بقدر نہ ہو، اس پر نہ زکوۃ واجب ہوگی، نہ صدقہ اور نہ قربانی، اس کے لیے زکوۃ لینا جائز ہوگا، البتہ بھیک مانگنا اس کے لیے جائز نہ ہوگا۔

"هو فقير و هو من له أدنى شيء، أي دون النصاب، أو قدر نصاب غير نام مستغرق في الحاجة" (الدر المختار علی رد المحتار ۳/ ۸۴-۲۸۳، کتاب الزکاۃ، باب المصرف، ط: مکتبۃ زکریا)۔

(فقیر وہ ہے جس کے پاس نصاب سے کم مال ہو، یعنی نصاب سے کم ہو، یا نصاب کے بقدر ہو، لیکن غیر نامی ہو اور ضروریات کے بقدر ہو (یعنی بنیادی ضروریات سے زائد نہ ہو))۔

"و لا يحل أن يسأل شيئا من القوت من له قوت يومه بالفعل أو بالقوة كالصحيح المكتسب" (المصدر السابق)۔

(جس کے پاس ایک دن کھانے کے بقدر کھانا موجود ہو یا وہ تندرست ہو اور کمانے پر قادر ہو تو اس کے لیے بھیک مانگنا حلال نہیں ہے)۔

۴-مسکین: ایسا آدمی جس کے پاس بنیادی ضروریات کے سامان بھی میسر نہ ہوں، نہ بدن چھپانے کے لیے کپڑا میسر ہو، نہ ایک دن کے لیے بھی کھانے کا کوئی سامان اس کے پاس موجود ہو، کما بھی نہیں سکتا ہے، اس پر زکوۃ، صدقۂ فطر یا قربانی وغیرہ کے واجب ہونے کا تو کوئی سوال ہی نہیں ہے، بلکہ اس کے لیے زکوۃ لینا مباح ہے، ضرورت کے بقدر بھیک مانگنا بھی اس کے لیے جائز ہوگا۔

"و مسكين من لا شيء له، فيحتاج إلى المسألة لقوته و ما يواري بدنه و يحل له ذلك بخلاف الأول و يحل صرف الزكاة لمن لا تحل له المسألة بعد كونه فقيرا" (رد المحتار ۳/ ۲۸۴)۔

(مسکین وہ جس کے پاس کچھ نہ ہو وہ اپنی خوراک و پوشاک کے لیے بھیک مانگنے پر مجبور ہو سکتا ہے، اس کے لیے بھیک مانگنا جائز ہے، جب کہ فقیر کے لیے بھیک مانگنا جائز نہیں ہے اور زکوٰۃ تو اس شخص کو بھی دی جا سکتی ہے جس کے لیے بھیک مانگنا جائز نہیں ہے، بشرطیکہ فقیر ہو)۔

سامان تجارت میں زکوٰۃ واجب ہے، اگر وہ نصاب کے بقدر ہو، خواہ چاندی کے نصاب کے بقدر ہو یا سونا کے نصاب کے بقدر ہو، البتہ زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے پیمانہ سونے کا نصاب ہوگا یا چاندی کا؟ اس سلسلہ میں حنفیہ کے چار اقوال منقول ہیں:

امام محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ جو نقد شہر میں زیادہ رائج ہو اس سے قیمت لگائی جائے گی۔

امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ اگر درہم سے خریدا ہو تو درہم اور دینار سے خریدا ہو تو دینار سے قیمت لگائی جائے گی، اگر دونوں کے علاوہ کسی چیز سے خریدا ہو تو جو سکہ زیادہ رائج ہو اس سے قیمت لگائی جائے گی۔

آج کل نہ چاندی کا سکہ رائج ہے اور نہ سونے کا سکہ رائج ہے، اس لیے ان دونوں اقوال کے مطابق عمل کرنا ممکن نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہؒ سے ایک قول منقول ہے کہ مالک کو اختیار ہوگا، خواہ درہم کے ذریعہ قیمت لگائے، خواہ دینار کے ذریعہ۔

امام صاحبؒ سے دوسرا قول منقول ہے کہ ''انفع للفقراء'' کا لحاظ کیا جائے گا، یعنی اگر درہم کے ذریعہ قیمت لگانے پر بقدر نصاب ہو جاتا ہو اور دینار کے ذریعہ قیمت لگانے پر بقدر نصاب نہ ہوتا ہو تو درہم کے ذریعہ قیمت لگائی جائے گی، بلکہ علامہ ابن ہمامؒ نے ''انفع للفقراء'' پر جو گفتگو کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ تو متفق علیہ ہے۔

میں نے اوپر معاشی خوشحالی و تنگی کے اعتبار سے جو تقسیم کی ہے ان میں تیسری و چوتھی قسم کے لوگوں کو تو بہر حال زکوٰۃ لینا جائز ہوگا۔ اول قسم کے لوگوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ دوسری قسم

کے لوگوں پر بہر حال زکوۃ واجب نہ ہوگی۔اگر نصاب کی مقدار زیادہ ہوگی تو اول قسم کی لوگوں میں زکوۃ دینے والوں کی تعداد کم ہوجائے گی اور دوسرے قسم کے لوگوں میں زکوۃ کے مستحقین کثرت سے نکل آئیں گے۔

جب زکوۃ دینے والوں کی تعداد بہت کم ہوجائے گی اور زکوۃ لینے والے بہت آجائیں گے تو اس سے زکوۃ کا مقصد جو اس کمزور طبقہ کی اعانت ومدد کرنا ہے جو مالی اعتبار سے پسماندہ اور انتہائی ضرورت مند ہو پوری طرح حاصل نہ ہوسکے گا۔

یہ کہنا کہ پندرہ ہزار روپیوں کی رقم بہت معمولی سمجھی جاتی ہے، یہ ان لوگوں کے نزدیک تو صحیح ہوسکتا ہے جو لاکھوں میں کھیلتے ہیں، لیکن تیسری وچوتھی قسم کے لوگوں کے نزدیک تو پندرہ ہزار کیا پندرہ سو بھی بڑی رقم تصور کی جاتی ہے۔

اس لیے میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ زکوۃ کے وجوب کے لیے پیمانہ چاندی کا نصاب ہوگا، اگر کسی شخص کے پاس بنیادی ضروریات کے سارے سامان موجود ہوں اور سال بھر پوری فراوانی کے ساتھ خرچ کرنے کے بعد بھی اس کے پاس پندرہ ہزار روپے یا اس کے بقدر مال تجارت موجود ہو اس کے لیے تین سو پچھتر روپے نکال کر ضرورت مندوں میں تقسیم کرنا چنداں دشوار نہ ہوگا، اگر اس کو وہ عبادت سمجھے۔

اگر ڈاک کے ذریعہ روپے کسی دوسرے کے پاس بھیجے جاتے ہیں تو ایک سو روپے بھیجنے میں پانچ روپے ڈاک خرچ دینا پڑتا ہے، اس کو دشوار نہیں سمجھا جاتا تو زکوۃ میں ڈھائی فیصد ادا کرنا بھی دشوار نہ ہوگا۔

اسی طرح اگر کسی شخص کے پاس بنیادی ضروریات کے سارے سامان موجود ہوں، اسی کے ساتھ غیر نامی (سونا، چاندی، نقد روپیہ یا مال تجارت کے علاوہ) مال ضرورت سے زائد اس کے پاس اس قدر موجود ہو جس کی مجموعی قیمت پندرہ ہزار روپے کے برابر ہو تو اس کو اگر زکوۃ کی رقم نہیں دی جائے گی تو اس کو کوئی پریشانی نہیں ہوگی، بلکہ اس کے لیے صدقہ فطر ادا کرنا، قربانی

کرنا اور اپنے محرم رشتہ داروں کی اعانت کرنا آسان ہوگا۔

۲- اگر کچھ چاندی اور کچھ سونا ہو، دونوں کا مجموعہ نصاب کے برابر ہو جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس میں قیمت کا اعتبار ہوگا، جب کہ صاحبینؒ اس میں ضم الاجزاء کے قائل ہیں۔

حضرات فقہاء نے دونوں کے دلائل بھی ذکر کیے ہیں، میں ان دلائل پر بحث کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا ہوں، میرے نزدیک امام صاحبؒ کا قول ہی راجح ہونا چاہیے۔

اس لیے کہ زکوٰۃ ایک عبادت ہے اور احتیاط امام صاحب کا قول اختیار کرنے میں ہی ہے۔ نیز آج کل صاحبینؒ کے قول کو اختیار کرنے میں دشواری بھی ہے، کیونکہ اس صورت میں صاحبینؒ کے قول کے مطابق عمل کرنا ممکن ہوتا جبکہ اس کے پاس صرف سونا و چاندی ہوتے، روپیہ نہ ہوتا۔ آج کل شاید کوئی ایسا آدمی نہ ہوگا جس کے پاس چاندی، سونا ہو اور روپے نہ ہوں۔ ضم اجزاء کا تصور اس وقت ہوسکتا تھا جب کسی کے پاس صرف سونا و چاندی ہو، دوسرا مال نامی نہ ہو، اگر سونا و چاندی کے ساتھ مال تجارت ہو تو صاحبینؒ کے نزدیک بھی قیمت لگائی جائے گی، اس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہ ہوگا۔

اسی طرح آج کل نقد روپیہ بھی مال نامی ہے اور ظاہر ہے کہ وہ نہ سونا ہے اور نہ چاندی، اس لیے اس کو سونا یا چاندی کے ساتھ لاحق کرنے کے لیے قیمت کا اعتبار کرنا ہی ہوگا۔

الغرض آج کل صاحبینؒ کے قول پر عمل کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ نیز ضم اجزاء کی صورت اختیار کرنے میں مالکان اموال کی رعایت ہوگی، کیونکہ جس شخص پر صاحبین کے نزدیک تو زکوٰۃ واجب ہو، لیکن صاحبینؒ کے نزدیک واجب نہ ہو، جیسا کہ سوال میں مذکور ہے۔

اس لیے فقراء کی رعایت کرنا زیادہ بہتر ہے اور عبادت میں احتیاط کے پہلو کو اختیار کرنا زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس نقد روپے یا سامان تجارت ہوں تو زکوٰۃ کے وجوب

کے لیے معیار چاندی کا نصاب ہوگا اور اگر کسی کے پاس سونا و چاندی دونوں ہوں اور دونوں مل کر نصاب کے بقدر ہو جائیں تو زکوٰۃ واجب ہوگی، دونوں کو ضم کرنے میں قیمت کا اعتبار کیا جائے گا۔

☆☆☆

نقدین کی قیمت کا موجودہ فرق اور زکوۃ کا نصاب

مولانا قاضی محمد قاسم مظفر پوری ☆

زکوۃ اسلام کا ایک اہم فریضہ ہے، قرآن مجید میں (۳۲) سے زیادہ مقامات پر زکوۃ کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے، احادیث نبویہ میں بھی بہت تفصیل سے اس کے احکامات بیان کئے گئے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے زکوۃ کے نظام کو مستحکم کرنے اور امت کی سہولت کی خاطر وجوب زکاۃ کے لئے اموال زکوۃ میں ایک نصاب مقرر فرما دیا کہ اگر اموال زکوۃ اس مقررہ نصاب تک پہنچ جائیں تو ان میں شریعت کے اصول کے مطابق زکوۃ کا وجوب ہوگا۔

"إذا کانت لک مائتا درهم وحال علیها الحول ففیها خمسة دراهم ولیس علیک شيء یعني في الذهب، حتی یکون لک عشرون دینارا، فإذا کانت لک عشرون دینارا وحال علیها الحول ففیها نصف دینار" (رواہ ابوداؤد والبیہقی)۔

سامان تجارت اور نقد روپے پیسے کے لئے بھی معیار سونے اور چاندی کے نصاب کو ہی شریعت نے مقرر کیا ہے، کہ ان دونوں نصاب میں جس کے نصاب کو بھی اموال تجارت پہنچ جائیں زکوۃ واجب ہو جائے گی، خواہ وہ سونے کا نصاب ہو یا چاندی کا۔

موجودہ حالات میں جبکہ سونے اور چاندی کی قیمتوں میں ایک بڑا فرق ہو گیا ہے، تو کیا اس فرق کے مدنظر پیمانہ نصاب میں چاندی سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف سونے کو نصاب

☆ ناظم مدرسہ طیبہ منت نگر مادھوپور، مظفر پور، بہار۔

مقرر کیا جاسکتا ہے؟ اس سلسلہ میں احادیث نبویہ کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ پیمانہ نصاب میں چاندی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، علامہ ابن رشد مالکی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ:

"وسبب اختلافهم في نصاب الذهب أنه لم يثبت في ذلك شئ عن النبي ﷺ كما ثبت ذلك في نصاب الفضة" (بدایۃ المجتہد ۱/ ۲۵۵)۔

اس لئے وجوب زکوۃ کے لئے چاندی کے مقررہ نصاب سے صرف نظر کرنا اور اس سلسلہ میں صرف سونے کو پیمانہ مقرر کرنا مناسب نہیں، نیز سونے کے نصاب کو بنیاد بنانے سے جو حضرات چاندی کے نصاب کے مالک ہیں ان سے زکوۃ کی ادائیگی کے بوجھ کو تو ہلکا کیا جاسکتا ہے، مگر اس میں جہاں ایک طرف نص صریح کی خلاف ورزی کرتے ہوئے چاندی کے مخصوص نصاب کو کالعدم قرار دینا لازم آئے گا، وہیں فقراء و مساکین کے حقوق بھی متاثر ہورہے ہیں۔

عصر حاضر کے مشہور فقیہ شیخ وہبہ زحیلی دمشقی کی بھی یہی رائے ہے، کہ موجودہ زمانہ میں سونے اور چاندی کی قیمتوں کے درمیان پائے جانے والے فرق کی وجہ سے پیمانہ نصاب میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی، بلکہ شریعت نے جو دو نصاب مقرر کئے ہیں، ان ہی کے مطابق عمل کیا جائے گا، آپ لکھتے ہیں:

"ويجب أيضا اعتبار النصاب الحالي كما كان هو المقرر في أصل الشرع، دون النظر إلى تفاوت السعر القائم بين الذهب والفضة" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۴/ ۶۷۰)۔

مذکورہ تفصیلات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے:

۱- جس شخص کے پاس سامان تجارت یا نقد روپے اس مقدار میں ہوں کہ وہ سونے یا چاندی کے مقررہ نصاب تک پہنچ جاتے ہوں تو ان میں زکوۃ واجب ہوگی، وجوب زکوۃ کے لئے سونے اور چاندی میں سے دونوں کے نصاب تک پہنچنا ضروری نہیں اور نہ یہ لازم ہے کہ سونے

کے نصاب تک پہنچنے کے بعد ہی زکوۃ واجب ہوگی، بلکہ صرف چاندی کے نصاب تک بھی کسی کے پاس سامان تجارت یا نقد روپے ہوں تو بھی ان پر اس مال کی زکوۃ واجب ہوگی۔

۲-ایسا شخص جسے چاندی کے نصاب کی ملکیت حاصل ہے، گو وہ سونے کے نصاب کا مالک نہیں، مستحق زکوۃ نہیں ہوسکتا قرآن حکیم میں زکوۃ کے مصارف میں فقراء ومساکین کو اولیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اور فقراء ومساکین کی جو تعریف فقہاء نے کی ہے، اس کی روشنی میں چاندی کا نصاب رکھنے والا شخص فقیر یا مسکین نہیں کہلا سکتا (تفصیل کے لئے دیکھئے: قواعد الفقہ /۴۱۵)۔

کتب حدیث میں غنی اور فقیر کے بارے میں جو مختلف تعبیرات آپ علیہ السلام نے استعمال فرمائی ہیں ان کی روشنی میں بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ چاندی کا نصاب رکھنے والے اغنیاء میں ہیں، ان کے لئے زکوۃ لینا حرام ہے، نیز چونکہ چاندی کا نصاب غناء کا ایک ادنی معیار ہے اور سونے کا نصاب اعلی معیار اس لئے بھی ایسے شخص کو فقیر یا مسکین نہیں کہا جاسکتا۔

۳-سوالنامہ کا دوسرا جز ضم نصاب سے متعلق ہے کہ اگر کسی کے پاس نصاب سے کم تھوڑی مقدار میں چاندی ہو اور اسی طرح سونا، انفرادا ان میں سے کوئی بیانہ نصاب تک نہ پہنچ پاتا ہو، تو ایسی صورت میں شافعیہ کے علاوہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سونے اور چاندی کو ایک ساتھ ضم کرکے دیکھا جائے گا کہ اگر وہ ان میں سے کسی ایک بھی نصاب تک پہنچ جائیں تو زکوۃ واجب ہوگی۔

اب ضم نصاب کا کیا طریقہ اختیار کیا جائے اس سلسلہ میں خود ائمہ حنفیہ میں اختلاف پایا جاتا ہے، امام ابوحنیفہ ضم بالقیمہ کے قائل ہیں جبکہ صاحبین ضم بالاجزاء کے، فقہ حنفی کے ایک معروف فقیہ علامہ محمود البخاری، صاحب محیط برہانی (متوفی: ۶۱۶ھ) نے امام ابو یوسفؒ کا اپنے ضم بالاجزاء والے قول سے ضم بالقیمہ والے قول کی طرف رجوع کرجانے کا تذکرہ کیا ہے، آپ لکھتے ہیں:

"وأشار العلى في نوادره إلى أن أبا يوسف رجع عن هذا القول، وقال:

يضم باعتبار القيمة" (المحيط البرہانی ۲/ ۳۸۴)۔

علماء حنفیہ کا اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کے قول پر ہی تعامل رہا ہے، اور اگر صاحب "محیط برہانی" کے ذکر کردہ روایت پر اعتبار کیا جائے تو یہی رائے امام ابو یوسفؒ کی بھی قرار دی جاسکتی ہے، نیز یہ ایک حقیقت بھی ہے کہ ضم بالقیمہ کا اصول ادائیگی زکوۃ کے لئے ضم بالأجزاء کے مقابلہ میں کئی گنا آسان اور سہل ہے۔

باب زکوۃ میں احتیاط اور "أنفع للفقراء" کا بھی تقاضا یہی ہے کہ ضم بالقیمہ کا اعتبار کیا جانا چاہئے، مشہور حنفی فقیہ علامہ کاسانی اسی قول کو راجح قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"**ولأن في التكميل باعتبار التقويم ضرب احتياط في باب العبادة ونظر للفقراء فكان أولى كما هو أصله**" (بدائع الصنائع ۲/ ۱۸)۔

☆☆☆

سونے اور چاندی کا نصاب موجودہ تناظر میں

مفتی اسماعیل بن ابراہیم بھڈکودروی ☆

مذہب اسلام میں مسلمان کے لئے اپنی حاجات اصلیہ سے زائد مال کثیر جمع کرنا اور اس کو ذخیرہ کرکے رکھنا یہ پسندیدہ اور مطلوب نہیں ہے، بلکہ مال کی کثرت مالی عبادتوں اور حقوق مالیہ میں خرچ کرنے کے لئے مطلوب ہے، حاجات سے زائد کثرت مال اور تمول شریعت میں پسندیدہ نہیں ہے اور آخذین صدقہ کی بہ نسبت معطیین صدقہ کی کثرت کا مطلوب ہونا نصوص کثیرہ سے ثابت ہے، لہذا مستحقین صدقہ کے لئے صدقہ دینے کی رغبت و فضیلت روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

حضرت رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ جمع شدہ مال خرچ کرنے اور ذخیرہ نہ رکھنے کے سلسلے میں احادیث صحیحہ کتب حدیث میں موجود ہیں:

"ما من يوم يصبح العباد فيه إلا وملكان ينزلان فيقول أحدهما: اللهم أعط منفقا خلفا، ويقول الآخر: اللهم اعط ممسكا تلفا" (متفق علیہ)۔

(ہر روز طلوع صبح کے ساتھ ہی دو فرشتے نازل ہوتے ہیں، ان میں سے ایک یوں دعا کرتا ہے کہ: "اے اللہ! خرچ کرنے والے کو تو مزید مال عطا فرمایا" اور دوسرا اس طرح دعا کرتا ہے کہ: "اے اللہ! روک کر رکھنے والے کے مال کو تو برباد کردے)۔

یعنی کار خیر میں خرچ کرنے والے انسان کے رزق میں خیر و برکت اور وسعت و

☆ دار العلوم عربیہ اسلامیہ، بھروچ کنتھاریہ، گجرات۔

کشادگی کے لئے فرشتے بھی اللہ سے دعا کرتے ہیں، جبکہ اس کے برعکس جو کوئی کارِ خیر میں خرچ کرنے سے گریزاں رہتا ہے، محتاجوں کی مدد و اعانت، انسانی ہمدردی کے تقاضوں کی پاسداری اور ضمیر کی پکار پر لبیک کہنے کی بجائے بے حسی کا مظاہرہ کرتا ہے اور خود غرضی و زر پرستی جیسے مذموم و ناپسندیدہ ترین خصلتوں کو اپنائے رکھتا ہے فرشتے اس کے مال کی بربادی کی بددعا کرتے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ "انفاق فی سبیل اللہ" کے لئے ضروری نہیں کہ کوئی بہت بڑی اور خطیر رقم ہی خرچ کی جائے، یا یہ کہ ہر کوئی یہی سوچتا رہے کہ یہ کام تو بس صاحب حیثیت افراد ہی انجام دیا کریں، ہمیں کیا لینا دینا......! یہ سوچ انتہائی غلط ہے، کیونکہ پہلی بات تو یہ کہ امیر ہو یا غریب، جو کوئی کارِ خیر کا اہتمام کرتا ہے اس میں اس کا اپنا ہی فائدہ ہے اور یہ چیز خود اسی کے لئے دنیا و آخرت میں خیر و خوبی کا باعث بنے گی، لہٰذا اپنے لئے خیر و خوبی کو سمیٹنے کا شوق تو یقیناً ہر ایک کو ہونا چاہئے اور اس بارے میں ہر ایک کو فکر کرنی چاہئے، خواہ وہ امیر ہو یا غریب۔

"باب:إفشاء السلام من الإسلام وقال عمار: ثلاث من جمعهن فقد جمع الإيمان الإنصاف من نفسک وبذل السلام للعالم والإنفاق من الاقتار" (صحیح البخاری ۱/۹)۔

"باب: اتقوا النار ولو بشق تمرة، والقليل من الصدقة ومثل الذين ينفقون إلى قوله من كل الثمرات حدثنا أبو قدامة......عن أبي مسعود قال: لما نزلت أية الصدقة كنا نحامل فجاء رجل فتصدق بشئ كثير فقالوا: مرای؛ وجاء رجل فتصدق بصاع، فقالوا: إن الله لغني عن صاع هذا فنزلت ﴿والذين يلمزون المطوعين من المؤمنين في الصدقات والذين لا يجدون إلا جهدهم ......الآية﴾" (صحیح البخاری ۱/ ۱۹۰)۔

"باب:الصدقة على اليتامى حدثنا معاذ بن فضالة......أنه سمع أبا سعيد الخدري يحدث أن النبي ﷺ جلس ذات يوم على المنبر وجلسنا حوله فقال:

إن مما أخاف عليكم من بعدى ما يفتح عليكم من زهرة الدنيا وزينتها، فقال رجل: يا رسول الله أو يأتي الخير بالشر،فسكت النبي ﷺ، فقيل له: ماشانک تكلم النبي ولا يكلمک فرئينا أنه ينزل عليه، قال: فمسح عنه الرحضاء وقال: أين السائل وكأنه حمده، فقال: إنه لا يأتي الخير بالشر، وان مما ينبت الربيع يقتل أو يلم إلا أكلة الخضر أكلت حتى إذا امتدت حاضر تاها استقبلت عين الشمس فثلطت وبالت ورتعت، وإن هذا المال خضرة حلوة فنعم صاحب المسلم ما اعطى منه المسكين واليتيم وابن السبيل أو كما قال النبي ﷺ: وانه من يأخذه بغير حقه كالذى يأكل ولا يشبع ويكون شهيدا عليه يوم القيامة" (صحیح البخاری ۱/ ۱۹۷-۱۹۸)۔

"باب الصدقة في ما استطاع: حدثنا أبو عاصم عن ابن جريج......عن اسماء بنت أبي بكر أنها جاء ت النبي ﷺ، فقال: لاتوعي فيوعي الله عليک ارضخي ما استطعت" (صحیح البخاری ۱/ ۱۹۳)۔

"حدثنا: احمد بن شبيب بن سعيد......قال أبوهريرة: قال رسول الله ﷺ: لو كان لي مثل أحد ذهبا ما يسرني أن لايمر على ثلاث وعندى منه شيء إلا شيء ارصده لدين" (صحیح البخاری ۱/ ۳۲۱)۔

"حدثنا: يحيى بن بكيرؒ......عن عبد الله بن عباسؓ......فجلست حين رأيته تبسم ثم رفعت بصرى في بيته فوالله ما رأيت فيه شيئا يرد البصر غير أهبة ثلاثة فقلت ادع الله فليوسع على امتک فان فارس والروم وسع عليهم واعطوا الدنيا وهم لا يعبدون الله وكان متكأ فقال: أو في شک انت يا ابن الخطاب أولائک قوم عجلت لهم طيباتهم في الحيوة الدنيا فقلت: يا رسول الله ﷺ استغفرلي" (صحیح البخاری ۱/ ۳۳۵)۔

"باب لا صدقة إلاعن ظهر غني:عن حكيم بن حزام عن النبي ﷺ قال: اليد العليا خير من اليد السفلى، وابدأ بمن تعول، و خير الصدقة ما كان عن ظهر غني ومن يستعفف يعفه الله ومن يستغن يغنه الله" (صحیح البخاری ۱/۱۹۲)۔

جب تک ایک مسلمان اس درجہ خوش حال ہے کہ اس کی حاجات اصلیہ کے پورا ہونے کا انتظام ہے اور حاجت سے زائد چاندی کے نصاب کی مقدار کی مالیت کا مالک ہے تو اب صدقات کے ذریعہ اس سے زائد مال جمع کرنے کی گنجائش پیدا کرنا آخر کس غرض کے لئے ہے؟ یہ ایک قابل غور سوال ہے۔

اصول افتاء کے اعتبار سے عبادات کے باب میں امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہوتا ہے، اور سونا، چاندی کی مالیت کے تناسب میں تغیر کی موجودہ حالت میں بھی کوئی ضرورت ایسی معلوم نہیں ہوتی کہ امام صاحبؒ کے قول راجح کو ترک کر کے صاحبین کے قول پر فتوی دیا جائے۔

کسی کی ملکیت میں صرف سات تولہ سونا ہونے کی وجہ سے زکوۃ کا واجب نہ ہونا یہ صرف ایک امکانی صورت ہے، نفس الامر اور واقع میں ایسی صورت کا تحقق ہونا یہ مشکل یا نادر الوجود ہی ہوگا، کیونکہ اگر اس بات کو ملحوظ رکھیں کہ نصاب تام کا پورے سال باقی رہنا شرط نہیں، بلکہ اسلامی سال کے طرفین (ابتداء وانتہاء) میں نصاب تام کی ملکیت شرط ہے اور سات تولہ سونے کے ساتھ ایک نقد روپیہ ہونے سے بھی چاندی کے نصاب کا اعتبار کیا جائے گا اس دو باتوں کو ملحوظ رکھنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ سات تولہ سونے کا مالک نفس الامر اور واقع میں فرضیت زکوۃ سے محروم نہیں ہوسکتا۔

☆☆☆

سونے چاندی کی زکوۃ میں فقراء ومساکین کی رعایت

مفتی محمد حنیف حسین ☆

زکوۃ کے سلسلہ میں چند باتیں ایسی ہیں جن کا سمجھ لینا ضروری ہے، اسلام کی بنیاد جن پانچ چیزوں پر ہے ان میں سے ایک اہم رکن زکوۃ ہے، اسلام نے زکوۃ کا نظام ان لوگوں کے لئے قائم کیا ہے جو اس دنیا میں اپاہج، کمزور، بے سہارا اور مالی وسائل سے بڑی حد تک محروم ہیں، اسلام کا نظام معیشت جبر واستداد اور ظلم و جور سے پاک ہے، یہ ضرور ہے کہ اسلام پہلے انسانی دلوں پر احکم الحاکمین کا دبدبہ قائم کرتا ہے اور اس کے احسانات یاد دلاتا ہے، پھر مرنے کے بعد کی زندگی اور حساب و کتاب کا عقیدہ ذہن نشین کراتا ہے، اس کے بعد وہ بتاتا ہے کہ دنیاوی زندگی میں محتاجوں، مسکینوں، یتیموں، بیواؤں اور جو کمانے سے مجبور ہیں ان کی مدد کرنے کا کتنا بڑا اجر ہے، اور اس سلسلے میں ترغیب اور ترہیب کا پہلو اختیار کرتا ہے، تا کہ آدمی جو کچھ کرے، خوش دلی سے کرے، اور یہ یقین کر کے کرے کہ آخرت میں بدلہ ملے گا، چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"في أموالهم حق للسائل والمحروم" (سورۂ ذاریات:۱۹)۔

"والذين في أموالهم حق معلوم للسائل والمحروم" (سورۂ معارج:۲۵)۔

اسلام یہ بھی انسانی ذہنوں میں راسخ کراتا ہے کہ جو مال و دولت ہے، سب اللہ رب العالمین کا عطیہ ہے، چنانچہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

"انفقوا مما رزقناكم من قبل أن يأتي أحدكم الموت" (سورۂ منافقون:۱۰)۔

☆ نائب مفتی جامعہ کاشف العلوم، سیڈوکر، جوناگڑھ گجرات۔

پھر اسلام یہ بھی بتاتا ہے کہ اپنا سارا مال خرچ نہ کرو، کیونکہ اگر پورا خرچ کرو گے تو خود ہی فقیر بن جاؤ گے، اور مانگتے پھرو گے اور اسلام یہ بھی بتاتا ہے کہ کن لوگوں پر خرچ کرے اور اس میں کس کو مقدم کرے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"یسئلونک ماذا ینفقون قل ما أنفقتم من خیر فللوالدین والأقربین والیتامی والمساکین وابن السبیل" (سورۂ بقرہ)۔

نیز فرمایا: "إنما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیها —الخ" (سورۂ توبہ: ۶۰)۔

نیز نبی علیہ السلام نے حضرت معاذؓ کو مخاطب کر کے فرمایا، جس وقت آپ ﷺ ان کو یمن کی طرف روانہ فرمارہے تھے: "فأعلمهم أن الله قد فرض علیهم صدقة یؤخذ من أغنیائهم وترد علی فقرائهم" (مشکوۃ کتاب الزکوۃ)۔

یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ زکوۃ کے سلسلہ میں یہ شرط لگاتے ہیں کہ رقم اس کے مستحقین کو دے کر مالک بنادیا جائے، جو محتاج ہوں، مالدار اور سرمایہ دار نہ ہوں۔

"یشترط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحة" نیز ارشاد نبوی ﷺ ہے: "زکوة الفطر طهر الصیام من اللغو والرفث وطعمة للمساکین" (مشکوۃ باب صدقۃ الفطر)۔

جن اموال میں زکوۃ واجب ہے، ان میں سے ایک سونا چاندی بھی ہے، بلکہ نصاب کا مدار ہی سونے چاندی پر رکھا گیا ہے، اب اگر کسی کے پاس سونا ہے تو اس میں زکوۃ اس وقت واجب ہوگی جبکہ وہ بیس مثقال ہوجائے اور ادائیگی اس وقت واجب ہوگی جب حولان حول ہوجائے، پس حولان حول کے بعد نصف مثقال ادا کرنا ہوگا اور اگر بیس مثقال سے کم ہے تو اس میں زکوۃ واجب نہ ہوگی۔

"لیس فی مادون عشرین مثقالا من ذهب صدقة فإذا كانت عشرین مثقالا ففیها نصف مثقال" (ہدایہ ۱/ ۱۹۵، باب زکوۃ الاموال)۔

اور اگر صرف چاندی ہے تو اس کا نصاب دو سو درہم ہے، اس سے کم میں زکوۃ نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پانچ اوقیہ سے کم میں زکوۃ نہیں، اور ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے، لہذا دوسو درہم چاندی کا نصاب ٹھہرا (ہدایہ ۱/ ۱۹۴ مشکوۃ کتاب الزکوۃ)۔

اور اس زمانہ میں جب کہ تولہ رائج ہے اور سونے چاندی کی تولہ ہی سے خرید وفروخت ہوتی ہے تو تولہ کے حساب سے چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولہ ہے اور سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ ہے (رسالہ اوزان شرعیہ تالیف مفتی شفیع صاحب عثمانی)۔

رہی بات اموال تجارت کی تو اس میں اس وقت زکوۃ واجب ہوگی، جبکہ اس کی قیمت دوسو درہم چاندی کے برابر ہوجائے، یا بیس مثقال سونے کے برابر ہوجائے اس سے کم میں زکوۃ واجب نہ ہوگی، یہی عام علماء کا قول ہے۔

"**أما أموال التجارة، فتقدير النصاب فيها بقيمتها من الدنانير والدراهيم فيها مالم تبلغ قيمتها مائتي درهم أو عشرين مثقالا من ذهب، فتجب فيها الزكوة، وهذا قول عامة العلماء**" (بدائع الصنائع ۲/ ۲۰، مکتبہ رشیدیہ پاکستان)۔

"**الزكوة واجبة في عروض التجارة كائنة ماكانت إذا بلغت قيمتها نصابا من الورق أو الذهب**" (ہدایہ ۱/ ۱۹۵ فصل فی العروض)۔

پھر اموال تجارت کی قیمت لگانے میں اس بات کا لحاظ کیا جانا چاہئے کہ جن سے اموال تجارت نصاب کو جلدی پہنچ جائے اسی سے قیمت لگائی جانی چاہئے، چنانچہ اگر سونے سے لگائیں تو بھی اموال تجارت نصاب کو پہنچ جاتا ہو اور اگر چاندی سے لگائیں تو بھی پہنچ جاتا ہو، تو مزکی کو اختیار ہے جس سے چاہے قیمت لگا کر زکوۃ ادا کرے، اور اگر نصاب کو سونے سے قیمت لگانے میں نہ پہنچتا ہو، لیکن چاندی سے قیمت لگانے میں نصاب کو پہنچ جائے تو پھر چاندی سے ہی قیمت لگائی جائے گی، کیونکہ قیمت لگانے میں "أنفع للمساكين" کا اعتبار ہے۔

"**يقومها بما هو أنفع للمساكين احتياطا لحق الفقراء إلى آخره**

وتفسیر الأنفع أن یقومها بما یبلغ نصابا" (ہدایہ ۱/۱۹۶)۔

مذکورہ بالا اصولی تفصیلات کے بعد سوالات کے جوابات عرض کئے جاتے ہیں:

۱- اگر کسی کے پاس نقد روپئے یا سامان تجارت ہو تو زکوۃ واجب ہونے کے لئے چاندی کے نصاب کو معیار بنایا جائے گا، کیونکہ فقہ میں جہاں کہیں ضم نصاب کا تذکرہ ہے وہاں نفع مساکین کا لحاظ ضرور کیا گیا ہے، لہذا یہاں بھی اسی کو معیار بنانا چاہئے۔

"قال أبوحنیفة إذا وجب علیه الزکوة فی أحد الوجهین ولم تجب فی الوجه الآخر کان علیه الزکوة" (قاضی خاں ۱/ ۱۲۱ حافظ کتب خانہ کوئٹہ)۔

"ذکر القدوری فی شرحه مختصر الکرخی أنه یقوم بأدنی القیمتین من الدراهم والدنانیر حتی أنها إذا بلغت بالتقویم بالدراهم نصابا ولم تبلغ بالدنانیر قومت بما تبلغ به النصاب، وکذا روی عن أبی حنیفة فی الأمالی أنه یقومها بأنفع النقدین للفقراء" (بدائع ۲/ ۲۱ مکتبہ رشیدیہ پاکستان، ومثلہ فی الجوہرۃ النیرۃ ۱/ ۱۵۰)۔

اور ایسے شخص پر جو اس طرح اتنے روپئے پیسے یا سامان تجارت کا مالک ہو کہ چاندی کے نصاب کے بقدر اس کی قیمت پہنچتی ہے تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی اور ایسے شخص کو زکوۃ دینا جائز نہ ہوگا اور نہ ہی اس کے لئے لینا جائز ہوگا۔

۲- بہتر یہ ہے کہ امام صاحب کے قول پر ہی فتوی دیا جائے، انفع للمساکین کا اعتبار کرتے ہوئے اور یہ بات کہ صرف سات تولہ سونا ہو تو ممکن ہے اس میں امام صاحب کے اعتبار سے زکوۃ واجب نہ ہو، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، بلکہ یہ تو مسلم ہے کہ جب صرف سونا ہی سونا ہو تو جب تک پورا نصاب نہیں ہوتا تب تک زکوۃ واجب نہ ہوگی، جہاں ایک ہی جنس کے کئی نوع کے اموال پائے جائیں گے تو وہاں ضم نصاب ہوگا، اور جہاں ایک ہی جنس کے ایک نوع کے اموال پائے جائیں تو نصاب کا کامل ہونا ضروری ہے، زکوۃ کے وجوب کے لئے جب تک نصاب مکمل نہیں ہو جاتا زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

زکوۃ میں انفع للفقراء کی رعایت کا حکم

مفتی حبیب اللہ قاسمی ☆

اس میں شک نہیں کہ غناء اور فقر کی بنیاد وہ نظام معیشت ہے جس کا قاسم خود ذات باری ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿نحن قسمنا بينهم معيشتهم في الحياة الدنيا﴾

کسی کو غنی کسی کو فقیر یعنی کسی صاحب ید علیا اور کسی کو صاحب ید سفلی بنانا اسی کا کام ہے، جس ذات نے اس فرق کے ساتھ انسانوں میں فرق مراتب رکھا ہے، اسی نے ایک دوسرے کے حقوق اور آداب کی وضاحت بھی بزبان رسالت کروائی ہے۔

لہذا غنی یہ نہ سمجھے کہ جو کچھ اس کے پاس ہے وہ صرف اسی کا ہے، بلکہ اس کے مال میں اپنوں کے ساتھ پرایوں کے بھی بہت سارے حقوق ہیں، جن کی تفصیلات سے قرآن اور احادیث لبریز ہیں۔ ﴿تؤخذ من أغنيائهم و ترد على فقرائهم﴾ اس کا ایک حصہ ہے۔

حضرات فقہاء میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کی نگاہ دوررس جس نتیجہ تک پہنچی اور انہوں نے اس کے نتیجہ میں جو بنیادی اصول پیش نظر رکھا، یقیناً وہ ہر دور کے فقراء اور محتاجین ومساکین کے لیے مرہونِ منت ہے اور رہر زمانے کے لیے لائق عمل ہے۔

لہذا اس کے پیش نظر سونے کا نصاب ہو یا چاندی یا اس کے علاوہ دوسرے اموال کا اس میں وجوب زکوۃ کے لیے ''انفع للفقراء'' والے اصول کو ملحوظ رکھنا ہی احوط معلوم ہوتا ہے۔

☆ مہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور، اعظم گڑھ۔

۱- اگر کسی شخص کے پاس نقد روپے یا سامان تجارت ہو تو زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے پیمانہ چاندی کا نصاب ہوگا، یعنی اگر کسی شخص کے پاس مثلاً اتنی نقد رقم ہو جس سے نصاب کے بقدر چاندی تو خریدی جاسکتی ہے، لیکن بقدر نصاب سونا نہیں خریدا جاسکتا تو ایسے شخص پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

اسی طرح اگر کسی شخص کے پاس نقد رقم مال تجارت یا اموال زکوٰۃ کے علاوہ کوئی مال چاندی کے نصب کی قیمت کا موجود ہو، مگر وہ سونے کے نصاب کی قیمت کو نہیں پہنچتا ہو تو اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز نہ ہوگا۔

"و إذا كان تقدير النصاب من أموال التجارة بقيمتها من الذهب و الفضة و هو أن تبلغ قيمتها مقدار نصاب من الذهب و الفضة، فلا بد من التقويم حتى يعرف مقدار النصاب ثم بما ذا تقوم، ذكر القدوري أنه يقوم بأوفى القيمتين من الدراهم و الدنانير حتى إنها إذا بلغت بالتقويم بالدراهم نصابا و لم تبلغ بالدنانير قومت بما تبلغ به النصاب، كذا روي عن أبي حنيفة في الأموال أنه يقومها بأنفع النقدين للفقراء" (بدائع ۲/ ۱۱۰)۔

۲- ضم نصاب میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قیمت کا اعتبار ہے اور صاحبینؒ ضم اجزاء کے قائل ہیں، ایسی صورت میں ہر وہ شکل جو فقراء کے حق میں نافع ہو اس کو اختیار کیا جائے، بظاہر قیمت کا اعتبار ایک ایسا پہلو ہے جو فقراء کی نافعیت سے خالی نہیں، تاہم لحاظ اسی کا کیا جائے جو فقراء کے حق میں بہتر ہو۔

☆☆☆

مالداری کا معیار اور وجوب زکوۃ

مفتی انور علی اعظمی ☆

۱- زکوۃ کے باب میں سونے اور چاندی دونوں کا نصاب منصوص ہے، سونے کا نصاب ۲۰/مثقال اور چاندی کا نصاب ۵/اوقیہ ہے، یعنی دو سو درہم۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس نقد روپے یا سامان تجارت ہو تو وجوب زکوۃ کے لیے پیمانہ کس کو بنایا جائے، سونے کے نصاب کو یا چاندی کے نصاب کو؟ دونوں کے نصاب میں وزن کے اعتبار سے سات گنے کا فرق ہے اور اللہ کے رسولؐ کے زمانے میں ہوسکتا ہے کہ دونوں کی قیمتوں میں یہی تناسب رہا ہو، لیکن آج دونوں کی قیمتوں میں تناسب بدل چکا ہے، ساڑھے سات تولہ سونے کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی سے کئی گنا زیادہ ہے۔ اس لیے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نقد روپئے یا سامان تجارت میں وجوب زکوۃ کے لیے پیمانہ سونے کا نصاب ہو یا چاندی کا؟ اس سلسلے میں ہماری رائے یہی ہے کہ جو چیز منصوص ہے، اس میں اجتہاد کی گنجائش نہیں، شریعت نے دو سو درہم کے مالک کو غنی تسلیم کیا ہے اور دو سو درہم کو غنا کا معیار اور پیمانہ بنایا ہے تو آج اگر کسی آدمی کے پاس نقد روپئے یا سامان تجارت اتنی مقدار میں موجود ہو جس سے وہ ساڑھے باون تولہ چاندی خرید سکتا ہو تو ایسے آدمی پر حولان حول کے بعد زکوۃ دینا واجب ہوگا، اور اس کے لیے زکوۃ لینا ناجائز ہوگا، بشرطیکہ یہ مقدار حوائج اصلیہ کے علاوہ ہو۔

سوال کی تمہید میں ایک بات مذکور ہے کہ چاندی کے نصاب کے اعتبار سے اگر کوئی

☆ مفتی دار العلوم مئو۔

شخص بنیادی ضروریات کے علاوہ پندرہ ہزار (15000) روپئے کی کسی چیز کا مالک ہو تو اسے زکوۃ نہیں دی جا سکتی، حالانکہ آج کے ماحول میں یہ بہت ہی معمولی رقم متصور ہوتی ہے تو اس سلسلے میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ جب وہ شخص بنیادی ضروریات کے علاوہ پندرہ ہزار روپئے یا اتنے ہی قیمت کے سامان کا مالک ہے اور اسے زکوۃ نہیں دی جا سکتی تو اسے کون سی پریشانی لاحق ہے؟ شریعت کا مزاج تو یہ بتاتا ہے کہ لوگوں کو زکوۃ دینے والا بنایا جائے، نہ کہ لینے والا۔ اللہ کے رسول ﷺ کا صحیح حدیث میں ارشاد موجود ہے:

"الید العلیا المنفعة خیر من الید السفلی السائلة" (مسلم ۱/ ۳۳۲)۔

نصوص کے مجموعے سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ شریعت نے لوگوں کو دینے پر ابھارا ہے اور بلاضرورت ہاتھ پھیلانے پر روک لگائی ہے اور چاندی کے نصاب کو ترجیح دینے کی ایک بنیادی وجہ وہی ہے جو فقہ کی کتابوں میں عام طور سے منقول ہے کہ دونوں نصاب کے ناقص ہونے کی صورت میں "انفع للفقراء" کا اعتبار ہے۔ لہٰذا روپیہ اور سامان تجارت جو نہ سونا ہے اور نہ چاندی، اس میں بھی اب تک ہمارے برصغیر کے علماء چاندی ہی کو بنیاد مانتے ہیں، اس لیے ہم لوگ بھی اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ شیخ وہبہ زحیلی نے اگرچہ سونے کے نصاب کو پسند کیا ہے، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے:

"و یری کثیر من علماء العصر أن النقود تقدر بسعر الفضة احتیاطا لمصلحة الفقراء، و لأن ذلک أنفع لهم" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۲/ ۷۶۱)۔

۲- حنفیہ کے نزدیک اگر کسی کے پاس کچھ مقدار سونے اور کچھ مقدار چاندی کی ہو اور دونوں کا مجموعہ نصاب کے بقدر ہو جاتا ہو تو زکوۃ واجب ہو جاتی ہے، البتہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس میں قیمت کا اعتبار ہے، جبکہ صاحبینؒ ضم الاجزاء کے قائل ہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ اس مسئلہ میں کیا صاحبینؒ کے قول کو اختیار کیا جا سکتا ہے؟

سوال میں دونوں مسلکوں کی وضاحت میں یہ مثال مذکور ہے کہ موجودہ حالات میں

امام صاحبؒ کے قول پر ممکن ہے کہ ایک تولہ سونا اور ایک تولہ چاندی میں زکوٰۃ واجب ہو جائے اور ساتولہ صرف سونا میں زکوٰۃ واجب نہ ہو۔

مذکورہ مسئلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، امام شافعیؒ سونے اور چاندی کا نصاب ناقص ہونے کی صورت میں ضم نصاب کے قائل نہیں، البتہ جمہور فقہاء فقدین میں سے ایک کو دوسرے کے ساتھ نصاب کی تکمیل کے لیے ملانے کے قائل ہیں (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/ ۷۶۰)۔

فقہاء حنفیہ کے مابین اس مسئلے میں دو نقطۂ نظر ہیں: امام ابوحنیفہؒ کے یہاں قیمت کے اعتبار سے ملانا معتبر ہے، جبکہ صاحبینؒ کے یہاں ضم اجزاء کا اعتبار ہے، موجودہ ماحول میں سونے کی قیمت بڑھ جانے کی وجہ سے ایک تولہ سونا، دو چار تولہ چاندی کے ساتھ چاندی کے نصاب کو پہنچ جاتا ہے، جبکہ ضم اجزاء کی صورت میں نصاب کا کمال دیکھا جائے گا، مثلاً اگر چاندی کا نصاب تین چوتھائی ہے تو سونے کا نصاب ایک چوتھائی کی مقدار میں ہونا چاہیے۔ فقراء کی انفعیت کے اعتبار سے امام ابوحنیفہؒ کا قول زیادہ وزنی معلوم ہوتا ہے، لیکن بعض دوسرے اعتبار سے صاحبینؒ کا قول بھی ارفق بالناس محسوس ہوتا ہے، مثلاً جس عورت کے پاس ایک تولہ سونا اور چند تولے چاندی ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق وہ صاحب نصاب ہو جائے گی، اس کو زکوٰۃ ادا کرنا ہوگا اور حنفیہ کے مذہب کے اعتبار سے قربانی کرنا بھی اس پر واجب ہوگا، جبکہ اس صورت حال میں قربانی اور زکوٰۃ دونوں کام اس کے لیے ایک طرح کا بوجھ محسوس ہوتے ہیں، ایسی صورت حال میں صاحبینؒ کا قول اس کے لیے راحت کا سبب بن سکتا ہے، اگر یہ عورت اپنے چاندی کے زیورات فروخت کر کے صرف سونے کا زیور رکھے تو یہ زیادہ بہتر شکل ہے اور اس میں کوئی تردد نہیں۔

مذکورہ مسئلے میں ''ہدایہ''، ''طحاوی'' اور فقہ کی اکثر کتابوں میں یہ بھی ملتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ سے بھی ضم اجزاء کی ایک روایت منقول ہے (البحر الرائق ۲/ ۲۳۰)۔

اس لیے لوگوں کی پریشانی دور کرنے اور دفع حرج کے لیے صاحبینؒ کے قول کو اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔

فقراء ومساکین کی رعایت اور سونے چاندی کا نصاب

مولانا ابوسفیان مفتاحی ☆

۱-   موجودہ حالات میں اگر کسی کے پاس نقد روپے یا سامانِ تجارت ہو تو زکوٰۃ فرض ہونے کے لیے پیمانہ انفع ہوگا، یعنی سونے و چاندی میں سے جس میں فقراء ومساکین کو زیادہ نفع و فائدہ ہو، مثلاً اگر چاندی کا نصاب انفع ہے اور موجودہ حالات میں مشاہدہ میں بھی چاندی کا نصاب ہی انفع ہے، لہٰذا نقد روپے یا سامانِ تجارت کو چاندی کے نصاب کو پیمانہ بنائیں اور زکوٰۃ ادا کریں۔

پس اگر کسی شخص کے پاس، مثلاً اتنی رقم ہو جس سے نصاب کے بقدر چاندی تو خرید کی جاسکتی ہے، لیکن نصاب کے بقدر سونا خریدا نہیں جاسکتا تو ایسے شخص پر زکوٰۃ واجب ہوگی، کیونکہ موجودہ حالات میں مشاہدہ میں چاندی کا نصاب ہی انفع ہے۔

اور اگر کسی شخص کے پاس نقد رقم مال تجارت یا اموال زکوٰۃ کے علاوہ کوئی مال چاندی کے نصاب کی قیمت کا موجود ہو، مگر وہ سونے کے نصاب کی قیمت کو نہیں پہنچتا ہو تو چونکہ انفع چاندی کا نصاب اور اس کے حساب سے چاندی کے نصاب کو پہنچتا ہو تو اس کے لیے زکوٰۃ لینا حرام ہوگا۔

”ولو بلغ بأحدهما نصابا و خمسا و بالآخر أقل قومه بالأنفع للفقير۔ سراج۔ بيانه ما في النحر عن السراج: لو كان بحيث لو قومها بالدراهم بلغت مائتين و أربعين و بالدنانير ثلاثا و عشرين قومها بالدراهم لوجوب ستة فيها

☆   استاذ، جامعہ مفتاح العلوم، شاہی کٹرہ، مئو۔

بخلاف الدنانیر، فإنه یجب فیها نصف دینار و قیمة خمسة"(درمختار مع ردالمحتار ۳۷،۳۴/۲)۔

صاحب بحر علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"**فالحاصل أن المذهب تخییر إلا إذا کان لا یبلغ بأحدهما نصابا تعین التقویم بما یبلغ نصابا و هو مراد من قال: یقوم بالأنفع، و لذا قال في الهدایة: و تفسیر الأنفع أن یقومها بما یبلغ نصابا**"(بحر ۲۲۹/۲،و کذا في فتاوی رحیمیہ ۱۰۷/۹)۔

خلاصة یہ ہے کہ سونے و چاندی کے نصاب میں سے جو انفع للفقراء ہو اسی کو پیمانہ مان کر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

۲– ضم نصاب کے مسئلہ میں امام اور صاحبین رحمہم اللہ کے مابین اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قیمت کا اعتبار ہے، یعنی اگر کسی کے پاس کچھ چاندی اور کچھ سونا ہے اور دونوں کی مجموعی قیمت چاندی کے نصاب کے برابر ہوجاتی ہے تو موجودہ قیمت کے لحاظ سے امام صاحبؒ کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہوجائے گی۔

اور صاحبینؒ بالاجزاء کے قائل ہیں اور یہی ایک روایت ہے امام صاحبؒ سے بھی، یعنی سونے اور چاندی میں سے ایک کی مقدار اس کے نصاب کے ایک تناسب کو پورا کرتی ہو اور دوسرے کی مقدار اس کے نصاب کے بقیہ تناسب کو پورا کردیتی ہو تب زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، مثلاً سونا اس کے نصاب کا ایک چوتھائی ہے اور چاندی اس کے نصاب کا تین چوتھائی ہے تو اب زکوٰۃ واجب ہوگی۔ موجودہ حالات میں امام صاحبؒ کے قول پر ممکن ہے کہ ایک تولہ سونا اور ایک تولہ چاندی میں زکوٰۃ واجب ہوجائے اور سات تولہ صرف سونا ہو تو زکوٰۃ واجب نہ ہو پائے۔

اس مسئلہ میں مجھے فقہاء کرامؒ کا قول فیصل کی جانب رہنمائی نہ ہوسکی، لیکن میری ناقص فہم اس جانب ہے کہ "أنفع للفقراء" کے اعتبار سے عام حالات میں امام صاحبؒ کے قول ہی کو اختیار کی جانا چاہیے کہ یہی "أنفع للفقراء" ہے، البتہ بعض صورتوں میں جیسے کہ صورت مسئولہ

فی السوال میں صاحبینؒ کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے کہ یہی انفع للفقراء ہے تو ضابطہ نکلا انفع للفقراء ہونا۔

چنانچہ صاحب بحر علامہ ابن نجیمؒ نے امام اور صاحبینؒ کے اختلاف کی جو دلیل ذکر کی ہے، اس سے امام صاحبؒ کے قول ہی کو اختیار کیے جانے کی طرف اشارہ ہے، اس لیے امام صاحبؒ کے قول ہی کو اختیار کیا جانا چاہئے۔ صاحب بحر لکھتے ہیں:

"و ضم أحدى النقدين إلى الآخر قيمة مذهب الإمام، و عندهما الضم بالأجزاء و هو رواية عنه، حتى أن من كان له مائة درهم و خمسة مثاقيل ذهب تبلغ قيمتها مائة درهم فعليه الزكاة عنده خلافا لهما، هما يقولان: المعتبر فيهما القدر دون القيمة، حتى لا تجب الزكاة في مصوغ وزنه أقل من مائتين و قيمة فوقهما۔ و هو يقول: يضم للمجانسة و هي تحقق باعتبار القيمة دون الصورة، فيضم بها، و في المحيط: لو كان له مائة درهم و عشرة دنانير قيمتها أقل من مائة تجب الزكاة عندهما، و اختلفوا على قوله، و الصحيح الوجوب؛ لأنه إن لم يمكن تكميل نصاب الدراهم باعتبار قيمة الدنانير أمكن تكميل نصاب الدنانير باعتبار قيمة الدراهم؛ لأن قيمتها تبلغ عشرة دنانير، فتكمل احتياطا لإيجاب الزكاة" (بحر ۲/۲۳۰)۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ضم نصاب کے مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ کے قول ہی کو عام حالات میں اختیار کیا جانا چاہئے جو "أنفع للفقراء" ہے، البتہ بعض ناگزیر صورت میں جیسے صورت مسئولہ فی السوال میں صاحبینؒ کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے کہ یہی "أنفع للفقراء" ہے تو ضابطہ نکلا "أنفع للفقراء" ہونا۔

خلاصہ یہ کہ سونے و چاندی کے نصاب میں سے جو "أنفع للفقراء" ہو اسی کو پیمانہ مان کر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

عصر حاضر میں نصابِ زکوٰۃ کی تعیین

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی ☆

نصاب زکوٰۃ میں قدر مشترک غنا اور مالداری ہے، مصارف میں وجہ استحقاق کی قدر مشترک ناداری اور افلاس ہے، اس لیے اصل نصاب کی تعیین میں دونوں کے مفاد کی رعایت ضروری ہے، تاکہ شریعت کا منشا بھی پورا ہو اور مالداروں پر غیر ضروری بوجھ بھی نہ پڑے۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث مقدسہ میں مختلف اصناف مختلف انواع و اشیاء میں کم سے کم مقدار اور مالیت کی تعیین کردی گئی ہے، جس کی موجودگی میں انسان صاحب نصاب اور مالدار سمجھا جاتا ہے اور جنہیں فقہ کی متداول کتابوں میں دیکھا جاسکتا ہے، یہاں اس تفصیل میں جانے کی نہ تو ضرورت ہے اور نہ موقع، بس اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اگر مختلف اشیاء کا نصاب الگ الگ اقل حد کو پہنچ رہا ہو تو زکوٰۃ کی ادائیگی مقررہ اور متعینہ مقدار و تعداد میں کی جائے گی اور اسے ہی اصل مانا جائے گا۔

بحث طلب مسئلہ یہ ہے کہ مختلف اشیاء موجود ہوں، مگر ان میں سے کوئی بھی الگ الگ نصاب کی اقل حد تک نہ پہنچے، یا اموال تجارت ہوں تو ایسے میں کیا کیا جائے؟ ضم نصاب میں کس کی رعایت کی جائے اور تقویم میں کسے معیار مانا جائے؟

اس سلسلے میں دو اہم اصول فقہاء نے بیان کیے ہیں:

۱ – پہلا یہ کہ تعیین نصاب اور ضم نصاب میں فقراء کی رعایت کی جائے گی اور دیکھا جائے گا کہ ''أنفع للفقراء'' کی صورت کون سی ہے؟ فقہ کی مشہور کتاب ''ہدایہ'' میں ہے:

☆ نائب ناظم امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ۔

"**یقومها بما هو أنفع للمساکین احتیاطا لحق الفقراء**" (الہدایہ ۱/۱۹۵، باب زکاۃ الأموال)۔

(فقراء کے حق کے خاطر احتیاطاً ایسی چیز سے قیمت لگائی جائے جو مساکین کے لئے زیادہ نافع ہو)۔

فخر الدین عثمان بن علی زیلعی لکھتے ہیں:

"**و یعتبر فیهما الأنفع أیهما کان أنفع للمساکین**" (تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ۱/۲۷۹......)۔

(ان دونوں میں اعتبار انفع کا ہے، دونوں میں جو بھی مسکینوں کے زیادہ نافع ہو)۔

"فتاویٰ ہندیہ" میں ہے:

"**یجب أن یکون التقویم بما هو أنفع للفقراء قدرا و رواجا**" (الفتاوی الہندیہ)۔

(واجب ہے کہ ایسی چیز سے قیمت لگائی جائے جو مقدار اور رواج کے اعتبار سے فقراء کے لیے زیادہ نافع ہو)۔

۲- دوسرا اصول یہ ہے کہ تقویم میں تخییر کے باوجود اعتبار اس کا ہوگا جس سے نصاب کی تکمیل ہو سکے، "بنایہ" میں ہے:

"**لا بد أن یقوم بما یبلغ نصابا حتی إذا قومت بالدراهم تبلغ نصابا، و إذا قومت بالذهب لا تبلغ نصابا، یقوم بالدراهم، و بالعکس کذلک**" (البنایہ علی ہامش الہدایہ ۱/۱۷۵)۔

(ضروری ہے کہ قیمت ایسی چیز سے لگائی جائے جس سے نصاب کو پہنچ جائے، چنانچہ اگر دراہم سے قیمت لگانے میں نصاب کو پہنچ رہا ہے اور سونے سے قیمت لگانے میں نصاب کو نہیں پہنچتا تو دراہم سے قیمت لگائی جائے گی اور برعکس کی صورت میں مسئلہ اس کے برعکس ہوگا)۔

"البحرالرائق" میں ہے:

"و في النهاية: لو كان تقويمه بأحد النقدين يتم النصاب، و بالآخر لا، فإنه يقومه بما يتم به النصاب بالاتفاق، فقد قال في الظهيرية: رجل له عبد التجارة، أن قوم بالدراهم لا تجب فيه الزكاة، و أن قوم بالدنانير تجب، فعند أبي حنيفة يقوم بما تجب فيه الزكاة دفعا لحاجة الفقير و سد الخطيئة" (البحرالرائق لابن نجیم ۲/ ۲۲۹)۔

(نہایہ میں ہے کہ اگر احد النقدین سے قیمت لگانے میں نصاب مکمل ہوجاتا ہے اور دوسرے سے نہیں تو بالاتفاق اسی سے قیمت لگائی جائے گی جسے سے نصاب مکمل ہوجائے، ظہیریہ میں ہے کہ ایک شخص کے پاس تجارت کا غلام ہے کہ اگر دراہم سے قیمت لگائی جائے تو اس میں زکوۃ واجب نہ ہو اور اگر دنانیر سے قیمت لگائی جائے تو واجب ہوجائے، ایسی صورت میں ابوحنیفہؒ کے نزدیک فقیر کی حاجت پوری کرنے کی غرض سے ایسی چیز سے قیمت لگائی جائے گی جس میں زکوۃ واجب ہو)۔

اور آخر میں ساری بحثوں کا خلاصہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فالحاصل أن المذهب تخييره ألا إذا كان لا يبلغ بأحدهما نصابا تعين التقويم بما يبلغ نصابا" (البحرالرائق لابن نجیم ۲/ ۲۲۹)۔

(حاصل یہ ہے کہ مذہب تو تخییر کا ہے، لیکن جب ایک سے نصاب کی مقدار نہ پہنچے تو اس چیز سے قیمت لگانا متعین ہے جس سے نصاب کو پہنچ جائے)۔

"درمختار" میں ہے:

"و لو يبلغ بأحدهما نصابا دون الآخر تعين ما يبلغ به" (الدرالمختار ۲/ ۳۱)۔

(اور اگر ایک سے نصاب کو پہنچ جائے دوسرے سے نہیں تو جس سے نصاب پورا ہوجائے وہ متعین ہے)۔

صاحب ''ہدایہ'' اور کچھ دوسرے فقہاء کا رجحان یہ ہے کہ یہ دونوں اصول الگ الگ نہیں، بلکہ ایک ہی ہیں اور '' أنفع للفقراء'' کا مطلب ''یقومها بما یبلغ به نصابا '' ہے (ہدایہ ۱/۱۹۵)۔

''تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق'' میں ہے:

''و اعتبار الأنفع مذهب أبي حنيفة و معناه يقوم بما يبلغ نصابا'' (تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ۱/۲۷۹)۔

(انفع کا اعتبار ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ایسی چیز سے قیمت لگائی جائے جس سے نصاب پورا ہو جائے)۔

شمس الائمہ سرخسی لکھتے ہیں:

''و عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى 'في الأمالي أنه يقومها بأنفع النقدين للفقراء'' (بدائع الصنائع ۲/۱۲۱)۔

(ابو حنیفہؒ سے امالی میں منقول ہے کہ نقدین میں سے جو زیادہ نافع للفقراء ہو اس سے قیمت لگائے)۔

بہرکیف ان دونوں اصولوں کے ساتھ اصل نصاب کی تعیین میں ایک اور بات خاص طور پر قابل ذکر ہے، وہ یہ کہ چاندی کا نصاب متفق علیہ ہے اور اس سلسلے میں واضح احادیث موجود ہیں، ''بدایۃ المجتہد'' میں ہے:

''فإنهم اتفقوا على أنه خمس أواق؛ لقوله عليه السلام الثابت: ليس فيها دون خمس أواق من الورق صدقة'' (بدایۃ المجتہد ۱/۱۸۶)۔

(پانچ وسق چاندی سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے)۔

اس کے برعکس سونے کے نصاب میں کافی اختلاف ہے، جس کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے صاحب بدایۃ المجتہد لکھتے ہیں:

"و سبب اختلافهم في نصاب الذهب أنه لم يثبت في ذلک في نصاب الفضة" (بدایۃ المجتہد ۱/۱۸۶)۔

(سونے کے نصاب میں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح چاندی کے نصاب میں نبی ﷺ سے ثابت ہے، اس طرح سونے کے نصاب میں کچھ بھی ثابت نہیں)۔

ان اقتباسات اور مباحثات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ اصل نصاب چاندی کو قرار دیا جائے؛ اس لیے کہ:

(الف) یہ فقراء کے لیے زیادہ نفع بخش ہے۔

(ب) سونے کے مقابل سستی ہونے کی وجہ سے نصاب کی تکمیل آسانی سے ہوسکتی ہے۔

(ج) اس کا نصاب صحیح حدیث سے ثابت ہے، جس پر فقہاء متفق ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ:

زیادہ سے زیادہ چاندی کے نصاب کو اصل تسلیم کرنے میں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس میں مالداروں کی رعایت نہیں کی گئی ہے، حالانکہ معاملہ قطعاً ایسا نہیں ہے، صاحب "فتح القدیر" نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

"أن المال كان في يد المالک ينتفع به زمانا طويلا، فلا بد من اعتبار منفعة الفقراء عند التقويم"

(مال تو مالک کے قبضہ میں تھا جس سے لمبی مدت تک وہ فائدہ اٹھاتا رہا، اس لیے قیمت لگاتے وقت فقراء کے نفع کی رعایت ضروری تھی)۔

"بنایہ" میں ہے:

"المالک أسقط حقه بالاستفادة مدة الحول فيقوم حظ الفقراء بالتقويم بالأنفع مراعاة لاحقين بقدر الإمكان"۔

(مالک نے سال بھر تک استفادہ کر کے اپنا حق ساقط کر دیا، پس فقراء کا لحاظ نفع کے ساتھ قیمت لگانے میں رکھا گیا، تاکہ ممکن حد تک دونوں حقوق کی رعایت ہو سکے)۔

معاصر علماء کی آراء:

دوسرے فقہی سیمیناروں میں کرنسی نوٹ کی زکوٰۃ پر معاصر علماء نے جو کچھ لکھا تھا اور جو فیصلے ہوئے تھے اس کا حاصل بھی یہی تھا کہ اصل نصاب چاندی کو مانا جائے، چنانچہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں:

"احکام زکوٰۃ میں یہ بات متفق علیہ ہے کہ جس پہلو میں فقراء کا فائدہ ہو اس کو اختیار کیا جائے، اس لیے زکوٰۃ کی حد تک ان سکوں اور نوٹوں کے لیے اصل چاندی ہی ہوگی اور اتنی رقم کا مالک ہونے پر جس سے چاندی کا نصاب خرید کیا جائے زکوٰۃ واجب ہوگی" (ہدایہ ۱/۱۹۵ باب زکوٰۃ الاموال)۔

مولانا عبدالرحیم لاجپوری کا بھی یہی خیال ہے کہ "جتنے روپے میں ساڑھے باون تولہ چاندی خریدی جا سکے اتنے روپے کے مالک کو صاحب نصاب قرار دیا جائے گا۔

حرمت اخذ زکوٰۃ کے لیے کسی بھی نصاب کی مقرر و متعینہ حد و مقدار کا مالک ہونا کافی ہے، خواہ الگ الگ مختلف چیزوں کی مالیت نصاب کی حد تک پہنچ جائے، یا مجموعی طور پر وہ اتنی مالیت ان شرائط کے ساتھ رکھتا ہو جو وجوب زکوٰۃ کے لیے کافی ہوں۔ بہر صورت وہ غنی اور صاحب نصاب قرار دیا جائے گا اور زکوٰۃ لینا اس کے لیے حرام ہوگا، "درمختار" میں ہے:

"**و لا يصرف الزكاة إلى غني يملك قدر نصاب من أي مال كان، و في العناية: لا يجوز دفع الزكاة إلى من ملك نصابا سواء كان من النقود أو السوائم أو العروض**" (ردالمحتار ۳/۲۹۷، باب المصرف)۔

(زکوٰۃ ایسے غنی کو نہیں دی جائے گی جو نصاب کے بقدر مال کا مالک ہو، خواہ وہ جس طرح کا بھی مال ہو، اور عنایہ میں ہے کہ جو نصاب کا مالک ہو اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے، خواہ اس مال کا تعلق نقود سے ہو یا جانوروں سے یا سامان تجارت سے)۔

سونے اور چاندی کا نصاب

مولانا اشتیاق احمد الاعظمی ☆

۱- زکوۃ کے باب میں سونے اور چاندی، دونوں کا نصاب منصوص ہے، جیسا کہ درج ذیل روایات سے ثابت ہوتا ہے:

نصاب الفضة:

"روی أن رسول الله ﷺ لما کتب کتاب الصدقات لعمروبن حزم ذکر فیه الفضة، لیس فیها صدقة حتیٰ تبلغ مأتیدرهم، فاذا بلغت مأتین ففیها خمسة دراهم" (رواہ ابوداؤد فی الزکوۃ برقم ۱۵۷۴ والترمذی برقم ۶۲۰ وابن ماجۃ برقم ۱۷۹۰ والنسائی فی الزکوۃ۔ بحوالہ: بدائع الصنائع ۲/ ۱۰۰)۔

"وروی عنه انه ﷺ قال لمعاذ لما بعثه إلی الیمن : لیس فیما دون مأتین شیئ و فی مأتین خمسة" (رواہ الدارقطنی فی الزکوۃ: بحوالہ بدائع ۲/ ۱۰۱)۔

نصاب الذهب:

"روی عن النبی ﷺ أنه قال لعلي: لیس علیک فی الذهب زکوة ما لم یبلغ عشرین مثقالاً" (بدائع ۲/ ۱۰۵)۔

مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوا کہ چاندی کا نصاب ۲۰۰ درہم اور سونے کا نصاب

☆ استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم مئو۔

۲۰ مثقال ہے۔ دونوں نصابوں میں وزن کے اعتبار سے سات گنے کا فرق ہے، ممکن ہے آپ ﷺ کے عہد مبارکہ میں بھی دونوں کی قیمت میں فرق کا تناسب یہی رہا ہو، لیکن موجودہ زمانہ میں دونوں کی قیمتوں میں سات گنے سے بہت زیادہ فرق ہو چکا ہے۔ اب اگر موجودہ زمانہ میں کسی کے پاس نقد روپیہ یا سامان تجارت ہو تو اس میں وجوب زکوۃ کے لئے پیمانہ کس کو بنایا جائے؛ چاندی کے نصاب کو یا سونے کے نصاب کو؟ تو اس سلسلے میں احوط پہلو یہی ہے کہ چاندی کے نصاب کو پیمانہ بنایا جائے، کیونکہ یہ انفع للفقراء ہے اور زکوۃ کی مشروعیت کا سبب بھی فقراء کی حاجات کا تکفل ہے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے:

"توخذ من أغنیائهم وترد فی فقرائهم" (کتاب الاموال لابی عبید، ص ۴۸۰)۔

اسی لئے فقہاء کرام ہمیشہ انفع للفقراء والی صورتوں کو معمول بہ بنایا کرتے ہیں، تو اب اگر کسی کے پاس ۲۰۰ درہم (ساڑھے باون تولہ چاندی) کی قیمت کے مساوی نقد روپیہ یا سامان تجارت ہو اور اس پر حولان حول ہو چکا ہو تو وہ زکوۃ وجوباً ادا کریگا، نیز اس کے لئے زکوۃ لینا حرام ہوگا، کیونکہ وہ شریعت کی نگاہ میں غنی ہے اور غنی شخص زکوۃ دیگا نہ کہ لیگا۔

سوالنامہ میں ایک بات یہ مذکور ہے کہ چاندی کے نصاب کے اعتبار سے اگر کوئی شخص بنیادی ضروریات کے علاوہ پندرہ ہزار روپیہ کی کسی شیئ کا مالک ہو تو اسے زکوۃ نہیں دی جاسکتی، حالانکہ آج کے ماحول میں یہ بہت ہی معمولی رقم متصور ہوتی ہے تو اس سلسلے میں یہ کہنا بجا ہوگا کہ جب وہ شخص بنیادی ضروریات کے علاوہ پندرہ ہزار روپیہ کا مالک ہے تو اسے زکوۃ نہیں دی جاسکتی تو اس میں کون سی قباحت اور پریشانی کی بات ہے، جب شریعت نے ایسے شخص کو غنی قرار دے رکھا ہے تو اس کو زکوۃ لینے کے مستحق قرار دینے کی فکر کرنا کون سا ضروری عمل ہے، شریعت تو لوگوں میں زیادہ سے زیادہ زکوۃ دینے کا مزاج بنانا چاہتی ہے نہ کہ زکوۃ لینے کا مزاج۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث میں بہت سی روایات میں زکوۃ دینے والوں کی فضیلت وارد ہے، جبکہ بلاوجہ زکوۃ مانگنے والوں کے سلسلے میں بہت سی وعیدیں وارد ہیں۔ ایک صحیح روایت میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

" الید العلیا المنفقۃ خیر من الید السفلیٰ السائلۃ"(۱/۳۳۲ مسلم مع النووی)۔

مذکورہ بالا صورت میں آج تک ہندو پاک برصغیر کے علماء کا معمول یہ چاندی کو نصاب بنانے کا رہا ہے، ہم بھی اسی کو قابل ترجیح سمجھتے ہیں، اگر چہ بعض عرب علماء، سونے کے نصاب کو ترجیح دینے کو پسند کرتے ہیں جیسا کہ علامہ وہبہ زحیلی نے اپنی کتاب "الفقہ الاسلامی وادلتہ" میں اپنی رائے تحریر فرمائی ہے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ: "و یریٰ کثیر من علماء العصر أن النقود تقدر بسعر الفضۃ احتیاطا لمصلحۃ الفقراء، ولأن ذلک أنفع لھم" (ج۲،ص ۷۶۱)۔

۲- سونے اور چاندی کے نصاب کے ناقص ہونے کی صورت میں ضم نصاب کے سلسلے میں فقہاء کرام میں اختلاف واقع ہوا ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

قول(۱) جمہور فقہاء(حنفیہ، مالکیہ، امام احمد کی ایک روایت، امام ثوراور امام اوزاعی): یہ حضرات نقدین (سونے، چاندی) میں سے ایک کو دوسرے کے ساتھ تکمیل نصاب کے لئے ضم کے قائل ہیں، چنانچہ اگر کسی کے پاس پندرہ مثقال سونا اور ایک سو پچاس درہم ہوں تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ: سونا اور چاندی بحیثیت ثمن ہونے کے نفع میں متحد ہیں، اس لئے ان دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ تکمیل نصاب کے لئے ملایا جائیگا۔

قول(۲) شافعیہ، روایۃ عن احمد، ابوعبید، ابن ابی لیلیٰ اور ابو ثور کا قول یہ ہے کہ: جنسین (سونے اور چاندی) میں سے کسی ایک کا نصاب جب تک تنہا مکمل نہ ہوگا، تب تک زکوۃ واجب نہ ہوگی، ان حضرات کی دلیل حدیث رسول :"لیس فیما دون خمس أواق من الورق صدقۃ" کا عموم ہے۔

پہلے قول کے قائلین جو نقدین کو تکمیل نصاب کے لئے ضم کرنے کے قائل ہیں، ان میں باہم اختلاف ہے کہ ضم کی کیا صورت ہو، ضم بالقیمۃ یا ضم بالاجزاء؟

فقہاء کرام کے اقوال دونوں طرح کے ہیں؛ جو درج ذیل ہیں:

۱-امام مالک، امام ابو یوسف ومحمد اور امام احمد فی روایۃ: یہ حضرات ضم بالاجزاء کے قائل ہیں، چنانچہ جس کے پاس پندرہ مثقال سونا اور پچاس درہم موجود ہوگا تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی، کیونکہ مذکورہ صورت میں سونا، نصاب کا تین چوتھائی ہے اور چاندی اپنے نصاب کی ایک چوتھائی۔ اسطرح دونوں کو ملا کر نصاب پورا ہو جائیگا۔

۲-امام ابوحنیفہؒ: امام صاحبؒ ضم بالقیمۃ کے قائل ہیں، کیونکہ یہ "انفع للفقراء" ہے (دیکھئے: موسوعہ فقہیہ ۲۳/۶۸-۲۶۷)۔

مؤخر الذکر حنفیہ کے دونوں اقوال اپنی اپنی جگہ ٹھوس اور وزن دار ہیں، کیونکہ امام صاحبؒ کے قول میں فقراء کی انفعیت کا خیال کیا گیا ہے تو دوسری طرف صاحبین کے قول میں مثلاً ایک بیوہ جس کے پاس موجودہ دور میں ایک تولہ سونا اور چند تولے چاندی کے ہوں تو اس پر امام صاحب کے قول پر زکوۃ واجب ہوگی، اور حنفیہ کے قول کو سامنے رکھتے ہوئے اس پر قربانی بھی واجب ہوگی، جبکہ بیوہ عورت جو بے سہارا ہے اس پر زکوۃ قربانی کا وجوب، ایک طرح کا بوجھ لگتا ہے، ایسے حالات میں صاحبین کے قول میں اس جیسی عورت کے لئے یقیناً راحت ہے۔

لیکن اس سے زیادہ بہتر اور معقول شکل یہ ہے کہ اس قسم کی نادار عورتوں کو تھوڑے موڑے چاندی کے زیورات فروخت کر دینا چاہئے اور اپنے پاس صرف سونے کے زیورات ہی رکھنے چاہئیں، تو اس قسم کی الجھن کا شکار ہونے سے بچ جائیگی۔

ضم اجزاء گرچہ صاحبین کا قول ہے، تاہم امام اعظم ابوحنیفہؒ سے بھی ایک روایت ضم اجزاء کی منقول ہے، جیسا کہ "بدائع" میں مذکور ہے، صاحبِ بدائع تحریر فرماتے ہیں:

" ثم أختلف اصحابنا فی کیفیة الضم ، فقال أبو حنیفة: یضم أحدهما إلی الآخر باعتبار القیمة و قال ابو یوسفؒ و محمدؒ : یضم باعتبار الأجزاء و هو روایة عن أبی حنیفةؒ أیضاً ، ذکره فی نوادر هشام" (ج۲ص۴۰۷)۔

☆☆☆

سونے اور چاندی کا نصاب اور زکوۃ کے لئے معیار

مولانا سلطان احمد اصلاحی ☆

۱- موجودہ دور میں زکوۃ کے نصاب کے مسئلہ کا اصل حل ہے کہ استعمالی زیور اور رمال تجارت کو زکوۃ سے مستثنیٰ کرتے ہوئے نصاب کو سونے چاندی کے ڈلے یا بسکٹ یا درہم و دینار وہ جس صورت میں بھی ہوں، یا اس کے بقدر نقد رقم سے جوڑ دیا جائے، بشرطیکہ یہ نقد رقم بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کے بعد بچی ہوئی ہو، جیسا کہ فقہ حنفی میں وجوب زکوۃ کی یہ شرط پہلے سے موجود ہے، "بالفراغة عن الحاجة" (ہدایہ ۱/۱۶۶، رشیدیہ دہلی)۔

مصلحتیں اس کی بھی مقتضی ہیں کہ آج کے حالات میں تجارت کے جانور اور غلے اور پھل وغیرہ کی زکوۃ کو بھی اسی طرح نقد رقم سے جوڑ دیا جائے، یہ مسئلہ حل ہو جائے تو اس کی اہمیت بہت کم باقی رہتی ہے کہ نصاب کا جو معیار سونا رہے یا چاندی جن کے داموں میں اس وقت قابل لحاظ تفاوت پیدا ہو گیا ہے، نصاب کے معیار کے سلسلے میں احادیث و آثار کا اصل وزن چاندی کے حق میں ہے اور اسی کے دلائل قوی ہیں۔

اوپر کی تفصیل کی روشنی میں استعمالی زیور نہیں خالص سونا چاندی اور اس کے بقدر نقد نصاب کا معیار بن جائے تو وہ ۲۰ مثقال ساڑھے سات تولہ سونا کے بجائے، ۲۰۰ درہم ساڑھے باون تولہ چاندی کے وجوب زکوۃ کا معیار ماننے میں کوئی حرج نہیں ہے، جس کی قیمت اس وقت کے ریٹ سے کم و بیش ۱۵ ہزار روپئے بنتی ہے، بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کے بعد جس شخص کے

☆ ادارہ علم و ادب، دودپور، علی گڑھ۔

پاس سال کے شروع اور اس کے آخر میں ۱۵ رہزار روپے نقد یا اس کی قیمت کا خالص سونا یا چاندی موجود ہو تو اس کے لئے ۱۰۰ روپے میں ڈھائی روپے نکالنا کچھ مشکل نہ ہوگا۔

اصل دشواری استعمالی زیور کو زکوۃ کے نصاب میں شامل کرنے سے ہے جس کے نتیجے میں زیادہ تر کمزور، غریب اور بیوہ عورت کا زیور تھوڑا تھوڑا کر کے مدرسہ میں پہنچ جاتا ہے، استعمالی زیور کی زکوۃ کا جزئیہ صرف فقہ حنفی کا ہے، ائمہ ثلاثہ حضرت امام شافعی، مالک اور احمد کے یہاں استعمالی زیور کی زکوۃ نہیں، اس کے حق میں ان کے علاوہ حضرات صحابہؓ اور تابعین اور تبع تابعینؒ کی پوری جماعت موجود ہے، ''**ولیس فی حلی المرأۃ زکاۃ إذا کان مماتلبسه أو تعیره**'' (المغنی لابن قدامہ ۳؍۱۱ مکتبۃ الجمہوریۃ العربیۃ، مصر)، عورت کے زیور پر زکوۃ نہیں جبکہ وہ اسے خود پہنتی ہو یا منگنی پر دیتی ہو۔ اس کی دلیل حضرت جابرؓ کی روایت سے نبی ﷺ کی یہ حدیث ہے:

''**لیس فی الحلی زکاۃ**'' (زیور میں زکاۃ نہیں ہے)، اس کی عقلی دلیل میں کہا گیا ہے کہ: ''**ولأنه مرصد لاستعمال مباح فلم تجب فیه الزکاۃ کالحوامل وثیاب القنیه**''، نیز اس لئے کہ یہ ایک جائز استعمال کے لئے بچا کے رکھا جاتا ہے، تو اس میں زکوۃ واجب نہ ہوگی، جیسے کہ استعمال کے جانور اور استعمالی کپڑے (المغنی ۳؍۱۲، حوالہ بالا)۔

''ہدایہ'' میں بھی امام شافعی کے حوالہ سے اس کا ذکر ہے: ''**قال الشافعي لا تجب فی حلي النساء وخاتم الفضة الرجال، لأنه متبذل فی مباح فشابه ثیاب البذلة**''۔

امام شافعی کا کہنا ہے کہ عورت کے زیور اور مرد کی انگوٹھی میں زکوۃ نہیں ہے، اس لئے کہ یہ جائز ہیں، روز کے استعمال کی چیز ہے، تو اس کا معاملہ استعمالی کپڑوں جیسا ہے، اسی موقع پر عینی کے حوالہ سے یہی رائے امام احمد اور امام مالک کی بیان کی گئی ہے: ''**وبه قال احمد و مالک**'' (ہدایہ ۱؍۱۷۵)۔ سونے چاندی کو ہر حال میں قال نامی کہنا بھی صحیح نہیں ہے، ان کا دام بڑھتا ہی نہیں گھٹتا بھی ہے، اور جہاں تک زیور کا سوال ہے تو تیار شدہ نیا زیور بھی اگلے دن

فروخت کے لئے سنار کے یہاں لے جایا جائے تو اس کا دام گھٹا ہوا ملتا ہے۔

اسی طرح آج کے زمانہ میں ہر حال میں مال تجارت، عروض پر زکوۃ بھی حرج کی موجب ہے، مصنف اپنی ۲۰۰ روپئے قیمت کی بھی ایک کتاب ایک ہزار کی تعداد میں چھاپ دے تو وہ لکھپتی ہو جاتا ہے، جبکہ بسا اوقات اس کی مالی حالت یہ ہوتی ہے کہ اس کے لئے گھر چلانا مشکل ہوتا ہے۔ اس صورت میں ہر سال اسٹاک کے ۲۵ نسخے مدرسے میں پہنچا دینا کوئی کار ثواب نہیں ہے، اس کی وجہ سے کتابوں کے تاجر نہ چلنے والی کتابوں کو جس کو تجارت کی دنیا میں مردہ مال (Dead Item) کہا جاتا ہے، رمضان شریف میں مدرسوں میں پہنچاتے رہتے ہیں، دوسرے بہت سارے اموال تجارت کو اس پر قیاس کیا جاسکتا ہے، اہل ظاہر اموال تجارت میں زکوۃ کے قائل نہیں، "**ومنع ذلک أهل الظاهر**" (بدایۃ المجتہد ۱/۲۵۴ دارالمعرفۃ بیروت ۱۹۸۳ء)۔

اس موقع پر اس سلسلے میں جو دوسرے دلائل دیئے گئے ہیں ان کے سلسلے میں امام ابن رشد کا کہنا ہے کہ ان میں کمزوری ہے، "**وفیه ضعف**" (بدایۃ المجتہد، حوالہ بالا) تجارت کے جانوروں اور کھیتی اور پھل کے مصارف میں بھی ہزار طرح کے مسائل پیدا ہو گئے ہیں، اس لئے ان کو ماضی کی تفصیل پر جوں کا توں باقی نہیں رکھا جاسکتا، اس لئے ہر طرح سے مناسب ہے کہ تجارت کے ساتھ ان کو بھی زکوۃ کے مسئلہ میں براہ راست نقد رقم سے جوڑ دیا جائے۔

زکوۃ کے سلسلے میں بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کے مسئلہ کی بھی مناسب تفہیم کی ضرورت ہے، آدمی کے پاس مناسب مکان کی سہولت نہ ہو تو دینداری کے بہت سے تقاضوں پر عمل درآمد مشکل ہے، بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کے بعد چاندی کے معیار سے جس کے پاس سال کے شروع اور آخر میں ۱۵ رہزار کی بچت ہو وہ اس پر زکوۃ دے۔ باقی کو زکوۃ سے مستثنی رکھا جائے، استعمالی زیور کے معاملہ میں عرف فیصلہ کن ہے، عرف عام میں جس کو استعمالی سمجھا جائے وہی استعمالی زیور ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ بھی ایسے زیور کو اس کے دائرے میں شامل نہیں مانتے جس کے ذخیرہ کرنے کی قرآن وحدیث میں ممانعت ہے۔

اور اس کی زکوۃ کو صرف تقاضائے احتیاط قرار دیتے ہیں:"**واطلاق الکنز علیه بعید، ومعنی الکنز حاصل، والخروج من الاختلاف أحوط**" (حجۃ اللہ البالغہ ۲/۴۴، کتب خانہ رشیدیہ دہلی)۔

(اور زیور پر کنز کا اطلاق دور کی بات ہے۔اگر چہ اس کے اندر ایک طرح سے کنز کی صورت پائی جاتی ہے اور اختلاف سے باہر رہنا تقاضائے احتیاط ہے)۔

اموال باطنہ کے سلسلے میں یوں بھی اسلامی حکومت زبردستی نہیں کرسکتی، خلافت راشدہ کے عہد صدیقیؓ میں اس کو زکوۃ کی حکومتی وصولی کے دائرے سے باہر رکھا گیا، پس جس طرح نماز اور روزے کے معاملے میں متعلق فرد کی دیانتداری پر اعتماد کیا جاتا ہے، یہاں بھی کیا جائے، کوئی شخص بغیر وضو کے نماز پڑھے اور روزہ رکھتے ہوئے چپکے سے کھاتا پیتا رہے تو اس کی جوابدہی وہ اپنے اللہ کے یہاں کرے گا، زکوۃ کے سلسلے میں نصاب کی چوری میں بھی اس کے معاملے کو اس کے اللہ کے حوالہ کیا جائے۔

حضرات صحابہؓ میں ایسے لوگ تھے جو بقدر نصاب مال کے مالک ہوتے ہوئے بھی زکوۃ قبول کرتے تھے، اسی طرح حدیث میں ہے کہ مانگنے والا گھوڑے پر سوار ہو کر بھی آئے تو بھی اس کو دینے سے منع نہیں کرنا چاہئے۔عہد عثمانی میں اسلامی حکومت کو ضرورت ہی نہ تھی اور بیت المال میں رکھنے کے لئے جگہ ہی نہ تھی، تو زکوۃ کی ادائیگی کو عامۃ المسلمین کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا، تاکہ وہ اپنے طور پر اپنی زکوۃ کا تعین کر کے اس کو مستحقین میں تقسیم کریں۔

زکوۃ کے نصاب کے مسئلہ میں تاریخ اسلامی کے ان نظائر سے بھی فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے۔

اس تفصیل کی روشنی میں آج کے حالات میں صاحب نصاب وہ شخص ہوگا اور زکوۃ اس کے اوپر واجب ہوگی جو قرض کی ادائیگی اور بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کے بعد سال کے شروع اور آخر میں ۱۵؍ ہزار روپئے کا مالک ہو، اس سے اپنے آپ صاف ہے کہ جس کے پاس یہ رقم نہ ہو

وہ زکوۃ کا محل نہ ہوگا، اور اس کے لئے زکوۃ لینا جائز ہوگا۔

اس تنقیح کی روشنی میں دوسرے سوال کا جواب اپنے آپ واضح ہے اور نصاب کے معاملے میں سونے چاندی کو ملانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، جس شخص کا قرض ادا اور اس کی بنیادی ضروریات تکمیل شدہ ہوں، چاندی کے معیار سے ہی بچت ہونے کی صورت میں وہ صاحب نصاب ہوگا، اور جس کے پاس سال کے شروع اور اس کے آخر میں یہ بچت نہ ہو وہ صاحب نصاب نہ ہوگا۔

☆☆☆

نصاب زکوٰۃ کا مسئلہ

مولانا خورشید انور اعظمی ☆

اسلام نے معاشرے کے فقراء ومساکین کی مفلسی وبدحالی کو رفع کرنے کے لیے زکوٰۃ کا ایک جامع اور مستحکم نظام بنایا ہے اور ہر اس شخص کو مالدار متصور کیا ہے جس کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا یا اس کی قیمت کے بقدر نقد روپئے یا سامان تجارت ہوں اور ان پر ایک سال گذر جائے تو اس کو حکم دیا ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا خاص اہتمام کرے اور اپنے مال کا ڈھائی فیصد فقراء ومساکین پر لازمی طور پر خرج کرے، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"فإذا كانت لک مائتا درهم و حال عليها الحول ففيها خمسة دراهم، و ليس عليک شيء، يعني في الذهب، حتى يكون لک عشرون دينارا، فإذا كانت لک عشرون دينارا، و حال عليها الحول، ففيها نصف دينار" (رواہ ابو داؤد، اعلاء السنن ۹/۱)۔

(جب تمہارے پاس دوسو درہم ہوں اور ان پر ایک سال گذر جائے تو اس میں پانچ درہم فرض ہوگا اور تمہارے اوپر سونے میں کچھ بھی فرض نہیں ہے، یہاں تک کہ تمہارے پاس بیس دینار ہو جائیں، پھر جب تمہارے پاس بیس دینار ہو جائیں اور ان پر ایک سال گذر جائے تو اس میں نصف دینار فرض ہوگا)۔

☆ صدر مدرس جامعہ مظہر العلوم بنارس۔

اسی طرح سامان تجارت کے تعلق سے حضرت سمرہ بن جندبؓ کی روایت ہے:

"إن رسول الله ﷺ كان يأمرنا أن نخرج الصدقة من الذي يعد للتجارة۔ رواه أبو داؤد" (اعلاءالسنن ۹/۵۴)۔

(نبی اکرم ﷺ ہمیں سامان تجارت سے زکوٰۃ نکالنے کا حکم فرمایا کرتے تھے)۔

اس نظام زکوٰۃ کا بنیادی مقصد مسلم معاشرے میں دولت وغربت کی عام سطح میں حتی الامکان یکسانیت پیدا کرنا ہے، تا کہ دولت صرف سرمایہ داروں کے درمیان محدود ہوکر نہ رہ جائے قرآن کریم نے فرضیت زکوٰۃ کی علت بیان کرتے ہوئے واضح فرمایا:

﴿كي لا يكون دولة بين الأغنياء منكم﴾ (الحشر:۷)۔

(تا کہ یہ نہ ہو کہ دولت صرف دولت مندوں ہی میں محدود ہوکر رہ جائے)۔

بلکہ زکوٰۃ کی یہ رقم اغنیاء سے وصول کرکے فقراء ومساکین اور معاشرے کے شکستہ حال افراد پر خرچ کی جائے، چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے جب حضرت معاذؓ بن جبل کو یمن بھیجا تو ان سے کہا کہ اگر وہاں کے لوگ توحید کی دعوت اور نماز کی فرضیت تسلیم کرلیں تو انہیں زکوٰۃ کی فرضیت بتاتے ہوئے اس کا مقصد بھی واضح کردیں کہ:

"تؤخذ من أغنيائهم و ترد على فقرائهم" (صحیح البخاری ۱/۲۰۳)۔

(زکوٰۃ کا مقصد یہ ہے کہ ان کے مالداروں سے وصول کی جائے اور ان کے محتاجوں پر تقسیم کی جائے)۔

تا کہ فقراء ومساکین کی معاشی بدحالی کو دور کیا جاسکے، یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام نے زکوٰۃ کی ادائیگی میں اس صورت کا خصوصی لحاظ کیا ہے، جو "أنفع للفقراء" ہو۔

۱- چنانچہ اگر کسی شخص کے پاس نقد یا سامان تجارت ہو اور اس کی قیمت نصاب زکوٰۃ یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا کی قیمت کے بقدر ہو رہی ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور اس کے لیے پیمانہ سونے یا چاندی کا وہ نصاب ہوگا جو "أنفع للفقراء" ہو۔

''شرح الوقایہ'' میں ہے:

''و في عرض تجارة قيمته نصاب من أحدهما مقوما بالأنفع للفقراء ربع عشر أي إذا كان التقويم بالدراهم أنفع للفقير قوم عروض التجارة بالدراهم، و إن كان بالدنانير أنفع قومت بها''(شرح الوقایہ ۱/ ۲۲۹)۔

(ایسے سامان تجارت میں چالیسواں حصہ زکوۃ فرض ہے جس کی قیمت سونے یا چاندی کے ''أنفع للفقراء'' نصاب کے بقدر ہو، یعنی اگر درہم سے قیمت لگانا فقیر کے لیے زیادہ نفع بخش ہو تو سامان تجارت کی قیمت درہم سے لگائی جائے گی اور اگر دینار سے زیادہ نفع بخش ہو تو اس سے اس کی قیمت لگائی جائے گی)۔

''ہدایہ'' میں ہے:

''الزكاة واجبة في عرض التجارة كائنة ما كانت إذا بلغت قيمتها نصابا من الورق أو الذهب، يقومها بما هو أنفع للمساكين احتياطا لحق الفقراء'' (ہدایہ مع الفتح ۲/ ۱۶۶)۔

(زکوۃ سامانِ تجارت میں خواہ وہ تجارت جیسی بھی ہو واجب ہے، بشرطیکہ اس کی قیمت چاندی یا سونے کے نصاب کو پہنچ رہی ہو، اس کی قیمت اس نصاب سے لگائے جو مساکین کے لیے زیادہ نفع بخش ہو، حق فقراء کے سبب احتیاطاً)۔

''المغنی'' میں ہے:

''إذا حال الحول على العروض و قيمتها بالفضة نصاب و لا تبلغ بالذهب قومناها بالفضة؛ ليحصل للفقراء منها حظ، و لو كانت قيمتها بالفضة دون النصاب، و بالذهب تبلغ نصابا، قومناها بالذهب؛ لتجب الزكاة فيها'' (المغنی/ ص ۲۵۳)۔

(اگر سامان تجارت پر سال گذر جائے اور اس کی قیمت چاندی سے نصاب کو پہنچتی ہے

اور سونے سے نہیں پہنچتی تو ہم اس کی قیمت چاندی سے لگائیں گے، تا کہ وہ فقراء کو اس کا فائدہ حاصل ہو اور اگر اس کی قیمت چاندی کے لحاظ سے نصاب سے کم ہے اور سونے کے لحاظ سے نصاب کو پہنچ جارہی ہے تو ہم سونے سے قیمت لگائیں گے، تا کہ اس میں زکوۃ واجب ہوجائے)۔

یہی بات بدائع الصنائع (۱۱۰/۲)، شامی (۲۲۹/۳)، البحر الرائق (۱٦۷/۲) اور فتح القدیر (۱٦٦/۲) میں بصراحت موجود ہے، بلکہ علامہ ابن ہمام اور علامہ ابن نجیم نے "خلاصہ" اور "نہایہ" کے حوالے سے اس پر اتفاق کی بات کہی ہے۔

"و في النهاية: لو كان تقويمه بأحد النقدين يتم النصاب و بالآخر لا، فإنه يقومه بما يتم به النصاب بالاتفاق" (البحر الرائق ۲۲۹/۲، فتح القدیر ۱٦٦/۲)۔

(نہایہ میں ہے کہ اگر سامان کی قیمت سونے اور چاندی میں سے کسی ایک سے لگائی جائے تو نصاب پورا ہوجاتا ہے اور دوسرے سے نہیں، تو اس کی قیمت بالاتفاق اس سے لگائی جائے گی جس نصاب پورا ہوجاتا ہے)۔

مذکورہ تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس اتنی نقد رقم ہو جس سے نصاب کے بقدر چاندی تو خریدی جاسکتی ہو، لیکن نصاب کے بقدر سونا خریدا نہ جاسکتا ہو تو ایسے شخص پر زکوۃ واجب ہوگی، اسی طرح اگر کسی کے پاس نقد رقم، مال تجارت یا اموال زکوۃ کے علاوہ حاجت اصلیہ سے فاضل کوئی مال چاندی کے نصاب کی قیمت کا موجود ہے، مگر وہ سونے کے نصاب کی قیمت کو نہ پہنچتا ہو تو اس کے لیے زکوۃ لینا حرام ہوگا۔

۲- اگر کسی شخص کے پاس کچھ مقدار سونے اور کچھ مقدار چاندی کی ہو اور دونوں کا مجموعہ نصاب کے بقدر ہوجاتا ہو تو زکوۃ واجب ہوجائے گی۔ "بدائع الصنائع" میں ہے:

"أما إذا كان له الصنفان جميعا، فإن لم يكن كل واحد منهما نصابا بأن كان له عشرة مثاقيل و مأة درهم، فإنه يضم أحدهما إلى الآخر في حق

تكميل النصاب عندنا"(بدائع الصنائع ۲/ ۱۰۶)۔

(اگر کسی کے پاس سونا و چاندی دونوں ہوں اوران میں سے کوئی بھی نصاب کو نہ پہنچتا ہو، اس طرح پر کہ اس کے پاس دس مثقال سونا اور سو درہم چاندی ہو تو تکمیل نصاب کے لیے ایک کو دوسرے کے ساتھ ضم کر دیا جائے گا)۔

البتہ سونے چاندی کے ضم کرنے کی صورت میں امام ابو حنیفہؒ کے یہاں بلحاظ قیمت ہوگی اور حضرات صاحبینؒ کے یہاں بلحاظ اجزاء۔ ''شرح الوقایہ'' میں ہے:

''يضم الذهب إلى الفضة و العروض إليها بالقيمة هذا عند أبي حنيفة، و أما عندهما: فيضم الذهب بالفضة بالأجزاء، حتى لو كان له عشرة دنانير و تسعون درهما قيمتها عشرة دنانير تجب عنده لا عندهما" (شرح الوقایہ ۱/ ۲۳۰)۔

(سونے کو چاندی کے ساتھ اور سامان کو ان دونوں کے ساتھ قیمتاً ضم کر دیا جائے گا، یہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے، اور صاحبینؒ کے نزدیک سونے کو چاندی کے ساتھ بلحاظ اجزاء ضم کیا جائے گا، یہاں تک کہ اگر اس کے پاس دس دینار اور دس دینار کی قیمت کے نوے درہم ہوں تو امام صاحبؒ کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہوگی اور صاحبینؒ کے نزدیک نہیں)۔

امام صاحبؒ کے پیش نظر ضم نصاب کے سلسلے میں فقراء کی منفعت ہے، جیسا کہ علامہ کاسانی نے ''بدائع الصنائع'' میں تحریر فرمایا ہے کہ آپ نے قیمت لگانے میں اس بات کا بطور خاص لحاظ کیا ہے:

''ثم عند أبي حنيفة يعتبر في التقويم منفعة الفقراء كما هو أصله حتى روي عنه أنه قال: إذا كان لرجل مأة و خمسة و تسعون درهما و دينار يساوي خمسة دراهم أنه تجب الزكاة، و ذلک بأن يقوم الفضة بالذهب كل خمسة منها بدينار" (بدائع الصنائع ۲/ ۱۰۸)۔

(پھر امام ابو حنیفہؒ کے یہاں قیمت لگانے میں منفعت فقراء کا اعتبار کیا جاتا ہے،

جیسا کہ تقویم کی یہی اصل ہے، یہاں تک کہ امام صاحبؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: اگر کسی کے پاس ایک سو پچانوے درہم اور پانچ درہم کے مساوی ایک دینار ہو تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی، وہ اس طرح کہ چاندی کی قیمت سونے سے لگائے ہر پانچ درہم برابر ایک دینار)۔

اسی طرح اس صورت میں بھی منفعت فقراء کا لحاظ ضروری ہوتا ہے، جبکہ سونے چاندی میں سے ہر ایک کا نصاب مکمل ہوا اور دونوں کو ضم کر کے زکوٰۃ دینے کا ارادہ ہو تو اس میں وہ قیمت لگائی جائے گی جو ''أنفع للفقراء'' ہو، ''بدائع الصنائع'' میں ہے:

''إذا كان كل واحد منهما نصابا تاما و لم يكن زائدا عليه لا يجب الضم، بل ينبغي أن يؤدى من كل واحد منها زكاته، و لو ضم أحدهما إلى الآخر حتى يؤدى كله من الفضة أو الذهب، فلا بأس به عندنا، و لكن يجب أن يكون التقويم بما هو أنفع للفقراء رواجا، فيؤدى من كل واحد منها ربع عشرة'' (بدائع الصنائع ص ۱۰۸)۔

(اگر سونا چاندی میں سے ہر ایک مکمل نصاب ہو اور اس سے کچھ زائد نہ ہو تو ضم کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ مناسب ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک سے اپنی زکوٰۃ ادا کرے، اور اگر دونوں کو باہم ضم کر دے یہاں تک کہ پوری زکوٰۃ چاندی یا سونے سے ادا کرے تو ہمارے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اس سے قیمت لگانا واجب ہوگا جو رواجاً ''أنفع للفقراء'' ہو، ورنہ ان دونوں میں سے ہر ایک سے چالیسواں حصہ ادا کرے)۔

مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ امام صاحبؒ کے قول کو اختیار کرنا ہی راجح اور بہتر ہے، اس وجہ سے کہ اس میں فقراء و مساکین کی منفعت بطور خاص ملحوظ ہے، پھر احتیاط بھی اسی میں ہے کہ امام صاحبؒ کے قول پر عمل کرتے ہوئے آدمی اپنی زکوٰۃ کی ادائیگی سے عہدہ برآ ہو جائے، جبکہ صاحبینؒ کے قول کے اختیار کرنے کی صورت میں ایسا نہیں ہے۔

نصاب زکوۃ سے متعلق دوسوالوں کے جوابات

مفتی عبدالقیوم پالنپوری قاسمی☆

۱- موجودہ حالات میں اگر کسی کے پاس نقد روپے یا سامان تجارت ہوتو زکوۃ اس میں واجب ہونے کے لیے پیمانہ چاندی کا نصاب ہے، مثلاً اتنی نقد رقم یا سامان تجارت ہے، جس سے نصاب کے بقدر چاندی خرید کی جاسکتی ہو، لیکن اس سے نصاب زکوۃ کے بقدر سونا خریدا نہ جاسکتا ہوتو ایسے شخص پر زکوۃ واجب ہوگی۔

”وفي الدر المختار: وفي عرض تجارة قيمته نصاب ...... مقوماً بأحدهما ان استويا، فلو أحدهما أروج تعين التقويم به، ولو بلغ بأحدهما نصابا دون الآخر تعين مايبلغ به“ (الدرالمختار نعمانیہ دیوبند ۳۱/۲) وفي ردالمحتار: محل التخيير إذا استويا فقط، أما إذا اختلفا قوم بالأنفع (للفقراء): (۳۱/۲، وفی البدائع: ۲۰/۲)، وإن الدراهم والدنانير وإن كانا في الثمنية والتقويم بهما سواء لكنا رجحنا أحدهما بمرجح وهو النظر للفقراء والأخذ بالاحياط أولىٰ، ألاترىٰ أنه لوكان التقويم بأحدهما يتم النصاب وبالأخر لا، فإنه يقوم بيما يتم به نظر الفقراء واحتياطاً“۔

اسی طرح اگر کسی شخص کے پاس نقد رقم، مال تجارت یا اموالِ زکوۃ کے علاوہ اتنا مال ہے جو چاندی کے نصاب کی قیمت کے بقدر ہے، لیکن وہ مال سونے کے نصاب کی قیمت کو نہیں پہنچتا اور وہ مال اس کی ضروریاتِ زندگی سے زاید ہے، تو اس کے لیے زکوۃ لینا جائز نہیں ہے اور

☆ جامعہ نذیریہ، کاکوسی، شمالی گجرات۔

اس پر صدقۂ فطر اور قربانی واجب ہے۔صاحب ''بدائع'' علامہ کاسانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''أما الغنا الذی تجب به الزکوٰة فهو أن یملک نصابا من المال النامی الفاضل عن الحاجة الأصلیة، وأما الغنا الذی یحرم به أخذالصدقة وقبولها، فهو الذی تجب به صدقة الفطر والأضحیة وهو أن یملک من الأموال التی لاتجب فیه الزکوٰة مایفضل عن حاجته وتبلغ قیمة الفاضل مائتی درهم من الثیاب والفرش والدور والحوانیت والدواب والخدم زیادة علی مایحتاج إلیه کل ذالک للابتذال والاستعمال لا للتجارة والأسامة، فإذا فضل من ذالک مایبلغ مائتی درهم وجب علیه صدقة الفطر والأضحیة وحرم علیه اخذ الصدقة'' (بدائع الصنائع ۲/۴۸)۔

(بہر حال وہ مالداری جس سے زکوٰۃ واجب ہوتی ہے پس وہ یہ ہے کہ آدمی ضرورت سے زائد مال نامی کے نصاب کا مالک ہو— اور بہر حال وہ غنا اور مالداری جس سے زکوٰۃ لینا اور قبول کرنا حرام ہوتا ہے— پس وہ غنا ہے جس کی وجہ سے صدقۂ فطر اور قربانی واجب ہوتی ہے۔ وہ مالداری یہ ہے کہ آدمی اپنی ضروریات زندگی سے زائد ایسے اموال کا مالک ہو جس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ہے اور ان زائد اموال کپڑے، بچھونے، گھر، دوکانیں، چوپائے اور غلام جو اس کی ضرورت سے زائد ہیں، ان کی قیمت دوسو درہم چاندی کی قیمت کو پہنچتی ہو اور یہ تمام استعمال کے لیے ہوں، تجارت کے لیے نہ ہوں اور جانور سائمہ نہ ہوں— پس جب ان اموال میں سے زائد و فاضل مال اتنا ہو کہ دو سو دراہم کی قیمت تک پہنچتا ہے تو اس پر صدقۂ فطر اور قربانی واجب ہے اور اس پر زکوٰۃ لینا حرام ہے)۔

۲- کسی کے پاس نصاب سے کم چاندی ہے اور نصاب سے کم سونا ہے اور دونوں کا مجموعہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قیمت کے اعتبار سے دونوں میں سے کسی ایک کے نصاب کے بقدر ہو جاتا ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، صاحبینؒ کے نزدیک اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، جب

تک کہ اجزاء کے اعتبار سے ایک نصاب کے بقدر نہ ہو جائے۔

اس مسئلہ میں امام صاحبؒ کا قول راجح اور مفتی بہ ہے۔ کما ظہر من تقدیم قاضیخان قولہ علی قول صاحبیہؒ — نیز امام صاحبؒ کے قول پر عمل کرنے میں احتیاط ہے۔ والأخذ بالاحتیاط اولی اور امام صاحبؒ کا قول انفع للفقراء بھی ہے — پس امام صاحبؒ کے احتیاط والے اور انفع للفقراء اور راجح قول کو چھوڑ کر صاحبینؒ کے قول کو اختیار کرنے کی کوئی حاجت وضرورت نہیں ہے۔

”وفي الخانية: ويكمل نصاب الفضة بالذهب ونصاب الذهب بالفضة إلا أن عند أبي حنيفةؒ يكمل نصاب الفضة بالذهب باعتبار القيمة وعند صاحبيه باعتبار الأجزاء“(فتاویٰ قاضیخاں علی الہندیہ)۔

چاندی کا نصاب سونے سے اور سونے کا نصاب چاندی سے مکمل کیا جائے گا، مگر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چاندی کا نصاب سونے سے قیمت کے اعتبار سے مکمل کیا جائے گا اور صاحبینؒ کے نزدیک اجزاء کے اعتبار سے۔

☆☆☆

سونے و چاندی کے نصاب کا مسئلہ

مفتی عبدالرحیم قاسمی ☆

۱- فتویٰ اسی پر ہے کہ ساڑھے باون تولہ چاندی کے بقدر نوٹوں کی ملکیت پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور اس کے واجب ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ لینے کے حرام ہونے کا حکم لگایا جائے گا (کتاب الفتاویٰ ۳/۲۷۶)۔

"طحطاوی علی مراقی الفلاح" میں ہے:

"تضم قيمة العروض إلى الثمنين و الذهب إلى الفضة قيمة" (طحطاوي على المراقي/۳۹۰)۔

(سامان کی قیمت ثمنین کی طرف ملائی جائے گی اور سونے کو چاندی کی طرف ملایا جائے گا قیمت کے اعتبار سے)۔

"ہدایہ" میں ہے:

"الزكاة واجبة في عروض التجارة كائنة ما كانت إذا بلغت قيمتها نصابا من الورق أو الذهب يقومها بما هو أنفع للمساكين احتياطا لحق الفقراء، قال: و هذا رواية عن أبي حنيفة" (الہدایہ ۱/۱۹۵)۔

(سامان تجارت میں زکوٰۃ فرض ہے، جس قدر بھی ہو، جب اس کی قیمت چاندی یا سونے کے حساب سے نصاب کو پہنچ جائے، اس کی قیمت کا اعتبار ہوگا، جو مسکینوں کے لیے زیادہ

☆ امیر مرکز دعوت وارشاد وافتاء، ناظم جامعہ خیر العلوم، بھوپال۔

مفید ہو احتیاطاً فقراء کے حق کی وجہ سے، امام ابوحنیفہؒ کے یہی روایت ہے)۔

"**تفسير الأنفع: أن يقومها بما يبلغ نصابا**" انفع کی تفسیر یہ ہے کہ جس کے ذریعہ نصاب پورا ہو جائے اس کی قیمت لگائے (ہدایہ اولین:۱۹۲)۔

"بدائع الصنائع" میں ہے:

"**لأن في التكميل باعتبار التقويم ضرب احتياطا في باب العبادة و نظرا للفقراء فكان أولى ثم عند أبي حنيفة يعتبر في التقويم منفعة الفقراء كما هو أصله**" (بدائع الصنائع ۲/۲۰)۔

(قیمت کے اعتبار سے نصاب مکمل کرنے میں عبادت کے باب میں احتیاط کا لحاظ ہے اور فقراء پر نظر ہے، پھر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قیمت لگانے میں فقراء کی منفعت کا اعتبار ہے، جیسا کہ ان کا اصول ہے)۔

"**ثم بما ذا تقوم ذكر القدوري في شرحه مختصر الكرخي أنه يقوم بأوفى القيمتين من الدراهم و الدنانير حتى أنها إذا بلغت بالتقويم بالدراهم نصابا و لم تبلغ بالدنانير قومت بما تبلغ به النصاب، و كذا روي عن أبي حنيفة أنه يقومها بأنفع النقدين للفقراء**" (بدائع الصنائع ۲/۲۱)۔

(پھر کس چیز سے قیمت لگائی جائے گی تو قدوری نے مختصر کرخی کی شرح میں ذکر کیا ہے کہ دراہم یعنی چاندی کے سکوں کی قیمت سے نصاب پورا ہوتا ہو اور دینار سونے کے سکوں سے نصاب پورا نہ ہوتا ہو تو جس سے نصاب پورا ہو رہا ہے اسی کی قیمت لگائی جائے گی)۔

"درمختار" میں ہے:

"**و لو بلغ بأحدهما نصابا دون الآخر تعين ما يبلغ به**" (الدر المختار علی الرد ۱/۳۱)۔

(اگر دونوں میں سے ایک کے ذریعہ نصاب پورا کیا جا سکتا ہو، دوسرے کے ذریعہ نہیں

توجس سے نصاب پورا ہورہا ہے اس کا نصاب بنانا متعین ہے)۔

اس پر علامہ شامی نے لکھا ہے:

"یتعین ما یبلغ نصابا دون ما لا یبلغ" (ردالمحتار ۲/۳۱)۔

اور "درمختار" میں ہی ہے:

"و لو بلغ بأحدهما نصابا و خمسا و بالآخر أقل قومه بالأنفع للفقیر" (الدرالمختار علی الرد ۲/۳۱)۔

(ایک کے ذریعہ نصاب کے برابر اور کچھ زائد مال بن رہا ہو اور دوسرے کے ذریعہ کم بن رہا ہو تو فقیر کے لیے جو زیادہ نفع بخش ہے اسی کی قیمت کا اعتبار ہوگا)۔

علامہ شامی نے لکھا ہے:

"و محل التخییر إذا استویا فقط، أما إذا اختلفا قوم بالأنفع" (ردالمحتار ۲/۳۱)۔

(دونوں کی قیمت برابر ہو تو کسی سے بھی نصاب بنانے کا اختیار رہے اور جب دونوں کی قیمت مختلف ہو تو غریبوں کو جس سے زیادہ نفع ہو اسی کے ذریعہ نصاب بنایا جائے گا)۔

امام صاحبؒ کے قول پر فتویٰ دینا ہی مناسب و مفید ہے اور اسی میں غریبوں کا زیادہ نفع ہے اور عبادت کی ادائیگی میں احتیاط ہے۔

☆☆☆

عروض تجارت، نقد سونا چاندی میں نصاب زکوٰۃ

مفتی اقبال محمد ٹنکاروی☆

یہ حقیقت ہے کہ شریعت اسلامی نے سونے اور چاندی کو مستقل نصاب کی حیثیت سے تسلیم کیا ہے، مگر اس وقت سونے اور چاندی کے نرخ میں غیر معمولی تفاوت اور فرق پیدا ہوجانے کی وجہ سے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اموال تجارت اور نقد روپے میں نصاب وجوب زکوٰۃ کی کم سے کم مقدار چاندی کے نصاب سے مقرر کی جائے یا سونے کے نصاب سے؟

اسی طرح نصاب حرمت زکوٰۃ، غنی یعنی کسی شخص کو غنی و مالدار قرار دیکر اس کے لیے زکوٰۃ لینا ممنوع قرار دیا جائے، تو اس میں معیار کسے قرار دیا جائے؟ اور کس کی رعایت کی جائے؟

اس سلسلہ میں کتب فقہ میں دو اہم اصول ملتے ہیں:

۱۔ تعیین نصاب اور ضم نصاب میں فقراء کی رعایت کی جائے گی اور دیکھا جائے گا کہ ''أنفع للفقراء'' کی صورت کونسی ہے؟

۲۔ تقویم میں تخییر کے باوجود اعتبار اس کا ہوگا جس سے نصاب مکمل ہوجائے۔

اول الذکر اصول کے متعلق فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''ہدایہ'' میں ہے:

''**یقومها بما هو أنفع للمساکین**'' (الہدایہ، کتاب الزکوٰۃ، باب زکوٰۃ المال، فصل فی العروض ۱/ ۱۹۵)۔

☆ مہتمم دارالعلوم اسلامیہ، ماٹلی والا، بھروچ، گجرات۔

درمختار میں تفصیل سے مذکور ہے:

"ولوبلغ بأحدهما دون الآخر، تعين مايبلغ به نصابا، ولو بلغ بأحدهما نصابا وخمسا وبالآخر أقل، قومه بالأنفع للفقير" (کتاب الزکوٰۃ، باب زکوٰۃ المال ۲۲۹/۳)۔

تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق میں مرقوم ہے:

"ويعتبر فيهما الأنفع، أيهما كان أنفع للمساكين" (کتاب الزکوٰۃ، باب زکوٰۃ المال ۲۷۹/۱، مکتبہ امدادیہ، ملتان)۔

علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں:

"لكن يجب أن يكون التقويم بما هو أنفع للفقراء قدرا ورواجاً" (کتاب الزکوٰۃ، الباب الثالث فی زکوٰۃ الذہب والفضۃ والعروض، الفصل الأول فی زکوٰۃ الذہب والفضۃ ۱۷۹/۱، وکذافی ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ، باب زکوٰۃ المال ۲۳۴/۳، مکتبہ دارالکتب العلمیہ)۔

مذکورۃ الصدر عبارت سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ نصاب میں فقراء کی رعایت کی جائے اور یہ دیکھا جائے کہ "أنفع للفقراء" کونسی صورت ہے؟ دوسرا اصول یہ ہے کہ تقویم میں اعتبار اس کا ہوگا جس سے نصاب تکمیل کو پہنچے یہی انفع کی تفسیر ہے۔

"ہدایہ" میں ہے:

"وفي الأصل خيره، لأن الثمنين في تقدير الأشياء بهما سواء، تفسير الأنفع أن يقومها بما يبلغ نصابا...... وتضم قيمة العروض الى الذهب والفضة حتى يتم النصاب" (ہدایہ حوالہ سابق ص ۱۹۶، ہندیہ حوالہ سابق، الفصل الثانی فی العروض)۔

علامہ کاسانی قدرے تفصیل سے تحریر فرماتے ہیں:

"واذا كان تقدير النصاب من أموال التجارة بقيمتها من الذهب والفضة، وهو أن تبلغ قيمتها مقدار نصاب من الذهب والفضة، فلا بد من التقويم حتى يعرف مقدار النصاب۔ ثم بما ذا تقوم؟ ذكر القدوری في شرحه

مختصر الكرخي أنه يقوم بأوفى القيمتين من الدراهم والمنانير، حتى أنها إذا بلغت بالتقويم بالدراهم نصابا ولم تبلغ بالمنانير، قومت بما تبلغ به النصاب'' (بدائع الصنائع،حوالہ سابق)۔

علامہ نووی رقم طراز ہیں:

''**والثاني: يقوم بالأنفع للمساكين كما سبق في اجتماع الحقوق وبنات اللبون۔ والثالث: يتعين التقويم بالدراهيم، لأنها أكثر استعمالا، ولأنها أوفق، وهو قول أبي هريرة**'' (المجموع شرح المہذب، کتاب الزکوٰۃ، النوع الرابع التجارہ ۶/۶۶، مکتبہ دارالفکر)۔

نیز یہ یاد رہے کہ چاندی کے نصاب کا ثبوت صحیح احادیث مشہورہ سے ہے اور اجماع بھی ہے، لیکن سونے کے نصاب کے سلسلہ کی احادیث اس درجہ شہرت کو نہ پہنچی تھی۔

جیسا کہ مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

خلاصہ یہ کہ چاندی کا نصاب تو صحیح احادیث مشہورہ سے ثابت ہے اور پوری امت کا اس پر اجماع چلا آرہا ہے۔ برخلاف سونے کے کہ اس میں زکوٰۃ فرض ہونے کی صراحت تو قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں موجود ہے، لیکن جہاں تک اس کے نصاب کا تعلق ہے، جن احادیث نبویہ میں اس کی صراحت کی گئی ہے وہ اس درجہ قوت وشہرت کو نہ پہنچ سکی تھی، یہ وہی ہے کہ عہد رسالت میں سونے کا رواج بہت کم تھا۔ لہذا سونے کی زکوٰۃ دینے اور لینے کے مواقع کم ہی پیش آتے تھے، اس لیے نصاب زکوٰۃ کی احادیث میں سونے کے نصاب کا ذکر نسبتاً کم آیا ہے۔ تاہم کئی احادیث نبویہ اور آثار صحابہ میں اس کی صراحت موجود ہے اور صحابۂ کرام کا عمل بھی اس کے مطابق تھا۔

کچھ روایات نقل کرنے کے بعد مزید فرماتے ہیں:

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ حضور ﷺ نے زکوٰۃ کا جو نصاب مقرر

فرمایا اور جس کا بار بار اعلان فرماتے رہے وہ دراصل چاندی ہی کا نصاب تھا، بعد میں اگرچہ آپ ﷺ نے سونے کا نصاب بھی الگ مقرر فرمایا، لیکن صورت حال ہرگز یہ نہیں تھی کہ آپ ﷺ نے ابتداءً سونے کا نصاب مقرر فرمایا ہو اور بعد میں اس کی مساوی قیمت کی چاندی کو اس کے تابع کر کے اس کا نصاب الگ مقرر فرمایا ہو، بلکہ ابتداءً جو نصاب مقرر ہوا اور جس پر آپ نے صحابہؓ سے عمل کروایا وہ چاندی ہی کا نصاب تھا، جسے مقرر کرتے وقت یہ بات ہرگز پیش نظر نہیں رہی کہ اتنی چاندی کتنے سونے کے مساوی ہوتی ہے؟ بلکہ احادیث و آثار کی روشنی میں یہ بات تو بعض فقہاء کے نزدیک قابل غور رہی ہے کہ چاندی کے نصاب کو اصل قرار دیکر اس کے مساوی سونے کو سونے کا نصاب قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ (البلاغ ماہنامہ: جمادی الآخری ۱۴۳۰ھ)۔

اس کو مولانا رفیع عثمانی صاحب نے قدرے تفصیل سے ذکر کیا ہے، اس لیے "بدایۃ المجتہد" کی عبارت مختصر نقل کرتا ہوں:

"أما المقدار الذی تجب فیه الزکوٰة من الفضة فإنهم اتفقوا علی أنه خمس أواق لقوله علیه الصلوٰة والسلام۔ الثابت: "لیس فیما دون خمس أواق من الورق صدقة" واختلفوا من هذا الباب فی مواضع خمس، أحدها فی نصاب الذهب .... وفی اختلافهم فی نصاب الذهب، فإن أکثر العلماء علی أن الزکوٰة تجب فی عشرین دینارا وزنا کما تجب فی مائتی درهم، هذا مذهب مالک والشافعي وأبي حنیفة وأصحابهم وأحمد وجماعة فقهاء الأمصار"۔

اس کے علاوہ دوسرا مذہب حسن بصریؒ اور اکثر اصحاب داؤد بن علی کا ذکر کیا ہے اور تیسرا مذہب من غیر ذالک الاسم ایک جماعت کی طرف منسوب کیا ہے۔

پھر وجہ اختلاف ذکر فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"وسبب اختلافهم فی نصاب الذهب أنه لم یثبت فی ذلک شئی عن النبی ﷺ کما ثبت ذالک فی نصاب الفضة۔ وأما الذین جعلوا الزکوٰة فیما

دون الأربعون تبعا للدراهم، فإنه لما كان عندهم من جنس واحد، جعلوا الفضة هي الأصل، إذا كان النص قد ثبت فيها، وجعلوا الذهب تابعا في القيمة لافي الوزن" (بدایۃ المجتہد کتاب الزکوۃ، الفصل الأول القدر الواجب في الذهب والفضۃ ۳/ ۸۲، ۸۴)۔

اسی طرح کسی کے پاس کچھ سونا اور کچھ چاندی ہے اور دونوں بقدر نصاب نہیں ہے تو اس میں کونسی صورت اختیار کی جائے؟ اس سلسلہ میں کتب فقہ وفقہاء ہندو پاک کی عبارات مندرجہ ذیل ہیں:

۱-اگر کسی کی ملکیت میں ساڑھے سات تولہ سونا ہے یا اس میں سے کسی ایک کی قیمت کے برابر روپیہ یا نوٹ ہے تو اس پر زکوۃ فرض ہے، نقد روپیہ بھی سونے چاندی کے حکم میں ہے (شامی) اور سامان تجارت اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہے تو اس پر بھی زکوۃ فرض ہے (جواہر الفقہ (۱۷) احکام رمضان المبارک ومسائل زکوۃ ۱/ ۸۴ ۳، مکتبہ تفسیر القرآن، دیوبند)۔

۲-حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

کسی کے پاس نہ تو پوری مقدار سونے کی ہے نہ پوری مقدار چاندی کی ہے، بلکہ تھوڑا سونا ہے اور تھوڑی چاندی ہے، تو اگر دونوں کی قیمت ملا کر ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہوجائے یا ساڑھے سات تولہ سونے کے برابر ہوجائے تو زکوۃ واجب ہے (مزید فتاوی کے لئے دیکھئے: دین کی باتیں: کتاب الزکوۃ کا بیان: ۲۲۲، فتاوی محمودیہ مع تخریج وتعلیق: کتاب الزکوۃ، باب الزکوۃ فی الذہب والفضۃ والفلوس الرائجۃ، سوال ۴۴۸۸، ۴۴۸۹، ۴۴۹۰، ۹/ ۳۷۱، ۳۷۲، مکتبۃ: ادارۂ صدیق ڈابھیل، فتاوی رحیمیہ: کتاب الزکوۃ، باب مایوجب فیہ الزکوۃ ومالایوجب، مسئلہ نمبر — ۱۵۴، ۱۷۵، ۷/ — ۱۵۱، ۱۵۳، مکتبہ دارالاشاعت، کراچی)۔

۵-مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"خلاصہ یہ کہ سونے اور چاندی کی قیمتوں میں اس تفاوت سے جس طرح ہم کو واسطہ پیش آرہا ہے، ہمارے اسلاف کو بھی دور عروج میں پیش آچکا ہے" (البلاغ، جمادی الآخری ۱۴۳۰ھ)۔

خلاصہ:

مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں عاجز کی رائے یہ ہے:

۱۔نقد روپے اور عروض تجارت میں وجوب زکوٰۃ کے لیے پیمانہ نصاب چاندی کو قرار دیا جائے کہ یہ " أنفع للفقراء" ہے اور اس کے نصاب میں سب کا اتفاق ہے۔

۲-کچھ مقدار سونا اور کچھ مقدار چاندی جو نصاب سے کم ہو، اس میں بھی قیمت کا اعتبار کیا جائے۔

نیز حرمت زکوٰۃ و وجوب زکوٰۃ کے نصاب میں کم سے کم مقدار چاندی کے نصاب سے مقرر کی جائے۔جیسا کہ کتب فقہ اور عبارات فقہاء سے مصرح ہے (خاصۃ جواہر الفقہ وفتاویٰ رحیمیہ)۔

۳-امام اعظم کے قول پر اگر مالدار کے لیے رعایت نہ ہونے کا شبہ ہے، تو اس کی وضاحت صاحب "فتح القدیر" کے حوالے سے گذر چکی ہے۔

☆☆☆

سونے اور چاندی کے نصاب سے متعلق بحث وتحقیق

مولانا حفیظ الرحمن مدنی ☆

رسول اللہ ﷺ نے سونے و چاندی کا نصاب متعین فرمایا ہے، اور ان دونوں چیزوں کو اصل اور بنیاد قرار دیا ہے، کیونکہ اجناس جو انسانی ضرورت کو پورا کرتے ہیں ان کی قیمتوں کے گھٹنے اور بڑھنے سے ان کی افادیت اور نافعیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا، برعکس سونا اور چاندی کے کہ اس کی حیثیت ذریعۂ تبادلہ اور ثمنیت کی ہے، یعنی جس طرح روپئے پیسے اور سکوں سے سامان اور اشیاء خریدی جاتی ہیں اسی طرح سونے اور چاندی سے بھی اشیاء کی خرید وفروخت ہوتی ہے اور اشیاء کی حیثیت متعین کرنے میں اصل معیار مالیت ہے، اور مالیت سونے اور چاندی سے متعین ہوتی ہے، لہٰذا رسولِ برحق شارع ﷺ نے سونے اور چاندی ہی کو مالیت کی اصل اور معیار قرار دیا، اور صرف ان دونوں کا نصاب متعین فرمایا، اور باقی چیزوں کو ان کے تابع قرار دیا۔ حدیث میں وارد ہے:

"قال عليه الصلاة و السلام: ليس فيما دون خمس أواق صدقة، و الوقية أربعون درهما، قلت: أخرج البخاري و مسلم عن يحيىٰ بن عمارة عن الخدري عن النبي ﷺ قال: ليس فيما دون خمسة أوسق صدقة، و لا فيما دون خمسة ذود صدقة، و لا فيما دون خمس أواق صدقة" (نصب الرایہ ۲/ ۳۶۲)۔

(پانچ اوقیہ سے کم میں صدقہ (زکوۃ) واجب نہیں ہے، اور ایک وقیہ چالیس درہم کا

☆ استاذ جامعہ عربیہ منبع العلوم خیرآباد مئو (یوپی)۔

ہوتا ہے، امام بخاری ومسلم نے یحییٰ بن عمارہ سے انہوں نے خدریؓ سے انہوں نے نبی ﷺ سے روایت کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں ہے اور پانچ ذود سے کم میں صدقہ نہیں ہے (اور ایک وسق ۶۰/صاع کا ہوتا ہے اور ''ذود'' تین سے دس تک اونٹوں کی قطار کو کہتے ہیں) اور پانچ اوقیہ سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے)۔

سونے کا نصاب جدید پیمانے کے اعتبار سے ۸۷/گرام ۴۸۰/ملی گرام ہے اور چاندی کا نصاب ۶۱۲/گرام ۳۶۰/ملی گرام ہے۔

''ہدایہ'' میں ہے:

''**ليس فيما دون مائتي درهم صدقة لقوله عليه السلام: ليس فيما دون خمس أواق صدقة، و الأوقية أربعون درهما، متفق عليه من حديث أبي سعيد الخدري و لمسلم عن جابر و ليس فيها تفسير الأوقية**''۔

(**و أخرج الدار قطني من وجه اٰخر عن جابر بالتفسير و لمسلم عن عائشة في تفسير الوقية، نحو حديث أن النبي صلى الله عليه و سلم كتب إلى معاذؓ أن خذ من كل مائتي درهم خمسة دراهم و من كل عشرين مثقالا من ذهب نصف مثقال**) (الہدایہ ۱/۱۷۴)۔

(دوسو درہم سے کم میں صدقہ (زکوٰۃ) نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ کے قول کی وجہ سے کہ ''پانچ اوقیہ سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے اور ایک اوقیہ یا وقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔'' متفق علیہ ابوسعید خدریؓ کی روایت سے۔ اور حضرت جابرؓ سے امام مسلمؒ نے نقل کیا ہے اور اس میں اوقیہ کی تفسیر نہیں ہے۔

اور امام دارقطنی نے حضرت جابرؓ سے دوسرے طریق سے روایت کیا ہے اور اس میں اوقیہ کی تفسیر ہے، اور امام مسلم نے حضرت عائشہؓ سے وقیہ کی تفسیر میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ کو لکھا کہ ''ہر دوسو درہم میں سے پانچ درہم وصول کرو اور ہر بیس

مثقال سونے میں سے نصف مثقال وصول کرو''۔

اب چونکہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت ساڑھے سات تولہ سونے کی قیمت سے بہت ہی کم ہے، اس کی وجہ سے کسی کو زکوۃ کا غیر مستحق قرار دینا یا صاحب نصاب بنا کہ اس پر زکوۃ واجب ہو، بسا اوقات دشواری کا باعث ہو جاتا ہے، پھر بھی فتویٰ اسی پر ہے کہ ساڑھے باون تولہ چاندی کے بقدر مالیت کے مالک ہونے پر زکوۃ واجب ہوگی، یعنی مالک کو صاحب نصاب قرار دیا جائے گا اور اسی کی وجہ سے زکوۃ لینا حرام ہو جائے گا، کیونکہ اس کی وجہ اصل یہ ہے کہ اغنیاء کے ذریعہ فقراء کی ضروریات پوری ہوں، چنانچہ ارشاد باری ہے:

﴿و في أموالهم حق للسائل و المحروم﴾ (سورۃ الذاریات:۱۹)۔

(اغنیاء کے مالوں سے سائل اور محروم یعنی مفلس و نادار کا حق ہے)۔

اور ظاہر ہے کہ یہ اقل مالیت اور مقدار والی چیز، یعنی چاندی کو معیار قرار دینے میں زیادہ نظر آتی ہے۔

''ہدایہ'' میں ہے:

''الزكاة واجبة في عروض التجارة كائنة ما كانت إذا بلغت قيمتها نصابا من الورق أو الذهب لقوله عليه الصلاة و السلام فيها: يقومها فيؤدى من كل مائتي درهم خمسة دراهم، و لأنها معدة للاستنماء بإعداد العبد فأشبه المعد بإعداد الشرع و يشترط نية التجارة ليثبت الإعداد، ثم قال: يقومها بما هو أنفع للمساكين احتياطا لحق الفقراء'' (الہدایہ ۱/۱۷۵)۔

(سامان تجارت میں زکوۃ واجب ہے، کوئی بھی سامان ہو، جبکہ اس کی قیمت چاندی یا سونے کے نصاب کو پہنچ جائے، اس میں، آپ ﷺ کے قول کی وجہ سے، کہ اس کی قیمت لگائے، پس ہر دو سو درہم میں سے پانچ درہم ادا کرے، اور اس لیے کہ وہ سامان تجارت بھی بندہ کے مہیا کرنے سے نمو طلب کرنے کے لیے مہیا کیا گیا ہے، پس اس کے مشابہ ہو گیا، جو شریعت

کے مہیا کرنے سے مہیا ہوتا ہے، اور تجارت کی نیت شرط ہے، تاکہ نامی ہونا ثابت ہے، پھر امام قدوری نے کہا کہ سامان کی قیمت ایسے نقد سے لگائے ج مساکین کے لیے زیادہ نافع ہو، یہ حکم فقراء کے حق کی وجہ سے احتیاط پر مبنی ہے)۔

چنانچہ امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول:

”و يضم الذهب إلى الفضة حتى يتم النصاب عند أبي حنيفة“ (کتاب النوازل للإمام الفقيه أبي الليث نصر بن محمد السمر قندي: ص:۱۳۵، ط: مکتبہ دار الایمان، سہارنپور) بھی اسی پر مبنی ہے کہ اس میں حاجات فقراء کی تکمیل زیادہ ہے، چنانچہ اگر کہیں سونا چاندی سے کم قیمت کا فروخت ہوتا ہے تو وہاں ساڑھے سات تولہ سونا کی قیمت کو معیار قرار دیا جائے گا۔

دکتور وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

”التفاوت بين الناس في الأرزاق و المواهب و تحصيل المكاسب أمر واقعي طارئ يحتاج في شرع الله إلى علاج ـ قال الله تعالى: ﴿و الله فضل بعضكم على بعض في الرزق﴾ (سورة النحل) أي أن الله فضل بعضنا على بعض في الرزق و أوجب على الغني أن يعطي الفقير حقا واجبا مفروضا لا تطوعا و لا منة لقوله تعالى: ﴿و في أموالهم حق للسائل و المحروم﴾ (سورة الذاريات) ﴿خذ من أموالهم صدقة تطهر هم و تزكيهم بها﴾ (سورة التوبة) و فريضة الزكاة أولى الوسائل لعلاج ذلک التفاوت و تحقيق التكافل أو الضمان الاجتماعي في الإسلام، فهي أولا صيانة الأموال، ثانيا عون الفقراء و المحتاجين، ثالثا تطهر النفس من داء الشح و البخل و تعويد المؤمن البذل و السخاء، رابعا شكر نعمة الله ـ و المصلحة في أداء الزكاة تعود في النتيجة على أرباب الأموال؛ لأنهم بأدائها يسهمون في تنمية و دعم القوة الشرائية للفقراء فتنمو بالتالي أموال المزكين ...... بكثرة المبادلات“ (الفقہ الاسلامي و أدلتہ للدکتور وہبہ

زحیلی ۳؍۱۹۱-۱۹۰ا،ط: دارالفکر دمشق)۔

ڈکتور وہبہ زحیلی کی اس بسیط عبارت کی روشنی میں سمجھ میں آتا ہے کہ سونا اور چاندی میں سے کم قیمت والی چیز کو اصل قرار دینے میں زکوٰۃ کی تمام حکمتیں پوری طرح متحقق ہوتی ہیں، جن کی وجہ سے زکوٰۃ مشروع ہوئی ہے، اور چاندی ہی کم قیمت والی چیز ہے، لہٰذا اسی طرف سونے کو بھی ملایا جائے گا، اور یہی امام ابوحنیفہؒ کی رائے ہے جو اصوب معلوم ہوتی ہے۔

''فتاویٰ عالمگیری'' میں ہے:

''و لو ضم أحد النصابين إلى الأخر حتى يؤدى كله من الذهب أو من الفضة لا بأس به، لكن يجب أن يكون التقويم بما هو أنفع للفقراء قدرا و رواجا فيؤدى من كل واحد ربع عشرة، كذا في محيط السرخسي'' (الفتاوی العالمگیریہ ۱؍۱۷۹، ط: مکتبۃ رشیدیہ، کوئٹہ، پاکستان)۔

(اور اگر چاندی اور سونے دونوں نصابوں میں سے ایک کو دوسرے کے ساتھ ملایا جائے حتی کہ پوری زکوٰۃ سونے سے یا چاندی سے ادا کی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، لیکن ان میں سے اسی کے ذریعہ قیمت لگانا ضروری ہوگا جو فقراء کے لیے زیادہ نفع بخش ہو، قدر او رواج کے اعتبار سے، پس ہر ایک میں سے اس کا چالیسواں حصہ ادا کیا جائے گا، جیسا کہ امام سرخسیؒ کی کتاب محیط میں ہے)۔

خلاصہ یہ کہ پیانہ چاندی کا نصاب ہوگا، اسی طرح اگر کسی کے پاس چاندی کے نصاب کے بقدر مال ہو تو زکوٰۃ لینا جائز نہ ہوگا، بلکہ اس پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔

۲- اگر کسی کے پاس سونا، چاندی اور نقد تینوں جمع ہو جائیں تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قیمت کا اعتبار ہے اور صاحبین ضم الاجزاء کے قائل ہیں، یعنی ایک کی مقدار اس کے نصاب کے ایک تناسب کو پورا کرتی ہو اور دوسرے کی مقدار اس کے نصاب کے بقیہ تناسب کو پورا کرتی ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی، ورنہ نہیں اور نہ ہی اس پر زکوٰۃ کا لینا حرام ہوگا۔

موجودہ حالت میں اگر کسی کے پاس ایک تولہ سونا اور ایک تولہ چاندی ہو تو امام صاحب کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہوگی، صاحبینؒ کے نزدیک نہیں ہوگی اور اگر سات تولہ صرف سونا ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، اس صورت میں صاحبین کے قول کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

''مراقی الفلاح''میں ہے:

''و تضم قيمة العروض إلى الثمنين و الذهب إلى الفضة قيمة'' (مراقی الفلاح، ص ۳۹۰، کتاب الزکاۃ، ط: خالد بن ولید، دمشق)۔

''ہدایہ''میں ہے:

''و يضم الذهب إلى الفضة للمجانسة من حيث الثمنية و من هذا الوجه صار سببا ثم تضم بالقيمة عند أبي حنيفة رحمه الله الخ'' (ہدایہ ۱/۱۷۶، باب زکاۃ العروض)۔

''و هو (أبو حنيفة) يقول إن الضم للمجانسة و هو يتحقق باعتبار القيمة دون الصورة فيضم بها''

''فتاویٰ رحیمیہ''میں ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ ضرورت سے زائد نقد پانچ روپے اور تین تولہ سونا ہو تو زکوٰۃ اس لیے فرض ہو جاتی ہے کہ نقد رقم چاندی سونے کے حکم میں ہے اور تین تولہ سونا اور نقد پانچ روپے مل کر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو جاتے ہیں، اس لیے زکوٰۃ واجب ہو جائے گی، اور دوسری صورت میں اس لیے زکوٰۃ فرض نہیں کہ اس کے پاس صرف سونا ہے، چاندی یا تجارتی مال یا نقد رقم نہیں، اس لیے نہ تو سونے کا نصاب بنتا ہے، نہ چاندی کا، لہٰذا اس صورت میں زکوٰۃ فرض نہ ہوگی (فتاویٰ رحیمیہ ۷/۱۵۵، سوال: ۱۴۳)۔

جب امام ابو حنیفہؒ اور صاحبینؒ کے اقوال میں غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے قول کی بنیاد ''انفع للفقراء'' کے اصول پر ہے، نیز ڈاکٹر وہبہ زحیلی کی بیان کردہ زکوٰۃ کی حکمتوں پر ہے، جو زکوٰۃ کے پہلے سوال کے جواب میں گزر چکی ہیں، جس کی طرف اشارہ اس

آیت میں ملتا ہے:

"خذ من أموالهم صدقة تطهرهم و تزكيهم بها" (سورۂ توبہ)۔

یعنی صیانت وتطہیر مال اور تزکیۂ قلب کا پہلو امام صاحبؒ کے قول ہی میں غالب معلوم ہوتا ہے اور مشروعیت زکوٰۃ کا یہی اہم مقصد ہے۔

اور صاحبینؒ کے قول کی بنیا د ذات مال اور حقیقت مال پر ہے اور قیمت ذات کی قائم مقام اور خلف ہے اور ذات کے ہوتے ہوئے خلف کی طرف نہیں جایا جائے گا اور امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ضم کرنا ہم جنس ہونے کی وجہ سے ہے اور ہم جنس ہونا قیمت کے اعتبار سے ہوتا ہے، نہ کہ صورت کے اعتبار سے اور اجزاء کا اعتبار چونکہ صورت کا اعتبار ہے، اس لیے صورت کے اعتبار سے ضم نہ ہونا گویا اجزاء کے اعتبار سے ضم کا نہ ہونا ہے، پس ثابت ہوگیا کہ ضم کے لیے اجزاء کا اعتبار نہ ہوگا، بلکہ قیمت کا اعتبار ہوگا۔

شامی میں ہے:

"و يضم الذهب إلى الفضة و عكسه بجامع الثمنية قيمة، و قالا: بالأجزاء" (ہامش علی الدر المختار ۲/ ۳۴)۔

(قوله قيمة) أي من جهة القيمة فمن له مائة درهم و خمسة مثاقيل قيمتها مائة عليه زكاتها خلافا لهما، و لو له إبريق فضة وزنه مائة و قيمته بصياغته مائتان لا تجب الزكاة باعتبار القيمة" (رد المحتار علی الدر المختار ۲/ ۳۴، ط: مکتبہ نعمانیہ، دیوبند)۔

(سونے کو چاندی کے ساتھ ملایا جائے گا جامع ثمنیت کے ساتھ قیمت کے اعتبار سے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ اجزاء کے ساتھ ملایا جائے گا۔ (قولہ قیمۃ) یعنی قیمت کے اعتبار سے، پس جس شخص کے لیے سو درہم اور پانچ مثقال سونا ہے، جس کی قیمت سو درہم ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے، صاحبینؒ کا اختلاف ہے)۔

فقہاء کی ان عبارتوں کی روشنی میں بھی یہی سمجھ میں آتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کا قول راجح ہے اور اسی پر عمل کیا جائے گا، اس لیے کہ اس میں فقراء کا نفع ہے اور اسی طرح ادا کرنے والے کے لیے زکوٰۃ کی ادائیگی کی مصلحتیں اور فوائد بھی اسی قول پر زیادہ متحقق ہوتے ہیں۔

☆☆☆

نصاب زکوۃ سے متعلق سوالات اور اس کے جوابات

مفتی معزالدین قاسمی ☆

سوال نامہ میں سونا اور چاندی کے نصاب کے بارے میں بھی ایک دفعہ ہے جس میں مال۔(جو مال نقود کہلاتے ہیں) جسے سونا اور چاندی ان کی قیمتوں میں مرور زمانہ کی وجہ سے کوئی تناسب باقی نہیں رہا، بلکہ دونوں میں نمایاں فرق ہو چکا ہے، ان نقود (سونے اور چاندی) میں سے ہر ایک اگر الگ الگ ہوں، یعنی صرف چاندی چاندی ہی ہو یا سونا ہی ہو تو شریعت میں ان کا نصاب متعین کر دیا ہے جو احادیث صحیحہ اور اجماع امّت سے بالاتفاق ثابت ہے اور اس میں چاروں ائمہ متفق ہیں کہ چاندی کا نصاب دو سو درہم میں پانچ درہم چاندی ہے اور سونے کے نصاب میں بیس مثقال میں آدھا مثقال نصاب ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس مسئلہ میں کسی قسم کے غور و خوض کی کوئی ضرورت ہے اور نہ ہی اس میں غور خوض کرنا جائز ہے۔

چونکہ ان مسائل میں اجتہاد جائز ہی نہیں ہے جو قرآن و حدیث سے ثابت ہیں۔

اب رہی سونے اور چاندی کے نصاب کے بارے میں جو فقہاء احناف نے ایک صورت یہ ذکر کی کہ جب کسی کہ پاس کچھ سونا ہو اور کچھ چاندی ہو تو امام صاحب کے پاس دونوں کی قیمت کا لحاظ کیا جاتا ہے اور دیکھا جاتا ہے کہ دونوں کی قیمت چاندی کے نصاب کے اتنی ہوتی ہے یا نہیں اگر ہو جاتی ہے تو اس پر زکاۃ لازم ہو جاتی ہے۔

اور صاحبینؒ اس صورت میں ضم اجزاء کے قائل ہیں کہ سونا ایک خاص تناسب میں ہو

☆ مہتمم دارالعلوم، اورنگ آباد۔

اور چاندی کا بھی اس میں تناسب دیکھا جائے گا۔

اس مسئلہ کو موضوع بحث بناتے ہوئے شکل پیش کی گئی کہ کیا اس زمانے میں صاحبینؒ کے قول کو اختیار کرتے ہوئے دونوں کے تناسب کو زکاۃ کے نصاب میں ضروری قرار دیا جاسکتا ہے۔

مذکورہ مسئلہ میں کسی حتمی اور آخری فیصلہ کرنے سے پہلے چند اصولی اور بنیادی چیزیں زیر بحث آتی ہیں، پہلے ان کے بارے میں غور وخوض کرلیا جائے۔

۱-جن محرکات اور عوامل کے پیش نظر یہ مسئلہ زیر بحث آیا ہے کیا وہ عوامل زمانے مشہود لہا بالخیر اور اس سے متصل زمانے میں بھی تھے یا ابھی ماضی قریب یا بعید میں پیش آئے۔

اس پر تحقیقی نظر ڈالی جائے تو یہ بات واضح ہوگی کہ یہ محرکات زمانے قدیم میں بھی تھے اور آج بھی ہیں، لیکن ہمارے اسلاف نے ان کا کوئی خیال نہیں کیا، جبکہ وہ بڑی بڑی حکومتوں کے فرماں رواں تھے، ان کے زمانے میں مال و دولت، یعنی سونے چاندی کی ریل پیل تھی ان کی تجارت عالمی اعتبار سے دنیا کے مالدار ممالک سے ہوا کرتی تھی، لیکن سیرت وفقہ کی کتابوں میں تو کیا کسی تاریخی کتاب میں بھی کہیں اس مسئلہ کا تذکرہ تک نہیں ملتا کہ انہوں نے سونے اور چاندی کی قوت خرید وفروخت کو بنیاد بنا کر اس مسئلہ میں غور وخوض کیا ہو۔

۲-دوسری چیز ہمارے فقہاء احنافؒ نے اپنی اصول فقہ کی کتب میں اس ضابطہ کو بیان کیا ہے کہ عبادات جیسے نماز، روزہ، زکوۃ اور حج وغیرہ میں امام صاحب کے قول پر فتویٰ ہوگا اور صاحبین یا کسی اور فقیہ کے قول پر فتویٰ نہیں ہوگا۔

لہذا ہم اس اصل سے انحراف کرکے صرف اس وجہ سے کہ ہماری عقل کے اعتبار سے سونے اور چاندی کے نصاب میں اس زمانے میں تناسب قائم نہیں ہے، لہذا صاحبینؒ کے قول کو اختیار کرتے ہوئے ان کے قول پر فتویٰ دیں یہ شرعاً درست ہوگا؟

۳-تیسری اور آخری بات یہ ہے کہ نصاب کی سطح بلند کرنے کی تین صورتیں مولانا رفیع

عثمانی صاحب نے اپنے رسالے "البلاغ" کی اشاعت جمادی الآخر ۱۴۰۳ھ میں تحریر فرمائی ہے اس کو "جواہر الفقہ" صفحہ (۱۴۳) جلد: ۷ پر بھی نقل کیا گیا ہے۔

۱- ایک یہ کہ سونے اور چاندی دونوں کے نصاب کو بڑھا کر دوگنا کر دیا جائے، ساڑھے سات تولہ سونا کے بجائے پندرہ تولہ سونا اور دوسو درہم چاندی کے بجائے چارسو درہم چاندی نصاب کر دیا جائے۔

۲- دوسری صورت یہ کہ اصل نصاب سونے کا مان لیا جائے اور چاندی کے نصاب کو سونے کے نصاب کے تابع کر دیا جائے کہ جب تک چاندی ساڑھے سات تولہ سونا کی قیمت کو نہ پہنچ جائے اس وقت تک زکوٰۃ لازم نہیں ہوگی۔ اصل سونے کا نصاب مانا جائے۔

ظاہر ہے کہ یہ دونوں صورتیں اصولاً موضوع بحث نہیں بن سکتی ہے چونکہ سونے اور چاندی کا نصاب احادیث صحیحہ سے اور اجماع امت سے ثابت ہے اس کے خلاف اجتہاد کرنا اور غور وخوض کا موضوع اس کو بنانا تحریف فی الدین ہوگا جو قطعاً جائز نہیں ہے۔

۳- البتہ تیسری چیز یہ کہ سونے اور چاندی کا نصاب تو یہی رہے جو احادیث میں ذکر کیا گیا ہے۔ البتہ نقد روپے کا نصاب بجائے چاندی کے سونے سے وابستہ کر دیا جائے اس تحریر اور وثیقہ کی وجہ سے جو نوٹ پر لکھا ہوا ہوتا ہے۔

چونکہ زمانے قدیم میں خاص طور پر نظام کے دورِ حکومت میں چاندی کے سکوں کا رواج تھا اور نوٹ بھی انہیں سکوں کا وثیقہ ہوا کرتے تھے۔

لیکن اب زمانے میں نوٹ کی پشت پر سونے کی مالیت ہے یا چاندی کی یا دونوں کے مجموعے کی یا ان کی مالیت کسی اور اصول پر قائم ہے یہ تحقیق طلب مسئلہ ہے، اس کی تحقیق کے بعد اس مسئلے میں کسی نتیجے پر پہنچا جا سکتا ہے۔ میں یہ گذارش کروں گا کہ آئندہ کسی نشست میں اس مسئلہ پر تحقیق کر کے اگر کوئی چیز طے کی جاتی ہے تو وہ چیز اس مسئلہ میں اطمینان کا ذریعہ بن سکتی ہے اور میری نظر میں وہ اس مسئلہ کا کسی قدر حل ہے۔

سامان تجارت اور نقود میں زکوۃ نصاب

مفتی عبداللطیف پالنپوری☆

اگر کسی شخص کے پاس سامان تجارت یا نقد روپۓ اتنی مقدار میں ہوں جس سے نصاب کے بقدر چاندی خریدی جاسکتی ہے، لیکن نصاب کے بقدر سونا نہیں خریدا جاسکتا ہے تو ایسے شخص پر زکوۃ واجب ہوگی۔

اسی طرح اگر کسی شخص کے پاس نقد رقم، مال تجارت یا اموال زکوۃ کے علاوہ کوئی مال چاندی کے نصاب کی قیمت کا موجود ہو، مگر سونے کے نصاب کی قیمت کو نہیں پہنچتا تو اس کے لیے زکوۃ لینا جائز نہ ہوگا۔

”و إذا كان تقدير النصاب من أموال التجارة بقيمتها من الذهب و الفضة و هو أن تبلغ قيمتها مقدار نصاب من الذهب و الفضة، فلا بد من التقويم، حتى يعرف مقدار النصاب، ثم بماذا تقوم ذكر القدوري في شرحه مختصر الكرخي أنه يقوم بأوفى القيمتين من الدراهم و الدنانير۔ .... و كذا روي عن أبي حنيفة في الأمالي أنه يقومها بأنفع النقدين للفقراء، .... وجه قول أبي حنيفةؒ أن الدراهم و الدنانير و إن كانا في الثمنية و التقويم بهما سواء، لكنا رجحنا أحدهما بمرجح و هو النظر للفقراء، و الأخذ بالاحتياط أولٰى۔ ألا ترى أنه لو كان بالتقويم بأحدهما يتم النصاب، و بالاٰخر لا، فإنه يقوم

☆ جامعہ نذیریہ، کاکوسی، گجرات۔

بما يتم به النصاب نظرا للفقراء، و احتياطا، كذا هذا" (بدائع الصنائع ۲/۲۱، بیروت، لبنان)۔

(اور جب اموال تجارت کے نصاب کا اندازہ سونے اور چاندی سے ان کی قیمت لگا کر ہوتا ہے، یعنی اموال تجارت کی قیمت سونے چاندی کے نصاب کی مقدار کو پہنچ جائے تو قیمت لگانا ضروری ہے، تاکہ نصاب کی مقدار معلوم ہو جائے، پھر سونے اور چاندی میں سے کس چیز کے ذریعے قیمت لگائی جائے تو امام قدوریؒ نے شرح مختصر کرخی میں ذکر فرمایا ہے کہ دراہم اور دنانیر میں سے جس کی قیمت نصاب کو پورا کرنے والی ہو اس کے ذریعہ قیمت لگائی جائے گی، .... اور ایسا ہی امام ابوحنیفہؒ سے امالی میں مروی ہے کہ نقدین میں سے جس کے ذریعے قیمت لگانا فقراء کے حق میں مفید ہو اس کے ذریعے قیمت لگائی جائے گی، .... حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ دراہم اور دنانیر اگرچہ ثمنیت میں اور ان کے ذریعے قیمت لگانے میں برابر ہیں، لیکن ہم نے ان میں سے ایک کو ترجیح دی ہے مرجح کی وجہ سے اور وہ فقراء کی مصلحت ہے اور احتیاط والے قول کو اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے، جیسے کہ اگر ان دونوں میں سے ایک کے ذریعے قیمت لگانے میں نصاب پورا ہوتا ہے اور دوسرے کے ذریعے قیمت لگانے میں نصاب پورا نہیں ہوتا تو جس کے ذریعے قیمت لگانے میں نصاب پورا ہوتا ہے اس کے ذریعے قیمت لگائی جائے گی، فقراء کی مصلحت اور احتیاط کی بنا پر، اسی طرح اس صورت میں بھی)۔

"**و أما الغنا الذي يحرم به أخذ الصدقة و قبولها، فهو الذي تجب به صدقة الفطر و الأضحية، و هو أن يملك من الأموال التي لا تجب فيها الزكاة ما يفضل عن حاجته، و تبلغ قيمة الفاضل مائتي درهم**" (بدائع الصنائع ۲/۴۸، بیروت، لبنان)۔

(وہ غنا جس کی بنا پر زکوٰۃ لینا حرام ہو جاتا ہے، اس سے مراد وہ غنا ہے جس کی وجہ سے صدقۂ فطر اور قربانی واجب ہوتی ہے، یعنی غیر اموال زکوٰۃ میں سے اتنی مقدار کا مالک ہو جس کی

قیمت دوسو درہم کے برابر ہو اور وہ اس کی حاجت اصلیہ سے زائد ہو)۔

''ثم اختلف أصحابنا في كيفية الضم فقال أبو حنيفةؒ : يضم أحدهما إلى الآخر باعتبار القيمة، و قال أبو يوسفؒ و محمدؒ : يضم باعتبار الأجزاء، و هو رواية عن أبي حنيفةؒ أيضا، ذكره في نوادر هشام۔ .... و لأن في التكميل باعتبار التقويم ضرب احتياط في باب العبادة و نظرا للفقراء، فكان أولى" (بدائع الصنائع ۲/۲۰-۱۹، بیروت، لبنان)۔

(پھر سونے اور چاندی کے ناقص نصاب کو ضم کرنے کی کیفیت کے بارے میں ہمارے اصحاب کا اختلاف ہے، حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ان میں سے ایک کو دوسرے کے ساتھ قیمت کے اعتبار سے ملایا جائے گا اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اجزاء کے اعتبار سے ملایا جائے گا، یہی ایک روایت امام صاحبؒ کی بھی ہے جو نوادر ہشام میں مذکور ہے۔ .... (آگے امام صاحب کے قول کی دلیل ہے:) اور اس لیے کہ قیمت کے اعتبار سے ضم کر کے نصاب کی تکمیل میں ایک قسم کا احتیاط ہے، عبادات کے باب میں اور فقراء کی مصلحت بھی ہے، اس لیے یہی قول راجح ہوگا)۔

خلاصہ یہ ہے کہ دونوں مسئلوں میں امام ابوحنیفہؒ کے قول کو اختیار کرنا احوط بھی ہے اور انفع للفقراء بھی، اور ویسے بھی اصولی طور پر عبادات کے باب میں امام صاحبؒ کے قول کو ترجیح ہوتی ہے، چنانچہ ہمارے اکابر نے بھی امام صاحبؒ کے قول کو اختیار کرتے ہوئے فتوے دیئے ہیں، لہٰذا بلاضرورت شدیدہ راجح قول سے عدول نہیں کرنا چاہیے۔

☆☆☆

موجودہ دور میں وجوب زکوۃ کا معیار

مفتی احمد نادر القاسمی ☆

نقدین، یعنی سونے اور چاندی کے درمیان قیمتوں اور حیثیتوں میں تفاوت ہر دور میں رہا ہے اور سونے کی حیثیت زیادہ اور چاندی کی حیثیت کم رہی ہے، اور وہی صورت حال آج بھی برقرار ہے۔

زکوۃ کے باب میں قیمتوں کا تفاوت اپنی جگہ پر، ہمیشہ یہ معمول رہا ہے کہ سامان تجارت میں کسی بھی سامان کی قیمت اور مالیت اگر دو سو درہم کے مساوی ہوئی ہے تو اس میں زکوۃ واجب قرار دیا گیا ہے، اور چونکہ زکوۃ ادا کیا جانا ایک عبادت ہے، اس لئے اس کو عبادت کے نقطہ نظر سے ہی دیکھنا چاہئے، صاحب ثروت اور مالدار ہونے کے زاویہ سے نہیں دیکھنا چاہئے، کیونکہ معاشرے میں مالدار ہونے کا معیار ہمیشہ بدلتا رہتا ہے، کسی زمانہ میں ایک لاکھ کی آمدنی والا شخص مالدار اور صاحب ثروت گنا جاتا تھا، اور آج دس لاکھ روپئے رکھنے والا شخص بھی مالدار نہیں گنا جاتا، بلکہ کسی شخص کے مالدار گنے جانے کے لئے کروڑوں تک کے مالک ہونے کی نوبت تک بات پہنچ چکی ہے۔

پھر یہ کہ اس کا معیار الگ الگ ملکوں میں وہاں کی معیشت کے اعتبار سے متعین کیا جاتا ہے، یورپ کا معیار الگ ہے، امریکہ کا الگ ہے، اور مشرق وسطی کا الگ ہے، اور بھارت کا الگ ہے، جو شخص ہندوستان میں مالدار سمجھا جاتا ہے وہ امریکہ، یورپ اور مڈل ایسٹ کے مالداری

☆ اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا۔

کے مقابلہ غریب شمار کیا جاتا ہے، نیز حکومت کے نزدیک کسی شخص کے مالدار ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ اس کی آمدنی سالانہ دو لاکھ بیس ہزار سے زیادہ ہو، اور اسی وجہ سے حکومت ایک لاکھ اسی (۸۰) ہزار تک کوئی ٹیکس نہیں لیتی، اس کے بعد ٹکس لاگو ہوتا ہے، لہذا سونا چاندی کی قدر اور ریٹ دیکھنے کے بجائے شریعت کے طے کردہ معیار کو اپنایا جانا چاہئے، یعنی دو سو درہم چاندی یا بیس مثقال سونے کی ملکیت، اور اتنی ملکیت رکھنے والا شخص، خواہ معاشرے میں مالدار شمار ہو یا غریب، مگر شریعت کی نظر میں وہ مالدار ہے، اس لئے اس کے اوپر زکوۃ دینا واجب ہوگا۔

البتہ زکوۃ لینے کے باب میں اگر اس شخص کو ایسی ضرورت لاحق ہوگئی ہے کہ بغیر زکوۃ کا مال لئے یا کسی سے امداد طلب کئے اس کی ضرورت پوری نہیں ہوسکتی، جیسے بچی کی شادی، مہلک بیماریوں میں علاج اور سر چھپانے کے لئے مکان وغیرہ، اس پر غور کرنا چاہئے کہ موجودہ حالات میں صرف سونے کو معیار قرار دینے سے پسماندہ طبقات کی واقعی ضروریات پوری ہوجائیں گی؟

دوسری طرف سونے اور چاندی میں زکوۃ کے لئے کس کو معیار قرار دیا جائے، اس سلسلہ میں جو روایات ہیں ان میں زیادہ صحیح روایات وہ ہیں جن میں پانچ اوقیہ چاندی یا دو سو درہم چاندی کے سکوں کی ملکیت کا تذکرہ ہے، جیسے بخاری و مسلم کی وہ روایت جو حضرت سعید خدریؓ سے منقول ہے:

"**ليس فيما دون خمس أواق من الورق صدقة**" (بخاری مع الفتح ۳/۳۱۸)۔

نیز یہ کہ چاندی کو معیار قرار دینے میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، چنانچہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:

"**وجملة ذلک أن نصاب الفضة مائتادرهم لاخلاف في ذلک بين علماء الإسلام**" (مغنی ۲/۵۹۶)۔

دوسری طرف دور اول میں دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بجائے سونے کو معیار قرار دینے کے خود سونے کی زکوۃ چاندی کو معیار قرار دے کر دیئے جانے کی بات ملتی ہے، علامہ کاسانی

تحریر کرتے ہیں:

"والذهب مالم تبلغ قيمته مائتي درهم، فلا صدقة فيه، فإذا بلغت قيمته مائتي درهم ففيه ربع العشر، وكان الدينار على عهد رسول الله ﷺ مقوما بعشر دراهم" (بدائع الصنائع ۲/۱۰۵)۔

اس کی تائید حضرت عبداللہ بن مسعود کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو ترمذی میں ہے:

"من سأل الناس وله ما يغنيه جاء يوم القيامة ومسألته في وجه خموش أخموش أو كدوح، قالوا يا رسول الله! ما يغنيه؟ قال: خمسون درهما أو قيمتها من الذهب" (اخرجہ الترمذی ۳/۳۲)۔

نیز غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی میں ہمیشہ غرباء اور مساکین کی ضرورت اور نافعیت کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

"أن الدراهم والدنانير وإن كانا في الثمنية والتقويم بهما لكنا رجحنا أحدهما بمرجح، وهو النظر للفقراء والأخذ بالاحتياط أولى، ألا ترى أنه لو كان بالتقويم بأحدهما يتم النصاب وبالآخر لا، فإنه يقوم بما يتم به النصاب نظرا للفقراء واحتياطا" (بدائع الصنائع ۲/۱۱۰)۔

قرآن کریم کی آیت: "خذ من أموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها" (سورۂ توبہ/۱۰۳) کا تقاضا بھی یہی ہے کہ کم سے کم میں زکوۃ واجب ہو، تاکہ انفاق فی سبیل اللہ کا ایمانی جذبہ لوگوں میں باقی رہے، اور ذخیرہ اندوزی کا رجحان کم ہو، اور یہ بات موجودہ دور میں بھی چاندی کو معیار قرار دینے سے ہی حاصل ہوسکتی ہے، لہذا موجودہ حالات میں بھی چاندی ہی کو زکوۃ کے وجوب کا معیار باقی رکھا جائے، کیونکہ یہ منصوص بھی ہے، اور اجماعی بھی ہے، اور زکوۃ دینے والے اور مستحق قرار پانے والے دونوں کے ساتھ انصاف ہے۔

"فیجب اعتبار منفعة الفقراء عند التقویم لأداء الزکوة تسویة بین المالک وبین الفقراء، لأن الزکوة وجبت علی وجه یعتدل النظر من الجانبین فیهما" (فتح القدیر مع الکفایہ ۲/ ۶۷ المبسوط ۲/ ۱۹۱ المحیط البرہانی ۳/ ۱۶۳)۔

ضم نصاب کا مسئلہ:

ضم نصاب کے سلسلہ میں حنفیہ کے درمیان اختلاف مشہور ومعروف ہے، تکمیل نصاب کے لئے، امام ابوحنیفہؒ قیمت کا اعتبار کرتے ہیں اور حضرات صاحبینؒ "قدر" اور "اجزاء" کا اعتبار کرتے ہیں، البتہ ضم کئے جانے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، "الذهب والفضة یضم بعضها إلی بعض باتفاق بین أصحابنا" (فتاوی ولوالجیہ ۱/ ۱۹۲ الطحطاوی علی مراقی الفلاح/ ۷۱۷)۔

البتہ کیفیت ضم میں اختلاف ہے: "ثم اختلفوا فی کیفیة الضم، فقال أبوحنیفة: یضم أحدهما إلی الآخر باعتبار القیمة، وقال ابویوسف و محمد: باعتبار الأجزاء وهو إحدی الروایتین عن أبی حنیفة" (المبسوط ۲/ ۱۹۳-۱۹۲، البحر الرائق ۲/ ۲۰۱، بدائع الصنائع ۲/ ۱۰۶، ہدایہ مع الفتح ۲/ ۱۶۹)۔

اس سلسلہ میں اصل مسئلہ یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ دونوں کے ضم کئے جانے کے مقاصد کیا ہیں اور زکوۃ ادا کرنے والے اور زکوۃ وصول کرنے والے مستحقین دونوں کا فائدہ کس میں ہے، اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ کسی بھی طرح اہل ثروت کے پاس جو مال ہے اس کا کچھ حصہ غریبوں تک پہنچ جائے اور محتاجوں کی بنیادی ضرورت پوری ہو اور یہ بات دونوں کی قیمت کو یکجا کرنے اور چاندی کے معیار، یعنی دو سو درہم کے برابر تک پہنچنے میں پوری ہو جاتی ہے، اور مقصد دونوں کا ایک ہے، یعنی وجوب زکوۃ، تو پھر امام ابوحنیفہؒ کی رائے کو اختیار کرنے اور قیمت کے اعتبار دونوں کو ضم کرنے میں بظاہر کوئی مضائقہ نہیں ہے، اس لئے امام ابوحنیفہؒ کی رائے کے مطابق قیمت کے اعتبار ہی سے ضم کے مسئلہ میں عمل کیا جائے۔

اور اسی پر امت کا عمل چلا آ رہا ہے، علامہ ابن ہمام نے اس سلسلہ میں لکھا ہے:

"إنما كانا نصاب الزكوة بسبب وصف الثمنية، لأنه المفيد لتحصيل الأغراض وسد الحاجات لالخصوص اللون والجوهر، وهذا، لأن ثبوت الغنا وهو السبب في الحقيقة، إنما هو بذلک لا بغيره، وقد اتحدا فيه فكانا جنسا واحدا في حق الزكوة، وان لم يعتبر الاتحاد في حق غيره من الأحكام كالتفاصل في البيع" (فتح القدیر ۲/۱۶۹)۔

نیز علامہ سرخسی لکھتے ہیں:

"وهذا لأن كمال النصاب لا يكون إلا باتحاد الجنس وذلک لا يكون باعتبار صفة المالية دون العين، فإن الأموال أجناس واحد باعتبار أعيانها جنس واحد باعتبار صفة المالية فيها" (مبسوط ۲/ ۱۹۳-۱۹۴)۔

اس لئے یہ اختلاف بھی کوئی جوہری نہیں ہے، بلکہ دونوں کا مقصد ایک ہی ہے، اس لئے بہتر یہی ہے کہ قیمت ہی کے اعتبار سے ضم نصاب کیا جائے۔

مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں احقر کی رائے یہ ہے:

۱- امام ابوحنیفہؒ کی رائے کو اختیار کرتے ہوئے موجودہ دور میں بھی چاندی ہی کو زکوۃ کی ادائیگی اور وجوب کے لئے معیار و پیمانہ قرار دیا جائے۔

۲- امام ابوحنیفہؒ کے مسئلہ کے مطابق ضم نصاب اور تکمیل نصاب کے لئے بھی قیمت ہی کا اعتبار کیا جائے قدر اور اجزاء کا نہیں، کیونکہ مقصد دونوں کا ایک ہے اور مقصد تک پہنچنے میں قیمت کا لحاظ انسب اور اسہل ہے۔

☆☆☆

موجودہ پس منظر اور وجوب زکوۃ کا پیمانہ

مفتی محمد اشرف سعادتی ☆

شریعت مطہرہ نے وجوب زکوٰہ کے لئے نقدین، یعنی سونے اور چاندی کا واضح نصاب مقرر کردیا ہے، ساڑھے سات تولہ سونا، ساڑھے باون تولہ چاندی کی ملکیت کی صورت میں، اس مال کا چالیسواں حصہ نکالنا فرض قرار دیا گیا ہے، لیکن موجودہ حالات میں اگر کسی شخص کے پاس نقد روپے، یا سامان تجارت ہو، تو زکوٰہ واجب ہونے کے کے لئے پیانہ سونے کا نصاب ہوگا یا چاندی کا نصاب؟ اس سلسلے میں ائمہ ثلاثہ حنفیہ کے الگ الگ نقطۂ نظر ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کا مسلک:- نقد روپے یا سامان تجارت، سونے اور چاندی میں سے کسی کے بھی نصاب کو پہنچ جائیں تو زکوۃ واجب ہوجائیگی۔

"ذکرالقدوری فی شرحه " مختصر الکرخی" أنه یقوّم بأوفی القیمتیین من الدراهم والدنانیر حتی أنها إذابلغت بالتقویم بالدراهم نصابا ولم تبلغ بالدنانیر قومت بما تبلغ به النصاب ، وکذا روی عن ابی حنیفة فی "الأمالی" أنه یقومها بأنفع النقدین للفقراء" (کاسانی: بدائع الصنائع ۲/ ۴۱۶، السرخسی: المبسوط ۲/ ۱۹۱، ابن الہمام: فتح القدیر ۲/ ۲۲۷)۔

(یعنی دراہم اور دنانیر میں سے جس کی قیمت کو مال تجارت پہنچ جائے اسی سے اندازہ لگایا جائے گا، حتی کہ اگر دراہم یعنی چاندی کی قیمت کے اعتبار سے نصاب کو پہنچ جائے، لیکن سونے

☆ استاذ، جامعہ مظہر سعادت، ہانسوٹ، گجرات۔

کے اعتبار سے نہ پہنچ سکے تو اسی کو معیار قرار دیا جائے گا جس سے کہ نصاب مکمل ہو جائے۔

"آمالی" میں امام ابو حنیفہؒ سے اسی طرح نقل کیا گیا ہے کہ سونے اور چاندی میں سے جس کو معیار قرار دینے میں فقراء کا فائدہ (زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہو) اسی کو معیار قرار دیا جائے گا"۔

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا مسلک:

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دیکھا جائے گا کہ اس نے سامان تجارت کو نقدین میں کس کے عوض خریدا ہے، اگر سونے کے عوض تو سونا معیار ہوگا، اور اگر چاندی کے عوض، تو چاندی معیار قرار پائے گا، اور اگر نقدین کے علاوہ کسی اور سامان کے عوض خریدا ہے، یا ہبہ وغیرہ کے طریق پر وہ اس کا مالک بنا ہے، اور اس میں تجارت کی نیت ہے، تو اس شہر میں سونے، چاندی کے سکوں میں سے جس کا چلن اور رواج زیادہ ہو وہی نقد غالب معیار قرار پائے گا، اور امام محمدؒ کے نزدیک ہر حال میں نقد غالب کا ہی اعتبار ہوگا۔

"عن أبي يوسف أنه يقومها بما اشتراهابه ، فإن اشتراها بالدراهم قومها بالدراهم ، وإن اشتراهابالدنانير قومهابالدنانير، وإن اشتراها بغير هما من العروض أولم يكن اشتراها، بأن كان وهب له فقبله ينوى به التجارة ، قومها بالنقد الغالب في ذلك الموضع، وعند محمد يقومها بالنقد الغالب على كل حال" (الکاسانی: بدائع الصنائع ۲/ ۴۱۶ -السرخسی: المبسوط ۲/ ۱۹۱، ابن الہمام: فتح القدیر ۲/ ۲۲۷)۔

خلاصہ یہ کہ امام ابو حنیفہؒ کے نقطۂ نظر سے زکوٰۃ کے واجب ہونے کا پیمانہ چاندی کا ہی نصاب قرار پائے گا، چونکہ چاندی کو معیار قرار دینے میں مال کی کم مقدار پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے، جبکہ سونے کو معیار قرار دینے میں اس سے کئی گناہ زیادہ رقم زکوٰۃ واجب ہوگی۔

اس باب میں ائمۂ متبوعین میں سے امام شافعیؒ کا مسلک امام ابو یوسفؒ کے عین مطابق ہے۔

چنانچہ شوافع کے نزدیک کیفیت زکوٰۃ پر بحث کرتے ہوئے عبدالرحمٰن جزیری فرماتے ہیں:

"وكيفية زكاتها أن تقوم أخر الحول بما اشتريت به من ذهب وفضة، أما إذا اشتراها بغير نقد فتقوم بالنقد الغالب في البلد" (عبدالرحمٰن الجزیری: الفقہ علی المذاهب الأربعۃ ۱/ ۶۰۷ - التجرید ۳/ ۱۳۳۸، راجع المسألۃ فی المجموع مع المهذب ۶/ ۶۳ / ۶۷ - الشافعی: الأم ۲/ ۴۷)۔

امام احمد بن حنبلؒ کی رائے امام ابوحنیفہؒ کی رائے کے موافق ہے، چنانچہ درج ذیل عبارت سے مسلک کے ساتھ دلائل پر بھی روشنی پڑ رہی ہے، ابن قدامہ حنبلیؒ فرماتے ہیں:

"إذا حال الحول على العروض وقيمتها بالفضة نصاب، ولا تبلغ نصابا باالذهب قومناهابالفضة، يحصل للفقراء منها حظ ولوكانت قيمتهابالفضة دون النصاب وبالذهب تلبغ نصابا، قومناهابالذهب،لتجب الزكاة فيها، ولا فرق بين أن يكون اشتراها بذهب أوفضة أوعروض" (ابن قدامہ الحنبلی: المغنی ۴/ ۲۵۳، دار عالم الکتب -- الجزیری: کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعۃ ۱/ ۶۱۰)۔

(جب سامان پر سال گزر جائے اور سامان کی قیمت چاندی کے اعتبار سے نصاب کو پہنچتی ہو اور سونے کے اعتبار سے نہ پہنچتی ہو تو ہم چاندی سے اس کی قیمت لگائیں گے، تا کہ اس سے فقراء کو فائدہ رہے، اور اگر چاندی کے اعتبار سے نصاب کو نہ پہنچے اور سونے کے اعتبار سے نصاب کو پہنچ جائے، تو ہم سونے سے اس کا ریٹ لگائیں گے، تا کہ اس سامان میں زکوٰۃ واجب ہو سکے، مسئلہ پر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اس نے وہ سامان سونے کے عوض خریدا تھا، یا چاندی کے عوض یا کسی اور سامان کے عوض)۔

گویا امام صاحب نے فقراء کے فائدے کو بہ طور خاص ملحوظ رکھا ہے، اس باب میں بعد کے فقہاء احناف نے امام صاحب کے ہی قول کو اختیار کیا ہے، لہٰذا اگر کسی کے پاس قرض اور حوائج اصلیہ کے علاوہ دس ہزار کی مالیت ہو (ساڑھے باون تولہ چاندی کے حساب سے) تو اس پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔

اب رہی یہ بات کہ آج کل یہ رقم بہت کم متصور ہوتی ہے، لہٰذا سونے کے نصاب کو معیار

قرار دیا جاسکتا ہے، یا نہیں؟ اس سلسلے میں عرض ہے کہ یہ مفروضہ بہ ظاہر صحیح نہیں معلوم ہوتا، اس لئے کہ بنیادی ضروریات کے علاوہ ساڑھے باون تولہ چاندی کے بہ قدر مالیت ہو تو زکوٰۃ واجب ہوتی ہے:

"وقيد نابكونه فارغا عن الحوائج الأصلية؛ لأنه لو كان مستغرقا بها حلت"

قرض اور بنیادی ضروریات سے فاضل رقم پر ہی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے:

"وحلت لمن له نصاب، وعليه دين مستغرق أو منقص للنصاب "(ایضاً ۲/ ۳۸۳)۔

پھر یہ کہ ان اموال پر وجوب زکوٰۃ کے لئے حولان حول بھی ضروری ہے۔

اس لئے ایسی کوئی ضرورت سمجھ میں نہیں آتی جس کو بنیاد بنا کر امام صاحبؒ کے قول مفتیٰ بہ کو چھوڑ کر وجوب زکوٰۃ کو سونے کے نصاب سے جوڑ دیا جائے۔ کیونکہ اس کا لازمی نتیجہ یہ بھی نکلے گا کہ اس دور میں اگر ایک شخص کے پاس ایک لاکھ کی مالیت ہو تو بھی اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

حرمان زکوٰۃ:- فقہاء کی تصریحات کے مطابق جو مالک نصاب ہو اس کے لئے زکوٰۃ لینا جائز نہیں:

"لايجوز الدفع لغني يملك نصابا ، أطلقه فشمل النصاب النامي السالم من الدين الفاضل عن الحوائج الأصلية الموجب لكل واجب مالي، والنصاب الذي ليس بنام الفارغ عما ذكر" (ابن نجیم البحر الرائق ۲/ ۱۲۲۷ الکاسانی ۲/ ۴۶۵)۔

(مالک نصاب غنی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ مصنفؒ نے نصاب کو مطلق رکھا ہے، لہٰذا یہ اس نصاب کو بھی شامل ہے، جو دین اور حوائج اصلیہ سے زائد ہو اور ہر حق مالی کو واجب کرنے والا ہو، اور اس نصاب کو بھی جو نامی ہو، البتہ وہ بھی دین اور ضروریات سے فاضل ہو)۔

یعنی وجوب زکوٰۃ کا جو معیار ہے وہی حرمان زکوٰۃ کا بھی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ وجوب زکوٰۃ کے لئے مال کا نامی ہونا شرط ہے جب کہ حرمان زکوٰۃ کے لئے مال کا نامی ہونا ضروری نہیں

ہے،اس لئے امام صاحبؒ کا قول بالکل مناسب اور ہر پہلو سے معتدل ہے۔

کیا ضم نصاب کے مسئلہ میں صاحبین کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے؟

کسی شخص کے پاس کچھ مقدار سونے اور کچھ مقدار چاندی کی ہو اور دونوں کا مجموعہ نصاب کے بہ قدر ہو جاتا ہو، تو زکوۃ واجب ہو جاتی ہے، البتہ امام صاحبؒ کے نزدیک سونے اور چاندی میں سے ہر ایک کو دوسرے کے ساتھ بہ اعتبار قیمت کے ملایا جائے گا، جبکہ صاحبین ضم الاجزاء کے قائل ہیں۔

"ثم على أصل أبي حنيفةؒ يضم أحد النقدين إلى الآخرباعتبار القيمة وعندهما باعتبار الأجزاء؛ لأن المقصودتكميل النصاب ولامعتبربالقيمة فيه، وأبوحنيفةؒ يقول:ضم الأجناس المختلفة بعضها إلى بعض في تكميل النصاب لايكون إلا باعتبار القيمة كمافي عروض التجاوزة، وهذا، لأن المعتبرصفة المالية وصفة الغنى للمالک وذلک إنما يحصل باعتبارالقيمة" (السرخسی:المبسوط ۳/ ۲۰--الکاسانی:بدائع الصنائع ۲/ ۴۱۲،-ابن نجیم:البحرالرائق ۲/ ۴۰۰)

(امام ابوحنیفہؒ کے ضابطے کے مطابق سونے چاندی کو ایک دوسرے کے ساتھ قیمت کے اعتبار سے ملایا جائے گا اور صاحبین کے نزدیک اجزاء کے اعتبار سے، اس لئے کہ اصل مقصد نصاب کی تکمیل ہے، اور اس میں قیمت کا کوئی اعتبار نہیں اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ نصاب کی تکمیل میں مختلف الاجناس کو ایک دوسرے کے ساتھ بہ اعتبار قیمت کے ہی ملایا جائیگا، جیسا کہ سامان تجارت ہوتا ہے۔ کیونکہ اصل اعتبار مالک کے لئے صفت غنی اور مالیت کا ہے، اور یہ چیز باعتبار قیمت کے ہی حاصل ہو سکتی ہے)۔

امام صاحب کا مسلک انفع للفقراء ہے، بعد کے فقہاء احناف نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

سوالنامے میں صاحبینؒ کے قول کی ایک گونہ ترجیح کے لئے کہا گیا ہے، ''موجودہ حالات میں امام صاحبؒ کے قول پر ممکن ہے کہ ایک تولہ سونا اور ایک تولہ چاندی میں زکوۃ واجب ہو جائے اور

سات تولہ صرف سوا ہو تو زکوٰۃ واجب نہ ہو پائے'' لیکن یہی خرابی صاحبین کے قول پر بھی لازم آتی ہے، مثلاً پانچ دینار اور ایک سو پچاس دراہم ہوں (تقریباً ۵،۴۰ ہزار روپے) تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی، لیکن اگر صرف ۱۹/ دنانیر ہوں (تقریباً ۹۵/ ۹۰ ہزار روپے) تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

دراصل امام صاحبؒ کے پیش نظر جو اہم مصلحت ہے، ہمیں اسے پیش نظر رکھنا چاہئے، صرف اس پہلو سے نہیں دیکھنا چاہئے کہ امام صاحب کے مسلک کے مطابق بظاہر معمولی مقدار پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے، امام صاحبؒ کا مسلک انفع للفقراء اور اہل واہون ہے، امام صاحبؒ نے فقراء کا یہاں تک خیال رکھا ہے کہ اگر کسی کے پاس ۹۵/ دراہم ہوں اور پانچ دراہم کی مالیت کا ایک دینار ہو تو بھی زکوٰۃ واجب ہو جائے گی، گویا ہر دینار کی مالیت ۵/ دراہم کے برابر ہے، اس اعتبار سے ۹۵ دراہم ۱۹/ دنانیر کے مساوی ہوئے، اور ایک دینار اس کے پاس پہلے سے ہے، اس طرح بیس دنانیر کا نصاب مکمل ہو جاتا ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام صاحبؒ کی اصل کے مطابق کبھی تو سونے کا اندازہ چاندی سے اور کبھی چاندی کا ریٹ سونے سے لگایا جاتا ہے، اور ان سب کا مقصد باب زکوٰۃ میں احتیاط کے پہلو کو ملحوظ رکھنا اور فقراء کو زیادہ سے زیادہ نفع پہنچانے کی کوشش کرنا ہے۔

"وذلک لأجل الاحتیاط وتوفیر المنفعة علی الفقراء" (السرخسی: المبسوط ۳/ ۲۱ -الکاسانی: بدائع الصنائع ۲/ ۴۱۴)۔

امام صاحبؒ نے جس مقصد کو پیش نظر رکھا ہے، نصوص سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ احادیث میں ان تمام صورتوں کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے، جن سے وجوب زکوٰۃ سے راہ فرار اختیار کی جائے، اس لئے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحبؒ کا ہی مسلک "أرفق بالفقراء أوفق بالسنة" ہے۔

خلاصہ یہ کہ دونوں ہی مسئلوں میں امام صاحب ہی کا قول زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

سونے و چاندی کا نصاب زکوٰۃ - معیار کون؟

مولانا محمد ابرار خان ندوی ☆

زکوٰۃ جن چیزوں میں فرض قرار دی گئی ہے، ان میں سونا و چاندی کو اصل کی حیثیت حاصل ہے اور ان دونوں کا نصاب زکوٰۃ منصوص ہے، جس میں حالات و زمان کے تغیر، اشیاء کی قیمتوں میں فرق، یا خود سونے و چاندی کے نصاب کی قیمت میں تفاوت کا کوئی اثر نہیں پڑتا اور نہ ہی ان دونوں کے نصاب میں کسی اجتہاد و تبدیلی کی کوئی گنجائش ہے۔

البتہ قابل غور بات یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس موجود نقد روپیہ یا سامان تجارت اتنا ہے جس سے نصاب کے بقدر چاندی خریدی جاسکتی ہے، لیکن سونا نہیں، تو کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اور اگر نہیں ہوگی تو کیا ایسا شخص زکوٰۃ لے سکتا ہے؟ ایسی صورت میں زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے معیار کس کو قرار دیا جائے، سونے کو یا چاندی کو؟

اس سلسلہ میں دو نقطۂ نظر ہیں:

ا - ایک نقطۂ نظر یہ ہے کہ سونے کو معیار بنایا جائے، اس لیے کہ سونے کے نصاب کو جب دیگر نصابوں بکریوں اور اونٹوں کے نصابوں سے موازنہ کرتے ہیں تو چالیس بکریوں و پانچ اونٹ کی قیمت سونے کے نصاب سے قریب نظر آتی ہے، چاندی کے نصاب سے کوئی میل ہی نہیں کھاتا ہے۔ نیز موجودہ دور میں کرنسی کے تبادلہ و زرمبادلہ میں سونے کو ہی معیار مانا گیا ہے، اس نقطۂ نظر کے حاملین میں شیخ ابوزہرہ، علامہ یوسف القرضاوی، شیخ خلاف اور شیخ وہبہ زحیلی

☆ استاذ، جامعۃ الہدایہ، جے پور، راجستھان۔

وغیرہ اہم علمی وفقہی شخصیات ہیں (دیکھئے:فقہ الزکوۃ ۱۹۳، ۱۹۴، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/ ۶۱-۶۰ ۷)۔

۲- دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ چاندی کو معیار قرار دیا جائے، اس لیے کہ چاندی کے نصاب کی روایات زیادہ قوی ہیں اور اس میں فقراء کا فائدہ ہے، زیادہ لوگوں پر زکوۃ فرض ہوگی تو حاجت مندوں کی ضروریات بآسانی پوری ہوں گی، یہی زکوۃ کا مقصد ہے، سونے کو معیار قرار دینے میں غرباء ومساکین کی تعداد بڑھ جائے گی، زکوۃ لینے والے بہت ہوں گے، دینے والے کم، نتیجتاً معاشرہ میں اقتصادی بدحالی بدستور جاری رہے گی۔

”و يرى كثير من علماء العصر أن النقود تقدر بسعر الفضة احتياطا لمصلحة الفقراء، و لأن ذلک أنفع لهم“ (الفقہ الاسلامي وأدلتہ ۲/ ۷۶۱)۔

رہا یہ سوال کہ جس کے پاس چاندی کے نصاب کے بقدر نقد مال یا سامان تجارت ہو، لیکن وہ سونے کے نصاب کی قیمت کے برابر نہ ہو تو کیا اس کو زکوۃ سے محروم قرار دیا جائے گا؟ تو یہ بات واضح ہونا چاہیے کہ زکوۃ حاجات اصلیہ سے زائد نصاب کے بقدر مال پر ہے، تو جس شخص کے پاس اپنی ضروریات سے زائد مال ہے تو وہ زکوۃ کے مال کا محتاج ہی نہیں ہے، وہ اپنی ضروریات کے پورا کرنے میں خود کفیل ہے، کسی کا دست نگر نہیں ہے، بلکہ وہ چاندی کے نصاب کے بقدر نقد مال یا سامان تجارت کا مالک ہونے کی بنا پر صاحب نصاب ہے۔ لہٰذا اس کے لیے زکوۃ کسی صورت میں جائز نہیں ہے۔

”و لا تدفع إلى غني ...... يملک نصابا من أي مال كان، سواء كان من النقود أو السوائم أو العروض“ (مجمع الأنہر ۱/ ۲۰۶، ورد المحتار ۲/ ۶۵)۔

(ایسے مال دار شخص کو زکوۃ نہیں دی جائے گی جو کسی بھی مال کے اعتبار سے نصاب کا مالک ہو، چاہے وہ نقد رقم ہو، یا جانور ہو، یا سامان (تجارت) ہو)۔

نیز علامہ داماد آفندی نقل فرماتے ہیں:

”تجب الزكاة أيضا في عروض تجارة بلغت قيمتها نصابا من أحدهما

أي الذهب و الفضة"(مجمع الأنہر ۱/ ۲۰۷)۔

(وہ تجارتی سامان جس کی قیمت سونے و چاندی میں سے کسی ایک کے نصاب کو پہنچ جائے اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی)۔

احتیاط کا پہلو بھی یہی ہے کہ وہ زکوٰۃ ادا کرے، تاکہ زکوٰۃ نہ دینے پر جو وعید اور سزائیں وارد ہوئی ہیں ان کی گرفت سے بچ جائے، نیز اس کا شمار تو اغنیاء کی فہرست میں ہوتا ہے اور غنی کی تعریف فقہاء نے جو بیان کی ہے وہ اس پر صادق آتی ہے۔

"و في الجوهرة: الغني هو من يملك نصابا من النقدين أو ما قيمته نصاب" (مجمع الأنہر ۱/ ۲۲۳)۔

("جوہرہ" میں ہے کہ غنی وہ کہلاتا ہے جو سونے و چاندی میں سے کسی نصاب کا مالک ہو، یا ایسی چیز کا مالک ہو جس کی قیمت نصاب کے برابر ہو)۔

راقم الحروف کی رائے بھی یہی ہے کہ چاندی کو معیار قرار دینے میں فقراء و مساکین کا زیادہ فائدہ ہے، لہٰذا نقد رقم اور سامان تجارت کی زکوٰۃ میں چاندی کے نصاب کی قیمت کا لحاظ کیا جائے، امام ابو حنیفہؒ کا مسلک اس بابت بڑا واضح اور قرین عقل و مصلحت اور زکوٰۃ کے مقصد و غرض سے مطابقت رکھتا ہے۔

"تقوم أي عروض التجارة بما هو أنفع للفقراء أيهما كان لقوله عليه السلام: يقومها فيؤدى من كل مائتي درهم خمسة دراهم و هذا عند الإمام يعني تقوم بما يبلغ نصابا إن كان يبلغ بأحدهما دون الآخر احتياطا في حق الفقراء كما في التبيين، فإن كان التقويم بالدراهم أنفع قومت بها، و إن بالدنانير قومت بها" (مجمع الأنہر ۱/ ۲۰۷)۔

(سامان تجارت کی قیمت سونے و چاندی میں سے اس سے طے کی جائے گی جو فقراء کے لیے زیادہ نفع بخش ہو، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ اس کی قیمت کا اندازہ لگائے گا،

پھر دوسو درہم میں پانچ درہم ادا کرے گا، یہ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے کہ دونوں (سونے و چاندی) میں جس کے حساب سے نصاب کو پہنچ جائے اس سے قیمت کا اندازہ لگایا جائے گا، فقراء کے حق میں احتیاط اسی میں ہے، اگر درہم سے قیمت کا اندازہ کرنے میں زیادہ نفع ہے تو اس سے قیمت طے کی جائے گی اور اگر دینار میں فائدہ زیادہ ہے تو اس سے)

ضم نصاب کی نوعیت:

اگر کسی شخص کے پاس کچھ سونا اور کچھ چاندی ہے، مگر دونوں نصاب سے کم ہیں تو اس سلسلہ میں فقہاء کی رائے ہے کہ دونوں کو ملانے سے کسی ایک کا نصاب پورا ہو جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی، البتہ ملانے کی نوعیت کی بابت اختلاف ہے، امام ابو یوسف، امام محمد، امام مالک اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل کی رائے ہے کہ اجزاء کے اعتبار سے ملایا جائے، اور امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے کہ دونوں کو ملانے سے کسی ایک کے نصاب کی قیمت پوری ہو جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی، یعنی باعتبار قیمت ملایا جائے گا۔

”و القائلون بالضم اختلفوا، فذهب مالک و أبو يوسف و محمد و أحمد في رواية إلى أن الضم يكون بالأجزاء، .... و ذهب أبو حنيفة إلى أن يضم أحدهما إلى الاٰخر بالتقويم في أحدهما بالاٰخر بما هو أحظ للفقراء“ (الموسوعۃ الفقہیۃ ۲۳/۶۸-۲۶۷، وانظر الملتقی مع مجمع الانہر ۱/۲۰۷، ویضم أحدھما إلی الآخر بالقیمۃ عندہ وعندھما بالأجزاء)۔

(ضم نصاب کے قائلین کے مابین اختلاف ہے، امام مالک، امام ابو یوسف، امام محمد اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل کی رائے ہے کہ ضم اجزاء کے اعتبار سے ہوگا، ....اور امام اعظم ابو حنیفہؒ کا نقطۂ نظر ہے کہ ان کو (سونے و چاندی کو) قیمت کے اعتبار سے ایک دوسرے میں ملایا جائے گا، یعنی فقراء کا جس میں زیادہ فائدہ ہے اس اعتبار سے ملایا جائے گا)۔

صاحبینؒ کی رائے کو ترجیح دی جائے:

ضم نصاب کے سلسلہ میں صاحبینؒ کا مسلک مبنی بر قیاس ہے کہ ایک تولہ سونا اور ایک تولہ چاندی کے مالک پر زکوٰۃ واجب قرار دی جائے، جبکہ یہ معمولی رقم ہے اور سات تولہ سونا کے مالک پر زکوٰۃ واجب نہ ہو۔ امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق تو شاید ہی کوئی مسلم خاتون ہوگی جو صاحب نصاب نہ قرار دی جائے، حالانکہ اس کے پاس نہ رہنے کے لیے مکان ہوگا، نہ پہننے کے لیے بہتر لباس، نہ کھانے کے لیے اچھی و مناسب غذا، نہ علاج و معالجہ کے لیے پیسہ، شوہر کی آمدنی اتنی معمولی ہے کہ وہ بیوی کا نان و نفقہ صحیح طور پر ادا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا ہے، نہ ہی بچوں کی تربیت اور ان کی تعلیم کے اخراجات برداشت کرسکتا ہے، مگر اس کے پاس کچھ سونا و چاندی ہے جس کی قیمت کم از کم موجودہ دور میں چاندی کے نصاب کو تو بآسانی پہونچ رہی ہے، جس بنا پر اس کو ہزار تنگی و پریشان حالی کے باوجود زکوٰۃ دینا پڑ رہی ہے۔

لہٰذا فقراء و مساکین کا فائدہ اسی میں ہے کہ ضم نصاب بالاجزاء، یعنی صاحبینؒ کے مسلک کو اختیار کیا جائے کہ اس میں مالداروں کی رعایت کے ساتھ ''انفع للفقراء'' بھی ہے، ورنہ غریب و مسکین کو مستحقین زکوٰۃ ہونے کے بجائے صاحب نصاب قرار دیا جائے گا اور وہ زکوٰۃ کا جو مقصد ہے کہ مالداروں سے لے کر غرباء و مساکین کو مال دیا جائے فوت ہو جائے گا۔

☆☆☆

سونے اور چاندی کا نصاب نصوص کی روشنی میں

مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی آواپوری☆

۱- یہ بات ظاہر ہے کہ سونا اور چاندی کا نصاب منصوص ہے، اگر کوئی شخص سونے چاندی کی مقررہ مقدار کا مالک ہوجائے تو اس پر مال کی زکوٰۃ واجب ہوجائے گی، لیکن سوال یہ ہے کہ موجودہ حالات میں اگر کسی شخص کے پاس نقد روپے یا سامان تجارت ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا کی قیمت کے برابر ہو تو زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے پیمانہ چاندی کا نصاب ہوگا، یا جب کسی شخص کے پاس سونا اور چاندی تھوڑا تھوڑا موجود ہو تو ایسی صورت میں بھی اعتبار چاندی کے نصاب کا کیا جائے گا، سونے کی قیمت بھی چاندی کے حساب میں لگا کر زکوٰۃ ادا کی جائے گی (سورۃ التوبۃ ۳۴، ۳۵۔ زکوٰۃ کی مالہ وماعلیہ کی مکمل تفصیل دیکھئے: البحر الرائق ۲/ ۲۱۶-۲۲۹، دار المعرفۃ، بیروت، لبنان، طبع دوم ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۹۹۳ء، الموسوعۃ الفقہیہ ۲۳/ ۲۲۶-۲۳۵، وزارۃ الأوقاف و الشئون الاسلامیہ الکویت، طبع دوم ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۹۹۲ء ردالمحتار ۲/ ۲-۸۷، مکتبہ ماجدیہ، کوئٹہ، طبع دوم ۱۴۰۴ھ، بدائع الصنائع ۲/ ۲-۵۷، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، طبع اول ۱۴۱۰ھ مطابق ۱۹۹۰ء فتح القدیر ۲/ ۱۵۳-۱۷۰، دار الفکر بیروت، لبنان)۔

اگر کسی کے پاس مثلاً اتنی رقم ہو جس سے نصاب کے بقدر چاندی خرید کی جاسکتی ہے، لیکن نصاب کے بقدر سونا نہیں خریدا جاسکتا ہے تو ایسے شخص پر بھی اپنے مال کی زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہوگی، کیوں کہ یہ شخص چاندی کے مقررہ مقدار کی قیمت کا مالک ہے، اس لیے ہر حال میں

☆ خادم مدرسہ اسلامیہ شکرپور، بھرواڑہ، دربھنگہ، بہار۔

اس شخص پر زکوۃ کی ادائیگی واجب ہوگی۔اسی طرح اگر کسی کے پاس نقد رقم مال تجارت یا اموال زکوۃ کے علاوہ کوئی مال چاندی کے نصاب کی قیمت کا موجود ہو، مگر وہ سونے کے نصاب کی قیمت کو نہیں پہنچتا ہو تب بھی اس شخص پر زکوۃ کی ادائیگی واجب ہوگی، کیونکہ دونوں نصابوں میں سے ایک نصاب کی قیمت کے برابر مالیت کا وہ مالک ہے، بایں وجہ ایسے شخص کے لیے زکوۃ لینا جائز نہ ہوگا (سورۃ التوبۃ: ۳۴، ۳۵۔اس کی مکمل تفصیل دیکھئے معارف القرآن ۴/ ۴۵۱-۴۵۸، مولانا مفتی شفیع علیہ الرحمہ، ط: فرید بک ڈپو، دہلی ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۹۹۸ء، ہدایہ ۱/ ۱۹۴-۱۹۶، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال، ط: مکتبہ تھانوی، دیوبند ۱۴۱۶ھ، فتح القدیر ۲/ ۲۱۷-۲۲۳، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال)۔

”حدثنا عباد بن العوام، عن عبيدة قال : سألت إبراهيم عن رجل له مائة درهم و عشرة دنانير؟ قال : يزكي من مائة درهم درهمين و نصفا، و من الدنانير بربع دينار، قال : و سألت الشعبي فقال: يحمل الأكثر علي الأقل، أو قال: الأقل علي الأكثر، فإذا بلغت فيه الزكاة زكاة“ (مصنف ابن أبي شيبہ ۶/ ۳۹۳، ح: ۹۹۷۸، إدارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی، طبع دوم ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۹۹۸ء)۔

(حضرت عبیدہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابراہیم سے دریافت کیا ایک آدمی کے سلسلے میں کہ اس کے پاس ایک سو درہم اور دس دینار ہے تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ ایک سو دراہم میں ڈھائی درہم اور دس دینار میں ڈھائی دینار زکوۃ ادا کرے۔عبیدہ نے کہا: اور پھر مزید میں نے حضرت شعبی سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ زیادہ نصاب والا کو کم نصاب والا میں یا کہا کہ کم نصاب والا کو زیادہ نصاب والا میں ملا دیا جائے گا، پھر جب وہ زکوۃ کے نصاب کے مقررہ مقدار کو پہنچ جائے تو زکوۃ واجب ہوگی)۔

زبدۃ الخلاصہ

۱-چاندی کا نصاب:

اس بارے میں اجماع ہے کہ چاندی کا نصاب پانچ اوقیہ ”دوسو درہم“ (ساڑھے

باون تولہ) چاندی ہے، اگر کسی کے پاس ساڑے باون تولہ چاندی ہو اور اس پر سال گذر جائے تو اس پر اس مال کا چالیسواں حصہ بطور زکوۃ ادا کرنا فرض ہے۔

۲- سونے کا نصاب:

جمہور کے نزدیک سونے کا نصاب ۲۰/دینار'' ۲۰/مثقال'' (ساڑھے سات تولہ) ہے، اگر کسی کے پاس ساڑھے سات تولہ سونا ہو اور اس پر سال گذر جائے تو اس پر اس کا چالیسواں حصہ بطور زکوۃ ادا کرنا فرض ہے۔

۳- جب کہ سونا اور چاندی الگ الگ ہوں اور ان میں سے ہر ایک اپنے نصاب سے کم ہو، حدیث شریف میں سونے اور چاندی کے نصاب کا اور زکوۃ کا الگ الگ بیان ہوا ہے، ائمہ عظام کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہے کہ اگر کسی کے پاس چاندی ہو اور سونا بھی ہو، لیکن دونوں نصاب سے کم ہوں تو وہ شخص دونوں کو ملا کر زکوۃ ادا کرے گا یا نہیں؟ حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ، حضرت ابو عبیدؒ، حضرت ابن ابی لیلیٰؒ اور حضرت ابو ثورؒ کے نزدیک سونا اور چاندی دو الگ الگ جنس ہیں، اس لیے ان لوگوں کے نزدیک دونوں جنسوں میں سے کسی ایک میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی، یہاں تک کہ وہ ایک مکمل نصاب کے مقررہ مقدار کو پہنچ جائے، ان کی دلیل یہ ہے:

''عن أبي سعيد ن الخدري أن رسول الله ﷺ قال: ليس في ما دون خمسة أوسق من التمر صدقة، و ليس في ما دون خمس من الورق صدقة'' (صحیح البخاری ۱/۱۹۶، کتاب الزکاۃ، باب لیس فی ما دون خمس ...... صدقۃ، ط: مختار اینڈ کمپنی، دیوبند ۱۹۸۵ء)۔

(حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ فی الواقع رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پانچ وسق سے کم کھجور پر کوئی زکوۃ نہیں ہے اور پانچ اوقیہ سے کم چاندی پر کوئی زکوۃ نہیں ہے)۔

حنفیہ اور مالکیہ اور ایک دوسرے قول کے مطابق امام احمد بن حنبلؒ اور امام ثوریؒ اور امام اوزاعیؒ کے نزدیک مندرجہ بالا صورت میں سونے اور چاندی کو ملایا جائے گا، تاکہ اس طرح ملا کر

دونوں میں سے ایک نصاب پورا ہوجائے تو ان کی زکوٰۃ وصول کی جائے گی، ان کا استدلال یہ ہے کہ سونا اور چاندی دراصل ایک جنس ہیں اور دونوں مل کر نقدی کی حیثیت رکھتے ہیں (الموسوعۃ الفقہیہ ۲۳/۲۶۶-۲۶۷، فتح القدیر ۲/۲۰۸-۲۲۳)۔

۲- حنفیہ کے نزدیک اگر کسی شخص کے پاس کچھ مقدار سونے اور کچھ مقدار چاندی کی ہو اور دونوں کا مجموعہ نصاب کے بقدر ہوجاتا ہو تو زکوٰۃ واجب ہوجاتی ہے، البتہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس میں قیمت کا اعتبار ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک اس میں ضم اجزاء کا اعتبار ہے۔

"و تضم قيمة العروض في الذهب و الفضة، حتى يتم النصاب؛ لأن الوجوب في الكل باعتبار التجارة، و إن افترقت جهة الأعداد، و يضم الذهب إلى الفضة للمجانسة من حيث الثمنية، و من هذا الوجه صار سببا، ثم تضم بالقيمة عند أبي حنيفة و عندهما بالأجزاء" (ہدایہ ۱/۱۹۶، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال، فصل في العروض، اشرف الہدایہ ۳/۸۹-۹۲، ط: مکتبہ تھانوی دیوبند ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۹۸۶ء فتح القدیر ۲/۲۲۱-۲۲۳، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال، فصل في العروض)۔

(اور سامان کی قیمت کو سونے اور چاندی کے ساتھ ملایا جائے، تاکہ نصاب پورا ہو، کیونکہ ان سب میں وجوب زکوٰۃ تجارت کے اعتبار سے ہے اور اگرچہ نمو اور بڑھاوا کی راہ جدا ہے۔ اور سونے کو چاندی کے ساتھ ملایا جائے، کیونکہ ثمن ہونے میں دونوں ہم جنس ہیں اور اسی وجہ سے وہ سبب زکوٰۃ ہوا۔ پھر حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ملانا قیمت کے ساتھ ہوگا اور حضرت امام صاحبینؒ کے نزدیک اجزاء کے ساتھ ہوگا)۔

دھات کے سکوں اور کاغذ کے نوٹوں و کرنسیوں کی زکوٰۃ:

سرور کائنات فخر عالم تاب نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں نقدی کے طور پر سونا اور چاندی بہ شکل دینار و درہم استعمال ہوتے تھے، موجودہ زمانہ میں دھات کے سکے اور کاغذ کے

نوٹ، روپیہ، کرنسی، ریال، پونڈ اور ڈالر وغیرہ سونے اور چاندی کے قائم مقام ہو گئے ہیں اور انہیں ہر وقت سونے اور چاندی سے تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا جب کسی کے پاس دھات کے سکوں یا کاغذ کے نوٹوں، روپیوں، کرنسیوں، پونڈوں یا ڈالروں کی اتنی مقدار ہو جائے جس سے سونے اور چاندی کا نصاب پورا ہو جاتا ہے اور اس پر ایک سال گزر چکا ہو تو اس پر ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ واجب ہوگی (اس کی مکمل تفصیل دیکھئے: فتح القدیر ۲/ ۲۰۸-۲۱۹، کتاب الزکوٰۃ، باب زکوٰۃ المال، فصل فی الفضۃ، وفصل فی الذھب، ط: دار الفکر بیروت، لبنان۔ فقہ السنۃ: ۱/ ۲۸۱-۲۸۲، محمد عاصم، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی، طبع ہفتم ۱۹۹۴ء)۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا موقف:

جب کرنسی نوٹ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر پہنچ جائے تو ان پر بالاتفاق زکوٰۃ واجب ہو جائے گی اور چونکہ اب یہ نوٹ قرض کی دستاویز کی حیثیت نہیں رکھتے، اس لیے ان نوٹوں پر قرض کی زکوٰۃ کے احکام بھی جاری نہیں ہوں گے، بلکہ اس پر مروجہ سکوں کے احکام جاری ہوں گے، وجوب زکوٰۃ کے مسئلے میں مروجہ سکوں کا حکم سامان تجارت کی طرح ہے، یعنی جس طرح سامان تجارت کی مالیت اگر ساڑھے باون تولہ چاندی تک پہنچ جائے تو ان پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے، بعینہ یہی حکم مروجہ سکوں اور موجودہ کرنسی نوٹوں کا ہے اور جس طرح مروجہ سکے کسی غریب کو بطور زکوٰۃ کے دیئے جائیں تو جس وقت وہ فقیر ان سکوں کو اپنے قبضہ میں لے گا اسی وقت اس کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، بعینہ یہی حکم کرنسی نوٹوں کا ہے کہ فقیر کے ان پر قبضہ کرنے سے زکوٰۃ فی الفور ادا ہو جائے گی، ان نوٹوں کو استعمال میں لانے پر زکوٰۃ کی ادائیگی موقوف نہ رہے گی (فقہی مقالات: ۱/ ۳۰، ط: زمزم بکڈپو، دیوبند ۱۹۹۵ء)۔

عورت کے زیور کی زکوٰۃ:

عورت کے سونے اور چاندی کے زیور پر زکوٰۃ ضروری و واجب ہے، جبکہ اس کا وزن بقدر نصاب یا اس سے زیادہ ہو اور اس پر ایک سال گزر چکا ہو (فقہ السنۃ/ ۲۸۳)۔

مال تجارت کا نصاب اور زکوٰۃ:

جمہور فقہاء عظام کے نزدیک اس کا نصاب نقدی ہی کا نصاب ہے، اس مال تجارت کی قیمت کم از کم ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا کی قیمت کے برابر ہو، نیز اس پر ایک سال گزر جائے تو ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرنی واجب ہوگی (فتح القدیر ۲/۲۱۷-۲۲۳، کتاب الزکوٰۃ، باب زکوٰۃ المال فصل فی العروض)۔

زبدۃ الخلاصہ:

(۱) اگر کسی کے پاس نقد روپے یا سامان تجارت ہو تو زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے پیمانہ چاندی کا نصاب ہوگا اور شرح زکوٰۃ ڈھائی فیصد کے حساب سے ادا کرنی واجب ہوگی۔

(۲) اگر کسی کے پاس تھوڑا سونا اور تھوڑا چاندی ہو تو اس صورت میں بھی اعتبار چاندی کے نصاب کا کیا جائے گا۔

(۳) اگر کسی کے پاس کچھ مقدار سونے اور کچھ مقدار چاندی کی ہو اور دونوں کا نصاب مجموعہ نصاب کے مقدار کو پہنچ جاتا ہے تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی، البتہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس میں قیمت کا اعتبار ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک اس میں ضم الاجزاء کا اعتبار ہے۔ عصر حاضر میں اسی قول پر فتویٰ دینے کی ضرورت ہے، اس لیے کہ غریب، اور محتاج کا فائدہ اس صورت میں زیادہ ہے۔

(۴) موجودہ دور میں سونے اور چاندی کی قوت خرید اور قدر میں بڑا فرق ہو گیا ہے، اس لیے صاحبینؒ کے قول کے مطابق ضم الاجزاء کا اعتبار کیا جائے اور اسی پر فتویٰ دیا جائے، اس صورت میں مستحقین زکوٰۃ اور مدارس اسلامیہ کو فائدہ پہنچے گا۔

☆☆☆

زکاۃ کے موجودہ مسائل

حافظ شیخ کلیم اللہ عمری مدنی ☆

۱- موجودہ دور میں وجوب زکاۃ کے لئے پیمانہ چاندی کا نصاب ہوگا جو کہ فقراء اور مساکین کے لئے مفید اور مناسب ہوگا جو غربت اور افلاس کے خاتمہ کا ذریعہ بھی ہوگا، دور نبوت، عہد خلافت راشدہ اور دیگر مسلم بادشاہوں کے زمانے میں چاندی ہی سکہ رائج الوقت تھا اور فقہاء کرام نے بھی اسی کو اصل قرار دیا، دور جدید وقدیم کے مؤقر علماء کرام میں سے ایک بڑی تعداد نے فقراء ومساکین کو جس پیمانہ سے فائدہ ہو اس پیمانہ کو نصاب تسلیم کیا ہے اور یہ فتاوی صادر فرمائے ہیں جیسا کہ مندرجہ ذیل عبارتوں سے واضح ہے:

۱ – " یکون ذلک بالأحظ للفقراء من أحد النصابین"(اللجنۃ الدائمۃ ۹/۲۵۷)۔

۲– "یقدر نصاب النقود بما کان أحظ للفقیر من قیمۃ النصابین"

(د/عبداللہ الفقیہ فتاوی الشبکۃ الاسلامیہ ۱۰/۳۵)۔

۳ –" تقدر بما ھو أنفع للفقراء " (فتاوی الشبکۃ الاسلامیہ ۱۶/۲۴)۔

۴ –" کان الفقھاء یفتون بوجوب زکاتہ إذا بلغ نصاب أحد النقدین المغطی بہ وفق سعر التعادل " کما ذھب صاحب الفتح الربانی إلی تقدیرہ بالفضۃ"(مجلۃ البحوث الاسلامیۃ ۳۳/۳۰۴)۔

☆ مفتی جامعہ دار السلام عمر آباد تامل ناڈو۔

۵- " تقديرها بالفضة أنفع للفقراء من تقديرها بالذهب فتقدر بالفضة" (مجموع فتاوی و رسائل ابن عثیمین ۳۲۶/۱۸)۔

لیکن ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے سونے کے نصاب کو معیار تسلیم کیا ہے اور فرمایا کہ:

"أن التقدير بالفضة وان كان أنفع للفقراء إلا أنه اجحاف بأرباب الأموال" (فقہ الزکاۃ یوسف القرضاوی) اسی رائے کو ڈاکٹر عبد اللہ الفقیہ نے بھی اختیار کیا ہے۔

نوٹ : لیکن راقم الحروف پہلی رائے (چاندی کے نصاب کو معیار تسلیم کرنا) کو ترجیح دیتا ہے جو جمہور کی رائے ہے اور جس میں عامۃ المسلمین کا فائدہ ملحوظ رکھا گیا ہے

۲- زکاۃ صرف ضرورتمندوں کے لئے اضطراری صورت میں ہی جائز ہے، زکاۃ کے لئے استحقاق ثابت کرنا درست نہیں ہے

نبی کریم ﷺ نے کمانے کے لائق حضرات کو زکاۃ کے مستحقین سے خارج فرمایا،

جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے: "لاتحل الصدقة لغني ولالذي مرة سوى" (رواہ ابوداؤد برقم ۱۶۳۶)، البتہ کبھی ضرورت شرعی کی وجہ سے زکاۃ دینے والے کو مستحق زکاۃ میں شامل کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے: " عن عطاء بن يسار رضي الله عنه ان رسول الله ﷺ قال: لاتحل الصدقة لغني إلا لخمسة لغاز في سبيل الله او لعامل عليها او لغارم" (رواہ ابوداؤد برقم ۱۶۳۵)۔

۳- سونا اور چاندی کا نصاب چونکہ الگ الگ ہے دونوں کی ثمنیت اور جنس میں فرق ہے جس طرح حیوانات کا نصاب جداگانہ ہے اس میں ضم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اسی طرح جمہور کے اقوال کی روشنی میں مذکورہ مسئلہ میں ضم الاجزاء بھی شرعا صحیح نہیں ہوگا، تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو (بدائع الصنائع ۳/۴۳۶-۱۰۶)۔

☆☆☆

زکوۃ کے وجوب میں ضم نصاب ،ضرورت اور اہمیت

مولانا مسیح اختر قاسمی ☆

قابل زکوۃ اموال کے چند اجناس ہیں:

۱- ابل (اونٹ) ۲- غنم (بھیڑ اور بکری، دونوں بالاتفاق ایک جنس ہیں) ۳- بقر (گائے اور بھینس، یہ دونوں بھی بالاجماع ایک ہی جنس ہیں) ۴- سونا اور چاندی، اسی طرح اموال تجارت اور کرنسی وغیرہ۔

پہلی تین صورتوں پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ ان میں سے ایک نصاب کا دوسرے کے ساتھ انضمام نہیں کیا جائے گا اور ان میں سے ہر جنس کا مستقل نصاب ہے۔

البتہ چوتھی صورت یعنی سونا چاندی دونوں ایک ہی جنس ہیں، دونوں کا نصاب ایک ہے یا الگ الگ، اس میں اختلاف ہے۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ دونوں ایک جنس ہیں اور دونوں کا نصاب ایک ہی ہے، یعنی اموال تجارت، کرنسی وغیرہ کی طرح سونا چاندی پر محمول ساڑھے باون تولہ چاندی (چھ سو بارہ گرام) کی قیمت کے بقدر سونا ہو تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی، اور دور نبویؐ میں ایک دینار کا مبادلہ (Change) دس درہم سے ہوتا تھا، دس کے بیس مثقال ہوئے، اس لیے بیس مثقال، یعنی ساڑھے سات تولہ (ساڑھے ستاسی گرام) کے .... نصاب مقرر کیا گیا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی بھی یہی رائے ہے، چنانچہ ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

☆ خادم حدیث و افتا جامعہ اسلامیہ جلالیہ، ہوجائی آسام۔

”و الذهب محمول على الفضة، و كان في ذلک الزمان .... دينار بعشرة دراهم“ (حجۃ اللہ البالغۃ، باب الزکاۃ، رحمۃ اللہ الواسعۃ ۴/ ۲۱)۔

(اور سونا چاندی پر محمول ہے اس زمانے میں (دورِ نبویؐ میں) ایک دینار کا مبادلہ دس درہم سے ہوتا تھا)۔

جمہور علماء کے نزدیک سونا مستقل جنس ہے اور سونے کا مستقل نصاب ہے، چاندی پر محمول نہیں۔ جمہور کی دلیل ذیل کی روایتیں ہیں:

(۱) ”عن عليؓ عن النبي ﷺ قال: فإذا كانت لک مائتا درهم و حال عليها الحول، ففيها خمسة دراهم، وليس عليک شيء، يعني في الذهب، حتى تكون لک عشرون دينار، فإذا كانت لک عشرون دينارا و حال عليها الحول، ففيها نصف دينار، فما زاد، فبحساب ذلک“ (سنن أبي داؤد ۱/ ۲۲۱، باب زکاۃ السائم، ط: مکتبہ یاسر ندیم، دیوبند)۔

(حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب تمہارے پاس دو سو درہم ہوں اور اس پر سال گذر جائے تو اس میں پانچ دراہم ہیں، اور سونے میں تم کچھ واجب نہیں، تا آنکہ وہ بیس دینار ہو جائیں، پھر اگر کسی کے پاس بیس دینار ہوں اور ان پر سال گذر جائے تو ان میں آدھا دینار ہے اور اس سے جو زیادہ ہو اسی حساب سے واجب ہے)۔

(۲) ”عن ابن عمرؓ و عائشةؓ أن النبي ﷺ كان يأخذ من كل عشرين دينار فصاعدا نصف دينار، و من الأربعين دينارا“ (سنن ابن ماجہ ۲/ ۱۲۸، باب زکاۃ الورق و الذهب)۔

(عبداللہ بن عمرؓ اور عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ ہر بیس دینار اور زائد سے آدھا دینار لیتے تھے اور چالیس سے ایک دینار لیتے تھے)۔

(۳) ”عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده عن النبي ﷺ أنه قال:

ليس في أقل من عشرين مثقالا من الذهب، و لا في أقل من مائتي درهم صدقة" (المغني لابن قدامه ۶/۲، ط: مکتبۃ الریاض الحدیثہ)۔

(حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ ﷺ نے فرمایا: بیس مثقال سونے سے کم میں اور دو سو درہم سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں ،صدقہ ہے)۔

(۴) **"روي أن النبي صلى الله عليه و سلم كتب إلى معاذ بن جبل أن خذ من كل مائتي درهم خمسة دراهم، و من كل عشرين مثقالا من الذهب نصف مثقال"** (نصب الرایہ ۲/ ۳۶۴، ط: بیروت، لبنان)۔

(آپ علیہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو لکھا تھا کہ ہر دو درہم سے پانچ درہم لو اور ہر بیس مثقال سونے سے آدھا مثقال لیا کرو)۔

ان روایتوں کی وجہ سے جمہور گرچہ سونے کو مستقل نصاب مانتے ہیں، مگر بعض مسائل میں سونے کو چاندی پر محمول کرتے ہیں:

"و تضم قيمة العروض إلى الثمنين و الذهب إلى الفضة قيمة" (فتاویٰ ہندیہ ۱/ ۱۷۹، ط: بیروت، لبنان)۔

(سامانوں کی قیمت کو دونوں ثمنوں سے ملایا جائے گا اور سونے کا چاندی سے قیمت کے اعتبار سے انضمام ہوگا)۔

اس لیے بندہ کی ناقص رائے ہے کہ سونا ذو جہتین ہے، ایک اعتبار سے سونا مستقل جنس ہے:

"لأنه مال تجب الزكاة في عينه، فلم يعتبر بغيره كسائر الأموال الزكوية" (المغني لابن قدامہ ۶/۳)۔

(اس لیے کہ سونا ایسا مال ہے جس کے عین میں زکوٰۃ واجب ہے، لہٰذا دوسرے اموال پر محمول نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ تمام اموال زکویہ کا حال ہے)۔

اور ایک اعتبار سے چاندی کا ہم جنس ہے، اس لیے کہ بعض مسائل میں چاندی پر محمول ہوتا ہے، کما مر۔ جیسے کرنسی میں بعض مسائل میں زر کا اعتبار کیا گیا ہے، چنانچہ ایک ملک کی کرنسی مین کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ حرام ہے۔

اور بعض مسائل میں عرض (سامان) کا اعتبار کیا گیا ہے، چنانچہ دو ملکوں کی کرنسی میں کمی بیشی جائز ہے اور حوالہ میں احد العوضین کا ادھار جائز ہے۔

سوال نمبر: ۱ کا جواب

(الف) ماقبل کی تفصیل سے یہ واضح ہوگیا کہ اصل پیمانہ چاندی کا نصاب ہے، گو سونے کا نصاب بھی مستقل نصاب ہے اور انفع للفقراء بھی اسی میں ہے کہ چاندی کے نصاب کو پیمانہ قرار دیا جائے۔ لہٰذا اگر کسی شخص کے پاس سامان تجارت یا نقد روپے چاندی کے نصاب کے بقدر ہو، لیکن سونے کے نصاب کی مقدار نہ پہنچا ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، "فتاویٰ عالمگیری" وغیرہ میں صاف ہے:

"ثم في تقويم عروض التجارة التخيير يقوم بأيهما شاء من الدراهم و الدنانير، إلا إذا كانت لا تبلغ بأحدهما نصابا، فحينئذ تعين التقويم بما يبلغ النصاب" (الفتاویٰ الهندیہ ۱/۱۷۹، ط: بیروت، لبنان)۔

"و الفلوس بمنزلة الصفر، إن نواها للتجارة و بلغت قيمتها مائتى درهم يجب فيها الزكاة و إلا فلا" (الفتاوی الکافیۃ مع الہدیہ ۲/۲۵۰)۔

(اور پیسے دنانیر کے مانند ہیں، اگر تجارت کی نیت کرلے اور اس کی قیمت دو سو درہم کے برابر ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی، ورنہ نہیں)۔

"فالحاصل أن المذهب تخييره، إلا إذا كان لا يبلغ بأحدهما نصابا تعين التقويم بما يبلغ نصابا، و هو مراد من قال يقوم بالأنفع، و لذا قال في الهداية: و تفسير الأنفع أن يقومها بما يبلغ نصابا" (البحر الرائق ۲/۲۷۶، ط: بیروت،

لبنان۔ وھکذا في الشامي ۳/۲۱۰، ط: دارالکتاب، دیوبند)۔

(خلاصہ یہ ہے کہ مذہب تخییر کا ہے، مگر جب کسی ایک کے اعتبار سے نصاب تک نہ پہنچے تو اس سے حساب لگانا ضروری ہے، جس سے نصاب تک پہنچ جائے اور یہی مراد ہے ان حضرات کا جنہوں نے فرمایا کہ قیمت لگائی جائے گی انفع للفقراء کے اعتبار سے، اور ہدایہ میں ہے کہ انفع کی تفسیر یہ ہے کہ قیمت لگائی جائے اس (جنس ثمنین) سے جس سے نصاب تک پہنچ جائے)۔

(ب) اسی طرح جس شخص کے پاس سامان تجارت یا نقد روپے چاندی کے نصاب کے برابر ہو تو اس کا زکوٰۃ لینا حرام ہوگا اور اس کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

"و کذا لو کان عندہ عن المصاحف و ھو یحتاج إلیه، و إن کان لا یحتاج إلیه و ھو یساویمائتی درھم، لا یجوز صرف الزکاۃ إلیه، و لا یجوز له أخذھا" (عالمگیری ۱/۱۸۹، باب الزکاۃ، ط: بیروت لبنان)۔

(ج) اگر کسی شخص کے پاس کچھ مقدار سونا اور کچھ مقدار چاندی ہو تو امام صاحبؒ کے نزدیک قیمت کے اعتبار سے انضمام کیا جائے گا اور صاحبینؒ کے نزدیک اجزاء کے اعتبار سے، جیسا کہ فقہ و فتاوىٰ کی تمام کتابوں میں مذکور ہے اور تقریباً اب تک تمام مفتیان کرام امام ابوحنیفہؒ کے قول پر فتوىٰ دے رہے ہیں (ملاحظہ ہو: ردالمحتار ۳/۲۱۵، البحر الرائق ۲/۲۷۷، فتاوىٰ محمودیہ ۹/۳۸۱، ط: ادارہ صدیق، ڈھابیل)۔

اور عقلاً بھی امام صاحبؒ کا قول راجح معلوم ہوتا ہے، اس لیے کہ انضمام مجانست کی وجہ سے ہے اور تجانس معنویت اور قیمت میں ہے، نہ کہ صورت میں:

"إن الضم لیس إلا للمجانسة، و إنما ھي باعتبار المعنی و ھو القیمة لا باعتبار الصورۃ، و قال الفقیه أبی جعفر: تجب علی قوله، وھو الصحیح"

(البحر الرائق ۲/۲۴۸، باب زکاۃ المال، ط: بیروت لبنان)۔

(بلاشبہ ضم مجانست ہی کی وجہ سے ہے اور مجانست معنی اور قیمت کے اعتبار سے ہے، نہ کہ صورت کے اعتبار سے، اور فقیہ ابوجعفرؒ نے فرمایا: امام صاحبؒ کے قول کو ماننا ضروری ہے اور یہی صحیح ہے)۔

لہٰذا بندہ کی ناقص رائے ہے کہ امام صاحبؒ کے قول ہی پر فتویٰ دیا جائے، تاکہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ ادائے زکوٰۃ اور انفاق کا فائدہ حاصل ہو اور حب مال سے تخلی کا سبب بنے اور فقراء کے حق میں بھی انفع ہو۔

(د) رہا مسئلہ کہ امام صاحبؒ کے قول کے مطابق ممکن ہے ایک تولہ سونا اور ایک تولہ چاندی پر زکوٰۃ واجب ہوجائے اور سات تولہ سونے پر زکوٰۃ واجب نہ ہو۔ بندہ کے خیال میں یہ کوئی بڑا مسئلہ نہیں، یہ بات تو اس صورت میں بھی واقع ہے کہ ایک شخص کے پاس ایک تولہ سونا اور ایک تولہ چاندی ہو تو زکوٰۃ واجب ہوجاتی ہے، جبکہ دوسرے کے پاس انتیس (29) گائے، بھینس یا چار اونٹ ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، جب کہ مالیت میں بہت تفاوت ہے۔ ہاں اگر چاندی کے نصاب کو مستقل نصاب مان کر سونا کو اس پر محمول کرنے کی رائے پر فی زمانا فتویٰ دیا جانا ممکن ہو تو سونا چاندی کے تفاوت سے جو مسائل پیدا ہو رہے ہیں ان کا علاج ممکن ہے، مگر جمہور فقہاء کے خلاف ہوگا۔

(ھ) رہا حرمان زکوٰۃ کے مسئلہ میں دشواری، بندہ کے خیال میں اگر کوئی شخص ضروریات اصلیہ کے علاوہ ساڑھے باون تولہ چاندی یا مثلاً پندرہ ہزار روپے کا مالک ہے، گرچہ آج کے ماحول میں یہ نہایت معمولی رقم ہے، لیکن زکوٰۃ بھی تو کوئی ایسی قابل رغبت چیز نہیں کہ ایسے بے ضرورت آدمی کے لیے میل کچیل کھانے کے اسباب فراہم کیے جائیں، زکوٰۃ تو انتہائی مجبوری اور فقر و مسکنت کی حالت کی چیز ہے، تاہم خدانخواستہ ایسے آدمی پر کوئی بڑی مصیبت آپڑی اور فقر و مسکنت سے قریب ہوگیا، لیکن زکوٰۃ کا مستحق نہیں بنا اور زکوٰۃ کی رقم سے اس کی مدد کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو بیوی یا بالغ لڑکے جو نصاب کے مالک نہیں ہیں ان کے واسطے سے

زکوۃ کی رقم سے مدد کی جاسکتی ہے۔

خلاصہ:

۱- اگر کسی شخص کے پاس سامان تجارت یا نقد رقم چاندی کے نصاب کے بقدر ہو اور سونے کے نصاب تک نہ پہنچتا ہو تو اس کے لیے زکوۃ لینا حرام ہے۔

۲- اگر کسی شخص کے پاس کچھ مقدار سونا اور کچھ چاندی ہو تو قیمت کے اعتبار سے انضمام کیا جائے گا، یہی امام صاحبؒ کا مسلک ہے اور یہی راجح اور مفتیٰ بہ ہے اور "أنفع للفقراء" بھی ہے، صاحبینؒ کے قول کو اختیار نہیں کیا جاسکتا۔

☆☆☆

نقد روپئے یا سامان تجارت کا پیمانۂ نصاب

مولانا محمد فاروق دربھنگوی ☆

معدودِ چند کے علاوہ تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ سامان تجارت، خواہ جس جنس و نوع کا ہو جب اس کی قیمت نصاب کو پہنچ جائے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہے، جیسا کہ علامہ بدرالدین عینیؒ بنایہ شرح ہدایہ میں بیان فرماتے ہیں:

"قال ابن المنذر : أجمع أهل العلم على وجوب الزكاة في عروض التجارة مالم تنض و تصير دراهم و دنانير، فحينئذ تلزمه زكاة عام و احد ..... و قالت الظاهرية : لا زكاة في العروض للتجارة، و عن ابن عباسؓ كذلك الخ" (بنایہ شرح ہدایہ ۳/ ۸۲ ۳، مکتبہ نعیمیہ)۔

(حضرت ابن المنذر فرماتے ہیں کہ ایسا سامان تجارت جو اب تک دراہم و دنانیر کی صورت اختیار نہ کیا ہو اس پر وجوب زکوٰۃ کے سلسلے میں تمام اہل علم کا اجماع ہے، اور فرقہ ظاہریہ کا کہنا ہے کہ تجارت کے سامان میں کوئی زکوٰۃ واجب نہیں، اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہی منقول ہے)۔

"و في الهداية : الزكاة واجبة في عروض التجارة كائنة ما كانت إذا بلغت قيمتها نصابا من الورق أو الذهب" (ہدایہ ۱/ ۱۹۵، مکتبہ فیصل)۔

(اور ہدایہ میں ہے کہ سامان تجارت، خواہ جس نوع کا بھی ہو جب اس کی قیمت

☆ خادم دارالاحسان، باڑدولی، سورت، گجرات۔

چاندی یا سونا کے نصاب کو پہنچ جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے)۔

البتہ حدیث پاک میں سونا، چاندی، اور سوائم کی طرح سامان تجارت کا کوئی نصاب متعین نہیں ہے، اس لیے اس کے نصاب کی تعیین میں فقہاء کے مابین اختلاف ہے۔

چنانچہ ہمارے تمام فقہاء و مجتہدین اس بات پر متفق ہیں کہ سامان تجارت کی زکوٰۃ نکالنے کے لیے اس کی قیمت لگائی جائے گی، اگر وہ قیمت نصاب کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی، ورنہ نہیں، لیکن اختلاف اس میں ہے کہ قیمت لگانے میں آیا انفع للفقراء کا اعتبار ہوگا، یا مالک مال کو اختیار ہوگا، یا جن نقدوں سے مال خریدا گیا ہے وہ معتبر ہوگا، یا غالب نقد بلد کا اعتبار ہوگا، تو یہ کل چار اقوال ہیں، جن میں سے آخر الذکر دو قول حضرات صاحبینؒ نے اختیار کیا ہے، اور اول الذکر دو قول حضرت امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہیں۔

چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہؒ سے امالی میں منقول ہے کہ مال تجارت کی قیمت اسی نقد سے لگائی جائے گی جس میں فقراء و مساکین کا زیادہ فائدہ ہو، اور یہی قول حضرت علامہ عینیؒ نے بنایہ میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا بھی نقل کیا ہے۔ لہٰذا اس قول کے مطابق اگر مال تجارت کی قیمت چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے اور سونے کے نصاب کو نہ پہنچے تو ایجاب زکوٰۃ میں چاندی کا نصاب معتبر ہوگا، جیسا کہ موجودہ زمانہ میں چاندی کا نصاب سونے کے نصاب سے خاصا کم ہے، تو چاندی کا نصاب ہی معتبر ہوگا، اور اسی نصاب کے اعتبار سے زکوٰۃ واجب ہوگی۔

لیکن اگر کبھی اس کا عکس ہو جائے کہ مال تجارت کی قیمت چاندی کے نصاب کو نہ پہنچے، مگر سونے کے نصاب کو پہنچ جائے تو اس وقت ایجاب زکوٰۃ سونے کا نصاب ہی معتبر ہوگا، چاندی کا نصاب معتبر نہیں ہوگا، کیوں کہ یہی انفع للفقراء ہے اور اسی میں احتیاط بھی ہے۔ جیسا کہ ''بنایہ شرح ہدایہ'' میں ہے:

''و يقوم العروض التي للتجارة بالذي هو انفع للفقراء، و هو أن يقومها بأنفع النقدين، و به قال أحمد، حتى إذا قومت بالدراهم تبلغ نصابا، و

إذا قومت بالذهب لا تبلغ نصابا تقدم بالدراهم، و بالعکس کذلک‘‘ (البنایہ شرح الہدایہ ۳/۸۴۳وھکذا فی فتح القدیر ۲/۱۶۷)۔

(اور سامان تجارت کی قیمت اس چیز کے ذریعہ لگائی جائے گی جس میں فقراء کا زائد فائدہ ہو اور وہ یہ ہے کہ نقدین میں سے انفع کے ذریعے لگائی جائے۔ امام احمد بن حنبلؒ اسی کے قائل ہیں، یہاں تک کہ جب دراہم سے قیمت لگائی جائے تو نصاب کو پہنچ جائے اور جب سونے کے ذریعہ قیمت لگائی جائے تو نصاب کو نہ پہنچے تو دراہم کے ذریعہ قیمت لگائی جائے گی، اسی طرح عکس کی صورت میں بھی۔

اس قول کی وجہ علامہ عینیؒ اور علامہ ابن ہمامؒ یہ بیان فرماتے ہیں کہ مال ایک طویل زمانہ تک مالک مال کے قبضہ میں تھا اور وہ اس سے منتفع ہو رہا تھا تو اب قیمت لگاتے وقت فقراء کی منفعت کا اعتبار ہوگا، تاکہ دونوں کے حق کی رعایت ہو سکے)۔

’’کان المال في ید المالک إلی زمان طویل، و ھو المنتفع بہ، فلا بد من اعتبار منفعۃ الفقراء عند التقویم‘‘ (أیضا)۔

(اس کہ مال ایک طویل زمانہ تک مالک کے قبضہ میں تھا اور وہ اس منتفع ہو رہا تھا تو اب ضروری ہے کہ قیمت لگاتے وقت فقراء کی منفعت کا اعتبار کیا جائے)۔

نیز احتیاطی پہلو بھی یہی ہے کہ نقدین میں سے جس کے نصاب کو مال تجارت کی قیمت پہنچ جائے زکوٰۃ ادا کر دی جائے، ورنہ اگر احد النقدین کے نصاب کو پہنچ جانے کے باوجود دوسرے نقد کا اعتبار کیا جائے اور اس دوسرے نصاب تک نہ پہنچنے پر زکوٰۃ کی ادائیگی نہ کی جائے تو یقیناً جہاں منفعت فقراء کے خلاف ہوگا وہیں احتیاط کے بھی خلاف ہوگا۔ اسی لیے حضرت امام ابو حنیفہؒ نے احتیاطاً انفع للفقراء کا اعتبار کیا ہے۔

’’کمافي الھدایۃ : یقومھا أنفع للمساکین احتیاطاً لحق الفقراء‘‘ (فتح القدیر مع الہدایہ ۲/۱۶۷)۔

البتہ اصل مبسوط میں حضرت امام ابوحنیفہؒ سے جو تخییر منقول ہے کہ مالک سامان تجارت نقدین میں سے جس نصاب سے چاہے قیمت کا اعتبار کرلے۔تو بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ نصاب چاندی کو مال تجارت کی قیمت پہنچ جائے تب بھی مالک کو اختیار ہے کہ اس کو نہ اختیار کرکے سونے کے نصاب تک پہنچنے کا انتظار کرے اور پھر سونے کے نصاب تک پہنچنے پر زکوۃ ادا کرے۔

حالانکہ ایسا نہیں ہے، بلکہ علامہ ابن ہمامؒ نے دونوں روایتوں میں تطبیق دیتے ہوئے فرمایا کہ تخییر اس وقت ہے، جبکہ سونا اور چاندی دونوں کے ذریعہ قیمت لگانے میں کوئی فرق نہ آتا ہو، جیسے کہ ایک آدمی کے پاس اتنا سامان تجارت ہو کہ اس کی قیمت دوسو درہم کو بھی پہنچ رہی ہو اور اسی قیمت میں ۲۰ ردینار سونا بھی حاصل ہوتا ہو تو اس صورت میں چونکہ دونوں نصاب کی قیمت میں کوئی فرق نہیں ہے، لہٰذا ایسے موقع پر مالک سامان کو اختیار حاصل ہے کہ جس نصاب کو چاہے اختیار کرے۔

"و في فتح القدير : أفادت عبارة الخلاصة التي ذكرناها ----- جمع بين الروايتين بأن المذكور في الأصل من التخيير هو ما إذا كان التقويم بكل منهما، لا يتفاوت" (فتح القدیر ۲/ ۱۶۲ لبنان)۔

(اور فتح القدیر میں ہے کہ خلاصہ کی وہ عبارت جس کا ہم نے تذکرہ کیا ہے دونوں روایتوں کے مابین جمع کا افادہ کرتی ہے، بایں طور کہ اصل میں جو تخییر مذکور ہے اس وقت ہے جب کہ نقدین میں سے ہر ایک سے قیمت لگانے میں کوئی فرق نہ ہو)۔

خلاصہ یہ کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک انفع للفقراء کا اعتبار ہے، اور عصر حاضر میں اس پر عمل اسی وقت ہوگا کہ سامان تجارت کی قیمت میں نصاب چاندی کا اعتبار کیا جائے اور موجودہ زمانہ میں یہی قول راجح بھی ہے۔

وجہ ترجیح:

یہ ہے کہ اس قول میں جہاں انفع للفقراء کا اعتبار احتیاط پر عمل ہے وہیں احتراز عن

الاختلاف بھی ہے، اس لیے کہ فقہاء کی ایک جماعت نے سونے اور چاندی میں اصل معیار چاندی ہی کو قرار دیا ہے اور سونے کے لیے کوئی نصاب متعین نہیں کیا ہے، بلکہ سونے کی قیمت لگا کر نصاب چاندی کے موافق ہونے پر وجوب زکوٰۃ کا قول کیا ہے، جیسا کہ "ابن رشد مالکی" "بدایۃ المجتہد" میں فرماتے ہیں:

"**و قالت طائفة ثالثة : ليست في الذهب زكاة ، حتى يبلغ صرفها مائتي درهم أو قيمتها، فإذا بلغت، ففيها ربع عشرها الخ**" (بدایۃ المجتہد ۱/۲۵۸، بیروت، لبنان)۔

لہٰذا اس قول کی بنیاد پر سامان تجارت کی قیمت میں نصاب چاندی کا اعتبار احوط ہے اور یہی حکم گھر میں موجود نقد رقم کا ہے۔

خلاصۂ جوابات

۱- وجوب زکوٰۃ میں نصاب چاندی کا اعتبار ہوگا، سونے کا نہیں۔

اسی طرح جو آدمی حاجت اصلیہ کے علاوہ چاندی کے نصاب کی قیمت کا مالک ہو اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز نہیں، بلکہ حرام ہے۔

ضم نقدین میں قول مختار:

ہمارے ائمہ ثلاثہ اس بات پر متفق ہیں کہ اگر نقدین میں سے کوئی بھی نصاب کو نہ پہنچتا ہو، بلکہ دونوں مقدار نصاب سے کم ہوں تو ان دونوں کو ملا کر نصاب بنایا جائے گا، پھر اس پر زکوٰۃ کا وجوب ہوگا، جیسا کہ صاحب "بدائع" فرماتے ہیں:

"**فأما إذا كان له الصنفان جميعا، فإن لم يكن كل واحد منهما نصابا بأن كان له عشرة مثاقيل، و مأة درهم، فإنه يضم أحدهما إلى الآخر في تكميل النصاب عندنا**" (بدائع ۲/۱۰۶، دار الکتاب)۔

(بہر حال جب اس کے پاس دونوں قسم کے نقود ہوں اور دونوں میں سے کوئی بھی

نقدار ونصاب تک نہ پہنچتا ہو، بایں طور کہ مثلاً دس مثقال سونا ہو اور سو درھم ہوں، تو تکمیل نصاب میں ایک کو دوسرے کے ساتھ ملا دیا جائے گا)۔

البتہ اختلاف اس بات میں ہے کہ یہ ملانا اجزاء ہوگا یا قیمتاً، تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قیمتاً ملایا جائے گا، یعنی نقدین کی قیمت لگائی جائے گی، اگر یہ قیمت چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی، ورنہ نہیں۔ حضرات فقہاء میں سے حضرت امام اوزاعی، امام سفیان ثوری اور امام احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت یہی ہے، جیسا کہ علامہ بدرالدین عینیؒ "بنایہ" میں نقل فرمایا ہے (بنایہ ۳/۸۸، مکتبہ نعیمیہ)۔

لیکن حضرات امام صاحبینؒ کے نزدیک جو حضرت امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت ہے اجزاء ملایا جائے گا اور یہی قول حضرت امام مالک کا بھی ہے اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت یہی ہے۔

"كما في البدائع : و هو رواية عن أبي حنيفة أيضا ذكره في نوادر هشام" (بدائع ۲/۱۰۷، دار الکتاب)۔

"و في البناية : و به قال مالكؒ و أحمدؒ في رواية" (بنایہ ۳/۸۸، نعیمیہ)۔

لیکن ان دونوں اقوال میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول کو مندرجہ ذیل وجوہ سے ترجیح حاصل ہے:

۱- تکمیل نصاب میں تقویم کا اعتبار کرنا باب عبادت میں احتیاطی پہلو کو اختیار کرنا ہے، مثلاً ایک آدمی کے پاس سو درہم اور ۵/ مثقال سونا ہو جس کی قیمت سو درہم ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پانچ مثقال سونے کی قیمت درہم لگا کر نصاب کی تکمیل کی جائے گی اور زکوٰۃ واجب ہو جائے گی، جب کہ صاحبینؒ کے نزدیک چاندی کا صرف نصف نصاب سو درہم اور سونے کا ایک ربع نصاب ۵/ دینار ہے تو دونوں کی مجموعی مقدار اجزاء کے اعتبار سے ۳/ ربع نصاب ہوئے اور ایک ربع نصاب ناقص رہا، لہٰذا ان کے نزدیک زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، تو اس صورت میں امام

صاحبین کے قول کو اختیار کرنا باب عبادت میں احتیاطی پہلو سے دوری اختیار کرنا ہے، لہٰذا امام صاحبؒ کا قول راجح ہے۔

۲-نیز تقویم میں فقراء ومساکین کی رعایت بھی ہے، جو حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس باب کی بنیادی حیثیت رکھتی ہے، جیسا کہ صاحب ''بدائع'' امام صاحبؒ کے قول کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''**و لأن في التكميل باعتبار التقويم ضرب احتياط في باب العبادة، و نظراً للفقراء، فكان أولى**'' (بدائع الصنائع ۱۰۸/۲، دار الکتاب)۔

(اور اس لیے کہ قیمت لگانے کے اعتبار سے نصاب کی تکمیل کرنا باب عبادت میں ایک طرح سے احتیاط پر عمل اور فقراء کے حال پر شفقت کرنا ہے، اس لیے یہی اولی ہوگا)۔

۳-بعض حضرات کے نزدیک نقدین میں سے اصل معیار چاندی ہی کو حاصل ہے اور سونے کی قیمت لگا کر چاندی کے نصاب کو پہنچ جانے پر زکوٰۃ واجب کرتے ہیں، جیسا کہ یہ بات ''بدایۃ المجتہد'' کے حوالہ سے ماقبل میں گذر چکی، تو اس کا بھی یہی تقاضا ہے کہ قیمت معتبر ہو، نہ کہ اجزاء، ورنہ دونوں کا معیار اصل ہونا لازم آئے گا۔

خلاصہ یہ کہ ضم نصاب کے مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ کے قول کو اختیار کیا جائے گا، نہ کہ صاحبینؒ کے۔

☆☆☆

سونے اور چاندی کی موجودہ مالیت اور زکوۃ کا نصاب

مولانا نعیم اختر قاسمی ☆

سونے اور چاندی کا نصاب (دو سو درہم کے ہم وزن چاندی اور بیس مثقال سون) منصوص ہے، اس میں کسی اجتہاد کی گنجائش نہیں، اس لیے اگر بقدر نصاب سونا یا چاندی کسی کی ملکیت میں موجود ہو تو اس کی زکوۃ ادا کرنا اس کے ذمہ بہر حال لازم ہے۔

نقدین کا نصاب بظاہر الگ الگ اور دونوں کے درمیان دس گنے کا فاصلہ ہے، مگر دور رسالت میں دونوں کی مالیت برابر تھی، ''بدائع'' میں ہے:

''و كان الدينار على عهد رسول الله ﷺ مقوما بعشر دراهم'' (بدائع الصنائع ۲/۱۰۵)۔

(آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ایک دینار کی قیمت دس درہم ہوا کرتی تھی)۔

لیکن بعد کے دور میں جب سونے اور چاندی کے درمیان یہ تناسب متاثر ہوا تو علماء کو اس مسئلہ کی بابت اجتہاد سے کام لینا پڑا کہ اگر کسی کے پاس مالِ تجارت یا کرنسی نوٹ ہوں تو اس کی مالیت کا اندازہ سونے کے نصاب سے کیا جائے گا یا چاندی کے نصاب سے؟ اس سلسلہ میں ائمہ کی آراء مندرجہ ذیل ہیں:

۱- امام ابوحنیفہؒ کا قول یہ ہے کہ جس سے اندازہ لگانے میں فقراء کا فائدہ ہو، اس کا اعتبار کیا جائے گا (ہدایہ ۱/۱۹۴)۔

☆ مدرسہ عربیہ مصباح العلوم، کوپا گنج، مئو، یوپی۔

یہی رائے امام احمدؒ کی بھی ہے (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/ ٦۱۰)۔

۲- امام ابو یوسفؒ کا قول یہ ہے کہ جس کے عوض وہ مال خریدا ہے اس کا اعتبار ہوگا، اگر غیر نقدین سے حاصل ہوا ہو تو اس کا اعتبار ہوگا، جو شہر میں زیادہ مروج ہو (بدائع الصنائع ۲/ ۱۱۰)۔

بعینہ یہی رائے امام شافعیؒ کی بھی ہے (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱/ ٦۰۷)۔

۳-امام محمدؒ سے دو قول مروی ہیں، پہلا یہ کہ بہر صورت زیادہ مروج ثمن کا اعتبار ہوگا (بدائع ۲/ ۱۱۰)۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اسے اختیار ہے جس سے چاہے اندازہ لگائے (حوالہ سابق)۔

عام طور پر علماء نے فتویٰ کے لیے امام ابو حنیفہؒ کے قول کو اختیار کیا ہے، اور وجہ بھی معقول ہے کہ اس میں فقراء کا فائدہ ہے۔

لیکن موجود دور میں جب کہ سونے اور چاندی کے نصاب میں مالیت کے اعتبار سے کئی گنا کا فرق واقع ہو گیا ہے، مختلف وجوہات کی بنا پر اس مسئلہ کا از سر نو جائزہ لینا ضروری ہے، وہ وجوہات یہ ہیں:

۱- نقدین کا نصاب اگر چہ منصوص اور غیر مدرک بالقیاس ہے، مگر وہ خلاف قیاس نہیں، اس سے کم از کم اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ سونے اور چاندی کے نصاب کا مالک آدمی معاشرہ میں مالی اعتبار سے اتنا مستحکم اور اس لائق مانا جاتا تھا کہ غریبوں اور مالی اعتبار سے دبے کچلے اور پریشان حال لوگوں کی اعانت کا فریضہ اس کی جانب متوجہ ہو سکے۔ مگر موجودہ زمانہ میں چاندی کے نصاب کے بقدر نوٹ یا مال تجارت کا مالک آدمی خود ہی زندگی کے گوناں گوں مسائل اور ضروریات میں گھرا ہونے، نیز بنیادی ضروریات پوری نہ ہونے کے سبب خود ہی فقراء کی صف میں کھڑا ہوا معلوم ہوتا ہے اور اس قابل لگتا ہے کہ اس کا تعاون کیا جائے، زیور کی ایک معمولی مقدار اور تھوڑا سا نقد روپیہ مختلف ضروریات زندگی اور علاج وغیرہ کے لیے انسان محفوظ رکھنا چاہتا

ہے، تا کہ ضرورت پڑنے پر وہ کسی کا دست نگر نہ رہے، مگر مال کی وہ مقدار چونکہ چاندی کے نصاب کو پہنچ جاتی ہے، اس لیے ایسے شخص پر بھی زکوٰۃ واجب قرار پاتی ہے، یہ محل غور ہے اور انفع للفقراء کے اصول کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا آج کے دور میں سونے کے نصاب کا اعتبار کرنے میں ہی فقراء کا زیادہ فائدہ ہے، تا کہ بہت سارے پریشان حال لوگ صاحب نصاب ہونے سے محفوظ رہیں۔

۲- ائمہ کا اختلاف اس کے ضمن میں دی گئی مثالوں سے بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہ اختلاف اس صورت میں ہے، جبکہ سونے اور چاندی کے نصاب کی مالیت میں معمولی فرق ہو۔ موجودہ زمانہ میں جتنا فرق واقع ہوگیا ہے شاید اس کا تصور پہلے نہ تھا، اسی لیے دی گئی مثالوں میں بہت معمولی تفاوت کو بیان کیا گیا ہے۔ موجودہ زمانہ کے غیر معمولی اور قابل لحاظ تفاوت والے اختلافی مسئلہ پر قیاس کرنا محل نظر معلوم ہوتا ہے۔ آخر کوئی تو بات ہے جس کی وجہ سے بار بار یہ سوال علماء کو اپنی جانب متوجہ کر رہا ہے اور دوبارہ غور وخوض کی دعوت دے رہا ہے۔

۳- نوٹ اور مال تجارت میں چاندی کے نصاب کا اعتبار کرنے میں قربانی کا مسئلہ بھی پیش آتا ہے، موجودہ وقت میں غذائی اجناس کا مسئلہ ایک اہم ترین عالمی مسئلہ ہے، یہی وجہ ہے کہ دیگر اشیاء خوردنی کی قیمتوں میں اضافہ کے ساتھ ساتھ گوشت اور جانوروں کی قیمتیں بے تحاشا بڑھ رہی ہیں، اس کے بالمقابل چاندی کی قیمت میں اضافہ کی رفتار کمزور ہے، آگے ان دونوں کی قیمتوں میں اضافہ کی نسبت میں کتنا فرق ہو جائے کچھ کہا نہیں جاسکتا، اس وقت صورت حال یہ ہے کہ ایک متوسط درجہ کا چھوٹا جانور چاندی کے نصاب کی چوتھائی قیمت سے کم کا ملنا مشکل ہے، ایسی صورت میں قربانی کرنے کے بعد نصاب ختم ہو جانے کی وجہ سے ایک بڑی تعداد میں لوگ فقراء کی صف میں کھڑے ہو سکتے ہیں۔

۴- جیسا کہ عرض کیا گیا کہ عہد رسالت میں نقدین کے نصاب کی مالیت برابر تھی، دونوں نصاب سے ایک ہی مقدار میں اشیاء خریدی جاسکتی تھیں، اس وقت جب کہ دونوں کی

مالیت میں ایک قابل لحاظ فرق واقع ہو چکا ہے تو اب یہ دیکھنا چاہئے کہ دوسرے اموال زکوٰۃ (مویشی وغیرہ) کے نصاب کی مالیت سے نقدین میں سے کس کے نصاب کی مالیت میل کھاتی ہے؟ اس اعتبار سے جب ہم دیکھتے ہیں تو دوسرے اموال زکوٰۃ کی مالیت سونے کے نصاب کی مالیت سے میل کھاتی ہوئی دکھائی پڑتی ہے، نہ کہ چاندی کے نصاب کی مالیت سے، اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ دیگر اموال زکوٰۃ کے بالمقابل چاندی اپنا مالی استحکام کھوتی جارہی ہے اور نہ جانے آئندہ اس کی مالی حیثیت میں مزید کتنی گراوٹ آئے؟

۵- موجودہ زمانہ میں سامانِ تجارت کی مالیت کا اندازہ نوٹوں کے ذریعہ کیا جاتا ہے اور نوٹوں کا تعلق اپنے ابتدائی دور میں سونے سے رہا ہے اور آئندہ اس کا تعلق سونے ہی سے بحال کیا جاسکتا ہے، کیوں کہ چاندی اپنا مالی استحکام برقرار نہیں رکھ پا رہی ہے، یہی وجہ ہے کہ نوٹون کی قیمت میں کمی ہونے کی صورت میں بڑے سرمایہ دار اپنی پونجی کو سونے کی شکل میں محفوظ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، گویا سونے کو اس وقت ''غالب نقد البلد'' کی حیثیت حاصل ہے، اس لیے صاحبینؒ کے قول کو موجودہ زمانہ میں اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے، جس کی رو سے نوٹ یا مالِ تجارت میں وجوبِ زکوٰۃ کے لیے سونے کے نصاب کا اعتبار کیا جائے گا۔

نیز سونے کو معیار قرار دینے میں امام ابوحنیفہؒ کے قول کی بھی مخالفت نہیں، کیونکہ جیسا کہ عرض کیا گیا کہ سونے کے نصاب کے اعتبار میں ہی فقراء کا فائدہ ہے۔

نقدین کو ایک دوسرے میں ملانے کی کیفیت:

سونے اور چاندی کو ایک دوسرے سے ملانے کی کیفیت میں جو ضم بالاجزاء یا ضم بالقیمۃ کا اختلاف ہے، موجودہ کاغذی نوٹ کے زمانہ میں اس اختلاف کا کوئی اثر اصل مسئلہ پر پڑتا ہوا دکھائی نہیں دیتا، کیونکہ جو مسئلہ فتاویٰ کی کتابوں میں بیان کیا جاتا ہے وہ یہ کہ اگر کسی کے پاس نصاب سے کم سونا یا چاندی ہو اور کچھ پیسے ہوں تو پھر چاندی کے نصاب کے اعتبار سے زکوٰۃ دی جائے گی، اب چوں کہ ''کچھ پیسے'' میں لفظ ''کچھ'' مطلق ہے، اس کی کوئی تعیین کہ کتنا پیسہ

اس لیے ایک روپیہ یا چند روپے بھی اس سے مراد ہو سکتے ہیں اور کون شخص ہے جس کے پاس کچھ پیسے نہ ہوں؟ اس لیے اس مسئلہ کی رو سے اگر ایک آدمی کے پاس ایک تولہ سونا اور ایک روپے ہوں، یا ایک تولہ، ایک تولہ چاندی اور چند روپے ہوں تو مذکورہ مسئلہ کی رو سے وہ شخص صاحب نصاب قرار پاتا ہے، جو کہ مزاج شریعت کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔

اس لیے اصل ضرورت یہ ہے کہ فتاویٰ کی کتابوں میں بیان کیے گئے لفظ ''کچھ'' کی اصل مقدار متعین کردی جائے، ورنہ ایک تولہ سونا اور ایک روپیہ ہونے پر مالک نصاب ہونا لازم آئے گا، جو سمجھ سے بالاتر ہے۔

خلاصہ جوابات:

ان مفروضات کی روشنی میں سوال کے جوابات حسب ذیل ہوں گے:

نقد روپئے یا سامان تجارت میں زکوۃ واجب ہونے کے لئے سونے کے نصاب کا اعتبار ہوگا، اگر کسی کے پاس محض چاندی کے نصاب کی قیمت کا مال ہو تو بوقت ضرورت شدیدہ اس کے لئے زکوۃ لینا جائز ہے۔

ضم الاجزاء، یا ضم بالقیمۃ میں اختلاف کا اصل مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، کیونکہ موجودہ دور میں عام طور پر فتوی چاندی کے نصاب کے اعتبار سے دیا جاتا ہے، اور یہ کہا جاتا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس کچھ سونے اور چاندی کے ساتھ کچھ روپئے بھی ہوں تو چاندی کے نصاب کے اعتبار پر زکوۃ دی جائے گی، اس لئے اصل ضرورت اسی بات کی ہے کہ لفظ ''کچھ'' کی تعین کردی جائے۔

☆☆☆

چاندی کی گھٹتی قیمت کے تناظر میں زکوۃ کا نصاب

مولانا عبدالحی مفتاحی ☆

زکوۃ اسلام کا ایک عظیم رکن ہے، جس کی ادائیگی پر قرآن وحدیث میں جہاں بہت سی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں وہیں کوتاہی اور عدم ادائیگی کی صورت میں سخت ترین وعیدیں بھی نازل ہوئیں ہیں۔اس کے وجوب کے شرائط میں سے نصاب کی مقدار کا مالک ہونا ہے اور وہ مقدار چاندی کے اعتبار سے دوسو درہم اور سونے کے اعتبار سے بیس دینار ہے، جیسا کہ آنے والی روایتوں سے سمجھ میں آتا ہے۔

امام مسلمؒ حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں:

"عن جابر بن عبد الله عن رسول الله ﷺ أنه قال ليس فيما دون خمس أواق من الورقة صدقة" (اکمال المعلم بشرح مسلم ۳/۴۶۵، کتاب الزکاۃ)۔

(ورق سے مراد درہم ہے اور درہم چاندی کا ہوا کرتا تھا اور اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے، پس معلوم ہوا کہ چاندی کے دوسو درہم سے کم میں زکوۃ نہیں ہے)۔

امام دارقطنیؒ سونے کے نصاب کے متعلق ایک روایت نقل کرتے ہیں:

"عن محمد بن عبد الله بن جحش عن رسول الله ﷺ أنه أمر معاذ بن جبل حين بعثه إلى يمن أن يأخذ من كل أربعين دينارا" (سنن الدارقطنی ۱/ ۹۵،۹۶)۔

(محمد بن عبداللہ بن جحش رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے

☆ ناظم اعلیٰ مدرسہ عربیہ منبع العلوم خیرآباد، مئو۔

معاذ بن جبل کو جب یمن بھیجا تو فرمایا: ہر چالیس دینار سے ایک دینار لو (اور دینار سونے کا ہوتا ہے)۔

موجودہ دور کے پیمانے کے اعتبار سے دوسو درہم چاندی کی مقدار ساڑھے باون تولہ یعنی ۶۱۲ر گرام اور چالیس دینار کی مقدار ساڑھے سات تولہ یعنی ۸۷ر گرام ۴۷۹ر ملی گرام ہے (امداد الاوزان ر ۳۱)۔

مذکورہ بالا عبارات سے یہ بات مستنبط ہوتی ہے کہ جس شخص کے پاس ۶۱۲ر گرام چاندی یا ۸۷ر گرام ۴۷۹ر ملی گرام سونا ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

ہمارے اس دور میں کاغذی سکے (Paper Currency) سونے اور چاندی کی جگہ لے چکے ہیں، یعنی جس طرح رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دراہم و دنانیر ذریعہ تبادلہ تھے اب اس دور میں اکثر ممالک میں کاغذی سکے کا استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ آنے والی ایک فقہی عبارت اس کو اجاگر کرتی ہے۔

"جمهور الفقهاء يرون وجوب الزكاة في الأوراق المالية؛ لأنها حلت محل الذهب و الفضة في التعامل" (الفقہ علی المذاہب الأربعہ ار ۵۲۷)۔

(امت کے جمہور فقہاء اوراق مالیہ میں وجوب زکوٰۃ کے قائل ہیں، کیوں کہ یہ تعامل ناس میں سونے اور چاندی کی جگہ لے چکے ہیں)۔

آمدم برسر مطلب:

چونکہ اس دور میں سونے اور چاندی کے نصاب کی قیمت میں بہت تفاوت ہے، یعنی چاندی کی قیمت کم ہے اور سونے کی قیمت زیادہ ہے، اس لیے یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ کاغذی سکے اور اموال تجارت میں زکوٰۃ واجب کرنے کے لیے چاندی کو نصاب کو معیار بنایا جائے گا یا سونے کے نصاب کو؟ یعنی اگر چاندی کے نصاب کو معیار بنایا جائے تو جو شخص ۸۷ر گرام ۴۷۹ر ملی گرام سونے کی قیمت کا مالک ہوگا اس پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی تو اس میں علماء وفقہاء کی رائے مختلف

ہیں، اس عصر کے بعض لوگوں نے زیر بحث مسئلہ سونے کے نصاب کو معیار بنایا ہے، جبکہ متقدمین فقہاء نے چاندی کے نصاب کو معیار بنایا ہے اور راقم الحروف کے نزدیک بھی چاندی ہی کا نصاب معیار بنایا جائے گا، کیونکہ وہ فقراء کے حق میں زیادہ مفید ہے اور اس میں احتیاط زیادہ ہے، جیسا کہ مندرجہ ذیل فقہی عبارتیں اس کو واضح کرتی ہیں۔

صاحب ہدایہ علامہ مرغینانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''الزكاة واجبة في عروض التجارة كائنة إذا بلغت قيمتها نصابا من الورق أو الذهب يقومها بما هو أنفع للمساكين'' (ہدایہ ۱/۱۹۵)۔

(زکوٰۃ سامان تجارت میں واجب ہے، چاہے جس جنس سے بھی ہو، جب اس کی قیمت چاندی یا سونے کے نصاب کو پہونچ جائے، اس کی قیمت اس کے ذریعہ لگائی جائے گی جو مسکینوں کے لیے زیادہ نفع بخش ہو)۔

علامہ بدرالدین عینیؒ مذکورہ بالا عبارت کی شرح میں رقم طراز ہیں:

''فلا بد من اعتبار منفعة للفقراء عند التقويم، و لا بد أن يقوم بما يبلغ نصابا حتى إذا قومت بالدراهم تبلغ نصابا، و إذا قومت بالذهب لا تبلغ نصابا تقوم بالدراهم و بالعكس كذلك'' (البنایہ شرح الہدایہ ۳/۳۸۴)۔

(قیمت لگانے کے وقت فقراء کی منفعت کا اعتبار کرنا ضروری ہے اور اس چیز کے ذریعہ قیمت لگانا ضروری ہے جو نصاب تک پہنچے، یہاں تک کہ جب دراہم کے ذریعہ قیمت لگائے جائے تو نصاب کو پہنچتا ہے اور جب سونے کے ذریعہ قیمت لگائی جائے تو نصاب کو نہیں پہنچتا ہے تو دراہم کے ذریعہ قیمت لگائی جائے گی اور اس کے برعکس اسی طرح)۔

علامہ فقیہ عبداللہ بن شیخ داماد آفندی تحریر فرماتے ہیں:

''و تجب الزكاة أيضا في عروض تجارة بلغت قيمتها نصابا من أحدهما أي الذهب و الفضة تقوم أي عروض التجارة بما هو أنفع للفقراء'' (مجمع الأنہر ۱/۲۰۷)۔

(اور زکوٰۃ سامان تجارت میں بھی واجب ہے، جس کی قیمت سونے اور چاندی میں سے کسی ایک کے نصاب کو پہونچ جائے تجارت کے سامانوں کی اس چیز کے ذریعہ قیمت لگائی جائے گی جو فقراء کے لیے زیادہ نفع بخش ہو)۔

مذکورہ بالا تمام فقہی اقتباسات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ کاغذی سکوں اور اموال تجارت میں وجوب زکوٰۃ کے لیے سونے اور چاندی میں سے اسی کو معیار بنایا جائے گا جو فقراء و مساکین کے حق میں زیادہ نفع بخش ہو اور زیر بحث مسئلہ میں چاندی ہی کے نصاب کو معیار بنایا جائے گا؛ کیونکہ وہ ''أنفع للفقراء'' ہے، اس لیے جو شخص چاندی کے نصاب کی قیمت کا مالک ہوجائے گا اس پر زکوٰۃ واجب ہوجائے گی۔

اور جہاں تک حرمت زکوٰۃ کی بات ہے اس کا بھی اندازہ چاندی ہی کے نصاب سے لگایا جائے گا، یعنی جس شخص کے پاس نقدین کے علاوہ اموال تجارت وغیرہ کی مالیت چاندی کے نصاب کو پہونچ جائے تو اس کے لیے زکوٰۃ لینا حرام اور ناجائز ہے، جیسا کہ ابو داؤد کی ایک روایت سے سمجھ میں آتا ہے:

''عن عبد الله قال: قال رسول الله ﷺ: من سأل و له ما يغنيه جاء يوم القيامة، فقيل: يا رسول الله ! ما الغني؟ قال: خمسون درهما أو قيمتها من الذهب'' (أبو داؤد، کتاب الزکاۃ، رقم: ۱۶۲۳)۔

چونکہ حنفیہ کے نزدیک اگر کسی کے پاس کچھ مقدار سونے اور کچھ مقدار چاندی کی ہو اور دونوں کا مجموعہ نصاب کے بقدر ہوجاتا ہو تو زکوٰۃ واجب ہوجائے گی، جیسا کہ بدائع الصنائع کی عبارت اس کو واضح کرتی ہے:

''فأما إذا كان له الصنفان جميعا، فإن لم يكن كل واحد منهما نصابا بأن كان له عشرة مثاقيل و مائة درهم، فإنه يضم أحدهما إلى الآخر في حق تكميل النصاب عندنا'' (بدائع الصنائع ۲/ ۱۰۶)۔

البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قیمت کا اعتبار ہے، یعنی اگر کسی کے پاس کچھ چاندی اور کچھ سونا ہو اور دونوں کی مجموعی قیمت چاندی کے نصاب سے برابر ہوجاتی ہو تو زکوٰۃ واجب ہوجائے گی اور صاحبینؒ کے نزدیک ضم الاجزاء کا اعتبار ہے، یعنی سونے اور چاندی میں سے ایک کی مقدار زکوٰۃ کے نصاب کے ایک تناسب کو پورا کرتی ہو اور دوسرے کی مقدار اس کے نصاب کے بقیہ تناسب کو پورا کردیتی ہو تو زکوٰۃ واجب ہوجائے گی۔ اب مسئلہ یہ رہ جاتا ہے کہ ضم نصاب کے مسئلہ میں امام صاحبؒ کے قول کا اعتبار ہوگا یا صاحبینؒ کے قول کا تو سوال نامہ کے جزءاول کے جواب میں مذکور دلائل یعنی فقراء ومساکین کی رعایت کی وجہ سے امام صاحبؒ ہی کا قول مفتیٰ بہ اور معتبر ہے۔

خلاصۂ بحث:

دور حاضر میں گو کہ سونے اور چاندی کی قیمت میں کافی تفاوت ہے، لیکن فقراء کی رعایت اور احتیاط کے پیش نظر اموال تجارت وغیرہ میں وجوب زکوٰۃ کے لیے چاندی ہی کے نصاب کو معیار بنایا جائے گا اور حرمت اخذ زکوٰۃ میں بھی چاندی ہی کے نصاب کو معیار بنایا جائے گا، اور سوال نامہ میں مذکور دوسرے سوال کے جواب یعنی ضم نصاب کی صورت میں امام صاحبؒ ہی کا قول معتبر ہے، نہ کہ صاحبینؒ کا۔

☆☆☆

سونے اور چاندی کی قیمت میں تفاوت اور نصاب زکوۃ

مولانا افتخار احمد مفتاحی ☆

زیر بحث سوالنامہ میں اموال تجارت، زمینی پیداوار اور حیوانات کو موضوع بحث نہیں بنایا گیا ہے، کیونکہ ان کی قیمتوں میں اتار چڑھاؤ سے زیادہ فرق نہیں آتا، کیونکہ اس اتار چڑھاؤ سے افادیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، لیکن سونا اور چاندی چونکہ ذریعہ تبادلہ اور معیشت کی بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، اس لیے ان کی قیمت کا اتار چڑاؤ خاصی اہمیت رکھتا ہے۔

۱- جن اموال پر زکوۃ عائد کی گئی ان میں ایسا نہیں کہ ہر قلیل وکثیر پر زکوۃ فرض کردی جائے، بلکہ ان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص خاص مقدار مقرر فرمائی، مثلاً چاندی کے لیے دوسو درہم نصاب مقرر فرمایا اور سونے کے لیے بیس مثقال دینار نصاب مقرر فرمایا:

”عن عمرو بن شعیب، عن أبیه، عن جده قال: قال رسول اللہ ﷺ: لیس فیما دون مائتین درهم شيء، و لا فیما دون عشرین مثقالا من الذهب شيء“۔

اور یہ بات بھی اپنی جگہ درست ہے کہ سونے اور چاندی کے نصاب میں بظاہر فرق ہے، لیکن درحقیقت ایک ہی معیار ہے، کیوں کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں دونوں کی مالیت یکساں تھی۔ ۲۰ ردینار سونا اپنی قدر و قیمت اور قوت خرید کے لحاظ سے ٹھیک دو سو درہم کے مساوی تھا اور ایک دینار دس درہم کے برابر متصور ہوتا تھا، اس لیے اختیار تھا کہ چاہے چاندی کی

☆ استاذ جامعہ مفتاح العلوم ہتھ کی کٹرہ مئو۔

قیمت کا اعتبار کرلے اور چاہے تو سونے کی قیمت کا، لیکن چونکہ فی زماننا سونے اور چاندی کی قیمت میں غیر معمولی فرق پیدا ہوگیا ہے اور سونے کے ایک نصاب میں چاندی کے کئی نصاب کو خریدا جاسکتا ہے۔ الغرض سونے اور چاندی کی قدر میں نمایاں فرق پیدا ہوگیا ہے، اس لیے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس نقد روپے یا سامان تجارت ہو تو زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے پیمانہ سونے کا نصاب ہوگا یا چاندی کا، یعنی اگر کسی شخص کے پاس مثلاً اتنی رقم ہو جس سے چاندی کا ایک نصاب (ساڑھے باون تولہ) خریدا جاسکتا ہے، لیکن سونے کا ایک نصاب (ساڑھے سات تولہ) خریدا نہیں جاسکتا تو ایسے شخص پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء کی تصریحات سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ ''انفع للفقراء'' کا اعتبار کیا جائے گا، جس کے معنی یہ ہیں کہ ایسے نقد سے اندازہ کرے جس کے ساتھ اندازہ کرنے میں نصاب پورا ہوجاتا ہو، مثلاً ایک گھوڑا مال تجارت ہے اور سونا گراں ہونے کی وجہ سے بیس مثقال سونے کے برابر نہیں ہوتا، مگر دو سو درہم چاندی کے مقدار ہوجاتا ہے تو بالاتفاق اس کو درہم یعنی چاندی کے نصاب سے اندازہ کریں گے اور اس پر زکوٰۃ واجب کی جائے گی، اس لیے مذکورہ بالا صورت مسئولہ میں ایسے شخص پر زکوٰۃ واجب کی جائے گی، اس سلسلہ میں ''درمختار'' میں ہے:

''إن استويا، فلو أحدهما اروج أي إذا كان يبلغ به نصابا، تعين التقويم، و لو بلغ بأحدهما نصابا دون الآخر، تعين ما يبلغ به، و لو بلغ بأحدهما نصابا و خمسا، و بالآخر أقل قومه بالأنفع'' (الدر المختار ۱/۱۳۵، باب زکاۃ لأموال، کتاب الزکاۃ)۔

سونا اور چاندی دونوں میں اس کی قیمت کا اعتبار ہوگا، جس میں زکوٰۃ واجب کی جاسکے اور فقراء کا نفع ہوسکے اور ''بدائع الصنائع'' کی عبارت زیب قرطاس ہے:

''إذا كان تقدير النصاب من أموال التجارة بقيمتها من الذهب و الفضة، و هو أن تبلغ قيمتها مقدار نصاب من الذهب و الفضة، فلا من التقويم،

حتي يعرف مقدار النصاب، ثم بما ذا تقوم. ذكر القدوري في شرحه مختصر القدوري أنه يقوم بأوفى القيمتين من الدراهم و الدنانير قومت بما تبلغ به النصاب، و كذا روي عن أبي حنيفة في الأموال أنه يقومها بأنفع النقدين للفقراء" (بدائع الصنائع ۲/ ۱۱۰)۔

اگر کسی مال تجارت کی قیمت چاندی کے نصاب دو سو درہم کے برابر ہو رہی ہو، لیکن سونے کے نصاب کو نہیں پہنچ رہی ہو تو سونا اور چاندی دونوں میں اس کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا، جس میں فقراء کا نفع ہو۔

علامہ ابن نجیم نے اپنی کتاب ''البحر الرائق'' میں اس کی وضاحت یوں کی ہے:

''و في النهاية: لو كان تقويمه بأحد النقدين يتم النصاب، و بالآخر لا، فإنه يقومه بما يتم به النصاب بالاتفاق......، و لذا قال في الهداية: و تفسير الأنفع أن يقومها بما يبلغ نصابا"۔

مالک کو اختیار ہے، چاہے درہم سے قیمت لگائے یا دینار سے، لیکن جب مال تجارت ایک کے نصاب کو پہنچ رہا ہو اور دوسرے کے نصاب کو نہ پہنچ رہا ہو تو قیمت لگانے میں اس کا اعتبار ہوگا جس کے نصاب کو پہنچ جائے، یہی مراد ہے، اس کی جس نے قیمت کا اندازہ لگانے میں انفع کا اعتبار کیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ موجودہ حالات میں اگر کسی کے پاس نقد روپے یا سامان تجارت ہو تو زکوۃ واجب ہونے کے لیے پیمانہ چاندی کا نصاب ہوگا ''انفع للفقراء'' کا اعتبار کرتے ہوئے، یعنی اگر کسی کے پاس مثلاً اتنی رقم ہو جس سے نصاب کے بقدر چاندی تو خرید کی جاسکتی ہے، لیکن نصاب کے بقدر سونا خریدا نہیں جاسکتا تو ایسے شخص پر زکوۃ واجب ہونی چاہیے، تاکہ غرباء فقراء کی ضرورتیں پوری ہو سکیں، اسی طرح اگر کسی کے پاس نقد رقم، مال تجارت یا اموال زکوۃ کے علاوہ کوئی مال سونے کے نصاب کی قیمت کو نہیں پہنچتا تو اس کے لیے زکوۃ لینا درست نہیں ہوگا۔

۲- اگر کسی کے پاس کچھ مقدار سونے کی ہو اور کچھ مقدار چاندی کی ہو تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں، اس سلسلہ میں فقہاء کے مابین اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور بعض دیگر فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ دونوں کو ملا کر اگر نصاب پورا ہوجائے تو زکوۃ واجب ہوجائے گی،...... امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور بعض دیگر فقہاء ضم نصاب کے قائل نہیں ہیں، اس لیے دونوں کی مقررہ مقدار (ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی) پوری نہ ہونے کی صورت میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی (بدایۃ المجتہد ۱/ ۲۸۴)۔

پھر ہمارے اصحاب امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ ضم نصاب کی کیفیت میں مختلف الرای ہوجاتے ہیں، چنانچہ امام ابوحنیفہؒ ضم نصاب باعتبار قیمت کے قائل ہیں، یعنی اگر کسی کے پاس کچھ سونا اور کچھ چاندی ہو اور دونوں کی مجموعی قیمت چاندی کے نصاب کے برابر ہوجاتی ہو تو موجودہ قیمت کے لحاظ سے امام صاحبؒ کے یہاں زکوۃ واجب ہوجائے گی، مثلاً کسی کے پاس ایک سو درہم چاندی ہو اور پانچ مثقال سونا ہو اور وہ پانچ مثقال سونا سو درہم چاندی کی قیمت کو پہنچ رہا ہو تو امام صاحبؒ کے نزدیک زکوۃ واجب ہوجائے گی۔

اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ سے نصاب باعتبار اجزاء کا قول منقول ہے اور یہی ایک قول امام ابوحنیفہؒ سے نقل کیا گیا ہے، یعنی سونے اور چاندی میں سے ایک کی مقدار اس کے نصاب کے ایک تناسب کو پورا کرتی ہو اور دوسرے کی مقدار اس کے نصاب کے بقیہ تناسب پورا کردیتی ہو تب زکوۃ واجب ہوگی، مثلاً ایک شخص کے پاس ایک سو درہم چاندی ہو اور دس دینار سونا تو چونکہ باعتبار اجزاء جب دونوں کو ملایا گیا تو نصاب پورا ہوگیا، کیونکہ آدھا نصاب چاندی کا ہوا اور آدھا سونے کا، صاحبینؒ کے نزدیک زکوۃ واجب ہوجائے گی۔

"ثم اختلف أصحابنا في كيفية الضم، فقال أبو حنيفة: يضم إحداهما إلى الأخر باعتبار القيمة، و قال أبو يوسف و محمد: يضم باعتبار الأجزاء، و هو رواية عن أبي حنيفة أيضا" (بدائع الصنائع ۲/ ۱۰۷)۔

نتیجۃً بعض شکلیں مختلف فیہ نکلتی ہیں اور بعض شکلیں متفق علیہ، مثلاً کسی کے پاس ایک سو درہم چاندی ہو اور دس مثقال سونا ہو، جو ایک سو درہم چاندی کی قیمت کو پہنچ رہا ہو، یا ایک سو پچاس درہم چاندی ہو اور پانچ مثقال سونا ہو، یا پندرہ مثقال سونا اور پچاس درہم چاندی ہو تو بالاتفاق زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ امام صاحبؒ کے نزدیک قیمت کے اعتبار سے نصاب پورا ہونے کی وجہ سے اور صاحبینؒ کے نزدیک اجزاء کے اعتبار سے۔ اس پر بھی اتفاق ہے کہ جب کسی کے پاس ایک سو درہم چاندی اور پانچ مثقال سونا ہو جس کی قیمت پچاس درہم کو پہنچے تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، اس لیے کہ زکوٰۃ تو نہ ضم بالقیمۃ کے اعتبار سے پورا ہوا اور نہ ضم بالاجزاء کے اعتبار سے (بدائع الصنائع ۲/۱۰۷)۔

امام ابوحنیفہؒ کے ضم بالقیمۃ میں منفعت فقراء کو بنیاد بنایا ہے، کیونکہ زکوٰۃ کے باب میں یہی اصل ہے، اور صاحبینؒ ضم بالاجزاء کی بنیاد یہ بیان کرتے ہیں کہ سونے اور چاندی میں شرعاً قیمت کا اعتبار ساقط ہے، اس لیے کہ تمام دیگر چیزوں کی قیمت سونے اور چاندی سے لگائی جاتی ہے، سونے اور چاندی میں وزن کا اعتبار ہے، اس پر ایک مثال دیا کہ اگر کسی شخص کے پاس چاندی کا کوئی زیور جس کا وزن ایک سو پچاس درہم ہو اور اس کی قیمت دو سو درہم کو پہنچ رہی ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، اسی طرح اگر کسی کے پاس سونے کا کوئی برتن ہو، جس کا وزن دس مثقال ہو اور اس کی قیمت دو سو درہم ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، ظاہر ہے کہ اگر سونے اور چاندی میں قیمت کا اعتبار ہوتا تو زکوٰۃ واجب ہو جاتی۔

خلاصہ کلام یہ کہ چونکہ زکوٰۃ کے باب میں اصل منفعۃ فقراء ہے اور امام صاحبؒ کا قول اسی پر مبنی ہے، اس لیے امام صاحبؒ کے قول پر ہی عام صورتوں میں عمل مناسب معلوم ہوتا ہے، لیکن صورت مسئولہ میں اگر منفعت فقراء صاحبینؒ کے قول پر عمل کرنے میں ہے تو صاحبینؒ کے قول کو اختیار کیا جا سکتا ہے۔

☆☆☆

زکوۃ اور سونے چاندی کا نصاب

مولانا عقیل الرحمن قاسمی ☆

جہاں تک بات ہے سوال نامہ میں مذکور زکوۃ سے متعلق سونے چاندی کے نصاب کی تحقیق و تفصیل کی، تو معلوم ہونا چاہیے کہ جمہور فقہاء کرام کے نزدیک سونا اور چاندی کے نصاب الگ الگ ہیں اور وہ منصوص بھی ہیں، ملاحظہ ہو:

۱ – **"عن علي رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا كانت لك مائتا درهم، و حال عليه الحول، ففيها خمسة دراهم، و ليس عليك شيء، يعني في الذهب، حتى تكون لك عشرون دينارا، فإذا كانت لك عشرون دينارا، و حال عليها الحول، ففيها نصف دينارا، فما زاد، فبحساب ذلك"** (أبوداؤد ۱/۲۲۱، ط: یاسر ندیم، دیوبند)۔

(جب تمہارے پاس دوسو درہم ہو اور اس پر سال گذر جائے تو اس میں پانچ درہم ہے اور بیس دینار سے کم میں زکوۃ نہیں، اگر بیس ہو جائے اور اس پر سال گذر جائے تو نصف دینار ہے، مزید میں یہی حساب چلے گا)۔

۲ –" **عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده عن النبي ﷺ أنه قال: ليس في أقل من عشرين مثقالا من الذهب، و لا في أقل من مائتي درهم صدقة"** (المغنی لابن قدامہ ۳/۶، ط: مکتبۃ الریاض)۔

☆ جامعہ اسلامیہ جلالیہ، ہوجائی، آسام۔

(آپ ﷺ کا فرمان ہے: بیس مثقال سونے سے کم اور دو سو درہم چاندی سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے)۔

کتب فقہ میں بھی اسی کی صراحت ملتی ہے:

"و نصاب الذهب عشرون مثقالا و الفضة مائتا درهم" (الدرالمختار ۲/۲۹۵، باب زکاۃ المال، وکذا في النهر الفائق ۲/۳۴۳، وکذا في المبسوط ۱/۱۷۴)۔

جب سونا اور چاندی کا نصاب الگ الگ ہے تو جو کوئی جس کسی نصاب کا مالک ہو جائے اس کے حساب سے اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی، لیکن اگر کسی کے پاس نصاب کے برابر نہ سونا ہے، نہ چاندی، البتہ اتنی نقد رقم ہے، یا تجارتی سامان ہے، جس سے نصاب کے بقدر چاندی خرید کی جا سکتی ہے، سونا نہیں تو اس صورت میں وہ کیا کرے؟

اس حوالہ سے یہ بات علم میں رہنی چاہیے کہ فقہاء نے ایسی صورت میں اس نصاب کو معیار قرار دیا ہے جو "انفع للفقراء" ہو، چنانچہ مجمع الانہر میں ہے:

"في عروض التجارة بلغت قيمتها نصابا من أحدهما تقوم بما هو أنفع للفقراء، و تضم قيمتها إليها" (مجمع الانہر ۱/۳۰۴، کتاب الزکاۃ، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت، وکذا في فتح القدیر ۲/۲۱۸، فصل في العروض)۔

(تجارتی سامان کی قیمت جب سونے اور چاندی میں سے کسی ایک کے نصاب کو پہنچ جائے تو اس قیمت کا اعتبار ہوگا جو فقراء کے حق میں نفع بخش ہو)۔

اسی طرح ابوالحسین احمد بن ابوبکر محمد القدوری فرماتے ہیں:

"يقومها بما هو أنفع للفقراء"

اس عبارت کے ضمن میں محشی رقم طراز ہے:

"تفسير الأنفع أن يقومها بما يبلغ نصابا عند أبي حنيفة" (مختصر القدوری/ ۴۸)۔

محشی ''ہدایہ'' نے ''بنایہ'' کے حوالہ سے اس عبارت کی بڑی اچھی وضاحت کی ہے، لکھتے ہیں:

''و لا بد أن يقوم بما يبلغ نصابا، حتى إذا قومت بالدراهم تبلغ نصابا، و إذا قومت بالذهب لا تبلغ نصابا يقوم بالدراهم'' (ہدایہ ۱/۱۹۵، ط:مکتبۂ اشرفی، دیوبند)۔

(قیمت لگانے میں اس صورت کا لحاظ کیا جائے جس سے نصاب تک بآسانی پہنچ جائے، لہٰذا درہم سے قیمت لگانے میں اگر نصاب کو پہنچ رہا ہو اور سونے سے نہیں تو درہم، یعنی چاندی ہی سے قیمت لگائی جائے)۔

صاحب ''تبیین الحقائق'' نے اس مسئلہ کی تعبیر اس طرح کی ہے:

''يعني في عروض التجارة يجب ربع العشر إذا بلغت قيمتها من الذهب أو الفضة نصابا'' (تبیین الحقائق ۲/۷۷، باب زکاۃ المال، ط:بیروت)۔

(تجارتی سامان میں چالیسواں حصہ واجب ہے، جبکہ اس کی قیمت سونے یا چاندی میں سے کسی کے نصاب کو پہنچ جائے) اور ''الفتاویٰ الہندیہ'' (۱/۱۷۹) میں اسی مسئلہ کو یوں بیان کیا گیا ہے:

''ثم في تقويم عروض التجارة التخيير يقوم بأيهما شاء من الدراهم و الدنانير، إلا إذا كانت لا تبلغ بأحدهما نصابا، فحينئذ تعين التقويم بما يبلغ النصاب''۔

ان تمام تحریرات کی روشنی میں بندہ کا ذاتی خیال ہے کہ اصل ہے نصاب کا مالک ہونا، خواہ سونے کا ہو یا چاندی کا، لہٰذا اگر کسی کے پاس اتنی رقم ہو یا اتنا سامان تجارت ہو جس سے نصاب کے بقدر چاندی خریدی جاسکتی ہو، سونا نہیں خریدا جاسکتا ہو، اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور اس کے لیے زکوٰۃ لینا قطعاً حرام ہوگا، اگرچہ سونے اور چاندی کی قیمتوں کے درمیان وہ تناسب قائم نہ رہا ہو جو آپ ﷺ کے زمانہ میں تھا۔

۲- جیسا کہ سوال میں مذکور ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سونے اور چاندی کا انضمام باعتبار قیمت ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک باعتبار اجزاء۔

"و یضم الذهب إلى الفضة و عکسه بجامع الثمنیة قیمة، و قالا: بالأجزاء، فمن له مائة درهم و خمسة مثاقیل قیمتها مائة علیه زکاتها خلافا لهما" (الدر المختار ۲/ ۳۰۳، باب زکاۃ المال، وکذا فی البحر الرائق ۲/ ۴۰۰، ط: مکتبہ رشیدیہ، وکذا فی النہر الفائق ۱/ ۴۴۲، وکذا فی تبیین الحقائق ۲/ ۸۰، ط: بیروت)۔

(سونے کو چاندی کے ساتھ اور چاندی کو سونے کے ساتھ ثمنیت میں مشترک ہونے کی وجہ سے قیمت کے اعتبار سے منضم کیا جائے گا، یہ مسلک امام ابوحنیفہؒ کا ہے، جبکہ صاحبینؒ باعتبار اجزاء ضم کے قائل ہیں۔ لہٰذا امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق اس شخص پر زکوٰۃ واجب ہے، جس کے پاس ایک سو درہم چاندی اور پانچ مثقال سونا ہو، جس کی قیمت سو درہم ہو، لیکن صاحبینؒ کے نزدیک اس صورت میں زکوٰۃ واجب نہیں)۔

اور تمام مفتیان کرام اب تک امام ابوحنیفہؒ ہی کے قول پر فتویٰ دیتے آرہے ہیں۔

چنانچہ فقیہ الامت حضرت مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

"سونے کو بھی ملا کر چاندی تصور کرلیں، یعنی اس چاندی کے عوض جتنی چاندی ملتی ہو تو یوں سمجھیں کہ یہ چاندی ہے، پھر مجموعہ کی زکوٰۃ ادا کریں" (فتاویٰ محمودیہ ۹/ ۳۷۷، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۶/ ۱۲۳، بحوالہ البحر الرائق ۲/ ۲۳۰، آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳/ ۲۶۸، ط: زکریا بک ڈپو، دیوبند)۔

خلاصہ:

ان تمام حوالوں کی روشنی میں بندہ کا بھی یہی خیال ہے کہ مذکورہ صورت میں امام ابوحنیفہؒ ہی کے قول کو اختیار کیا جائے، تاکہ زیادہ سے زیادہ فقراء کا فائدہ ہو اور زکوٰۃ دینے والا اجر عظیم کا مستحق ہو، یہی احتیاط کا بھی تقاضہ ہے اور اگر صاحبینؒ کے قول پر عمل کیا جائے تو مال کی بہتات کے باوجود اس زمانہ میں بھی اکثر و بیشتر حضرات پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

سونے اور چاندی کا نصاب

مفتی سید باقر ارشد قاسمی بنگلوری ☆

شریعت میں زکوٰۃ کا نصاب مالداری اور فقیری کا حد فاصل ہے۔ نصاب کا مالک زکوٰۃ ادا کرنے کا مجاز ہوتا ہے اور نصاب کی حد کو جس کا مال نہ پہنچے وہ زکوٰۃ لینے کا مستحق ہوتا ہے۔ مال میں سونا و چاندی کا ان اشیاء میں شمار ہوتا ہے جو انسانی ضرورت کو پورا کرنے کا وسیلہ بنتے ہیں اور ان کی حیثیت تبادلہ کے ذریعہ کی ہے۔ لہٰذا ان کی قوتِ خرید میں اضافہ و کمی ہوتی رہتی ہے اور اس کی اہمیت بھی مسلم ہے۔

اس وقت سونے و چاندی کی قیمتوں کے تناسب میں کافی سے زیادہ فرق ہو گیا ہے، جبکہ رسول اکرم ﷺ کے دور میں ان دونوں کی قیمتوں میں کوئی زیادہ فرق نہیں تھا اور ان دونوں کی قدر یکساں تھی، اب جبکہ ان دونوں کی قیمتوں میں بہت زیادہ فرق ہو گیا ہے، اغنیاء و فقراء کے مابین حد فاصل میں دشواری بھی ہو گئی ہے کہ مستحق زکوٰۃ و موجب زکوٰۃ کی تعیین میں کس نصاب کو معیار بنایا جائے، اس سلسلہ میں آپ کے ارسال کردہ سوالات کافی اہم بھی ہیں اور ضروری بھی۔

۱- اگر صرف سونا ہے، چاندی یا دوسرا مال یا مال تجارت نہیں ہے تو اس صورت میں زکوٰۃ کے وجوب کے لئے معیار صرف سونے کا نصاب ہوگا، یعنی ساڑھے سات تولے سونا یا اس کے مساوی رقم۔

اگر صرف چاندی ہے، سونا یا دوسرا مال یا مال تجارت نہیں ہے تو ایسی صورت میں وجوب

☆ سرپرست معہد یعقوبؒ، چن پٹن، بنگلور، کرناٹک۔

زکوۃ کا معیار صرف چاندی کا نصاب ہوگا۔

اور اگر کسی شخص کے پاس نقد رقم یا مال تجارت ہو تو اگر چہ کہ اس وہ رقم چاندی کے نصاب کو پہنچتی ہو تو ایسی صورت میں زکوۃ واجب ہو جائے گی۔

ہاں اگر کسی شخص کے پاس چاندی کے نصاب کی مقدار نقد رقم یا مال تجارت موجود ہو تو ایسی صورت میں وہ زکوۃ لینے کا مستحق نہیں ہوگا۔اس کا زکوۃ لینا جائز نہیں۔کیونکہ فقہاء کے یہاں چاندی کا نصاب ہی اصل ہے۔ان کی تصریح کے پیش نظر اگر سونے اور چاندی دونوں میں سے کسی ایک کی قوتِ خرید سے مال تجارت یا نقد رقم نصاب تک پہنچ جاتی ہو تو اسی کا اعتبار کرتے ہوئے اس پر زکوۃ کی ادائیگی یا محروم زکوۃ کا حکم لگایا جائے گا۔لہٰذا جس میں فقراء ومساکین کا نفع ہو اسی قیمت کا اعتبار کیا جائے۔

کما فی ردالمحتار : فی ﴿عرض تجارةقيمته نصاب من ذهب أو ورق﴾ أی فضة مضروبة، فأفاد أن التقويم إنما يكون بالمسلوک عملاً بالعرف ﴿مقوماً بأحدهما﴾ ، إن استويا فلو أحدهما أروج تعين التقويم به ، ولو بلغ بأحدهما نصاباً دون الآخر تعين ما بلغ به؛ ولو بلغ بأحدهما نصاباً و خمساً بالآخر أقل قوّمه بالأنفع للفقير......" (الدرالمختار مع ردالمحتار ۲۲۸/۳، مکتبۂ زکریا، دیوبند)۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ کا بھی یہی قول ہے کہ نصاب کے معیار میں " انفع للفقراء "کا اعتبار ہوگا،لہٰذا اگر سونے کے نصاب کو معیار بنانے سے زکوۃ واجب ہو جائے تو اسی کو معیار بنایا جائے گا،لیکن اگر سونے سے نہیں چاندی سے بھی نصاب پورا ہو رہا ہے تو ایسی صورت میں چاندی کا نصاب ہی معیار ہوگا۔چنانچہ "بدائع" میں لکھا ہے کہ:

"ثم عند ابی حنیفة : يعتبر فی التقويم منفعة الفقراء كما هو أصله حتیٰ روی عنه أنه قال : إذا كان الرجل مائة و خمسة و تسعون درهما و ديناراً يساوی خمسة دراهم أنه تجب الزكاة، و ذلک بان يقوم الفضة بالذهب كل

خمسة منها بلدينار" (بدائع الصنائع ۲/۱۰۸، مکتبہ زکریا، دیوبند)۔

نیز رسول اکرم ﷺ سے چاندی کا نصاب ہی ثابت ہے اور یہ متفق علیہ ہے، چنانچہ صاحب "بدایۃ المجتہد" نے لکھا ہے کہ:

"فإنهم اتفقوا على أنه خمس أواق لقوله عليه السلام ،الثابت ليس فيما دون خمس أواق من الورق صدقة" (بدایۃ المجتہد ۱/۱۸۶)۔

اور سونے کے نصاب میں اختلاف کا سبب صاحب بدایۃ المجتہد لکھتے ہیں:

"وسبب اختلافهم في نصاب الذهب أنه لم يثبت في ذلك شئي عن النبي ﷺ كما ثبت ذلك في نصاب الفضة......" (بدایۃ المجتہد ۱/۱۸۶)۔

لہٰذا اگر صرف سونا ہے، چاندی یا دوسرا مال یا مال تجارت نہیں ہے تو اس صورت میں زکوۃ کے وجوب کے لئے معیار صرف سونے کا نصاب ہوگا، یعنی ساڑھے سات تولے سونا یا اس کے مساوی رقم۔

اگر صرف چاندی ہے، سونا یا دوسرا مال یا مال تجارت نہیں ہے تو ایسی صورت میں وجوبِ زکوۃ کا معیار صرف چاندی کا نصاب ہوگا۔

اگر کسی شخص کے پاس نقد رقم یا مال تجارت ہو اور وہ رقم چاندی کے نصاب کو پہنچتی ہو تو ایسی صورت میں زکوۃ واجب ہوجائے گی۔

اور کسی شخص کے پاس چاندی کے نصاب کی مقدار نقد رقم یا مال تجارت موجود ہو تو ایسی صورت میں وہ زکوۃ لینے کا مستحق نہیں ہوگا۔ اس کا زکوۃ لینا جائز نہیں۔

۲- ضم نصاب کے سلسلہ میں میری رائے یہ ہے کہ صاحبین کا قول اختیار کیا جائے، کیونکہ فی زمانہ سونے اور چاندی کی قیمت میں بہت زیادہ فرق ہوگیا ہے۔ اس لحاظ سے سونے اور چاندی کو ضم کرنے کے اصول پر عمل کیا جائے تو یہ فقراء کے حق میں زیادہ بہتر ہوگا۔

☆☆☆

سونے اور چاندی کا نصاب

مولانا رضوان الحسن مظاہری☆

۱- جواب سے قبل چند سطور بطور مقدمہ کے تحریر ہے، اسلام نے زکوٰۃ کا نظام ان لوگوں کے لیے قائم کیا ہے جو اس دنیا میں بے حد کمزور ہوں، اپاہج ہوں، بے سہارا ہوں اور مالی وسائلوں سے بڑی حد تک محروم ہوں، چنانچہ اسلام کا نظام معیشت جبر و استبداد اور ظلم و جور سے پاک وصاف ہے، ضروری ہے کہ اسلام پہلے انسانی دلوں پر احکم الحاکمین کا دبدبہ قائم کرتا ہے، اس کے احسانات یاد دلاتا ہے، اس کے بعد بتاتا ہے کہ دنیاوی زندگی میں محتاجوں، مسکینوں، یتیموں، مسافروں، بیواؤں اور کمانے سے جو لوگ مجبور ہیں ان سب کی امداد کا کتنا بڑا اجر ہے، اس سلسلے میں ترغیب وترہیب کا پہلو اجاگر کرتا ہے، تاکہ آدمی کچھ کرے، خوش دلی سے کرے اور یہ یقین کر کے کرے کہ آخرت میں بدلہ مل کر رہے گا، انسانی ذہنوں میں یہ بھی راسخ کراتا ہے کہ تمہارے پاس جو مال و دولت ہے وہ سب رب العالمین کا عطیہ ہے اور اس کا خصوصی فضل و کرم ہے۔

﴿و الذين في أموالهم حق معلوم للسائل و المحروم﴾ (سورۃ معارج)۔

(اور جن کے مالوں میں سوالی اور بے سوالی کا حق ہے)۔

یہ نظام معیشت افراط وتفریط سے بالکل پاک ہے، یہاں اعتدال ہی اعتدال ہے، وہ یہ نہیں چاہتا کہ کوئی خواہ مخواہ گداگر بن جائے اور سوال کرتا پھرے اور دولت مندوں کے لیے وبالِ جان بن جائے، رسول الثقلین ﷺ نے اس کو واضح فرمادیا کہ زکوٰۃ دولت مندوں سے لی

☆ مدرسہ اعجاز العلوم، احمد نگر۔

جائے اور محتاجوں پر خرچ کی جائے، آپ صلی اللہ علیہ سلم نے حضرت معاذؓ کو یمن کا معلم بنا کر روانہ فرمایا تو اس وقت خصوصی ہدایات دیں، ان ہدایتوں میں یہ بھی تھا کہ زکوٰۃ کے سلسلہ میں یمن کے مسلمانوں کے ذہن نشین کرانا۔

"فأعلمهم أن الله قد فرض عليهم صدقة تؤخذ من أغنيائهم فترد على فقرائهم" (مشکوٰۃ، کتاب الزکاۃ)۔

(پھر انہیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر صدقہ (زکوٰۃ) فرض کیا ہے تو ان کے مال داروں سے لیا جائے گا اور ان میں جو محتاج ہیں ان کو دیا جائے گا)۔

ان تمام تصریحات سے یہ بات واضح ہے کہ زکوٰۃ کی تقسیم میں علت ضرورت مند محتاج و بے کس معیار ہے، جس طرح میراث کی تقسیم قرابت ورشتہ کے معیار پر ہے۔

اب سوال کے ان مقدمات کے بعد زکوٰۃ کو واجب قرار دینے میں پیمانہ نصاب سونا ہوگا یا چاندی؟ ہمارے نزدیک چاندی اور سونے کی دھاتوں کے علاوہ دوسرے اموال میں زکوٰۃ دینے کے لیے چاندی والا نصاب سونے والے نصاب کے بالمقابل اصل قرار دیے جانے میں اولیت کا درجہ رکھتا ہے، عہد نبوی و عہد صحابہ کرام میں بھی چاندی اور سونے کے نرخ میں اچھا خاصا فرق رہا کرتا تھا، مگر آج دونوں کے نرخ میں عہد نبوی اور عہد صحابہ والے فرق سے زیادہ فرق پیدا ہو گیا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے عہد خلافت میں اللہ اور رسول کے احکام پر مشتمل زکوٰۃ سے متعلق جو تحریری فرمان عمال کے نام دربار خلافت سے جاری کیے تھے، اس میں صراحت ہے کہ جس آدمی پر بنت مخاض یا ابن مخاض زکوٰۃ میں فرض ہوں اور اس کے پاس بنت مخاض یا ابن مخاض نہ ہو، بلکہ اس کے پاس بنت لبون یا ابن لبون ہو تو اس سے بنت لبون یا ابن لبون لے کر بیس درہم (چاندی کا سکہ یا اس کے مساوی چاندی) اسے واپس کر دیا جائے (عام کتب حدیث وفقہ اسلامی)۔

اس سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ نقدین کے علاوہ دوسرے اموال میں زکوٰۃ دینے کے لیے اولیت کا مقام چاندی کو حاصل ہے۔ نیز حضرت ابن مسعودؓ سے مرفوعاً مروی شدہ ایک حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جس کے پاس اتنا مال موجود ہو جس بنا پر وہ غنی قرار پاتا ہو، اس کے لیے دوسروں سے مانگنا قابل مواخذہ جرم ہے، اس پر آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ آدمی کو کتنا مال غنی بنادیتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، پچاس درہم (چاندی کے سکہ یا اس کے مساوی چاندی والا دھات) یا سونا جو پچاس درہم کے مساوی ہو (رواہ ابوداؤد، والترمذی، والنسائی، وابن ماجہ، والدارمی)۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ اصل قرار دینے میں آپ ﷺ نے چاندی کو سونے کے بالمقابل اولیت کا درجہ دیا ہے۔ بنابریں ہمارے نزدیک چاندی اور سونے کی دھاتوں کے علاوہ دوسرے اموال میں چاندی والے نصاب کو اصل قرار دینا چاہئے، ایسا کرنے میں مستحقین زکوٰۃ کا زیادہ فائدہ ہوگا؛ اس لیے کہ زکوٰۃ کو واجب قرار دینے میں شریعت کا منشاء و مذاق بھی یہی ہے کہ مستحقین زکوٰۃ کے لیے زیادہ سے زیادہ فائدہ کو ملحوظ رکھا جائے، جس کو انفع للفقراء سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مشہور تابعی حضرت عطاءؒ کا بیان ہے کہ اس عہد میں چاندی ہی زیادہ رائج تھی، یعنی دراہم، نہ کہ دینار (فقہ الزکوۃ ۱/۲۴۶-۲۵۱، جدید فقہی تحقیقات)۔

"یقومها بما هو أنفع للمساکین احتیاطاً لحق الفقراء و تفسیر الأنفع أن یقومها بما یبلغ نصابا" (ہدایہ ۱/۱۷۸)۔

(سامان کی قیمت اپنے نقد سے لگایا جائے جو مساکین کے لیے زیادہ نفع ہو اور نفع کی تفسیر یہ ہے کہ ایسے نقد کے ساتھ قیمت لگایا جائے جس کے ساتھ اندازہ کرنے میں نصاب بہ آسانی پورا ہوجائے)۔

"و لو بلغ بأحدهما نصابا دون الآخر تعین ما یبلغ فه و بلغ بأحدهما نصابا و خمسا و بالآخر أقل قومه بالأنفع للفقراء" (الدرالمختار ۲/۳۱)۔

(اور اگر پہنچ جائے کوئی ایک دونوں میں نصاب کو تو زکوٰۃ دی جائے گی، ورنہ ملایا جائے گا

کمی کی صورت میں اس نصاب کے ساتھ جس میں غرباء اور فقیروں کا فائدہ ہو)۔

"وجوب الضم إذا لم يكن كل واحد منهما نصابا بأن يكون كان أقل فلو كان كل واحد منهما نصابا تاما بدون زيادة لا يجب الضم، بل ينبغي أن يؤدى من كل واحد زكاته فلو ضم حتى يؤدى كله من الذهب أو الفضة فلا بأس به عندنا، و لكن يجب أن يكون التقويم بما هو أنفع للفقراء" (شامی ۲/ ۳۰۲، فتاویٰ ہندیہ ۱/ ۱۷۹)۔

(سونا اور چاندی میں ہر ایک کو دوسرے کے ساتھ ضم کرنا اس وقت واجب ہوتا ہے جبکہ دونوں کا نصاب مکمل نہ ہو اور دونوں نصاب سے کم ہو، اگر دونوں کا نصاب مکمل ہو تو ملانا واجب نہیں، بلکہ اس صورت میں بہتر اور اولیٰ یہی ہے کہ دونوں کی زکوٰۃ الگ الگ ادا کی جائے اور اگر ملا کر ادا کی جائے تو بھی حنفیہ کے یہاں حرج نہیں، لیکن واجب اور ضروری یہ ہے کہ قیمت اس نقد کے ساتھ لگائی جائے جس میں فقراء کا زیادہ فائدہ اور نفع ہو)۔

ان تشریحات سے یہ تو بالکل واضح اور صاف ہے کہ جب دونوں کا نصاب الگ الگ تام ہو جائے تو الگ الگ زکوٰۃ نکالنا بھی واجب ہے اور جب دونوں میں تفاوت ہو جائے کہ ہر ایک کا نصاب نامکمل ہو تو شریعت نے "انفع للفقراء" کو پیش نظر رکھ کر ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر دونوں کو ایک کے حکم میں قرار دے کر نصاب مکمل کر کے زکوٰۃ دینے کا حکم فرمایا ہے اور اسی طرح ضم نصاب کی صورت میں بھی "انفع للفقراء" کو ملحوظ رکھنے کا حکم فرمایا ہے، اور "انفع للفقراء" اسی میں ہے کہ سونے کو چاندی کے ساتھ ملا کر چاندی کا نصاب بنایا جائے اور نقد رقوم کی صورت میں نصاب کا پیمانہ چاندی کو قرار دیا جائے (مستفاد فتاویٰ رحیمیہ ۱/ ۱۵۰، فتاویٰ محمودیہ ۱۱/ ۲۹، کفایۃ المفتی ۴/ ۲۵، امداد الفتاویٰ ۲/ ۳۹، جدید فقہی تحقیق)۔

"فقہ الزکوٰۃ" میں علامہ یوسف القرضاوی فرماتے ہیں کہ اکثر علماء معاصرین کے رائے یہ ہے کہ چاندی کو اصل نصاب زکوٰۃ تسلیم کر لیا جائے، ایک تو اس بنا پر کہ چاندی نصاب پر

اجماع ہے، اور صحیح اور مشہور احادیث سے چاندی کا نصاب ثابت ہوتا ہے۔ دوسرے اس وجہ سے کہ چاندی کی ایک بڑی تعداد پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور بڑی تعداد میں لوگوں کو نفع بھی ہوگا، اور شریعت میں زکوٰۃ کو فرض کرنے کی منشاء بھی یہی ہے کہ محتاج اور غریب وفقراء کا زیادہ فائدہ ہو، راقم تحریر کی بھی یہی رائے ہے کہ چاندی کو اصل نصاب و معیار نصاب تسلیم کیا جائے کئی بنیادوں پر:

۱- چاندی کا نصاب متفق علیہ ہے، اس کا ثبوت احادیث صحیحہ مشہورہ سے ہے۔

۲- معمول بہا فی زماننا ہندوستان وغیر ہندوستان میں تمام مفتیان کرام کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ اصل پیمانہ چاندی کو تسلیم کیا جائے۔

۳- چاندی کو معیار قرار دینے میں فقراء وغرباء کا زیادہ فائدہ ہے اور زکوٰۃ کے باب میں ہمیشہ اور ہر زمانے میں فقراء ومساکین کی منفعت کے پہلو کو پیش نظر رکھا گیا ہے، کیوں کہ زکوٰۃ کی مشروعیت ہی فقراء کو نفع پہنچانے کے لیے ہوئی ہے۔

۴- شق ثانی کی بابت جبکہ کسی شخص کے پاس کچھ مقدار سونے اور کچھ مقدار چاندی کی ہو اور دونوں کا مجموعہ نصاب کے بقدر ہو جاتا ہو تو اب اگر دونوں کی مجموعی قیمت چاندی کے نصاب کے برابر ہو جاتی ہو تو موجودہ قیمت کے لحاظ سے امام صاحبؒ کے یہاں زکوٰۃ واجب ہو جائے گی، جب کہ صاحبین ضم اجزاء کے قائل ہیں۔

ماقبل کی تحریروں سے اس کا بھی جواب واضح ہو جاتا ہے۔ اصل میں زکوٰۃ کی منفعت چونکہ فقراء وغیرہ کے لیے ہے، اس لیے قاعدہ اور اصل یہی ہونے چاہئے کہ جس صورت میں زیادہ نفع مساکین کو پہنچ سکتا ہے اس کا اعتبار کیا جائے۔ ہدایہ میں ہے:

"و يضم الذهب إلى الفضة للمجانسة من حيث الثمنية من هذا الوجه صار سببا، ثم تضم بالقيمة عند أبي حنيفة، و عندهما بالأجزاء" (ہدایہ ۱/۱۷۶)۔

(اور سونے کو چاندی کے ساتھ ملایا جائے، کیونکہ ثمن ہونے میں دونوں برابر ہیں، اور

اسی وجہ سے وہ سبب زکوٰۃ ہوا، پھر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ملانا قیمت کے ساتھ ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک اجزاء کے ساتھ)۔

"ثم اختلافا علماؤنا في ذلک، فعند أبي حنيفة يضم بالقيمة، و عندهما بالأجزاء، ...... و فائدة تظهر فيمن كان له مائة دراهم و خمسة مثاقيل ذهب و تبلغ مائة دراهم فعليه الزكاة عنده" (فتح القدیر ۲/۲۲۰)۔

پھر ہمارے علماء احناف کا اس میں اختلاف ہے کہ ضم قیمت ہو یا ضم اجزاء ہو، امام صاحبؒ کے نزدیک ضم قیمت کا اعتبار ہے (یہی ایک قول امام احمد بن حنبلؒ کا ہے اور امام سفیان ثوریؒ کا ہے کہ جس میں زیادہ نفع ہو یا نہ اسی کو قرار دیا جائے)۔

☆☆☆

اموالِ تجارت کی زکوٰۃ کا پیمانہ چاندی کا نصاب یا سونے کا؟

مولانا امداد اللہ قاسمی ☆

سونے اور چاندی کی زکوٰۃ کا نصاب باتفاق ائمہ منصوص علیہ ہے، اسی طرح اگر کسی کے پاس بنیادی ضرورتوں کے علاوہ اموال تجارت ہوں تو ان اموال کی قیمت سونے یا چاندی کی قیمت کے ساتھ ملا کر نصابِ زکوٰۃ پورا کرنے پر بھی سب کا اتفاق ہے، حافظ ابن ہمام ''فتح القدیر'' میں فرماتے ہیں:

''تضم عروض التجارة إلى النقدين بالإجماع'' (۲/۲۲۹)۔

اور ابن قدامہ نقل کرتے ہیں:

''فإن عروض التجارة تضم إلى كل واحد من الذهب و الفضة، و يكمل به نصابه، لا نعلم فيه اختلافا'' (المغنی ۳/۴)۔

البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اموال تجارت کی زکوٰۃ کا پیمانہ سونے کا نصاب ہوگا یا چاندی کا، یعنی اموال تجارت کی قیمت سونے کے نصاب کو پہنچنے پر وجوب زکوٰۃ کا فیصلہ ہوگا یا چاندی کے نصاب کو؟ اس سلسلے میں فقہاء کرام اقوال و دلائل مختلف ہیں۔ ''ہدایہ'' میں ہے:

''(العروض) يقومها بما هو أنفع للمساكين، احتياطا لحق الفقراء، و هذا رواية عن أبي حنيفة، و في الأصل خيره، لأن الثمنين في تقدير قيم الأشياء بهما سواء، و تفسير الأنفع أن يقومها بما تبلغ نصابا۔ و عن أبي يوسف أنه يقومها بما اشترى إن كان الثمن من النقود؛ لأنه أبلغ في معرفة المالية، و إن

☆ معین المدرسین، دارالعلوم، دیوبند۔

اشتراها بغير النقود قومها بالنقد الغالب۔ و عن محمد أنه يقومها بالنقد الغالب على كل حال"(۱۹۶/۱)۔

اور ''فتح القدیر'' میں ہے:

''و في الخلاصة: إن شاء قومها بالذهب، و إن شاء بالفضة، و عن أبي حنيفة أنه يقوم بما هو أنفع للفقراء، و عن أبي يوسف يقوم بما اشترى، هذا إذا كان يتم النصاب بأيهما قوم، فلو كان يتم بأحدهما دون الآخر، قوم بما يصير به نصابا ....، و جمع بين الروايتين بأن المذكور في الأصل من التخيير هو ما إذا كان التقويم بكل منهما لا يتفاوت" (۲۲۷/۲-۲۲۸)۔

ان عبارات سے یہ بات واضح طور سے سمجھ میں آتی ہے کہ سونے و چاندی میں سے جس کے ساتھ بھی مالِ تجارت کو ضم کرنے میں مساکین کا فائدہ ہو، اسی کے ساتھ ضم کریں گے، اور یہ بات عیاں ہے کہ چاندی کے نصاب کے ساتھ ضم کرنے میں ہی مساکین کا زیادہ فائدہ ہے، اور جہاں اختیار کی بات ہے تو وہ اس وقت ہے جب دونوں کا نصاب برابر ہو، حالانکہ چاندی کا نصاب سونے سے کہیں کم پر ہی ثابت ہو جاتا ہے لہٰذا یہی متعین ہوگا۔

رہی بات یہ کہ اگر کوئی بنیادی ضروریات کے علاوہ پندرہ ہزار روپے کی کسی شئے کا مالک ہو تو وہ زکوٰۃ کا مستحق نہیں رہ جاتا، حالانکہ اتنی رقم آج کے ماحول میں بڑی نہیں سمجھی جاتی تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ اگر اس کا لحاظ کرتے ہوئے سونے کے نصاب کو پیمانہ بنایا جائے تو یہ ضابطہ مستحقین زکوٰۃ کو تو فائدہ دے گا کہ وہ پچاسوں ہزار کے مالک ہونے کے باوجود لے سکیں گے، مگر زکوٰۃ دینے والوں کے حق میں مفید نہ ہوگا، بلکہ یہ دہندگان میں کمی اور مستحقین میں اضافہ کا باعث ہوگا اور وہ توازن جو شرعی احکام میں ملحوظ ہوتا ہے، باقی نہ رہے گا۔

خلاصۂ بحث:

لہٰذا موجودہ زمانہ میں بھی اموالِ تجارت کی زکوٰۃ کا پیمانہ چاندی ہی کا نصاب ہوگا اور

چاندی کے نصاب کے بقدر نقد یا دوسری چیز کے مالک ہونے پر حولانِ حول کے بعد زکوٰۃ دینی واجب ہوگی، اور زکوٰۃ کا لینا جائز نہ ہوگا، اور اگر اتنے کا مالک نہ ہو تو وہ مستحق زکوٰۃ ہوگا، اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

ضم کرنے میں قیمت کا اعتبار ہوگا یا اجزاء کا؟

اگر کسی کے پاس صرف سونا اور چاندی ہو، مگر دونوں الگ الگ بقدر نصاب نہ ہو تو حنفیہ کے نزدیک دونوں کا ملا کر نصاب پورا کیا جائے گا، علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں:

"النقدان يضم أحدهما إلى الآخر في تكميل النصاب عندنا، خلافا للشافعي" (فتح القدیر ۲/۲۲۹)۔

امام احمدؒ سے بھی ایک روایت ضم کی منقول ہے، البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک اور امام احمدؒ کی ایک روایت میں ضم نہیں کیے جائیں گے (المغنی لابن قدامہ ۳/۴، المجموع للنووی ۵/۳۴۵)۔

پھر سونے و چاندی میں سے ایک کو دوسرے کے ساتھ ملانے میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ قیمتاً ملایا جائے یا اجزاءً، یعنی سونے اور چاندی کی قیمت لگا کر چاندی کا نصاب پورا کر کے زکوٰۃ واجب کی جائے گی یا دونوں کے جز کا اعتبار ہوگا کہ سونے کی مقدار سونے کے نصاب کے ایک جز مثلاً ایک تہائی کو پورا کرتی ہو اور چاندی کی مقدار کے بقیہ نصاب مثلاً دو تہائی کو پورا کرتی ہو، اس طرح دونوں کے ایک اور دو تہائی کو ملا کر نصاب مکمل مانا جائے۔ ابن قدامہ نے امام احمدؒ سے دونوں طرح کی روایت نقل کی ہے اور ضم بالاجزاء کو صحیح قرار دیا ہے (المغنی لابن قدامہ ۳/۴-۶)۔

ہمارے فقہائے حنفیہ میں امام اعظم ابوحنیفہؒ ضم بالقیمۃ کے قائل ہیں، جب کہ صاحبینؒ ضم بالاجزاء کے، امام ابوحنیفہؒ سے بھی ضم بالاجزاء کی ایک روایت منقول ہے، "ہدایہ" میں ہے:

"يضم الذهب إلى الفضة للمجانسة من حيث الثمنية، و من هذا الوجه صار سببا، ثم يضم بالقيمة عند أبي حنيفة، و عندهما بالأجزاء، و هو رواية عنه، حتى أن من كان له مائة درهم و خمسة مثاقيل ذهب تبلغ قيمتها

مائة درهم، فعليه الزكاة عنده، خلافا لهما، هما يقولان: المعتبر فيهما القدر دون القيمة، حتى لا تجب الزكاة في مصوغ وزنه أقل من مائتين و قيمته فوقها، هو يقول: إن الضم للمجانسة و هي تتحقق باعتبار القيمة دون الصورة، فيضم بها'' (ہدایہ ۱/۱۹۶)۔

صاحبینؒ کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ سونے و چاندی میں مقدار کا اعتبار ہے، قیمت کا نہیں، چنانچہ ایسے زیور جن کا وزن نصاب سے کم اور قیمت نصاب کے بقدر یا زائد ہو، زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، معلوم ہوا کہ اصل اعتبار مقدار ہے، نہ کہ قیمت کا، اس لیے اجزاء ضم کیے جائیں گے۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ سونے کو چاندی کے ساتھ ملائے جانے کی علت دونوں کا ثمن ہونے میں باہم ایک جنس ہونا ہے، اور مجانست کا تحقق قیمت ہی کے اعتبار سے ہوتا ہے، نہ کہ صورت اور مقدار کے اعتبار سے، کیونکہ مجانست ایک معنوی چیز ہے، لہٰذا سونے کو چاندی کے ساتھ قیمتاً ہی ملایا جائے گا، اس لیے کہ علت، یعنی مجانست کا معنوی ہونا قیمت ہی کے ذریعہ ضم کا متقاضی ہے، خواہ اجزاء کے ذریعہ نصاب مکمل ہو یا نہ ہو۔ علامہ ابن ہمامؒ صاحبینؒ کی دلیل کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سونے و چاندی میں قیمت کا ظہور ایک کو دوسرے کے ساتھ مقابلہ کرنے اور ضم کرنے کے وقت ہوتا ہے، کیونکہ ایسا مجانست کی بنا پر ہوتا ہے اور مجانست ایک معنوی چیز ہے اور وہ ہی قیمت ہے، اور تنہا زیور کے اندر نہ تو مقابلہ ہے، نہ ضم، کہ مجانست کی علت اثر انداز ہو (فتح القدیر ۲/ ۲۳۰)۔

نیز ضم اموال کے مسئلہ پر نظر کرتے ہوئے جس میں ''انفع للمساکین'' کا لحاظ کیا گیا ہے، یہاں بھی یہی مناسب ہے کہ قیمتاً ضم کیا جائے، کیونکہ ایسا کرنے میں بہرصورت فقراء کا فائدہ زیادہ ہوگا۔

خلاصہ:

حاصل کلام یہ کہ سونے کو چاندی کے ساتھ قیمتاً ملایا جائے گا، نہ کہ اجزاء۔

سونے اور چاندی کا نصاب

مولانا مظاہر حسین عماد القاسمی ☆

سونے کا نصاب:

"نصاب الذهب عند جمهور الفقهاء عشرون مثقالاً ولم ينقل خلاف في ذلک إلا ما روی عن الحسن أن النصاب أربعون مثقالاً" (الموسوعۃ الفقہیہ، الجزء الثالث والعشرون، ص ۲۶۳)۔

"نصاب زكوٰة الذهب والفضة والقدر الواجب فيهما"

جمہور فقہاء کے نزدیک سونے کا نصاب بیس مثقال ہے اور اس سلسلے میں کوئی اختلاف منقول نہیں ہے، مگر حسن سے روایت ہے کہ سونے کا نصاب چالیس مثقال ہے۔

جمہور کی دلیل:

۱ – **"إن النبي ﷺ كان يأخذ من كل عشرين ديناراً فصاعداً نصف دينارٍ ومن الأربعين ديناراً"** (اخرجہ ابن ماجہ فی سننہ، کتاب الزکوۃ، باب زکوۃ الورق والذہب: (۱/۱۱۱، رقم الحدیث: ۱۷۹۱، اخرجہ الدارقطنی فی سننہ، باب وجوب زکوۃ الذہب والفضۃ والورق والماشیۃ والثمار والحبوب۔ (۱/ ۹۲، رقم الحدیث: ۱)، مطبوعہ عالم الکتب بیروت، لبنان)۔

چاندی کا نصاب:

چاندی کا نصاب بالاجماع دوسو درہم ہے۔

☆ استاذ، جامعہ اسلامیہ شانتاپورم، کیرالہ۔

"نصاب الفضة مائتا درهم بالإجماع۔ (الموسوعة الفقهية، نصاب الذهب والفضة والقدر والواجب فيهما"(۲۶۴/۲۳)۔

دلیل:

۱-"عن ابی سعید الخدری قال: قال رسول الله ﷺ:ليس فيما دون خمس أواقٍ صدقة۔ البخاری"(الفتح ۳/ ۳۵۱، دارالحدیث القاہرہ)۔

پانچ اوقیہ سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

"زاد مالک عن محمد بن عبدالرحمن بن أبی صعصعة عن أبيه عن أبی سعید۔ خمس أواق من الورق صدقة"(الفتح ۳/ ۳۵۲، دارالحدیث القاہرہ)۔

مالک نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے جو روایت کی ہے، اس میں من الورق کا اضافہ کیا ہے۔

۲-"عن عمرو بن شعیب عن أبيه عن جده عن النبی ﷺ...... والافی اقل من مائتی درهم شئی" (دارقطنی باب وجوب زکوٰۃ الذہب والورق والماشیۃ والثمار والحبوب ۱/ ۹۳، رقم الحدیث:۱)۔

نبی ﷺ نے فرمایا.............اور نہ دوسو درہم سے کم میں کچھ ہے۔

کیا رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دوسو درہم چاندی (ساڑھے باون تولہ چاندی) اور بیس مثقال سونا (ساڑھے سات تولہ سونا) قیمت میں ایک دوسرے کے برابر تھے؟

علامہ وہبہ زحیلی اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

"والشرع حدد مبلغين متعادلين: اما عشرون ديناراً (مثقالاً) أو مأتا درهم وكاناشيئا واحداً ولهما سعر واحد" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ص:۱۸۲۱، الجزء الثالث)۔

(شریعت نے ایک دوسرے کے برابر دو مقدار متعین کیا ہے یا تو بیس دینار، یعنی بیس مثقال سونا یا دوسو درہم چاندی اور وہ دونوں مقدار ایک ہی تھے اور ان کی قیمت بھی ایک ہی تھی)۔

اور یہ بات تو ہر عقل مند کے سمجھ میں آسکتی ہے کہ شریعت میں غنی کا ایک ہی پیمانہ ہوگا نہ کہ دو پیمانے یا کئی پیمانے اور لامحالہ بیس مثقال قیمت میں دوسو درہم کے برابر ہوگا یا دوسو درہم قیمت میں بیس مثقال کے برابر ہوگا۔ ورنہ سونے کے لیے بیس مثقال اور چاندی کے لیے دوسو درہم کی تحدید کا کوئی مطلب نہیں رہ جائے گا۔

بہر حال موجودہ حالات میں یہ طے ہونا چاہیے کہ انسان کی بنیادی ضروریات کیا ہیں؟ تمام فقہاء نے بنیادی ضروریات میں رہنے کے مکان کو سب سے اوپر رکھا ہے، اب سوال یہ ہے کہ مکان کیسا ہو؟ اس کی تشریح ضروری ہے۔ مکان کے سلسلے میں اپنا نقطۂ نظر میں اس مقالے کے آخری سطور میں رکھوں گا۔ سر دست سوالات کے جوابات ملاحظہ فرمائیں:

۱- نقد روپے اور سامان تجارت میں سونے کے نصاب کو بھی پیمانہ بنایا جاسکتا ہے۔ مگر بطور احتیاط اور فقراء کے فائدے (مصلحت) کے پیش نظر نقد روپے اور سامان تجارت میں چاندی کے نصاب کو پیمانہ بنانا زیادہ احوط اصوب اور بہتر ہے۔

علامہ وہبہ زحیلی فرماتے ہیں:

”وتقدر أوراق النقدية فی الأرجح دليلا بسعر الذهب؛ لأنه هو الأصل في التعامل؛ ولأن غطاء النقود هو باالذهب؛ ولان المثقال كان فی زمن النبی ﷺ وعند أهل مكة هو أساس العملة۔ (الخراج فی الدولة الاسلامية للدكتور ضياء الدين: ۳۴۴) وهو أساس تقدير الديات ويسأل الصراف عن سعر الذهب بالعملة المحلية الرائجة في كل بلد۔ويری كثير من علماء العصر أن النقود تقدر بسعر الفضة احتياطاً لمصلحة الفقراء، ولأن ذلک أنفع لهم۔ وأری الأخذ بهذا الرای؛ لأنه يفتی بما هو انفع للفقراء“

(راجح ترین دلیل کے اعتبار سے نقدی روپوں کا پیمانہ سونے کی قیمت ہے۔ اس لیے کہ تعامل میں سونا ہی اصل ہے اور اس لیے کہ نقود کا معیار (قیمت) سونے سے ہی آنکی جاتی ہے

اوراس لیے کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں اور اہل مکہ کے نزدیک سونا ہی سکہ کی بنیاد تھا اور سونا ہی دیات کا معیار ہے اور بینک کا رہر ملک میں رائج مقامی سکے کے بدلے سونے کی قیمت پوچھتا ہے (یعنی یہ معلوم کرتا ہے کتنے روپے میں کتنا سونا ملتا ہے۔ گویا سکوں کی قیمت سمجھنے کے لیے سونے ہی کو معیار مانتا ہے، اور علماءِ عصر میں سے بہت سوں کا خیال ہے کہ بطور احتیاط فقراء کی مصلحت کے پیش نظر نقود کا پیمانہ چاندی کی قیمت ہوگی اور اسلئے کہ اس میں فقراء کا فائدہ ہے اور میں بھی اسی رائے کو لیتا ہوں، اس لیے کہ فتویٰ اس پر دیا جاتا ہے، جس میں فقراء کا فائدہ ہو)۔

۲-ایسے شخص کو زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہوگا۔

صاحب ''ہدایہ'' فرماتے ہیں:

''**ولايجوز دفع الزكوة إلى من يملك نصابا من أى مال كان، لأن الغنى الشرعي مقدربه**'' (الہدایہ ۱/ ۱۱۲، باب من یجوز دفع الصدقۃ الیہ ومن لایجوز)۔

(اوراس آدمی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں جو کسی بھی مال سے کسی بھی نصاب کا مالک ہو، اس لیے کہ غنی شرعی اس کو حاصل ہے)۔

اور ''ردالمحتار'' میں لکھا ہے:

''**ولايجوز دفع الزكوة إلى من ملك نصابا سواء كان من النقود أو السوائم أو العروض**'' (ردالمحتار علی الدر المختار شرح تنویر الابصار۔ الجزء الثالث، مطلب فی الحوائج الاصلیۃ: ۲۹۷، طبع دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان)۔

(اوراس آدمی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں جو کسی بھی نصاب کا مالک ہو، خواہ وہ نصاب نقود کا ہو یا جانوروں کا نصاب ہو یا سامانوں کا نصاب ہو)۔

یعنی ضرورت اصلیہ کے علاوہ جانور پال رکھے ہوں اور ان کی قیمت سونے یا چاندی کے نصاب کی قیمت کو پہنچ جاتی ہو یا گھر میں بنیادی ضروریات کے علاوہ غیر ضروری سامان زیب وزینت اور شوروغیرہ کے لیے ہوں اور ان کی قیمت سونے یا چاندی کے نصاب کی قیمت کو پہنچ

جاتی ہو تو اس طرح کے جانوروں اور سامانوں کے مالکین کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہوگا۔اگر چہ وہ سونے، چاندی کے نصاب یا ان دونوں میں سے کسی ایک کے نصاب کی قیمت کے بقدر نقدر روپے کا مالک نہ ہو۔

۲۔ضم نصاب کا مسئلہ:

صاحبین کے قول کو بھی اختیار کیا جاسکتا ہے،اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ سونا اور چاندی میں اعتبار مقدار کا ہے،نہ کہ قیمت کا۔چاندی کی وہ چیز جو دوسو درہم سے وزن میں کم ہو اور قیمت میں زیادہ ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

صاحب "ہدایہ" فرماتے ہیں:

"هما يقولأن: المعتبر فيهما القدر دون القيمة حتى لاتجب الزكوٰة في مصوغ وزنه أقل من مائتين وقيمته فوقها" (الہدایہ،فصل فی العروض الجزء الاول: ۱۰۴، دارا حیاءالتراث العربی،بیروت،لبنان)۔

مگر امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کو اختیار کرنے میں احتیاط ہے اور فقراء کا فائدہ ہے اور فتوی اسی پر دیا جاتا ہے،جس میں فقراء کا فائدہ ہو۔

امام صاحبؒ کی دلیل کو بیان کرتے ہوئے صاحب "ہدایہ" اس طرح رقم طراز ہیں:

"وهو يقول إن الضم للمجانسة وهي تتحقق باعتبار القيمة دون الصورة فيضم بها"۔

اور وہ (امام ابوحنیفہؒ) فرماتے ہیں کہ ضم نصاب ثمنیت میں مجانست کی وجہ سے ہے اور یہ مجانست قیمت کے اعتبار سے ہوتی ہے،نہ کہ صورت کے اعتبار سے۔لہذا قیمت کے اعتبار سے ضم نصاب کیا جائے گا (الہدایہ،فصل فی العروض الجزء الاول: ۱۰۴، دارا حیاء التراث العربی،بیروت،لبنان)۔

خلاصہ بحث:

مسئلہ اولی میں میری رائے یہ ہے کہ چاندی کے نصاب کو پیمانہ اور معیار بنانا چاہیے اور

مسئلہ ثانیہ میں میری رائے یہ ہے کہ قیمت کے اعتبار سے ضم نصاب کیا جانا چاہیے، لہذا جس کے پاس ضرورت اصلیہ سے زائد چاندی کے نصاب کی قیمت کے بقدر نقد روپے یا سامان تجارت ہو یا اموال زکوٰۃ کے علاوہ کوئی مال ہو اس کو زکوٰۃ لینا جائز نہیں۔

☆☆☆

سونے اور چاندی میں زکوۃ کا معیار

مفتی محمد شوکت ثناء قاسمی ☆

سونے چاندی میں سے کس کو معیار قرار دیا جائے؟

شریعت میں سونے اور چاندی کا نصاب صراحۃً منقول ہے، اگر کوئی شخص سونے یا چاندی کی مقررہ مقدار کا مالک ہو جائے تو اس پر اس مال کی زکوۃ واجب ہوگی۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"إذا كانت لک مائتا درهم و حال عليها ففيها خمسة دراهم " (ابوداؤد:۱۳۴۲، نسائی:۲۴۳۳، ترمذی:۵۶۳)۔

(جب تمہارے پاس دو سو درہم ہو جائے اور اس پر ایک سال گذر جائے تو اس میں پانچ درہم (زکوۃ) ہے)۔

اور سونے کے نصاب کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

"وليس عليک شئی يعنی فی الذهب حتی يكون لک عشرون ديناراً، فإذا كانت لک عشرون ديناراً وحال عليها الحول ففيها نصف دينار" (ابوداؤد، باب زکوۃ السائمۃ:۱۳۴۲، نسائی:۲۴۳۳)۔

(سونے میں تمہارے اوپر کچھ بھی نہیں ہے یہاں تک کہ تمہارے پاس بیس دینار ہو جائے جب بیس دینار ہو جائے اور اس پر ایک سال گذر جائے تو اس میں نصف دینار زکوۃ

☆ مفتی و استاذ شعبہ تربیت افتاء، جامعہ عائشہ نسواں، داراب جنگ کالونی، مادنا پیٹ، حیدرآباد۔

واجب ہے)۔

سامان تجارت یا نقد رقم میں زکوۃ واجب ہونے کے لیے پیمانہ سونے کا نصاب ہو یا چاندی کا نصاب اس کے بارے میں صراحتاً کوئی نص موجود نہیں ہے، اسی لیے فقہاء کے درمیان اس مسئلہ میں قدرے اختلاف ہے، جمہور علماء کی رائے "أنفع للفقیر" کا اعتبار کرتے ہوئے یہ ہے کہ سامان تجارت کی قیمت سونے یا چاندی میں سے اس سے لگائی جائے جو مساکین کے لیے زیادہ نفع بخش ہو اور فی الوقت چاندی کی قوت خرید بہ مقابلہ سونے کے بہت کم ہے۔ اس لیے فقراء کی رعایت کرتے ہوئے جمہور علماء کی رائے کے مطابق چاندی معیار ہوگی۔

علامہ مرغینانی صاحب "ہدایہ" لکھتے ہیں:

"الزکوة واجبة في عروض التجارة کائنة ماکانت إذا بلغت قیمتها نصابا من الورق أوالذهب___ثم قال: یقومها بما هو أنفع للمساکین" (الهدایہ: باب زکوۃ المال)۔

(تجارت کے سامان میں زکوہ واجب ہے سامان کوئی بھی ہو، بشرطیکہ اس کی قیمت چاندی یا سونے کے نصاب کو پہنچ جائے___ پھر امام قدوری نے کہا کہ سامان کی قیمت ایسے نقد سے لگائے جو مساکین کے لیے زیادہ نافع ہو)۔

سامان تجارت کی قیمت سونے یا چاندی سے لگائی جائے اس پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے علامہ حصکفیؒ تحریر کرتے ہیں:

"مقوماً بأحد هما إن استویا، فلوأ حدهما أروج تعین التقویم به، ولوبلغ بأحد هما نصاباً دون الآخر تعین مایبلغ به، ولوبلغ بأحد هما نصاباً و خمساً وبالآخر أقل قومه بالأنفع للفقیر" (الدرالمختار مع ردالمحتار، باب زکوۃ المال ۳/۲۱۰)۔

(سونے اور چاندی دونوں سکوں کا چلن اگر برابر ہو کوئی فرق نہ ہو تو نصاب کے سلسلہ میں سامان تجارت کی قیمت یا سونے لگائی جائے گی یا چاندی سے، لیکن اگر ان میں سے ایک

زیادہ رائج ہو اور دوسرا کم یا بالکل نہیں تو اس صورت میں قیمت اس سکہ سے لگائیں گے جس کا زیادہ رواج ہے اور قیمت لگانے میں یہی سکہ متعین ہوگا، سونے اور چاندی میں سے کسی ایک سے قیمت لگائی جاتی ہے تو وہ قیمت نصاب کو پہنچ جاتی ہے اور دوسری سے قیمت لگائی جاتی ہے تو نصاب کو نہیں پہنچتی ہے تو اس صورت میں جس کے ساتھ قیمت لگانے سے نصاب کو پہنچتی ہے قیمت لگانے کے لیے وہی چیز متعین ہوگی۔اسی طرح اگر چاندی سے قیمت لگائی جاتی ہے تو وہ قیمت نصاب کو بھی پہنچتی ہے اور اس سے زیادہ بھی ہو جاتی ہے اور سونے سے قیمت لگانے میں صرف نصاب کو پہنچتی ہے تو اس صورت میں اس چیز سے قیمت لگائی جائیگی جس میں فقیر کا نفع زیادہ ہو)۔

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:

"إذا حال الحول على العروض وقيمتها بالفضة نصاب ولاتبلغ نصاباً بالذهب قومناها با لفضة ليحصل للفقراء منها حظ، ولوكانت قيمتها بالفضة دون النصاب وبالذهب تبلغ نصاباً قومنا هابا لذهب لتجب الزكاة فيها ولافرق بين أن يكون اشتراؤ هابذهب أوفضة أوعرض" (المغنی ۲/ ۶۲۵-۶۲۶)۔

(جب سامان تجارت پر سال گذر جائے اور چاندی کے اعتبار اس کی قیمت نصاب کے بقدر ہو اور سونے کے لحاظ سے نصاب کو نہ پہنچتا ہو تو سامان تجارت کی قیمت چاندی کے لحاظ سے لگائی جائے گی تا کہ اس سے فقراء کا حصہ مل سکے، اور اگر سامان تجارت کی قیمت چاندی کے اعتبار سے نصاب سے کم ہو اور سونے کے لحاظ سے نصاب کو پہنچ جاتا ہو تو سامان تجارت کی قیمت سونے سے لگائی جائے گی تا کہ اس میں زکوۃ واجب ہو جائے ،اور اس درمیان کوئی فرق نہیں کہ سامان تجارت سونے کے عوض خریدا گیا ہو چاندی یا کسی اور چیز کے عوض)۔

سیدنا امام شافعیؒ کے نزدیک یہ سامان ان دونوں (سونا اور چاندی) میں سے بھی جس کے ذریعہ خرید کئے گئے ہوں انھیں کے ذریعہ نصاب بھی متعین کیا جائے گا(المغنی ۲/ ۶۲۶،شرح المہذب ۶/ ۵۵)۔

سیدنا امام یوسفؒ کے نزدیک سامان تجارت سونے یا چاندی میں سے جس کے ذریعہ خریدے گئے ہوں انھیں کے ذریعہ قیمت متعین کی جائے گی۔ اگر سونے کے عوض خریدا گیا تو معیار سونا ہوگا اور اگر چاندی کے ذریعہ خریدا گیا تو معیار چاندی ہوگی۔ اور ان دونوں کے علاوہ کسی اور چیز کے ذریعہ خریدے گئے ہوں تو اس شہر کی رائج کرنسی معیار ہوگی۔

اور سیدنا امام محمدؒ کے نزدیک سامان تجارت متعین کرنے میں سامان تجارت کی جگہ کی رائج کرنسی معیار ہوگی۔ اور امام محمدؒ سے ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ صاحب مال کو اختیار ہوگا کہ سونے یا چاندی میں سے جس کو چاہے معیار بنائے۔

علامہ کاسانی رقم طراز ہیں:

"وعن أبي يوسف أنه يقومها بما اشتراهابه، فإن اشتراها بالدراهم قومها بالدراهم، وإن اشتراها بالدنانير قومها بالدنانير، وإن اشتراها بغير همامن العروض ـــــــ قومها بالنقد الغالب في ذالک الموضع، وعند محمد يقومها بالنقد الغالب علی کل حال، وذکر في کتاب الزکاة أنه يقومها يوم حال الحول ان شاء بالدراهم وإن شاء بالدنانير" (بدائع الصنائع ۲/۳۱)۔

ان تینوں جلیل القدر امام کی تشریحات اور ان کی رائے کے مطابق سامان تجارت کی قیمت کی تعین کے سلسلہ میں معیار سونا ہوگا، اور فی زمانہ چونکہ کرنسی کا ربط قانونی اور عملی طور پر سونے سے ہے، نہ کہ چاندی سے، اس لیے یہ بات راجح معلوم ہوتی ہے کہ سونے کے نصاب کا جو نرخ ہو، وہی کرنسی اور سامان تجارت کے لیے نصاب ہو۔ جمہور علماء نے بھی سونے اور چاندی کی قیمت میں تفاوت کی صورت میں چاندی کو معیار فقراء کی رعایت کرتے ہوئے بتایا ہے، اور فی زمانہ چاندی کو معیار قرار دینے میں فقراء کا فائدہ نہیں ہے، بلکہ نقصان ہے۔

خلاصہ بحث:

خلاصہ بحث یہ ہے کہ فی زمانہ سونا اور چاندی کی قیمت میں غیر معمولی تفاوت کی وجہ

سے سیدنا امام ابو یوسفؒ، سیدنا امام محمدؒ اور سیدنا امام شافعیؒ کی رائے زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے کہ سامان تجارت سونا اور چاندی میں سے جس کے ذریعہ خرید کئے گئے ہوں انھیں کے ذریعہ نصاب بھی متعین کیا جائے اور چونکہ آج کل پوری دنیا میں کاغذی نوٹ اور مروجہ کرنسی سکہ رائج وقت ہی تبادلہ اشیاء کے لیے ذریعہ ہیں اور سکوں کے لیے سونا ہی معیار ہے، اسی لیے سامان تجارت کی قیمت متعین کرنے میں بھی سونا کے نصاب کو ہی معیار بنایا جائے تو زیادہ بہتر ہے، اسی طرح نقد رقم میں بھی وجوب زکوۃ کے لیے پیمانہ سونا کا نصاب ہو، مثلاً: کسی شخص کے پاس اتنی رقم ہو جس سے نصاب کے بقدر چاندی تو خریدی جاسکتی ہو، لیکن نصاب کے بقدر سونا خریدا نہ جاسکتا ہو تو ایسے شخص پر زکوۃ واجب نہ ہو، کیونکہ فی زمانہ ہی ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت معمولی ہے جس کو معیار قرار دینے میں فقراء کا نقصان ہے۔

زکوۃ لینا کب حرام ہوگا؟

مال کی کس مقدار پر زکوۃ لینا حرام ہوگا اس میں ائمہ کا اختلاف ہے، سیدنا امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اگر کوئی شخص پچاس درہم چاندی یا اس کی بقدر سونا یا کسی اور چیز کا مالک ہو تو اس کے لئے زکوۃ لینا حرام ہوجائے گا (المغنی ۲/ ۵۲۲)، سیدنا امام شافعیؒ کے نزدیک اگر کوئی شخص بنیادی ضرورتوں کے علاوہ ایک شبانہ روز کی خوراک پر قادر ہو تو اس کے لئے زکوۃ لینا جائز نہیں (المجموع ٦/ ١٧٨)۔

احناف کے نزدیک جس کے پاس بنیادی ضروریات (حوائج اصلیہ) رہائشی مکان، سامان خورد و نوش، استعمالی کپڑے کے علاوہ کرایہ کے مکانات، زمین، رکھے ہوئے کپڑے، فاضل اجناس، سونا چاندی یا رقم اتنی مقدار ہو کہ ان کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کو پہنچ جائے تو اس کے لئے زکوۃ لینا حرام ہوجائے گا (حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۲٦٦، فتح القدیر ۲/ ۲۱۵، الہدایہ ۱/ ۱۸۸)۔

صاحب ہدایہ رقم طراز ہیں:

"لا يجوز دفع الزكاة إلى من يملك نصابا أي مال كان ـــــ

الشرط أن يكون فاضلاً عن الحاجة الأصلية'' (الہدایہ:باب من یجوز دفع الصدقات الیہ ومن لایجوز)۔

(اس شخص کو زکوۃ دینا جائز نہیں ہے جو نصاب کے بقدر کسی مال کا مالک ہو بشرطیکہ وہ نصاب حاجت اصلیہ سے زائد ہو)۔

الحاصل یہ کہ اگر کسی شخص کے پاس نقد رقم، مال تجارت، یا اموال زکوۃ کے علاوہ کوئی مال چاندی کے نصاب کی قیمت کا موجود ہو تو اس کے لئے زکوۃ لینا درست نہیں ہوگا، خواہ وہ سونا کے نصاب کی قیمت کو نہ پہنچتا ہو۔

سونا چاندی کا باہم ملایا جانا:

اگر کسی شخص کے پاس سونا اور چاندی دونوں تھوڑی تھوڑی مقدار میں ہوں اور دونوں کا نصاب نامکمل ہو، لیکن دونوں کا مجموعہ، نصاب کے بقدر ہو جاتا ہو تو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر زکوۃ واجب قرار دی جائے گی یا نہیں؟ سیدنا امام ابوحنیفہؒ، سیدنا امام مالکؒ اور دو قول میں سے صحیح قول کے مطابق سیدنا امام احمد بن حنبل کے نزدیک ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر زکوۃ واجب قرار دی جائے گی (المغنی ۲/۵۹۸، بدائع الصنائع ۲/۲۸، حاشیہ ابن عابدین ۳/۲۱۵، فتح القدیر ۲/۱۶۹)۔

موسوعہ فقہیہ میں ہے:

''ذهب الجمهور (الحنفية والمالكية وهو رواية عن احمد وقول الثوري والأوزاعي) إلى أن الذهب والفضة يضم أحد هما إلى الآخرى في تكميل النصاب'' (موسوعہ فقہیہ ۲۳/ ۲۶۷)۔

جمہور علماء حنفیہ، مالکیہ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد اور سفیان ثوری اور امام اوزاعی ــــــ اس بات کے قائل ہیں کہ تکمیل نصاب میں سونا اور چاندی کو ایک دوسرے کے ساتھ ملایا جائے گا۔

سیدنا امام شافعیؒ کے نزدیک سونا اور چاندی کو دوسرے کے ساتھ ملا کر زکوۃ واجب قرار

نہیں دی جائے گی۔

علامہ نووی لکھتے ہیں:

''مذھبنا : أنه لايكمل نصاب الدراهم بالذهب ولاعكسه ''(مجموع شرح المہذب ۶/۱۶)۔

ہمارا مذہب یہ ہے کہ چاندی کا نصاب سونا کے ذریعہ اور سونا کا نصاب چاندی کے ذریعہ مکمل نہیں کیا جائے گا۔

البتہ ضم قیمت کے اعتبار سے ہوگا یا اجزاء کے اعتبار سے اس میں ضم کے قائلین کے درمیان اختلاف ہے۔

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک ضم قیمت کے اعتبار سے ہوگا۔

سیدنا امام مالک، سیدنا امام احمد بن حنبل، سیدنا امام ابو یوسف اور سیدنا امام محمدؒ کے نزدیک ضم اجزاء کے اعتبار سے ہوگا (المغنی ۲/ ۵۹۸، بدائع الصنائع ۲/ ۲۸، حاشیہ ابن عابدین ۳/ ۲۱۵، فتح القدیر ۲/ ۱۶۹)۔

فی زمانہ سونا اور چاندی کی قیمت میں غیر معمولی فرق اور انفع للفقیر کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے سیدنا امام مالک، سیدنا امام احمد بن حنبل، سیدنا امام ابو یوسف اور سیدنا امام محمدؒ کے قول کو اختیار کرنا زیادہ مناسب اور زمانہ کے حالات سے ہم آہنگ معلوم ہوتا ہے۔

☆☆☆

سونے اور چاندی کا نصاب

مفتی محمد احتشام قاسمی ☆

اس عنوان کے تحت سوال (ا) کا پہلا جزئیہ یعنی ''اگر کسی شخص کے پاس مثلاً نقد رقم ہو جس سے نصاب کے بقدر چاندی تو خریدی جاسکتی ہے، لیکن نصاب کے بقدر سونا نہیں خریدا جاسکتا، تو ایسے شخص پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟'' تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ ایسے شخص پر زکوٰۃ واجب ہوگی، کیونکہ ثمنِ اصطلاحی اور مالِ تجارت پر باتفاق فقہاء زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، ثمن اصطلاحی اور مالِ تجارت پر زکوٰۃ کے واجب ہونے کے لیے فقہاء نے یہ پیمانہ مقرر فرمایا ہے:

''إذا بلغت قيمتها نصابا من الورق أو الذهب'' (ہدایہ)۔

(جبکہ اس کی قیمت چاندی یا سونے کے نصاب کو پہنچ جائے)۔

یعنی سونے یا چاندی میں سے کسی ایک کا نصاب اس سے خریدا جاسکتا ہو اور اس نقد رقم سے چاندی کا نصاب خریدا جاسکتا ہے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ فقہاء نے صاحب نصاب کے مقابلہ میں مستحقین زکوٰۃ فقراء کا لحاظ کرنے کو ضروری قرار دیا ہے اور فقراء کا لحاظ اسی میں ہے کہ اس رقم میں زکوٰۃ واجب ہو لہٰذا اس رقم میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

اور اسی سوال کا دوسرا جزئیہ کہ ''جو شخص چاندی کے نصاب کی قیمت کے بقدر نقد رقم، مال تجارت یا اموال زکوٰۃ کے علاوہ ضرورت کی چیزوں سے زائد کسی اور مال کا مالک ہو تو اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے یا حرام؟'' تو اس جزئیہ کا جواب بھی پہلے جزئیہ کے جواب سے بالکل واضح

☆ پھولاس اکبرپوری۔

ہوگیا کہ ایسے شخص کے لیے زکوۃ لینا حرام ہے، کیونکہ جس شخص پر زکوۃ واجب ہو، یا نصاب کی قیمت کے بقدر اموال زکوۃ علاوہ ضرورت کی چیزوں سے زائد کسی اور مال کا مالک ہو تو اس کے لیے زکوۃ لینا حرام ہے۔

۲- اگر کسی شخص کے پاس کچھ مقدار سونا اور کچھ مقدار چاندی ہو اور دونوں کا مجموعہ نصاب کے بقدر ہو تو اس میں ضم الاجزاء کے بجائے قیمت کا اعتبار ہوگا، اس کی وجہ وہی ہے جو سوال (۱) کے پہلے جزئیہ میں بیان کی گئی ہے کہ "صاحب نصاب کے مقابلہ میں مستحقین زکوۃ فقراء کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔" اور آج کے زمانہ میں فقراء کا لحاظ قیمت کا اعتبار کرنے میں ہی ہے، ضم الاجزاء میں نہیں ہے، بلکہ ضم الاجزاء میں مالک نصاب کا لحاظ کرنا ہے، فقراء کا نہیں، اس لیے موجودہ حالات میں صاحبینؒ کے قول "ضم الاجزاء" کو اختیار نہیں کیا جائے گا، بلکہ امام صاحبؒ کے قول "اعتبار قیمت" کو اختیار کیا جائے گا، جو کہ فقہ حنفی میں مفتیٰ بہ قول بھی ہے۔

☆☆☆

ضم نصاب اور مال تجارت کی تقویم کا مسئلہ

مولانا محمد روح اللہ قاسمی ☆

زکوۃ اسلام کا ایک اہم رکن ہے، یہ درحقیقت اسلام کے فطرت انسانی کے عین مطابق ہونے اور اسے مبنی برحق ہونے کی اہم دلیل ہے، اسلام نے جہاں دولت کے حصول کے لیے اصول مقرر کر کے ہر ماننے والے کو اس کا مکلف کیا کہ رزق حلال کا حصول تمہارے ذمہ ضروری ہے، تا کہ نفس انسانی اپنی ممکن حد تک کوشش و تگ و دو کرے، وہیں قرآن نے یہ بھی بتلادیا کہ رزق کی تقسیم ہم نے کر رکھی ہے، کسی کو کم یا کسی کو زیادہ ملنا ہماری حکمت و مصلحت پر مبنی ہے، اگر رزق کی تقسیم میں سب کے ساتھ یکسانیت برتی جاتی تو نظام کائنات کا چلنا دشوار ہو جاتا۔

﴿نحن قسمنا بينهم معيشتهم في الحياة الدنيا و رفعنا بعضهم فوق بعض درجات ليتخذ بعضهم بعضا سخريا﴾ (الآية)۔

دولت کی تقسیم میں اس فرق مراتب کے ساتھ دولت والوں کو قرآن نے یہ ذمہ داری بھی دی کہ اس دولت میں سب کا سب تمہارا ہی حصہ نہیں ہے، بلکہ ضروری ہے کہ اس کا ایک متعین حصہ غرباء و مساکین پر تقسیم کیا جائے، جہاں تک نصاب کا تعلق ہے تو شریعت نے نصاب کی تعیین کے وقت یہ نہیں دیکھا ہے کہ ایک نصاب کا دوسرے نصاب سے صحیح موازنہ ہو رہا ہے یا نہیں، سونے اور چاندی کے نصاب کی تعیین میں بھی یہی حال ہے، اگرچہ دور نبویؐ اور اس کے بہت بعد تک دونوں کی مالیت تقریباً یکساں رہی ہے، مگر ہر ایک کا نصاب مستقل ہے، اس کی تعیین

☆ خادم افتاء و التدریس، مدرسہ فلاح المسلمین، گوا پوکھر، بھوارہ، مدھوبنی۔

میں ایک دوسرے سے موازنہ نہیں کیا گیا ہے، بعض نصاب میں تو بہت کھلا فرق تھا، پھر بھی اس کی ضرورت نہیں سمجھی گئی کہ دو نصاب کے اس کھلے فرق کو ذرا کم کر دیا جائے۔ روایات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بکری کا ایک نصاب چاندی کے دو نصاب کے برابر تھا، بخاری کے حوالہ سے مشکوٰۃ کے الفاظ ہیں:

"یعطیه المصدق عشرین درهما أو شاتین و یعطی شاتین أو عشرین درهما"۔

دو بکری کا موازنہ بیس درہم سے کیا گیا ہے، اس طرح چالیس بکری برابر چار سو درہم ہوتے ہیں، اگر تعیین نصاب میں موازنہ کا ذرا بھی خیال رکھا گیا ہوتا تو کم از کم دوگنا کا فرق دو نصاب میں بہر حال نہیں ہوتا۔ اس لیے سونا اور چاندی دو مستقل نصاب ہیں، اس کی مالیت یکساں ہو، یا زمین و آسمان کا فرق ہو۔

لہٰذا اگر کسی کے پاس کوئی ایک نصاب مکمل موجود ہو تو فرضیت زکوٰۃ میں کوئی شبہ نہیں ہے، لیکن اگر دونوں نصاب نامکمل ہے تو پھر ضم نصاب کا مسئلہ آئے گا کہ دونوں کو آپس میں ملا دیا جائے اور امام صاحبؒ کے قول کے مطابق جو کہ مفتیٰ بہ بھی ہے یہ دیکھا جائے گا کہ دونوں نصاب کی قیمت کسی ایک نصاب کے مساوی ہے یا نہیں، چاہے وہ سونا ہو یا چاندی، اگر دونوں کا مجموعہ کسی ایک نصاب کو پہنچ جاتا ہے تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ موجودہ دور میں چاندی کی قیمت کم ہے، اس لیے بہر کیف پہلے یہ قیمت چاندی کے نصاب تک ہی پہنچ سکے گی۔

"لو کان بالتقویم بأحدهما یتم النصاب و بالآخر لا، فإنه یقوم بما یتم به النصاب نظرا للفقراء و احتیاطا" (بدائع الصنائع)۔

اور اگر کسی کے پاس صرف سونا ہے جو کہ نصاب سے کم ہے یا صرف چاندی ہے اور ملانے کے لیے کوئی دوسرا نصاب نہیں ہے تو واضح ہے کہ اس پر زکوٰۃ نہیں ہے، بھلے ہی اس منفرد نصاب کی قیمت کسی ایک نصاب کو پہنچ جائے۔

''و أجمعوا على أنه لا تعتبر القيمة في الذهب و الفضة عند الإنفراد في حق تكميل النصاب''(بدائع الصنائع: ۲/ ۱۰۷)۔

بعینہ یہی صورت حال نقد روپے یا سامان تجارت کے پیمانہ کے سلسلے میں ہے، یعنی اس کی مالیت جس نصاب کو پہنچے گی، وہی معتبر ہوگا، اور موجودہ دور میں وہ چاندی ہے۔

''و لو بلغ بأحدهما نصابا دون الاٰخر تعين ما يبلغ به'' (شامی)۔

ان دونوں مسئلوں میں یعنی ضم نصاب میں صاحبینؒ کے قول کو اختیار کیا جائے یا نہیں؟ اور نقد و سامان تجارت کی قیمت موجودہ دور میں سونے سے لگائی جائے یا نہیں؟ ان دونوں مسئلوں پر غور کرنے سے پہلے ہمیں خود سونا اور چاندی کی حیثیت پر غور کرنا چاہیے۔

سونا اور چاندی اگر چہ شرعاً دو مستقل مال ہیں، جن کا نصاب شرعاً متعین ہے اور کوئی ایک دوسرے کے تابع نہیں ہے، لیکن غور کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں میں مرکزی حیثیت چاندی کو ہی حاصل ہے، جس کے درج ذیل وجوہ ہیں:

قرآن کریم کی آیت ﴿و الذين يكنزون الذهب و الفضة و لا ينفقونها في سبيل الله﴾ کے تحت حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ تفسیر مظہری کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ ذھب و فضہ کے تذکرہ کے بعد ضمیر مؤنث کا استعمال جو فضہ کی طرف لوٹ رہی ہے، اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ جب کسی کے پاس سونا اور چاندی تھوڑا تھوڑا موجود ہو تو اعتبار چاندی کا کیا جائے گا، سونے کی قیمت بھی چاندی کے حساب سے لگا کر زکوۃ ادا کی جائے گی (معارف القرآن)۔

چاندی کے نصاب کا ثبوت صحیح اور مضبوط احادیث سے ملتا ہے، جبکہ سونے کے نصاب کے سلسلے میں احادیث متکلم فیہ ہیں (تفصیل: اعلاء السنن)۔

چاندی کا نصاب متفق علیہ ہے، جبکہ سونے کے نصاب میں علماء کا اختلاف رہا ہے (بدایۃ المجتہد)۔

یہ بھی روایات سے سمجھ میں آتا ہے کہ چاندی کا رواج سونے سے زیادہ تھا۔

ان وجوہ کی بنیاد پر فوقیت بہر کیف چاندی کو ملتی ہے، جب یہ بات ہے تو سامان تجارت وغیرہ کی قیمت چاندی سے ہی لگائی جائے گی، خصوصاً جبکہ وہ فقہاء کے بیان کردہ قاعدہ کے موافق بھی ہے۔

اس طرح ضم نصاب کے مسئلہ میں اگر امام صاحبؒ کی بات مان لی جائے، جو کہ مفتیٰ بہ بھی ہے، تو مسئلہ بالکل واضح ہے کہ کم سے کم مقدار میں بھی چاندی کا نصاب بن جائے گا اور صاحبینؒ کی رائے پر عمل کرنے میں جہاں یہ لازم آتا ہے کہ دلیل قوی کے بغیر قول مرجوع کو ترجیح دی گئی، وہیں ''أنفع للفقراء'' کی رعایت اور عبادت میں احتیاط ان دو اصولوں کی خلاف ورزی لازم آئے گی، کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوگا کہ دو نصاب کی موجودہ مالیت چاندی کے کئی نصاب کو پار کر جائے، مگر اجزاء کی تکمیل نہ ہونے سے زکوٰۃ کی فرضیت نہ ہو سکے، اس سے حریص نفس کو مال جمع کرنے کا اور بہانہ ہاتھ آئے گا جو کہ شرعاً محمود نہیں ہے۔

☆☆☆

سونے اور چاندی کا نصاب

قاضی محمد کامل قاسمی ☆

۱- الف-اگر کسی شخص کے پاس نقد روپے یا سامان تجارت ہو تو اسے اختیار رہے کہ زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے پیمانہ چاہے سونے کے نصاب کو بنائے یا چاندی کے نصاب کو، لیکن یہ اختیار مطلق نہیں ہے کہ جب چاہے سونے کے نصاب کو پیمانہ بنالے اور جب چاہے چاندی کے نصاب کو پیمانہ بنالے، بلکہ یہ اختیار صرف اس صورت میں ہے، جبکہ سونے کے نصاب اور چاندی کے نصاب کی قیمت بالکل برابر ہو اور اگر دونوں کے نصاب کی قیمت میں تفاوت ہو اور نقد روپے یا سامان تجارت اتنا ہے کہ وہ سونے یا چاندی میں سے کسی ایک کے نصاب کے برابر تو ہو جاتا ہے، لیکن دوسرے کے نصاب کے برابر نہیں ہوتا ہے تو پھر زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے اس نصاب کو پیمانہ بنایا جائے گا جس کے برابر نقد روپے اور سامان تجارت ہو رہا ہے، لہٰذا اگر کسی شخص کے پاس اتنی نقد رقم ہو جس سے نصاب کے بقدر چاندی تو خریدی جاسکتی ہے، لیکن سونا نہیں خریدا جاسکتا تو ایسا آدمی چاندی کے نصاب کو پیمانہ بنائے گا اور اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

درمختار اور شامی کی درج ذیل عبارت میں اس مسئلہ کو بیان کیا گیا ہے:

”و في عرض تجارة قيمته نصاب من ذهب أو ورق مقوما بأحدهما إن استويا، و لو بلغ بأحدهما نصابا دون الأخر تعين ما يبلغ به“ (الدرالمختار ۲/۳۰، ۳۱)۔

”قوله من ذهب أو ورق أشارب أو إلى أنه مخير إن شاء قومها بالفضة

☆ دارالقضاء جنوبی دہلی۔

و إن شاء بالذهب؛ لأن الثمنين في تقدير قيم الأشياء بهما سواء۔ بحر۔ لكن التخيير ليس على إطلاقه كما يأتي" (الشامی ۲/۳۱)۔

ب-جس شخص کے پاس نقد رقم یا مال تجارت یا اس کی حاجت اصلیہ سے زائد سامان اتنا ہو کہ وہ چاندی کے نصاب کے برابر ہو جاتا ہے، لیکن سونے کے نصاب کے برابر نہیں ہوتا ہے تو اس کے لئے زکوۃ لینا حرام ہے، جیسا کہ "درمختار" میں لکھا ہے:

"(و)لا إلى (غنى) يملك قدرنصاب فارغ عن حاجته الأصلية من مال كان، كمن له نصاب صائمة لا تساوى مائتى درهم كما جزم فى البحر" (درمختار ۲/۶۵، ۶۴)۔

"فارغ عن حاجته" کے تحت شامی میں لکھا ہے کہ: "فإن كان له فضل عن ذلك تبلغ قيمته مائتى درهم حرم عليه أخذ الصدقة" (شامی ۲/۶۴)۔

۲- دارالعلوم دیوبند سے امام ابوحنیفہؒ کے قول (قیمت کا اعتبار کرنے) پر فتوی دیا جاتا ہے، لہذا امام صاحب کے قول کو ہی اس صورت میں اختیار کیا جائے، صاحبین رحمہا اللہ کے قول کو اختیار نہ کیا جائے، "فتاوی دارالعلوم دیوبند" میں درج سوال و جواب درج ذیل ہے:

سوال: ایک عورت کے پاس کچھ زیور چاندی کا ہے اور کچھ سونے کا، مگر دونوں نصاب سے کم ہیں دونوں کو ملانے سے نصاب پورا ہوتا ہے، تو زکوۃ دینی ہوگی یا نہیں؟

جواب: اس صورت میں قیمت کا حساب لگا کر زکوۃ واجب ہوگی، مثلاً سونے کو چاندی کی قیمت میں کر کے کل مجموعہ کو دیکھا جائے گا، اگر نصاب چاندی کا پورا ہو گیا تو زکوۃ لازم ہوگی (فتاوی دارالعلوم دیوبند ۶/ ۱۲۳)۔

☆☆☆

شریعت میں سونا اور چاندی کا منصوص نصاب

مفتی شاہد علی قاسمی ☆

۱- سونے اور چاندی کا نصاب منصوص ہے، جو شخص بیس دینار یعنی ۸۷ ۴۷۹ گرام سونا یا دوسو درہم، یعنی ۶۱۲ ۳۵ گرام چاندی کا مالک ہو اور وہ ضرورت سے زائد ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”فإذا کانت لک مائتا درھم و حال علیھا الحول ففیھا خمسة دراھم، و لیس علیک شيء یعني في الذھب حتی تکون لک عشرون دینارا، فإذا کانت لک عشرون دینارا و حال علیھا الحول ففیھا نصف دینار“ (ابوداؤد، حدیث: ۱۵۷۳)۔

نیز جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ اگر کسی کے پاس سامان تجارت کی مالیت سونا یا چاندی میں سے کسی ایک کے نصاب کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ واجب ہوجائے گی (الدر المختار علی ھامش الرد ۳۱/۲)۔

اور مسلک شوافع کو واضح کرتے ہوئے عصر حاضر کے محقق دکتور مصطفی اور دکتور مصطفی ”البغا الفقہ المنہجی“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”فإذا بلغت (العروض) نصاب الذھب أو الفضة وجبت فیھا الزکاة بنسبة اثنین و نصف في المأة“ (الفقہ المنہجی ۳۰۵/۱)۔

☆ استاذ المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد۔

اورعلامہ کاسانیؒ جمہور فقہاء کا مسلک تحریر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"أما الأموال التجارة فتقدير النصاب فيها بقيمتها من الدنانير و المراهم فلاشيء فيها ما لم تبلغ قيمتها مائتی درهم أو عشرين مثقالا من ذهب، فتجب فيها الزكاة، و هذا قول عامة العلماء" (بدائع الصنائع ۲/ ۱۰۹)۔

پس جمہور فقہاء کی رائے سے عدول مناسب معلوم نہیں ہوتا ہے، لہٰذا راقم الحروف کے نزدیک اگر کسی شخص کے پاس نقد روپیے یا سامان تجارت کی مالیت یا دونوں ملا کر چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی، گویا فی زمانہ "أنفع للفقراء" کے پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے چاندی ہی کو معیار بنایا جائے گا۔

اسی سے دوسرا مسئلہ بھی جڑا ہوا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس حاجت اصلیہ کے علاوہ کوئی بھی سامان خواہ نامی ہو جیسے سامان تجارت یا غیر نامی جیسے کپڑے، برتن، یا نقد رقم ہو جو چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے تو اس پر صدقۂ فطر واجب ہے اور زکوٰۃ لینا حرام قرار پاتا ہے۔

"هو ما ذكره الكرخي في مختصره: فقال: لا بأس أن يعطي من الزكاة من له سكن و ما يتأنث به في منزله و خادم و فرس و سلاح و ثياب البدن و كتب العلم إن كان من أهله، فإن كان له فضل عن ذلك تبلغ قيمته مائتي درهم، حرم عليه أخذ الصدقة" (ردالمحتار ۲/ ۶۴، ط: نعمانیہ، دیوبند)۔

اس لیے اس مسئلہ میں بھی راقم الحروف کے نزدیک ایسے شخص کے لیے زکوٰۃ لینا جائز نہ ہوگا جس کے پاس ضرورت سے زائد کوئی بھی مال ہو جو چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے۔

۲- اگر سونا اور چاندی دونوں نصاب سے کم ہو تو نصاب کی تکمیل کے لیے ایک کو دوسرے سے ملایا جائے گا اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قیمت کے اعتبار سے ضم کیا جائے گا، یہی قول مفتیٰ بہ ہے، جیسا کہ عام متون کی کتابوں میں صرف امام صاحبؒ کے قول کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا ہے، علامہ تمرتاشیؒ فرماتے ہیں:

”و (یضم) الذهب إلی الفضة قیمة“ (تنویر الأبصار مع الدر و الرد ۲/ ۳۴)۔

البتہ اس کے ذیل میں علامہ حصکفیؒ نے صاحبینؒ کا قول ذکر کیا ہے، چنانچہ ان کے الفاظ ہیں:

”و قالا: بالأجزاء“

نیز علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

”فمن له مأة درهم و خمسة مثاقیل قیمتها مأة، علیه زکاتها، خلافا لهما“ (الدر المختار و رد المحتار ۲/ ۳۴)۔

گو اس مسئلہ میں امام صاحبؒ کا قول راجح ہے، تاہم صاحبینؒ کی رائے بھی بلا دلیل نہیں ہے، بلکہ قرین قیاس ہے۔

جیسا کہ اگر سونا چاندی میں کسی ایک کا نصاب ہو اور دوسرا نصاب سے کم ہو، پھر کم والے کو نصاب والے سے قیمت کے اعتبار سے ضم نہیں کیا جائے گا، بلکہ جس کا نصاب مکمل ہے اس کی زکوٰۃ نکالی جائے گی اور جس کا نصاب ناقص ہے اس کی زکوٰۃ نہیں نکالی جائے گی، اسی طرح جب دونوں کا نصاب مکمل ہو تو ایک دوسرے کو ضم کرنے کی ضرورت نہیں ہے، علامہ شامیؒ رقمطراز ہیں:

”أما عند انفراد أحدهما فلا تعتبر القیمة .... اجماعا؛ لأن المعتبر وزنه اداء و وجوبا ....فلو کان کل منهما نصابا تاما بدون زیادة لا یجب الضم“ (رد المحتار ۲/ ۳۴)۔

گویا سونا اور چاندی میں وزن کی زیادہ اہمیت ہے، خواہ قیمت کچھ بھی ہو، اس لیے جب دونوں نقود کا وزن نصاب سے کم ہو تو ضم کے مسئلہ میں بھی وزن کا اعتبار ہونا چاہیے۔

اس لیے راقم الحروف کے نزدیک اس مسئلہ میں صاحبینؒ کا قول راجح ہے، خصوصاً اس پس منظر میں کہ امام صاحبؒ کا قول اختیار کرنے میں فی زمانہ بڑی مشقت ہے، کیونکہ اگر کسی کے پاس ایک تولہ چاندی کے ساتھ ایک تولہ بھی سونا ہو تو امام صاحبؒ کے قول کے مطابق اس پر زکوٰۃ

فرض ہو جائے گی، حالانکہ ایک تولہ چاندی، چاندی کے نصاب کا مکمل دو فیصد بھی نہیں ہے اور ایک تولہ سونا، سونے کے نصاب کا بارہ تیرہ فیصد ہے، گویا ایک تولہ سونا اور ایک تولہ چاندی وزن کے اعتبار سے مجموعی طور پر نصاب کا پندرہ فیصد بھی نہیں ہے، پھر بھی امام صاحبؒ کے قول کے مطابق زکوٰۃ فرض ہو جا رہی ہے، اس لیے صاحبینؒ کا قول اختیار کرنے میں امت کے لیے بھی سہولت ہے۔

☆☆☆

سونے اور چاندی کا ناقص نصاب

مولانا نیاز احمد بنارسی ☆

شریعت میں زکوٰۃ ایک اہم ترین فریضہ ہے جس کا بنیادی مقصد فقراء و مساکین کی ضرورتوں کی تکمیل ہے اور یہ زکوٰۃ ملت اسلامیہ میں مال کی ایک ایسی تقسیم ہے جس کا مقصد مال کا کسی ایک جگہ منجمد ہونے سے روکنا اور دیگر ملت کے افراد بالخصوص غرباء و مساکین کے درمیان اسے تقسیم کردینا ہے، تاکہ تمام مسلمانوں کی ضرورتیں پوری ہوں اور سماج میں اعتدال اور خوش گواری کا ماحول قائم رہ سکے، مزید اس فریضہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مسلمان کے دلوں سے مال کی محبت نکال کر اس کا تزکیہ چاہتا ہے، تاکہ اس کی توجہ اللہ کی طرف مبذول ہوجائے اور اللہ سے اس کا رشتہ مضبوط و مستحکم ہوجائے۔

ان اہم ترین مقاصد کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ نے تقسیم مال کا ایک ایسا پیمانہ معیار اپنے حبیب جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے توسط سے ملت اسلامیہ کو عطا کیا جو فقر و غنی کے فرق کو واضح کردیتا ہے، اس پیمانہ میں اس بات کو ملحوظ رکھا گیا ہے کہ غنی ہونے کے لیے کم از کم اس کے پاس اس قدر مال اس کی ضروریات سے فاضل ہو جو کسی متوسط یا چھوٹے کنبہ کے لیے ایک سال کی مدت کے دوران کے اخراجات کے لیے وہ کافی ہو، اس قدر مال کا تعین شریعت نے پانچ اوقیہ چاندی (دو سو درہم) اور بیس مثقال سونا سے کیا ہے اور یہ پیمانہ معیار منصوص ہے، جبکہ یہ اصول مسلم ہے کہ منصوص احکامات میں قیاس یا حالات و زمانہ کی رعایت کا دخل نہیں ہوتا، ان تمام حالات کے تناظر میں فقہاء کرام نے اتحاد نظر سے اس صورت میں جبکہ سونا اور چاندی کا نصاب

☆ مفتی جامعہ مظہر العلوم بنارس۔

ناقص ہوتا ہے تو ضم اور جمع کی صورت اختیار کی ہے امام ابو حنیفہؒ قیمت کا اعتبار کرتے ہیں اور صاحبینؒ اجزاء و وزن کا اعتبار کرتے ہیں۔

"ثم اختلفوا في كيفية الضم، فقال أبو حنيفة: يضم أحدهما إلى الآخر باعتبار القيمة، و قال أبو يوسف و محمد: باعتبار الأجزاء، و هو إحدى الروايتين عن أبي حنيفة" (المبسوط للسرخسي ۲/۱۹۲)۔

"و الحاصل أنهما يعتبر أن الوزن حالة الاجتماع و أبو حنيفة اعتبر القيمة حالة الاجتماع" (محیط البرہانی ۲/۳۸۴)۔

یعنی جب سونے اور چاندی میں کوئی بھی نصاب کامل نہ ہو تو دونوں ناقص نصاب کی قیمت موجودہ نرخ سے اندازہ لگا کر یہ دیکھا جائے گا کہ یہ قیمت کسی ایک نصاب کے بقدر ہوئی یا نہیں تو اگر یہ قیمت چاندی کے نصاب کے بقدر ہوگئی اور سونے کے نصاب کے بقدر نہیں ہوئی تو اس صورت میں فقراء و مساکین کی منفعت کے پیش نظر چاندی کے نصاب کا اعتبار کیا جائے گا، سونے کے نصاب کا اعتبار نہ ہوگا۔

"ألا ترى أنه لو كان بتقويم بأحد النقدين يتم النصاب، و بالأجزاء لا يتم، فإنه يقوم بما يتم به النصاب لمنفعة الفقراء" (المبسوط للسرخسی ۲/۱۹۱)۔

اس صورت میں تمام ائمہ احناف متفق ہیں، اور اگر موجودہ دور میں سونے اور چاندی کی قیمت میں زیادہ فرق ہوجانے کے سبب صرف سونے کے نصاب کا اعتبار کیا جائے تو یہ درست نہیں اور اگر صاحبینؒ کے قول، یعنی وزن کا اعتبار کیا جائے قیمت معتبر نہ ہو تو یہ فائدہ تو ضرور ہوگا کہ ایسے بہت افراد ہوں گے جو ادائیگی زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوں گے جن کے پاس مال ناقص نصاب ہونے کے سبب حد نصاب کو نہیں پہنچا، لیکن اس کے ساتھ ضرر کا یہ پہلو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ مقاصد شریعت کے خلاف فقراء و مساکین اس صورت میں نفع سے محروم ہوجائیں گے اور وہ افراد جن کے پاس ناقص نصاب موجود ہے، خواہ وہ کمی معمولی کیوں نہ ہو وہ مستحق زکوٰۃ متصور

ہوں گے، جبکہ ان کے پاس ناقص نصاب ہی اس قدر سرمایہ موجود ہے جو چاندی کے نصاب سے وہ غنی ہے اور اس کو حاجت مند نہیں کہا جاسکتا۔ بالآخر جواز کی صورت میں زکوٰۃ کی رقم غیر مستحقین تک پہونچنا شروع ہو جائے گی اور مال کی محبت دلوں میں مزید جگہ بنا لے گی تو یہ بات منشاء شریعت کے خلاف اور فقراء ومساکین کے لیے باعث ضرر ہوگی اور اسلامی سماج میں اعتدال کی کیفیت مجروح ہوگی۔

اسی طرح ''المنتقی ''میں جو روایت امام ابو یوسفؒ کی منقول ہے کہ ضم اور جمع کی صورت میں جانبین سے قیمت کا موازنہ کیا جائے گا، اس طور پر کہ چاندی کا موازنہ دینار سے بلحاظ قیمت کیا جائے اور اسی طرح دینار کا موازنہ درہم سے بلحاظ قیمت کیا جائے تو ہر ایک صورت میں قیمت حد نصاب کو پہونچ جائے تو اس صورت میں وجوب زکوٰۃ کا حکم جاری نہ ہوگا، یہی امام ابو حنیفہؒ کا پہلا قول ہے۔

''في المنتقی عن أبي یوسف رجل عنده عشرة دنانیر و مأة درهم إن صرف الدینار إلی الفضة فقومها دراهم کان له مائتا درهم و زیادة و إن أضاف الفضة إلی المنانیر فقومها دنانیر کان له أقل من عشرین دنانیر فلا زکاة حتی یکون أي مأة أضاف إلی الأخری وجب فیها الزکاة و هو قول أبي حنیفة أولا''

(محیط البرھانی ۲/ ۳۸۵)۔

تو اس صورت میں بھی یہی دشواریاں پیش آئیں گی جو منشاء شریعت کے خلاف ہے، مزید یہ کہ صاحبینؒ کے قول کو ترجیح دینے میں یہ اشتباہ ممکن ہے کہ کہیں ہم مسلمان زکوٰۃ کو اپنے ذمہ سے ساقط کرنے یا اس میں کمی کر دینے کے حیلہ کرنے والوں میں تو شمار نہیں ہو رہے ہیں، جیسا کہ قرآن حکیم میں سورہ قلم میں ان بھائیوں کا ذکر فرمایا ہے جنہوں نے صدقہ وخیرات سے انحراف کی خاطر اپنے باغ سے فقراء ومساکین کے آنے کے وقت سے پہلے پھلوں کو توڑنا چاہا، تاکہ ان کا مال ان کے پاس ہی رہ جائے، فقراء اور مساکین کے پاس نہ پہنچے تو اللہ نے ان کے

مال کو وقت سے پہلے تباہ کر دیا۔

مذکورہ تمام تنقیحات کے بعد میرا نظریہ یہ ہے کہ زکوۃ سے متعلق مقاصد شریعت اور منفعت فقراء و مساکین ،نیز اسلامی معاشرہ اور سماج کے اندر راہ اعتدال اور تقسیم اموال کے توازن کو برقرار رکھنے کے تناظر میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کے قول پر عمل کیا جانا بہتر اور عین شریعت ہوگا۔

☆☆☆

نصاب زکوۃ کی بحث اور عصری تقاضہ

مفتی محمد جعفر ملی رحمانی ☆

۱- سونا اور چاندی دونوں کا نصاب منصوص ہے، مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ چاندی کے نصاب سے متعلق نصوص زیادہ ہیں اور وہ قوت میں بھی فائق ہیں، یہی وجہ ہے کہ چاندی کا نصاب متفق علیہ ہے، جبکہ سونے کے نصاب کی بابت کچھ اختلاف رہا ہے، بلکہ مشہور تابعی حضرت عطاءؒ کا بیان تو یہ ہے کہ عہد نبوت میں چاندی ہی زیادہ رائج تھی، یعنی دراہم نہ کہ دینار۔

''ما في ''فقه الزكاة'': و أما النقود الذهبية (الدنانير) فلم يجيء في نصابها أحاديث في قوة أحاديث الفضة و شهرتها، و لذا لم يظفر نصاب الذهب بالإجماع كالفضة، غير أن الجمهور الأكبر من الفقهاء ذهبوا إلى أن نصابه عشرون دينارا، و روي عن الحسن البصري: أن نصابه أربعون دينارا، و روي عنه مثل قول الأكثرين، و نصاب الذهب معتبر في نفسه و خالف في ذلک طاؤس فاعتبر في نصابه التقويم بالفضة، فما بلغ منه ما يقوم بمائتي درهم وجبت فيه الزكاة، و حكي مثله عن عطاء و الزهري و سليمان بن حرب و أيوب السختياني'' (فقہ الزکاۃ ۱/۲۷۷، زکاۃ الذہب والفضۃ)۔

اس لیے احقر کے نزدیک موجودہ دور میں وجوب زکوۃ اور حرمت زکوۃ کے لیے چاندی کے نصاب کو پیمانہ بنانا چاہیے، کیونکہ یہ ''أنفع للفقراء'' واحوط للاغنیاء ہے۔ نیز اس میں

☆ دارالافتاء جامعہ اشاعت العلوم، اکل کوا، نندوربار، مہاراشٹر۔

شرعاً کوئی مضائقہ بھی نہیں، کیونکہ اگر کسی شخص کے پاس چاندی کا پورا نصاب موجود ہو تو اس کے حق میں یہی نصاب، نصاب موجب زکوٰۃ و محرم زکوٰۃ ہوگا اور کسی کے پاس سونے کا پورا نصاب موجود ہو تو اس کے حق میں سونے کا نصاب ہی نصاب موجب زکوٰۃ و محرم زکوٰۃ ہوگا۔

البتہ کسی کے پاس یہ دونوں نصاب موجود نہ ہوں، بلکہ نقود یا اموال تجارت ہوں تو وجوب زکوٰۃ و حرمت زکوٰۃ کے لیے چاندی کے نصاب کو پیمانہ بنایا جائے، کیونکہ یہ فقراء کے لیے انفع اور اغنیاء کے لیے احوط ہوگا۔

"ما في "الدر المختار مع رد المحتار": و لو بلغ بأحدهما نصابا و خمسا و بالآخر أقل، قومه بالأنفع للفقير" (الدر المختار ۳/۲۲۹، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال)۔

"و ما في "الفقه الإسلامي و أدلته": و يرى كثير من العلماء العصر أن النقود تقدر بسعر الفضة احتياطا لمصلحة الفقراء، و لأن ذلک أنفع لهم، و أرى الأخذ بهذا الرأي؛ لأنه يفتى بما هو أنفع للفقراء" (الفقہ الإسلامی ۳/۱۸۲۱، کتاب الزکاۃ، المبحث الخامس: المطلب الأول: زکاۃ النقود)۔

۲- اگر کسی شخص کے پاس کچھ مقدار سونا اور کچھ مقدار چاندی ہو اور ان دونوں کا مجموعہ نصاب کے بقدر ہو جاتا ہو تو زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے، البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس میں قیمت کا اعتبار ہے، یعنی کسی کے پاس کچھ چاندی اور کچھ سونا ہو اور ان دونوں کی مجموعی قیمت چاندی کے نصاب کے برابر ہو جاتی ہے تو موجودہ قیمت کے لحاظ سے امام صاحبؒ کے یہاں زکوٰۃ واجب ہو جائے گی، جبکہ صاحبینؒ ضم الاجزاء کے قائل ہیں، یعنی سونے اور چاندی میں سے ایک کی مقدار اس کے نصاب کے ایک تناسب کو پورا کرتی ہو اور دوسرے کی مقدار اس کے نصاب کے بقیہ تناسب کو پورا کر دیتی ہے، مثلاً سونا اس کے نصاب کا ایک چوتھائی ہے اور چاندی اس کے نصاب کا تین چوتھائی، تو صاحبینؒ کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہوگی۔

"ما في "المبسوط للسرخسي": ثم اختلفوا في كيفية الضم، فقال أبو حنيفة: يضم أحدهما إلى الاٰخر باعتبار القيمة، وقال أبو يوسف و محمد: باعتبار الأجزاء" (المبسوط للسرخسي ۲/ ۵۹ ۲، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال، ط: دار الکتب العلمیۃ، بیروت)۔

اس سلسلہ میں امام صاحبؒ کا قول ہی معتبر ہونا چاہیے، کیونکہ وہ "أنفع للفقراء" و احوط للاغنیاء ہے، اور افتاء کا ضابطہ بھی یہی ہے کہ جب کسی مسئلہ میں امام صاحبؒ اور ان کے تلامذہ دونوں کے اقوال موجود ہوں تو امام صاحبؒ کا قول ہی مختار ہوتا ہے۔

"ما في "عقود رسم المفتي": و أما إذا خالفاه و اتفقا على جواب واحد، حتى صار هو في جانب، و هما في جانب، فقيل: ترجح قوله أيضا، و هذا قول الإمام عبد الله بن المبارك، و قيل: يتخير المفتي، و قول السراجية: و الأول أصح، إذا لم يكن المفتي مجتهدا" (عقود رسم المفتي ۴/ ۱۲، الفتوی علی قول الإمام ثم ثم، ط: مکتبۃ زکریا، دیوبند)۔

موجودہ حالات ضم نصاب:

کیا ضم نصاب کے مسئلہ میں صاحبینؒ کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے؟"

وجہ یہ ہے کہ امام صاحب "ضم أجزاء نصاب إلى أجزاء نصاب اٰخر من حيث القيمة" کے قائل ہیں اور صاحبینؒ "ضم أجزاء نصاب إلى أجزاء نصاب اٰخر من حيث الأجزاء" کے قائل ہیں اور کسی بھی شئے کا ضم، شئے آخر کے وجود کا متقاضی ہے، جبکہ صورت مفروضہ یہ بیان کی جارہی ہے کہ کسی کے پاس صرف سات تولہ سونا ہو تو اس کا ضم نہ تو قیمتاً ممکن ہے اور نہ اجزاءً، تو وجوب زکوٰۃ میں صاحبینؒ کے قول کو کس طرح سے اختیار کیا جاسکتا ہے؟۔

خلاصہ جوابات:

۱- اگر کسی کے پاس سونا یا چاندی دونوں میں سے کوئی بھی نصاب موجود نہ ہو، بلکہ نقود یا

اموال تجارت ہوں تو وجوبِ زکوٰۃ و حرمت زکوٰۃ کے لیے چاندی کے نصاب کو پیمانہ بنایا جائے گا، یعنی جس کے پاس نقود یا اموال تجارت ہوں اور ان کی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی کو پہنچ جاتی ہو تو ایسے شخص پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور زکوٰۃ لینا درست نہیں ہوگا اور جس کے پاس یہ مقدار نہ ہو اس پر واجب نہیں ہوگی اور اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہوگا۔

۲- ضم نصاب کے مسئلہ میں امام صاحبؒ کا قول ہی معتبر ہونا چاہئے، کیونکہ وہ ''انفع للفقراء واحوط للاغنیاء'' ہے۔

☆☆☆

زکوۃ اور نصاب کا شرعی معیار

مفتی لطیف الرحمٰن ولایت علی☆

۱- یہ ایک بہت اہم بحث ہے کہ وجوب زکوۃ اور نصاب شرعی کا معیار چاندی کے ساتھ مخصوص مانا جائے یا سونے کے ساتھ۔ ویسے احادیث میں دونوں کے ساتھ منصوص ہونا معلوم ہوتا ہے، حضور علیہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"لیس فیما دون خمس أواق صدقة" (بخاری)۔

"و الأوقية أربعون درهما" (ہدایہ ۱/ ۱۹۴)۔

اسی طرح نصاب زکوۃ چاندی سے دوسو درہم ہوتا ہے اور سونے کے متعلق ارشاد نبوی ہے:

"لیس فیما دون عشرین مثقالا من ذهب صدقة" (مشکوۃ)۔

"نصب الرایۃ" میں بھی ایک اور حدیث سونے کے متعلق "دار قطنی" کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے (ہدایہ ۱/ ۱۹۴)۔

لیکن دو وجہ سے نصاب زکوۃ کو چاندی کے ساتھ منصوص مانا جائے گا اور اگر کسی کے پاس نقد روپے یا سامان تجارت ہو تو زکوۃ واجب ہونے میں پیمانہ چاندی کا نصاب ہوگا۔

۱- چاندی کا نصاب متفق علیہ ہے، اس کا ثبوت احادیث صحیحہ سے ہے۔ سونے کے متعلق امام شافعیؒ کا ارشاد ہے کہ مجھے اس سلسلہ میں کوئی صحیح حدیث نہیں ملی (اسلامی فقہ ۱/ ۴۲۵)۔

☆ دار الافتاء والارشاد، چوبا بھٹی مسجد، سانتا کروز، ممبئی (ویسٹ) ۵۴، مہاراشٹر۔

۲-چاندی کومعیار قرار دینے میں فقراء کا نفع زیادہ ہے، کیونکہ اگر زکوۃ کا معیار چاندی کو قرار دے تو مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی (فقہ الزکوۃ ۱/ ۲۶۳، بحوالہ جدید فقہی تحقیقات ۲/ ۱۷۹)۔

ہدایہ میں ہے:

"أكثر زكاة واجبة في عروض التجارة۔ .... يقومها بما هو أنفع للمساكين احتياطا لحق الفقراء"(ہدایہ ۱/ ۱۹۵، وهكذا في مجمع الأنهر ۱/ ۳۰۶، بدائع الصنائع ۱/ ۲۷، البحر الرائق ۲/ ۳۵۷)۔

لہٰذا اگر کسی شخص کے پاس اتنی نقد رقم ہو جس سے نصاب کے بقدر چاندی تو خریدی جاسکے لیکن نصاب کے بقدر سونا نہیں خریدا جاسکتا تو بھی ایسے شخص پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔

اسی طرح اگر کسی شخص کے پاس نقد رقم مال تجارت یا اموال زکوٰۃ کے علاوہ چاندی کے نصاب کی قیمت کا موجود ہو، گرچہ سونے کے نصاب کو یا اس کی قیمت کو نہیں پہنچتا تو اس کے لیے زکوٰۃ لینے کی اجازت نہیں ہوگی، یہ شخص شریعت کی نظر میں مالدار شمار کیا جائے گا۔

۲- ایک دوسرا اہم مسئلہ امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کے درمیان مختلف فیہ ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس کچھ مقدار سونے اور کچھ مقدار چاندی کی ہو اور دونوں کا مجموعہ نصاب کے بقدر ہو جاتا ہو تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی، لیکن اس بارے میں امام صاحبؒ کے نزدیک قیمت کا اعتبار ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک اجزاء کا اعتبار ہوگا۔ "فتاویٰ عالمگیری" میں ہے:

"و تضم قيمة العروض إلى الثمنين و الذهب إلى الفضة قيمة، .... و لو ضم أحد النصابين إلى الآخر، حتى يؤدي كله من الذهب أو من الفضة لا بأس به، لكن يجب أن يكون التقويم بما هو أنفع للفقراء قدرا أو رواجا، فيؤدي من كل واحد ربع عشرة" (فتاویٰ عالمگیری ۱/ ۱۷۹، وهكذا في بدائع الصنائع ۲/ ۳۲، البحر الرائق ۲/ ۳۶۲، ہدایہ ۱/ ۱۹۶)۔

لیکن کیا ہمارے اس زمانہ میں امام صاحبؒ کے قول کو چھوڑ کر صاحبینؒ کا قول اختیار کیا جاسکتا ہے؟ یہ ایک بہت اہم مسئلہ ہے۔

چند وجوہ سے بلاشبہ صاحبینؒ کا قول اختیار کیا جانا چاہیے، لیکن اس کے باوجود حضرت امام صاحبؒ کے قول کو اختیار کرنے میں جو سب سے بڑا فائدہ ہے، وہ ہے حضرتؒ کا قول: ''أنفع للفقراء'' اور باب عبادات میں احتیاط کے پیش نظر امام صاحبؒ ہی کا قول زیادہ احتیاط پر مبنی ہے اور سونے چاندی میں نصاب چاندی متفق علیہ ہے اور سونے کے نصاب میں اختلاف ہے، یہ دو وجہ ایسی ہے جس کی وجہ سے امام صاحبؒ کا قول جو آج تک مروج اور امت کا اس قول پر عمل ہے، اور پھر فقراء کا بھی نفع ہے، اس وجہ سے صاحبینؒ کے قول کو اختیار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

بیشک بدلتی ہوئی قدر کا تقاضا یہی ہے کہ صاحبینؒ کے قول کو اختیار کرلیا جائے، اس لیے کہ سونے اور چاندی کے قدر میں اس زمانہ میں جو تفاوت تھا وہ موجودہ زمانہ میں غیر معمولی حد تک بدل گیا ہے، اس زمانہ میں ۲۰ دینار سونا اپنی قدر اور قوت خرید کے لحاظ سے ٹھیک دوسو درہم کے مساوی تھا اور ایک دینار دس درہم کے برابر متصور ہوتا تھا (ہدایہ ۱/۱۷۵)۔

لیکن اب ساڑھے سات تولہ سونا اور ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت میں غیر معمولی فرق پیدا ہوگیا ہے اور سونے کے ایک نصاب میں چاندی کے کئی نصاب کا خریدا جانا ممکن ہوگیا ہے۔

دوسری ایک اہم بات یہ کہ سونا اور چاندی دونوں ہی ثمن ہیں، لیکن موجودہ معاشی نظام میں صرف سونا ہی معیار قرار دے دیا گیا ہے اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ایک روایت امام صاحبؒ سے ''ضم بالأجزاء'' کی بھی منقول ہے (بدائع ۲/۳۲)۔

اور صاحب ''ہدایہ'' نے بھی یہی بات نقل فرمائی ہے (ہدایہ ۱/۱۹۶)۔

لیکن ان تمام دلائل کے باوجود امام ابوحنیفہؒ کا قول احتیاط پر مبنی ہے اور فقراء کا نفع اسی میں ہے، اس لیے صاحبینؒ کے قول کو اختیار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

سونے اور چاندی کا نصاب

سید عبدالحفیظ حجاوی

۱- اسلامی نقطۂ نظر سے زکوٰۃ ایک مالی اور روحانی عبادت ہے جو زکوٰۃ ادا کرنے والے شخص اور اس کے مال سے متعلق ہوتی ہے، اور جب مال نصاب کو پہنچ جائے اور اس پر سال بھی گزر جائے تو اس مال پر زکوٰۃ واجب ہوجاتی ہے، اور جہاں تک سونے اور چاندی میں زکوٰۃ واجب ہونے کی بات ہے تو اس میں بھی علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جو شخص سونے اور چاندی دونوں میں سے کسی کا بھی بقدر نصاب مالک ہوجائے اور اس پر سال بھی گزر جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوجائے گی، چنانچہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إذا كانت لک مائتا درهم، وحال عليها الحول ففيها خمسة دراهم، وليس عليک شيء، يعني من الذهب حتى يكون عشرون دينارا، فإذا كانت لک عشرون دينارا وحال عليها الحول ففيها نصف دينارا"۔

(جب تمہارے پاس دوسو درہم ہوجائیں اور اس پر سال گزر جائے تو اس میں پانچ درہم واجب ہیں، اور سونا جب تک بیس مثقال (دینار) تک نہ پہنچے تمہارے اوپر کچھ بھی واجب نہیں ہے، اور جب بیس دینار ہوجائے اور اس پر سال بھی گزر جائے تو اس میں نصف دینار واجب ہے)۔

اور یہ نصاب وزن کے اعتبار سے ہے، عدد کے اعتبار سے نہیں ہے، اور دینار یا مثقال

کاوزن ۴.۲۵ رگرام ہے اور درہم کاوزن ۲.۹۷۵ رگرام ہے، اور دونوں نصاب کی قیمت اس وقت برابر ہوجاتی ہے، جب ایک دینار، چاندی کے دس درہم کے برابر ہوجائے، جیسا کہ دور نبوی میں سونے اور چاندی کے رائج سکوں میں روم کا سکہ سونے کا اور فارس کا سکہ چاندی کا تھا اور وزن میں دونوں کی یہی مقدار تھی اور مسلمان بھی انہیں سکوں سے خرید وفروخت کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے انہیں کو باقی رکھا، لیکن آج ہمارے زمانے میں مختلف کاغذی سکے (نوٹ) رائج ہیں اور ان کی قیمتوں میں تفاوت بھی معروف ہے، اور سونے چاندی اور کاغذی کرنسی کا حال یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں، اور اگرچہ آج ہم سونے اور چاندی کو سکوں کی طرح استعمال نہیں کرتے، لیکن باوجود اس کے سونے چاندی کی قیمت ہے اور ان دونوں کی انسانی زندگی میں اہمیت، اور اس کے اثرات بھی مسلم ہیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "**والذین یکنزون الذھب والفضة ولاینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیھم**" (سورۂ توبہ: ۳۴)۔

(اور وہ لوگ جو سونے اور چاندی کا ذخیرہ کر کے رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ان کے لیے دردناک عذاب کی بشارت ہے)۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"**زین للناس حب الشھوات من النساء والبنین والقناطیر المقنطرة من الذھب والفضة والخیل المسومة والأنعام والحرث ذلک متاع الحیاة الدنیا، واللہ عندہ حسن المآب**" (آل عمران: ۱۴)۔

(لوگوں کے لئے، عورتوں، بچے سونے چاندی کے خزانے، نشان زدہ گھوڑے، چوپائے اور کھیتوں کی ہوس سے (اس جہاں کو) سجا دیا گیا ہے، جو صرف حیات دنیوی کے مال و متاع اور وسائل ہیں، اور بہترین ٹھکانہ تو صرف اللہ کے نزدیک ہے)۔

شریعت اسلامی نے اسراف اور سونے چاندی کے استعمال میں بے جا دلچسپی سے

دوری اختیار کرنے کو واجب قرار دیا ہے، لیکن بطور زینت سونے چاندی کے استعمال میں چاندی کی بہ نسبت سونے میں زیادہ تنگی رکھی گئی ہے، چنانچہ خواتین کے لئے سونے اور چاندی سے بنی جتنی چیزوں کے استعمال کا چلن ہو، سب کی اجازت ہے، لیکن مردوں کے لئے سونا بالکلیہ حرام ہے، الا یہ کہ کوئی شدید ضرورت پیش آجائے، (جیسے دانت وغیرہ لگوانا جس میں چاندی کی بہ نست سونے میں بدبو کم ہوتی ہے، یہ ایک ضرورت ہے)، البتہ چاندی کی انگوٹھی تلوار کی نیام اور اس کا متھوا بنوانا جائز ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی استعمال کی تھی، اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنی تلواروں میں چاندی کے مناطق (متھوے) استعمال کئے تھے۔

اسی طرح چاندی پر سونے کو ہمیشہ فوقیت حاصل رہی ہے، چنانچہ دیت مقرر کرنے میں سونا ہی کو اساس اور بنیاد قرار دیا گیا ہے، جس طرح ڈالر کو انٹرنیشنل کرنسی کا معیار قرار پانے سے پہلے۔ جس کی پشت پر اب نہ سونا ہے اور نہ چاندی۔ کاغذی کرنسی کی پشت پر پوری دنیا میں سونا اور چاندی کو ہی معیار قرار دیا جاتا تھا، اور اب جبکہ پوری دنیا میں ڈالر کا معیار گھٹ گیا ہے اور جمہوری اور سرمایہ دارانہ اقتصادی نظام بحران کا شکار ہو چکا ہے، سونے کو ہی معیار تسلیم کئے جانے کی طرف ہم لوٹ رہے ہیں، اور سرمایہ دارانہ اقتصادی نظام کے تباہ ہونے کے بعد اسلامی معاشیات کی طرف لوٹنے کی آواز بلند ہونے لگی ہے، جیسا کہ ہندوستان اور چین میں جدید معاشی نظریہ کی جانب پیش رفت بھی دیکھنے کو مل رہی ہے، اور اپنے اپنے یہاں کے مرکزی بینکوں سے زیادہ سے زیادہ گولڈ حاصل کرنے کی مسابقت بھی ہو رہی ہے، اور زر و معدنیات پر بھروسہ میں اضافہ کے رجحان کی وجہ سے لوگوں سے زیادہ سے زیادہ اسے حاصل کرنے کی مسلسل کوشش ہو رہی ہے۔

جیسا کہ اوپر تفصیلات گزری ہیں کہ سونا ہی پوری دنیا میں اقتصادیات کے اتار چڑھاؤ کا معیار ہے اور اشیاء کی قیمتوں میں تغیر کے پیچھے بھی سونا ہی کا گھٹنا اور بڑھنا ہوتا ہے اور کاغذی کرنسی جو کہ دنیا میں رائج مالی سرمایہ ہے ان کی قیمتوں میں بھی تفاوت اسی کی وجہ سے ہوتا ہے، لہٰذا

زکوۃ کے نصاب کو سونے ہی سے مربوط کیا جانا چاہئے، جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ جو شخص چاندی کے بقدر نصاب کا مالک ہو جس کی قیمت سونے کے نصاب کو نہ پہنچتی ہو تو اس بارے میں یہ عرض ہے کہ اس صورت میں اس شخص کے لئے زکوۃ لینا جائز ہوگا، کیونکہ وہ اس کا مستحق ہے، اس لئے کہ وہ اس صورت میں چاندی کے نصاب کا بھی مالک نہیں قرار پاتا ہے، باقی بہتر صورت حال تو اللہ ہی جانتا ہے۔

۲-ضم نصاب کا مسئلہ:

جیسا کہ میں نے سابقہ دونوں مسئلہ کے ذیل میں ذکر کیا ہے کہ شافعیہ، امام احمد، ابوعبید اور ابوثور کا خیال یہ ہے کہ سونے اور چاندی کو نصاب کی تکمیل کے لئے ایک دوسرے سے ضم نہیں کیا جائے گا، جس طرح اونٹ اور گائے کو ضم نہیں کیا جاتا، البتہ ایک ہی جنس کے مختلف انواع کو ایک دوسرے کے ساتھ اگر اعلی اور ادنی درجہ کا ہو اور مختلف ہو تو ملا کر مکمل کیا جائے گا۔

☆☆☆

اموال تجارت میں نصاب زکوٰۃ کے معیار و مقدار کا مسئلہ

مولانا عامر ظفر ایوبی مفتاحی☆

سونے چاندی کے نصاب کی مقدار شریعت میں واضح طور پر بیان کردی گئی ہے، سونے میں مقدار نصاب بیس دینار اور چاندی میں پانچ اوقیہ، یعنی دو سو درہم منصوص ہے۔

"لیس فیما دون خمس أواق صدقة و الأوقیة أربعون درهما۔ و لیس فیما دون عشرین مثقالا من ذهب صدقة، فإذا کانت عشرین مثقالا ففیها نصف مثقال؛ لما روینا، و المثقال ما یکون کل سبعة منها وزن عشرة دراهم، و هو المعرف" (ہدایہ ۱/۱۷۵)۔

(پانچ اوقیہ سے کم میں زکوٰۃ نہیں اور ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔ بیس مثقال سے کم میں زکوٰۃ نہیں اور جب بیس مثقال ہوجائے تو اس میں نصف مثقال ہے، جیسا کہ ہم نے روایت کیا اور ہر سات مثقال دس درہم کے وزن کے برابر ہوتا ہے، یہی مشہور رہے)۔

اموال تجارت میں مقدار نصاب:

مال تجارت میں مقدار نصاب سونے چاندی کی قیمت کے اعتبار سے ہوگا، اگر مال تجارت کی قیمت دو سو درہم یا بیس مثقال سونے سے کم ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

"و أما أموال التجارة فتقدیر النصاب فیها بقیمتها من الدنانیر و الدراهم، فلا شيء فیها ما لم تبلغ قیمتها مائتی درهم أو عشرین مثقالا من

☆ محلہ کادی پورہ، مئو۔

ذهب، فتجب فيها الزكاة، و هذا قول عامة العلماء" (بدائع الصنائع ۲/۱۰۹)۔

(اموالِ تجارت میں مقدار نصاب دینار اور درہم سے قیمت لگا کر معلوم ہوگی، تو اگر مال تجارت کی قیمت دوسو درہم یا بیس مثقال سے کم ہے تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں، یہی اکثر علماء کا قول ہے)۔

مال تجارت کی قیمت سونے سے یا چاندی سے؟

۱- اگر کسی کے پاس مال تجارت ہے تو سونے چاندی میں سے جس سے بھی قیمت لگانے پر مقدار نصاب پوری ہو جائے تو اسی سے اس کی قیمت لگائی جائے گی، مثلاً مال تجارت کی قیمت دراہم سے لگانے پر نصاب کی مقدار کو اس کی قیمت پہونچ جاتی ہے، لیکن دینار کے نصاب کی مقدار کو نہیں پہونچتی تو اس پر زکوٰۃ فرض ہو جائے گی۔

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مال تجارت کی قیمت درہم و دینار میں سے اس کے ساتھ لگائی جائے گی جس سے اس کو خریدا ہے اور اگر ان دونوں کے علاوہ دیگر رائج نقود سے خریدا، یا کسی نے اس کو مال ہبہ کیا اور اس نے قبول کرتے وقت تجارت کی نیت کر لی ہو تو اس صورت میں جو نقد غالب ہوگا اس سے اس کی قیمت لگا کر مقدار نصاب معلوم کی جائے گی۔

امام محمدؒ کے نزدیک ہر حال میں نقد غالب سے قیمت لگائی جائے گی، جیسا کہ ''بدائع'' میں ہے:

''و إن اشتراها بغير هما من العروض، أو لم يكن اشتراها، بأن كان وهب له فقبله ينوي به التجارة قومها بالنقد الغالب في ذلک الموضع، و عند محمد يقومها بالنقد الغالب علی كل حال" (بدائع الصنائع ۲/۱۱۰)۔

(اور ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ اس کی قیمت اس نقد سے لگائی جائے گی جس سے مال خریدا ہے، اگر اسے دراہم سے خریدا ہے تو اس کی قیمت دراہم سے لگائی جائے گی اور اگر دونوں نقدوں کے علاوہ دیگر سامان سے اس کو خریدا ہے، یا اس کو خریدا نہیں، اس کو ہبہ کیا گیا ہو اور

اس نے قبول کرتے ہوئے اس میں تجارت کی نیت کر لی ہو تو اس کی قیمت نقد غالب سے لگائی جائے گی، اور امام محمدؒ کے نزدیک ہر حال میں نقد غالب کا اعتبار کیا جائے گا)۔

موجودہ دور میں چونکہ دونوں نقود رائج نہیں، اس لیے نقد غالب کا اعتبار کرنا ممکن نہیں، اس لیے امام ابوحنیفہؒ کے قول پر ہی عمل کیا جائے گا، ہر حال میں مال تجارت کی قیمت اسی سے لگائی جائے گی جس سے نصاب کامل ہو جاتا ہے اور عصر حاضر میں چاندی سستی ہے، اس لیے "أنفع للفقراء" کا لحاظ کرتے ہوئے اسی سے مال تجارت کی قیمت لگائی جائے گی۔ امام ابوحنیفہؒ کے قول کی دلیل امام کاسانیؒ نے یوں بیان کی ہے:

"وجه قول أبي حنيفة أن الدراهم و الدنانير و إن كانا في الثمنية و التقويم بهما سواء لكنا رجحنا أحدهما بمرجح و هو النظر للفقراء و الأخذ بالاحتياط أولى" (بدائع الصنائع ۲/۱۱۰)۔

(امام ابوحنیفہؒ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ دراہم و دنانیر گرچہ ثمنیت وتقویم میں برابر ہیں، لیکن ہم نے ان میں سے ایک کو ترجیح دی سبب راجح کی وجہ سے اور وہ فقراء کی طرف نظر کرنا ہے اور احتیاط کا لینا اولیٰ ہے)۔

"فتح القدیر" کی اس عبارت سے بھی مسئلہ کی وضاحت ہوتی ہے:

"عن أبي حنيفة أنه يقوم بما هو أنفع للفقراء، و عن أبي يوسف يقوم بما اشترى هذا إذا كان يتم النصاب بأيهما قوم فلو كان يتم بأحدهما دون الآخر قوم بما يصير به نصابا" (فتح القدیر ۲/۱۶۷، فصل في العروض)۔

(امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ ان دونوں میں سے ایک کے ذریعہ لگائے گا جو فقراء کے لیے زیادہ نفع بخش ہو، اور ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ ان دونوں میں سے جس کے ذریعہ خرید کیا ہوگا اس کے ذریعہ قیمت لگائے گا، یہ اس صورت میں ہے، جبکہ ان دونوں میں سے جس کے ذریعہ بھی قیمت لگائی جائے تو نصاب پورا ہو جائے، اور اگر ان میں سے کسی ایک کے ذریعہ

نصاب پورا ہوتا ہے اور دوسرے کے ذریعہ نہیں تو قیمت اس کے ذریعے لگائی جائے گی جس سے نصاب پورا ہو جائے)۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس مالِ تجارت یا نقد روپے ہو تو موجودہ دور میں چاندی سستی ہونے کی وجہ سے اس کے نصاب کا پیمانہ چاندی سے مقرر کیا جائے گا، کیونکہ یہی "أنفع للفقراء" ہے۔

۲- اگر کسی کے پاس سونا چاندی دونوں ہوں اور ان دونوں میں سے کوئی اپنے نصاب کو پورا نہیں کرتا ہو تو امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں کو ضم نہیں کریں گے، لہٰذا اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، کیونکہ وہ دونوں دو مختلف جنس ہیں، جیسے دو مختلف سائمہ جانور ہوتے ہیں، نصاب سے کم ہونے کی صورت میں دو مختلف نوع کے مویشیوں کو بالاتفاق ضم نہیں کیا جاتا، لہٰذا سونے چاندی کی بھی تکمیلِ نصاب کے لیے ضم نہیں کیا جائے گا۔

"و عند الشافعي لا يضم أحدهما إلى الاٰخر، بل يعتبر كمال النصاب من كل واحد منهما على حدة، وجه قوله أنهما جنسان مختلفان فلا يضم أحدهما للاٰخر في تكميل النصاب كالسوائم عند اختلاف الجنس" (بدائع الصنائع ۲/۱۰۶)۔

(اور امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں میں سے ہر ایک کو دوسرے میں ضم نہیں کریں گے، بلکہ ان میں سے ہر ایک کے کامل نصاب کا اعتبار ہوگا، ان کے قول کی دلیل یہ ہے کہ دونوں دو مختلف جنس ہیں تو تکمیلِ نصاب کے لیے ایک کو دوسرے میں ضم نہیں کریں گے، جیسے سائمہ مویشیوں کو اختلافِ جنس کے باوجود ضم نہیں کیا جاتا)۔

اور امام احمدؒ سے بھی مروی ہے کہ دونوں کا نصاب کامل نہ ہونے کی صورت میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

"فقد توقف أحمد عن ضم أحدهما إلى الاٰخر في رواية الأثر و

جماعة، و قطع في رواية حنبل أنه لا زكاة عليه حتى يبلغ كل واحد منهما نصابا" (المغنی ۴/ ۲۱۰)۔

(امام احمدؒ نے ایک کو دوسرے کے ساتھ ضم کرنے سے توقف فرمایا ہے، اثرم اور ایک جماعت یہی روایت کرتی ہے، اور حنبل کی روایت میں قطعی قول یہ ہے کہ اس پر زکوٰۃ نہیں، یہاں تک کہ ان میں سے ہر ایک نصاب کو پہنچ جائے)۔

امام مالکؒ ضم اجزاء کے قائل ہیں (بدایۃ المجتہد ۱/ ۲۱۶، المغنی ۴/ ۲۱۱)۔

اور فقہاء احناف میں سے صاحبینؒ بھی ضم اجزاء کے قائل ہیں، امام ابو حنیفہؒ دونوں کے ضم کا قول نہیں کرتے، مگر قیمت کے اعتبار سے، یعنی دونوں کی قیمت ملا کر کسی ایک کی بھی قیمت کو پہنچ جائے تو نصاب پورا ہو جائے گا، کیونکہ یہی "أنفع للفقراء" ہے، ہدایہ میں ہے:

"و تضم الذهب إلى الفضة للمجانسة من حيث الثمنية، ومن هذا الوجه صار سببا ثم تضم بالقيمة عند أبي حنيفة و عندهما بالأجزاء ، و رواية عنه حتى أن من كان له مأة درهم و خمسة مثاقيل ذهب و تبلغ قيمتها مأة درهم فعليه الزكاة عنده خلافا لهما، هما يقولان: المعتبر فيهما القدر دون القيمة حتى لا تجب الزكاة في مصوغ وزنه أقل من مائتين و قيمته فوقها، هو يقول: إن الضم للمجانسة و هو يتحقق باعتبار القيمة دون الصورة فيضم بها، والله أعلم" (ہدایہ ۱/ ۱۷۶)۔

(اور چاندی کو سونے میں ضم کیا جائے گا مجانست کی وجہ سے، قیمت کے اعتبار سے اور اس دلیل سے وہ سبب ہو جائے گا، پھر امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قیمت سے ضم کیا جائے گا اور صاحبینؒ کے نزدیک اجزاء سے ضم ہوگا اور ایک روایت ابو حنیفہؒ سے یہی ہے، یہاں تک کہ اگر کسی کے پاس ایک سو درہم اور پانچ مثقال سونا ہو جس کی قیمت سو درہم تک پہنچ جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے ان کے نزدیک، بر خلاف صاحبینؒ کے وہ دونوں کہتے ہیں کہ معتبر مقدار ہے ان

دونوں میں نہ کہ قیمت، یہاں تک کہ زکوۃ واجب نہیں ہوگی بنائے ہوئے زیور میں جس کا وزن دوسوکم ہے اور قیمت اس کی دوسو درہم سے زیادہ ہے اور امام اعظمؒ کہتے ہیں کہ ضم کرنا مجانست کی وجہ سے ہے اور اس کا تحقق قیمت کے اعتبار سے ہوتا ہے نہ کہ صورتا، تو قیمت کے ساتھ ہی ضم کیا جائے گا)۔

امام ابوحنیفہؒ کا قول ہی راجح معلوم ہوتا ہے، نیز جن چیزوں کی وجہ سے قول امام بدل جاتا ہے، ان میں سے کوئی وجہ یہاں نہیں پائی جاتی ہے، لہٰذا ان کے قول سے اعراض کرنا ایک حنفی کے لیے درست نہیں ہوسکتا۔ وہ چیزیں جن سے قول امام بدل جاتا ہے، چھ ہیں:

(۱) ضرورت (۲) دفع حرج (۳) عرف (۴) تعامل (۵) دینی ضرورت و مصلحت کی تحصیل (۶) کسی فساد موجود مظنون بظن غالب کا ازالہ۔

اور اس مسئلہ میں مذکورہ اسباب میں سے کوئی سبب نہیں پایا جاتا ہے لہٰذا قول امام سے اعراض کرنا درست نہیں۔

☆☆☆

سونے اور چاندی کا نصاب

قاضی محمد ذکاءاللہ شبلی ☆

سونے اور چاندی کے نصاب میں کسی ایک نصاب کے مکمل نہ ہونے پر ضم نصاب کے حکم سے منشاءِ شریعت یہ ظاہر ہے کہ جس صورت میں غریب و نادار اور مفلوک الحال کے مدد کی راہ نکل سکتی ہو وہ نکالی جائے، تاکہ امت میں انفاق بالمال کی عادت زیادہ ہونے کے ساتھ محتاجوں کی مدد زیادہ سے زیادہ ہو سکے۔

اور یہ فائدہ ضم الاجزاء کے بجائے قیمت کا اعتبار کرنے سے حاصل ہوگا، اس لیے حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ کے قول کو اختیار کرنا ہی زیادہ سودمند اور شرعی منشاء کے مطابق ہوگا، اس سے دینی و ملی تقاضوں کی بہت سی ضروریات کی تکمیل کے ساتھ غریبوں کا بھی زیادہ فائدہ ہوگا۔

☆☆☆

☆ دارالقضاء اندور۔

زکوۃ کے باب میں انفع للفقراء کا اعتبار

مولانا محمد موسیٰ شمسی القاسمی☆

اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر سونا اور چاندی کو تمام اشیاء کی قیمتوں کے لیے معیار بنایا ہے جو آج تک قائم ہے، اسی وجہ سے دونوں اپنی جگہ مستقل اصلیت کا حکم رکھتے ہیں۔ جمہور کے نزدیک زکوۃ میں سونے کا نصاب بیس مثقال (ساڑھے سات تولہ سونا ہے، جس کا وزن کیلوگرام کے حساب سے ساڑھے ستاسی گرام) سونا ہوتا ہے اور چاندی کا نصاب دوسو درہم (ساڑھے باون تولہ) چاندی ہے، جس کا وزن چھ سو ساڑھے بارہ گرام چاندی ہوتا ہے۔ چنانچہ روایت میں ہے:

"روي عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده عن النبي ﷺ أنه قال: ليس في أقل من عشرين مثقالا من الذهب و لا في أقل من مائتى درهم صدقة رواه أبو عبيد" (المغنی ۳/۲)۔

(بیس مثقال سونا اور دو سو درہم چاندی سے کم میں صدقہ نہیں ہے)۔

اسی طرح حضرت عائشہؓ سے مروی ہے:

"عن ابن عمر و عائشة أن النبي ﷺ كان يأخذ من كل عشرين دينارا فصاعدا نصف دينار و من الأربعين دينارا" (رواہ ابن ماجہ/۱۲۸)۔

(نبی کریم ﷺ بیس یا اس سے کچھ زیادہ دینار میں نصف دینار اور چالیس دینار میں

☆ المعہد العالی للتدریب فی الافتاء والقضاء، امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ۔

سے ایک دینار لیا کرتے تھے)۔

حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے:

"عن أبي سعيد الخدري عن النبي صلى الله عليه و سلم قال: ليس فيما دون خمسة أوسق صدقة و لا فيما دون خمس زود صدقة و لا فيما دون خمسة أواق صدقة" (رواہ مسلم ۱/۳۱۵)۔

(نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پانچ اوسق سے کم میں صدقہ نہیں ہے اور نہ ہی پانچ اونٹ سے کم میں صدقہ ہے اور نہ ہی پانچ اوقیہ سے کم میں صدقہ ہے)۔

علامہ نوویؒ لکھتے ہیں:

"فنصاب الفضة خمسة أواق، و هي مائتا درهم بنص الحديث و الإجماع، و أما الذهب فعشرون مثقالا" (النووی علی مسلم ۱/۳۱۵)۔

(چاندی کا نصاب پانچ اوقیہ ہے اور وہ دو سو درہم ہے نص حدیث اور اجماع کی وجہ سے، اور رہا سونا تو وہ بیس مثقال ہے)۔

لہٰذا جب دونوں الگ الگ اپنے نصاب کو پہونچ جائیں تو الگ الگ زکوٰۃ نکالنا واجب ہے۔ لیکن قابل غور امر یہ ہے کہ سونا یا چاندی کے علاوہ کسی شخص کے پاس نقد روپے یا سامان تجارت ہے تو زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے پیمانہ سونے کا نصاب ہوگا یا چاندی کا؟ عہد نبوی ﷺ میں دونوں ہی معیار تھے، کیوں کہ سونے اور چاندی کے ہر دو نصاب الگ الگ ہونے کے باوجود قدر و قیمت کے لحاظ سے یکساں تھے، ان میں مالیت کا کوئی فرق نہیں تھا۔

"و الشرع حدد مبلغين متعادلين إما عشرون دينارا أو مائتا درهم و كانا شيئا واحدا و لهما سعر واحد" (الفقہ الاسلامی و أدلتہ ۲/۷۶۰)۔

(شریعت نے دونوں مبلغوں کو یکساں قرار دیا ہے، خواہ بیس دینار ہو یا دو سو درہم ہو، دونوں ایک ہی ہیں اور دونوں کی ایک قیمت ہے)۔

لیکن آج کے دور میں سونا اور چاندی کے نرخ میں زمین وآسمان کا فرق پیدا ہوگیا ہے، سونے کا نصاب بیس مثقال چاندی کے نصاب دوسو درہم سے قریب قریب دس گنا زیادہ ہے، ایسی صورت میں سونا اور چاندی میں سے کس کا نصاب اصل اور معیاری ہے، اس کا فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے، جہاں تک کتب فقہ کی بات ہے تو فقہاء کرام نے ''أنفع للفقراء'' کا اعتبار کیا ہے:

''**يجب أن يكون التقويم بما هو أنفع للفقراء قدرا و رواجا**''(الہندیہ ۱/۱۷۹)۔

(جو قدر ورواج کے اعتبار سے ''أنفع للفقراء'' ہو اس کے ذریعہ قیمت لگانا واجب ہے)۔

صاحب ''ہدایہ'' رقمطراز ہیں:

''**يقومها بما هو أنفع للمساكين احتياطا لحق الفقراء**'' (ہدایہ ۱/۱۷۵)۔

(اس کے ذریعہ سے قیمت لگائے جس میں مساکین کا زیادہ نفع ہو احتیاطاً فقراء کے حق کی وجہ سے)۔

علامہ کاسانیؒ رقمطراز ہیں:

''**و عن أبي حنيفة في الأموال أنه يقومها بأنفع النقدين للفقراء**'' (بدائع الصنائع ۲/۱۱۰)۔

(اموال کے سلسلے میں امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ نقدین میں سے جو فقراء کے لیے زیادہ نفع بخش ہو اس کے ذریعہ ان اموال کی قیمت لگائے گا)۔

ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی صورت میں چاندی کو نصاب قرار دیا جائے، کیونکہ اس میں فقراء کے لیے نفع ہے اور نصاب بہت جلد تیار ہوجاتا ہے، لیکن ایسی شکل میں ہم دیکھتے ہیں کہ سونے کا نصاب بالکلیہ متروک نظر آتا ہے، جبکہ شریعت میں دونوں ہی معتبر ہیں۔ لہٰذا اگر درمیانی صورت نکالی جائے کہ جس میں فقراء کا بھی فائدہ ہو اور مالداروں کی بھی رعایت ہوجائے۔

خلاصۂ بحث:

ان مباحث کی روشنی میں میرا ناقص خیال یہ ہے کہ موجودہ حالات میں اگر کسی کے پاس نقد روپے یا سامانِ تجارت ہو تو ایسی صورت میں سونا اور چاندی دونوں کو جمع کر کے ثمن رائج الوقت سے ان کی مجموعی قیمت نکال کر نصف کو معیار نصاب قرار دیا جائے کہ اتنی مقدار اگر مالیت ہے تو زکوٰۃ اس پر واجب ہوگی اور اگر اتنی مقدار کو مال نہیں پہنچتا تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

۲-ضم نصاب کا مسئلہ:

اگر کسی کے پاس سونا اور چاندی میں سے دونوں موجود ہوں، لیکن دونوں میں سے کوئی تنہا نصاب کو نہیں پہنچتا ہے تو ایسی صورت میں فقہاء کے یہاں ایک دوسرے کو ملا دیا جائے گا، جیسا کہ ''فتاویٰ تاتارخانیہ'' میں ہے:

''**و يضم الذهب إلى الفضة و الفضة إلى الذهب و يكمل أحد النصابين بالآخر عند علماؤنا**'' (الفتاوی التاتارخانیہ ۲/ ۱۳)۔

(ہمارے علماء کے نزدیک سونے کو چاندی سے اور چاندی کو سونے سے ملا دیا جائے گا اور ایک نصاب کی تکمیل دوسرے سے کی جائے گی)۔

علامہ سرخسیؒ لکھتے ہیں:

''**و إن كان له عشرة مثاقيل ذهب و مائة درهم ضم أحدهما إلى الآخر في تكميل النصاب عندنا**'' (المبسوط للسرخسي ۲/ ۱۹۲)۔

(اگر کسی کے پاس دس مثقال سونا اور سو درہم ہو تو ہمارے نزدیک نصاب کی تکمیل میں ایک دوسرے سے ملایا جائے گا)۔

اسی طرح سے ایک روایت ضم نصاب پر دال ہے:

''**عن بكر بن عبد الله الأشجع أنه قال: من السنة أن يضم الذهب إلى الفضة لإيجاب الزكاة**'' (البنایۃ فی شرح الہدایہ ۳/۱۱۸)۔

(سنت میں سے ہے کہ زکوۃ کو واجب کرنے کے لیے سونا کو چاندی سے ملایا جائے گا)۔

بہر حال ان عبارات سے مفہوم ہوا کہ ضم نصاب کیا جائے گا، لیکن پھر احناف کے یہاں اس بات میں اختلاف ہے کہ ضم نصاب میں قیمت کا اعتبار ہوگا یا اجزاء کا؟ امام صاحبؒ کے نزدیک ضم قیمت کا اعتبار ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک ضم اجزاء کا اعتبار ہوگا۔

"ثم تضم بالقیمة عند أبي حنیفة و عندھما بالأجزاء فقط" (ہدایہ ۱/۱۹۶)۔

(پھر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ملانے میں قیمت کا اعتبار ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک اجزاء کا)۔

جائزہ:

اس مسئلہ میں صاحبینؒ کا قول چند وجوہ سے راجح معلوم ہوتا ہے: (۱) اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ عند الانفراد قیمت کا اعتبار نہیں ہوگا۔

"و أجمعوا علی أنه لا تعتبر القیمة في الذھب و الفضة عند الانفراد في تکمیل النصاب" (بدائع الصنائع ۲/۱۰۷)۔

لہٰذا اجتماع کے وقت بھی قدر و وزن کا اعتبار ہونا چاہئے۔

(۲) خود امام صاحبؒ کا ایک قول بھی صاحبینؒ کے موافق ہے:

"ذکر البزدوي: تضم بالقیمة و بالأجزاء عندہ و عندھما بالأجزاء فقط" (البنایۃ فی شرح الہدایہ ۱/۱۹۶)۔

نیز یہی قول کبار فقہاء حضرت حسنؒ، قتادہؒ، اور نخعیؒ وغیرہ کا ہے:

"قیل: یضم بالأجزاء و ھو قول الحسن، و قتادۃ، و النخعي، و ھو مذھب مالک" (فتاوی ابن تیمیہ ۲۵/۱۳)۔

نیز صاحبینؒ کا قول موجودہ صورت حال سے بھی زیادہ ہم آہنگ ہے کہ آج ساڑھے

سات تولہ سونا اور ساڑھے باون تولہ چاندی میں غیر معمولی فرق پیدا ہو گیا ہے اور سونے کے ایک نصاب میں چاندی کے کئی نصاب کا خرید کیا جانا ممکن ہو گیا ہے، ایسی صورت میں صاحبینؒ کے قول "ضم الاجزاء" کا اختیار کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

خلاصۂ بحث:

میرے ناقص خیال میں صاحبینؒ کا قول "ضم الاجزاء" کا اختیار کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

☆☆☆

کاغذی کرنسی کا چلن اور سونے چاندی کا نصاب

مولانا محمد توقیر بدر القاسمی ☆

آج سونے اور چاندی کے درمیان کافی تفاوت دیکھنے کو ملتا ہے، کیوں کہ سونے کا نصاب بیس مثقال چاندی کے نصاب دوسو درہم سے تقریباً دس گنا زائد ہے، تو ایسی صورت میں کس کو معیار گردانا جائے گا؟ یہ ایک اہم سوال ہے۔

تفاوت کے پیش نظر ہر زمانہ کے فقہاء کرام اصول بتاتے رہے ہیں، جس کو ''أنفع للفقراء'' سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ جب نقد رقم یا سامان تجارت سونا یا چاندی میں سے کسی ایک کے مبلغ کو پہنچ جائے تو اسی مبلغ کو زکوۃ کا مستحقین تک پہونچانے کے لیے معیار قرار دیا جائے، یعنی اصل مقصد فقراء ومساکین کا نفع ہے، ہاں اگر ان میں سے کسی مبلغ کو مذکورہ رقم نہیں پہنچتا ہے تو پھر ادائیگی زکوۃ کا مکلّف نہ ہوگا، بلکہ وہ زکوۃ لینے کا مستحق سمجھا جائے گا۔

الحاصل اگر مذکورہ رقم سے بالفرض سونا تو نصاب کے بقدر نہیں خریدا جاسکتا لیکن چاندی خریدی جاسکتی ہے تو مذکورہ رقم بحوالہ چاندی معیار بن جائے گا اور ''أنفع للفقراء'' کے پیش نظر زکوۃ کی ادائیگی واجب ہوگی۔ علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

''عن أبي حنيفة في الأموال أنه يقومها بأنفع النقدين للفقراء'' (بدائع الصنائع ۲/۱۱۰)۔

(اموال کے سلسلہ میں ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ سونا اور چاندی میں سے جو فقراء کے

☆ المعہد العالی للتدریب فی الافتاء والقضاء، امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ۔

لیے نفع بخش ہو اموال کی قیمت اسی سے لگائی جائے گی)۔

صاحب ''ہدایہ'' رقمطراز ہیں:

''**یقومها بما هو أنفع للمساکین احتیاطا لحق الفقراء**''(الہدایہ ۱/۱۶۸)۔

(حق فقراء کے پیش نظر احتیاطاً مسکینوں کا جس میں نفع ہو اس کے ذریعہ قیمت لگائی جائے گی)۔

ہندیہ میں صراحت موجود ہے:

''**یجب أن یکون التقویم بما هو أنفع للفقراء قدرا و رواجا**''

(ہندیہ ۱/۱۷۹)۔

(جو بھی قدر و رواج کے لحاظ سے ''أنفع للفقراء'' ہوگا وہی قیمت لگائے جانے کے قابل ضروری سمجھا جائے گا)۔

مذکورہ تصریحات اور موجودہ چاندی کی حالت پر غور کیا جائے تو چاندی کو ہی نصاب ماننا پڑتا ہے، کیوں کہ اس میں فقراء کا نفع اس طرح ہے کہ نصاب جلد تیار ہو جاتا ہے۔

تاہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ محض فقراء ہی کا خیال کیا جائے تو اس میں دو خرابیاں سامنے آتی ہیں:

اولاً یہ کہ سونے کا بالکلیہ ترک لازم آتا ہے، جبکہ شریعت میں دونوں ہی معیار ہیں۔

ثانیاً یہ کہ ایک شخص چاندی کے لحاظ سے آج کے دور میں اس لائق تو ضرور ہو جاتا ہے عندالشرع وہ زکوۃ ادا کرے ورنہ واجب کا تارک ہوگا، جبکہ عندالناس وہ خود اس لائق ہوتا ہے کہ زکوۃ لے، اور اگر زکوۃ دہندہ کا خیال کیا جائے تو پھر چاندی کا نرخ سامنے آتا ہے اور جب تک اس مقدار کو نہ پہنچ جائے فقراء کی باز پرسی متاثر ہوتی ہے۔

اس لیے مذکورہ صورت میں جبکہ نہ تو سونا ہے اور نہ چاندی، بلکہ نقد رقم یا سامان تجارت ہے، ایک درمیانی راہ نکالی جائے جس میں فقراء کا بھی فائدہ ہو اور مالداروں کی رعایت بھی۔

میری رائے یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بجائے سونا اور چاندی کے نقد رقم یا سامان تجارت ضرورت اصلیہ سے زائد اس قدر رکھتا ہو کہ اگر سونا اور چاندی میں سے ہر ایک کی قیمت جو مبلغ نصاب تک پہونچتی ہو لگائی جائے، پھر ان دونوں کی مجموعی قیمت کا نصف جو نکلے اس کو مبلغ نصاب کا معیار قرار دیا جائے کہ اس میں کسی بھی معیار کا نسخ عملاً لازم نہ آئے تو یہ گذشتہ عمل فاروقی کے پیش نظر اقرب إلی الفقہ ہوگا۔

رائے:

لہٰذا اگر کوئی مثلاً ساڑھے سات تولہ سونا کی قیمت ایک لاکھ پچیس ہزار اور چاندی ساڑھے باون تولہ کی قیمت پندرہ ہزار مجموعہ ایک لاکھ چالیس ہزار کا نصف ستر (۷۰) ہزار کا مالک ہو، خواہ نقد رقم کے سلسلے میں یا سامان تجارت میں، تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، ورنہ نہیں۔

دوسرا سوال:

''ضم نصاب'' کو فقہاء کرام وہاں استعمال کرتے ہیں جہاں مسئلہ یہ ہو کہ انسانی ملکیت میں سونا اور چاندی دونوں ہوں، مگر تن تنہا کوئی ایک ''نصاب زکوٰۃ'' کو نہیں پہونچ رہا ہو، ایسی صورت میں دونوں ملا کر (باعتبار قیمت عند الامام اعظم ابو حنیفہؒ، یا باعتبار قدر و مماثلت عند الصاحبینؒ) دیکھا جاتا ہے، اس کے بعد تکمیل نصاب کا تصور کر کے زکوٰۃ کو واجب الاداء قرار دیا جاتا ہے۔

''فتاویٰ تاتارخانیہ'' میں صراحت موجود ہے:

''و يضم الذهب إلى الفضة و الفضة إلى الذهب، ويكمل أحد النصابين بالآخر عند علماؤنا'' (التاتارخانیہ ۲/ ۱۳)۔

(علمائے احناف سونے کو چاندی یا اس کے برعکس ایک دوسرے کو ملا کر تکمیل نصاب کے قائل ہیں)۔

علامہ مرغینانیؒ اپنی مایہ ناز تصنیف ''ہدایہ'' میں رقم فرماتے ہیں:

”ثم تضم بالقيمة عند أبي حنيفة و عندهما بالأجزاء فقط“

(ہدایہ۱/۱۹۶)۔

(امام اعظم ابوحنیفہؒ اس بات کے قائل ہیں کہ ان کی قیمت ملائی جائے اور صاحبینؒ ان کے قدر ووزن کے)۔

ان مذکورہ بالا عباتوں سے صاف واضح ہے کہ ”ضم نصاب“،” انفع للفقراء“ کے تحت احناف کے یہاں مسلّم ہے، البتہ ”ضم قیمت“ ہو یا ”ضم اجزاء“ اس سلسلے میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے درمیان اختلاف ہے۔

اختلاف کی بنیاد دراصل یہ ہے کہ اموال عین کے لحاظ سے مختلف الاجناس ہوتے ہیں، لیکن مالیت کے تناظر میں سب جنساً ایک ہیں اور تکمیل نصاب میں عند الشرع اصلاً اتحاد جنس ہی معتبر ہے، چنانچہ ضم کرتے وقت قیمت ہی کو ملحوظ رکھا جائے گا، علامہ کاسانیؒ امام اعظم کا نقطہ نظر واضح کرتے ہوئے اس کو یوں بیان کرتے ہیں:

”و لأبي حنيفة أنهما عينان وجب ضم أحدهما إلى الأخر لإيجاب الزكاة فكان الضم باعتبار القيمة كعروض التجارة؛ و هذا لأن كمال النصاب لا يتحقق إلا عند اتحاد الجنس، و لا اتحاد إلا باعتبار صفة المالية دون العين، فإن الأموال أجناس بأعيانها جنس واحد باعتبار صفة المالية فيها“(بدائع الصنائع ۳/۱۰۸)۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ سونا اور چاندی میں شرعاً قیمت معتبر ہی نہیں ہے، کیوں کہ دیگر تمام اشیاء کی قیمت انہیں سونا اور چاندی کے ذریعہ لگائی جاتی ہے، لہٰذا ان میں قدر ووزن کا اعتبار ہوگا، بایں طور کہ فلاں چیز اتنا سونا یا چاندی کے برابر ہے، جیسا کہ مہر وغیرہ طے کرتے وقت آج بھی عرف ومعاشرہ میں یہ شائع وذائع ہے۔

تبصرہ:

مذکورہ عبارتوں کے پیش نظر آج کے تناظر میں جہاں سونا اور چاندی اس قدر متفاوت

ہیں کہ سونے کے نصاب میں چاندی کے کئی نصابوں کا خرید کیا جانا ممکن ہے، وہیں قیمت کا لحاظ کرنا دشواری کا بھی باعث ہوگا، اس لیے صاحبینؒ کے دلائل دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آج کے تناظر میں انہیں کا قول لائق اخذ ہے۔

میری رائے یہ ہے کہ صاحبینؒ کا نظریہ ''ضم الاجزاء'' ہی کو اختیار کیا جائے۔

☆☆☆

سونا اور چاندی کا نصاب

مولانا محمد نوشاد قاسمی ☆

موجودہ دور میں جبکہ سونا اور چاندی کی مالیت میں آسمان زمین کا فرق ہے، تو ایسی صورت میں کس کو معیار قرار دیا جائے؟ یہ ایک اہم سوال ہے۔ تفاوت کے پیش نظر فقہاء نے ایک اصول بیان کیا ہے، جس کو ''أنفع للفقراء'' سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ جب نقد رقم یا مال تجارت یا کوئی دیگر سامان سونا یا چاندی میں سے کسی ایک کے مقدار کو پہونچ جائے تو اسی کے مطابق زکوۃ نکالی جائے گی۔

الحاصل اگر مذکورہ رقم سے سونا تو نصاب کے بقدر نہیں خریدا جاسکتا، لیکن چاندی خریدی جاسکتی ہے تو مذکورہ رقم بحوالہ چاندی معیار بن جائے گا اور ''أنفع للفقراء'' کے پیش نظر زکوۃ کی ادائیگی واجب ہوگی۔ چنانچہ علامہ کاسانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''عن أبي حنيفة في الأموال أنه يقومها بأنفع النقدين للفقراء'' (بدائع الصنائع ۲/۱۱۰)۔

(اموال کے سلسلہ میں ابو حنیفہؒ سے منقول ہے کہ سونا اور چاندی میں سو جو فقراء کے لیے نفع بخش ہو، اموال کی قیمت اسی سے لگائی جائے گی)۔

صاحب ''ہدایہ'' لکھتے ہیں:

''يقومها بما هو أنفع للمساكين احتياطا لحق الفقراء'' (ہدایہ ۱/۱۷۸)۔

☆ المعہد العالی للتدریب فی الافتاء والقضاء، امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ۔

(حق فقراء کے پیش نظر احتیاطاً مسکینوں کا جس میں نفع ہو اس کے ذریعہ قیمت لگائی جائے گی)۔

"ہندیہ" میں صراحت موجود ہے:

"یجب أن یکون التقویم بما ھو أنفع للفقراء قدرا و رواجا" (الفتاوی الہندیہ ۱؍۱۷۹)۔

(جو بھی قدر و رواج کے لحاظ سے "أنفع للفقراء" ہوگا وہی قیمت لگائے جانے کے قابل ضروری سمجھا جائے گا، مذکورہ تصریحات اور موجودہ چاندی کی حالت پر غور کیا جائے تو چاندی کو ہی اصل اور معیاری نصاب ماننا پڑے گا، کیونکہ اس میں فقراء کا نفع ہے)۔

خلاصۂ بحث:

گذشتہ باتوں کے پیش نظر میری رائے یہ ہے کہ اگر کوئی شخص سونا و چاندی کے بجائے نقد رقم یا سامان تجارت ضرورت اصلیہ سے زائد اس قدر رکھتا ہو کہ اگر سونا اور چاندی میں سے ہر ایک کی قیمت جو مبلغ نصاب تک پہونچتی ہو لگائی جائے پھر ان دونوں کی مجموعی قیمت کا نصف جو نکلے اس کو مبلغ نصاب کا معیار قرار دیا جائے، مثلاً اگر کوئی شخص ساڑھے سات تولہ سونا بقیمت ایک لاکھ پچیس ہزار اور چاندی ساڑھے باون تولہ بقیمت پندرہ ہزار مجموعہ ایک لاکھ چالیس ہزار کا نصف ستر ہزار کا مالک ہو تو اس ستر ہزار پر زکوۃ واجب ہوگی، اور یہ گزشتہ عمل فاروقی کے پیش نظر اقرب الی الفقہ ہوگا۔

ضم نصاب کا مسئلہ:

کسی شخص کے پاس اگر سونا اور چاندی مستقل الگ الگ نصاب ہو تو دونوں پر اس کے نصاب کے بقدر الگ الگ زکوۃ واجب ہوگی، لیکن اگر کسی کے پاس کچھ مقدار سونے اور کچھ مقدار چاندی کی ہو اور دونوں میں سے کوئی نصاب کو نہ پہونچتا ہو تو ایسی صورت میں فقہاء احناف کے یہاں ایک دوسرے کو ضم کیا جائے گا۔

چنانچہ "تاتارخانیہ" میں ہے:

"و یضم الذهب إلی الفضة و الفضة إلی الذهب و یکمل أحد النصابین بالآخر عند علمائنا" (التاتارخانیہ ۲/۱۳)۔

(ہمارے علماء کے نزدیک سونے کو چاندی سے اور سونے سے ملا دیا جائے گا اور ایک نصاب کی تکمیل دوسرے سے کی جائے گی)۔

علامہ سرخسی لکھتے ہیں:

"و إن کان له عشرة مثاقیل ذهب و مائة درهم ضم أحدهما إلی الآخر في تکمیل النصاب عندنا" (المبسوط ۲/۱۹۲)۔

(اگر کسی کے پاس دس مثقال سونا اور سو درہم ہو تو ہمارے نزدیک نصاب کی تکمیل میں ایک دوسرے کو ملایا جائے گا)۔

البتہ کیفیت ضم کے سلسلہ میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے درمیان اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہؒ ضم قیمت کے قائل ہیں جبکہ صاحبینؒ ضم الاجزاء کے قائل ہیں۔

صاحب "ہدایہ" فرماتے ہیں:

"ثم تضم بالقیمة عند أبي حنیفة و عندهما بالأجزاء فقط" (ہدایہ ۱/۱۹۶)۔

اختلاف کی بنیاد دراصل یہ ہے کہ اموال عین کے لحاظ سے مختلف الاجناس ہوتے ہیں، لیکن مالیت کے اعتبار سے ایک ہی جنس ہیں اور تکمیل نصاب میں عند الشرع اصلاً اتحاد جنس ہی معتبر ہے، چنانچہ ضم کرتے وقت قیمت ہی کو ملحوظ رکھا جائے گا، صاحب "بدائع" حنفیہ کا نقطۂ نظر بیان کرتے ہیں:

"و لأبي حنیفة: أنهما عینان وجب ضم أحدهما إلی الآخر لإیجاب الزکاة فکان الضم باعتبار القیمة کعروض التجارة، و هذا؛ لأن کمال النصاب

لا يتحقق إلا عند اتحاد الجنس، و لاتحاد إلا باعتبار صفة المالية فيها" (بدائع الصنائع ۱۰۸/۲)۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ سونا اور چاندی میں شرعاً قیمت معتبر ہی نہیں ہے، کیونکہ دیگر تمام اشیاء کی قیمت انہیں سونا اور چاندی سے لگائی جاتی ہے، لہٰذا ان میں قدر و وزن کا اعتبار ہوگا۔

چنانچہ علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"**و قالا: بالأجزاء فإن كان من هذا ثلاثة أرباع نصاب و من الآخر ربع ضم أو النصف من كل أو الثلث من أحدهما و الثلثان من الآخر فيخرج من كل جزء بحسابه**" (ردالمحتار ۲۳۵/۳)۔

(صاحبینؒ ضم الاجزاء کے قائل ہیں، اگر سونا میں سے تین چوتھائی نصب ہو اور چاندی میں سے ایک چوتھائی تو ملایا جائے گا، یا ہر ایک سے نصف ہو یا ان دونوں میں سے ایک سے ثلث ہو اور دوسرے سے ثلثان ہو، لہٰذا ہر جزو کی زکوٰۃ اسی کے حساب سے نکالی جائے گی)۔

خلاصہ:

دورِ جدید میں صاحبینؒ کا قول ہی فقراء و اغنیاء کے لیے معتدل ہے، کیونکہ آج ان کے درمیان غیر معمولی طریقہ سے فرق پیدا ہوگیا ہے، لہٰذا ضم الاجزاء کو اختیار کرنا ہی اقرب الی الفقہ ہوگا۔

☆☆☆

دور حاضر میں نصاب کی تحدید

مولانا ثناء اللہ گودھروی ☆

۱- دور حاضر میں سونے اور چاندی کے الگ الگ نصابوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں رہی، کیونکہ کاغذی سکوں کا رواج عام ہوگیا اور لوگوں کو دھات کے بنے ہوئے سکوں اور خاص طور سے سونے کے سکے سے واسطہ نہیں پڑتا، اس لئے جو بحثیں قدیم فقہاء نے سونے اور چاندی کے نقود کو ایک دوسرے میں ضم کرنے کے سلسلہ میں کی ہے ان کی ضرورت اب باقی نہیں رہی، بلکہ اب انضمام ضروری ہے اور عملاً صورت بھی انضمام کی پائی جارہی ہے۔

اب بحث طلب امر یہ ہے کہ کس نقدی کو معیار بنایا جائے، کیا چاندی کو آج کے دور میں کاغذی سکوں کے لئے معیار بنایا جائے؟ اکثر علماء حاضرین کا رجحان اسی طرف معلوم ہوتا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ چاندی کے نصاب پر اجماع ہے، صحیح اور مشہور احادیث سے چاندی کا نصاب ثابت ہے، دوسرے اس وجہ سے کہ اس میں غرباء کا مفاد بھی ہے، کیونکہ چاندی کو نصاب بنانے میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد پر زکوۃ واجب ہوتی ہے۔

لیکن دیگر علماء سونے کے نصاب یا ضم الاجزاء کے معیار بنانے کے قائل ہیں، کیونکہ دور نبوی کے بعد چاندی کی قیمت میں کافی تبدیلی ہوئی، برخلاف سونے کی قیمت ہر زمانہ میں برقرار رہی جیسا ابو زہرہؒ، خلافؒ اور حسنؒ کی رائے ہے، اور یہ رائے مبنی بر اعتدال اور حجت کے اعتبار سے قوی بتائی گئی ہے، جب دیگر اموال کے نصاب کے ساتھ اس کا موازنہ اور تقابل کرتے ہیں تو موجودہ زمانہ میں سونے کا نصاب ان کے قریب تر دکھائی دیتا ہے، جیسے پانچ اونٹ، یا

☆ دارالافتاء جامعہ رحمانیہ، گودھرا، گجرات۔

چالیس بکریوں کی قیمت آج کے دور میں ساٹھ ستر ہزار کے قریب ہوتی ہے، تو کیسے ممکن ہے کہ آج کی نقدی کا موازنہ چاندی سے کر کے اتنی قلیل مقدار پر زکوۃ عائد کی جائے جس سے چند بکریاں بھی نہیں خریدی جاسکتیں۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے لکھا کہ چاندی کا نصاب ۴۰ اوقیہ اس لئے مقرر کیا گیا کہ یہ مقدار ایک آدمی کی سال بھر کی ضروریات پورا کرنے کے لئے کافی تھی، لیکن آج کے دور میں ایک ماہ کے لئے کافی نہی، نیز اتنے قلیل مقدار کے مالک کو آج کے دور میں عرفاً غنی نہیں سمجھا جاتا، جبکہ زکوۃ کی اہمیت علت غنی ہے۔

چاندی کے نصاب کو سکوں کے لئے معیار قرار دینے میں جہاں غریبوں کا فائدہ ہے وہاں ارباب مال کے ساتھ ناانصافی بھی ہے، اور زکوۃ کے مقابلہ میں ارباب مال میں بڑے سرمایہ اور خوش حال لوگ ہی نہیں، بلکہ امت عوام بھی شامل ہے۔

نیز بہت سے وہ غرباء جو اس دور میں چاندی جیسی قلیل نصاب کے مالک بنے ہوئے ہیں، لیکن حقیقت میں دیکھا جائے تو وہ نان شبینہ کے بھی محتاج ہیں، اگر ان کو زکوۃ ادا کرنے کو کہا جائے تو وہ کیسے زکوۃ ادا کریں گے، بہت سی وہ خواتین ہیں جن کے پاس گزارے کا کوئی ذریعہ نہیں، البتہ ان کے پاس معمولی سونا اور معمولی چاندی جو قیمتاً چاندی کے نصاب کو پہنچتی ہے تو وہ کیسے زکوۃ ادا کرے گی یہ ایک بڑی دشوار چیز ہے۔

نیز ایک آدمی کی دوکان ہے جس میں اتنا سامان ہے جو چاندی کے نصاب کو پہنچتا ہے لیکن ہر ماہ اس دوکان کی اتنی آمدنی نہیں ہوتی جس سے اس کا گزارا ہو سکے تو علامہ شامیؒ نے بقول امام محمدؒ کے ایسے آدمی کو زکوۃ لینے کی بھی اجازت دی ہے، اور دلیل میں اس کا مدار کفایت اور عدم کفایت قرار دیا، اس لئے ضرورت ہے کہ ایسے نصاب کو معیار بنایا جائے جس میں امت مسلمہ کا فائدہ ہو اور جانبین کی رعایت ہو، مذکورہ مسئلہ میں صاحبین کے مسلک کو اختیار کرنے میں ممکن حد تک دشواری دور ہو سکتی ہے۔

زکوٰۃ کے سلسلہ میں دو اہم مسائل

مولانا محمد احسن عبدالحق ندوی☆

۱- موجودہ حالات میں اگر کسی شخص کے پاس نقد روپے یا سامان تجارت ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے چاندی کا نصاب دیکھا جائے گا، مثلاً ایک شخص کے پاس اتنا روپیہ ہے کہ اس سے وہ سونا تو نہیں خرید سکتا لیکن چاندی خرید سکتا ہے، نصاب کے بقدر، تو ایسے شخص پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اس لیے کہ چاندی کو معیار تو قرار دینے اور اس کے ذریعہ تقدیر کی صورت میں فقراء کا زیادہ نفع ہے اور اس لیے بھی زکوٰۃ کا معیار چاندی کو قرار دینے کی صورت میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

فقہاء کا اصول سامان تجارت کی زکوٰۃ کے سلسلہ میں بیان کیا گیا ہے۔

"الزکوٰۃ واجبة فی عروض التجارة کائنة ماکانت، إذا بلغت قیمتها نصاباً من الورق أو الذهب یقومها بما هو أنفع للفقراء والمساکین منهما" (قدوری:۴۸)۔

(سامان تجارت میں زکوٰۃ واجب ہے، جبکہ اس کی قیمت سونا چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے، ان دونوں (سونا، چاندی) میں فقراء و مساکین کے لیے جو نصاب زیادہ نفع بخش ہوگا اس کے اعتبار سے قیمت لگائی جائے گی۔

۲- قرآن مجید میں **"انما الصدقات للفقراء والمساکین"** (سورۂ توبہ:۶۰) کہا گیا ہے، جس کی بنیاد پر اگر کسی کے پاس اتنا مال ہے، جس سے وہ چاندی کے نصاب تک پہنچ

☆ مرکز الامام ابی الحسن الندوی، دارعرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی، یوپی۔

جاتا ہے، تو اس کے لیے زکوۃ کا مال لینا حرام ہے۔حدیث شریف میں آتا ہے: "تؤخذ من أغنيائهم وترد على فقرائهم" (صحیح البخاری:١٣٩٥)۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کو یمن کو رزبنا کر بھیجا تھا اور ان کو چند وصیتیں کی تھیں، جس میں سے ایک وصیت یہ بھی تھی کہ ان میں جو مالدار ہیں ان سے زکوۃ وصول کرنا اور ان میں جو فقراء ہیں ان پر خرچ کرنا۔حدیث شریف میں مالداروں سے لینے اور فقراء پر خرچ کرنے کو کہا گیا ہے۔

٣۔ضم نصاب کا مسئلہ:

اگر کچھ سونا اور کچھ چاندی ہو یا اس کے ساتھ کچھ مال تجارت ہو یا نقد رقم ہو، تو ان سب کی قیمت لگا کر دیکھا جائے گا، اگر وہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت پہنچ جائے تو اس پر زکوۃ واجب ہو جائے گی، یہ رائے امام ابوحنیفہؒ کی ہے، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اگر ان کے اجزاء سونے یا چاندی کے نصاب کو پہنچ جائیں تب ہی زکوۃ واجب ہوگی، قیمت کے اعتبار سے ملایا جانا معتبر نہیں۔

"وتضم قيمة العروض إلى الذهب والفضة حتى يتم النصاب...... ثم يضم بالقيمة عند أبي حنيفة وعندهما بالأجزاء" (ہدایہ مع الفتح:٢/١٦٩)۔

امام مالک سونے چاندی کو ملا کر زکوۃ واجب قرار دینے کے قائل ہیں۔

"عند مالک أنها تضم الدراهم إلى الدنانير، فإذا كمل من مجموعهما نصاب وجبت فيه الزكوٰة" (بدایۃ المجتہد:٢/١٩)۔

امام احمد بن حنبل سے دونوں طرح کے اقوال منقول ہیں۔

"فإذا قلنا بالضم أحدهما إلى الآخر بالاجزاء يعني أن كل واحد منهما تحتسب من نصابه فإذا كملت أجزاؤهما نصابا وجبت الزكوٰة" (المغنی ٢/٥٩٨)۔

ضم نصاب کے سلسلہ میں امام شافعیؒ کا نقطۂ نظر مختلف ہے۔

"وقال الشافعي :لايضم إلى الفضة ولا فضة إلى الذهب" (بدایۃ المجتہد:۲/۱۹)۔

امام صاحب کا قول غریبوں کے حق میں زیادہ نافع ہے اور زکوۃ کے احکام میں اس پہلو کو ترجیح دی جاتی ہے، جس میں فقراء کا زیادہ فائدہ ہو۔

"ويضم الذهب إلى الفضة وعكسه بجامع الثمنية قيمة، وقالا: بالأجزاء" (الدر المختار، باب زکوۃ المال:۳/۲۳۴)۔

"وتضم قيمة العروض إلى الثمنين والذهب إلى الفضة كذا في الكنز، حتى لوملك ماة درهم وخمسة دنانير أو خمسة عشر دينار أو خمسين درهما تضم إجماعاً" (ہندیہ، کتاب الزکوۃ ۱/۱۷۹)۔

خلاصۂ بحث:

۱-موجودہ حالات میں اگر کسی کے پاس نقد روپے یا سامان تجارت ہے، تو اس پر زکوۃ واجب ہونے کے لیے یا نہ چاندی کا نصاب ہوگا، اس لیے کہ چاندی کو نصاب بنانے میں فقراء کا زیادہ فائدہ ہے اور جو چیز انفع للفقراء ہو اس کو ترجیح دینی چاہیے۔

۲-اسی طرح اگر کسی کے پاس اتنا مال ہے جو چاندی کے نصاب کو پہنچ رہا ہے، لیکن سونے کے نصاب تک نہ پہنچ رہا ہو تو ایسے شخص کو زکوۃ کا مال لینا حرام ہے۔

۳-راقم الحروف کا خیال ہے کہ موجودہ حالات میں امام صاحب کے قول پر ہی عمل ہونا چاہیے، کیونکہ یہ نصاب فقیروں کے حق میں زیادہ نافع ہے اور جو چیز فقیروں کے حق میں زیادہ نافع ہو اس کو ترجیح دینی چاہیے، لہذا امام صاحب کے قول کو اختیار کرنا چاہیے۔

☆☆☆

جدید فقہی تحقیقات

چوتھا باب

اختتامی امور

مناقشہ:

سونے چاندی کا نصاب

مفتی انور علی اعظمی:

مختصر سی بات عرض کرنی ہے کہ شریعت نے نصاب کو غنی، اور فقر کے درمیان حد فاصل بنایا ہے، بیس مثقال سونا یا پانچ اوقیہ چاندی کا مالک غنی ہے اور جو آدمی اس سے محروم ہو وہ حد غنی سے باہر ہے، لیکن ایسی صورت میں جب کہ اس کے پاس سونے اور چاندی کی بجائے نوٹ کی شکل میں مال موجود ہو، سامان تجارت کی شکل میں مال موجود ہو، تو ایسے آدمی کے لیے غنی اور فقر کا معیار کس کو بنایا جائے؟ یہ ہے بنیادی مسئلہ ہماری سمجھ سے، تو جہاں تک ہم نے لکھا ہے اور جو کچھ ہمارے دل میں بات آرہی ہے وہ یہ ہے کہ جب ایک آدمی کے پاس اتنی مقدار میں سامان تجارت موجود ہے یا اتنی مقدار میں اس کے پاس کسی ملک کی کرنسی موجود ہے، جس سے وہ چاندی کا نصاب خرید سکتا ہے اور چاندی کے نصاب کا مالک ہو سکتا ہے تو وہ شریعت کی نگاہ میں غنی ہے اور چاہے اس کے پاس بعینہ چاندی موجود نہ ہو، مگر اتنی مقدار میں خریدنے کی استطاعت رکھنے والا تجارت کا سامان موجود ہے، روپیہ موجود ہے تو ایسا آدمی غنی ہے، اس لیے ایسے آدمی پر حولان حول کے بعد زکوٰۃ واجب ہے اور اسے سونے کے نصاب کا معیار بنا کر فقیر قرار دینا درست نہیں ہے، اس سے بہت سارے مسائل پیدا ہوں گے، اور اب تک ہمارے ہندوستان کے بڑے بڑے فقہاء، مفتیان کرام اور ہمارے ہندوستان کے علماء کا جو عمل رہا ہے، اس عمل کو بھی ہمیں اپنے فیصلوں اور سمینار میں اور اپنی رایوں میں ملحوظ رکھنا چاہئے۔

مولانا محی الدین بروڈوی:

ابھی جو حضرت نے بیان کیا اور اس پر جو سوال ہوا کہ اس میں کونسی وجہ ہے؟ تو اصل بات یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس حاجت اصلیہ کے علاوہ چھ تولہ سونا اور پانچ ہزار روپے نقد ہوں تو سونے کے لحاظ سے اس پر زکوٰۃ نہیں ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک شخص پچانوے ہزار روپیہ کا مالک ہے اور یہ رقم حاجت اصلیہ سے زائد ہے تب بھی اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے اور ایک آدمی حاجت اصلیہ کے سوا مال غیر نامی کا مالک ہے تو جب تک یہ مال غیر نامی ساڑھے سات تولہ سونے کی قیمت یعنی پندرہ ہزار روپے کے حساب سے ایک لاکھ ساڑھے بارہ ہزار روپے کا مالک نہ ہو جائے، نہ اس پر قربانی واجب ہے نہ صدقۃ الفطر واجب ہے، بلکہ زکوٰۃ لینے کا مستحق ہے، طبقۂ فقراء میں داخل ہے۔ چاندی کے نصاب سے ایک شخص کے پاس حاجت اصلیہ کے سوا مال غیر نامی پندرہ سولہ ہزار کا ہو تو اس پر قربانی اور صدقۃ الفطر واجب ہے، اغنیاء کے طبقہ میں آجاتا ہے، دوسرا طبقہ مساکین کا ہے جن کے پاس اپنی حاجت اصلیہ ہی نہیں ہے، ایسا طبقہ امت میں کم از کم پچاس فیصد ہے اور وہ طبقہ جن کے پاس حاجت اصلیہ کے سوا پانچ دس ہزار ہو بیس فیصد ہوگا، تو مساکین وفقراء کا یہ طبقہ جو معاشرۂ مسلمین میں ستر فیصد ہے، اس کو زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر سے محروم کر دیا جائے، ان کے نفع میں اضافہ کے بجائے ان کو نقصان پہنچے، جن کے پاس حاجت اصلیہ سے زائد مال غیر نامی ایک لاکھ ساڑھے بارہ ہزار سے کم ہو ان کو طبقہ اغنیاء کی طرف سے جو صدقات وزکوٰۃ مل رہے ہیں ان میں بھی مالدار فقراء حصہ دار بن جائیں، تو یہ تجویز ''انفع للفقراء'' کے بجائے ''اضیق للمساکین'' بن جائے گی، حالانکہ ہمارے تینوں فقہاء حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ، امام محمدؒ اس بات پر متفق ہیں کہ ''انفع للمساکین'' کا لحاظ کیا جائے گا اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی روایت ہے کہ جس وقت دونوں سے نصاب بن جاتا ہو تو وہ تخییر کے قائل ہیں، لیکن ایک سے بنتا ہے دوسرے سے نہیں بنتا تو وہ بھی اقل ہی کے قائل ہیں، صاحب ''فتح القدیر'' کی عبارت اس بارے میں موجود

ہےاور اپنے مقالے کے اندر میں نے اس کو پیش کیا ہے۔رہا ’’ضم اجزاء‘‘ کا مسئلہ تو ’’ضم اجزاء‘‘ میں دونوں کا اختیار دیا گیا ہے، اس زمانے کے اندر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ عام طور پر زیورات کا استعمال تو نہیں ہے، البتہ بحیثیت ذخیرہ اندوزی، زیورات کا مکان وغیرہ کے اندر ذخیرہ رہتا ہے، عورتیں بھی زیورات رکھتی ہیں، مگر ذخیرہ کی حیثیت سے، پھر بھی عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ عورت کے پاس کچھ سونا، کچھ چاندی ہوتا ہے، یا کچھ سونا کچھ کیش ہوتے ہیں۔اب ایک عورت جس کے پاس ایک تولہ سونا اور دو ہزار، پانچ ہزار کچھ کیش رقم ہے یا کچھ چاندی ہے، اس لحاظ سے وہ صاحب نصاب بن جاتی ہے اور اس پر صدقۃ الفطر آتا ہے قربانی بھی آتی ہے، زکوۃ آتی ہے، اب کیش رقم اس کے پاس اتنی نہیں ہوتی کہ جس کی بنا پر وہ زکوۃ دے سکے، قربانی دے سکے، اسی میں سے اگر وہ زکوۃ اور قربانی دیتی ہے تو اس کے رقم میں سے کمی ہو جائے گی، اور ایک موقع ایسا آئے گا کہ وہ صاحب نصاب نہیں رہ جائے گی، اس لیے اس طرح کی عورتوں وغیرہ کو پیش نظر رکھ کر ہم ضم اجزاء کے قائل ہوں اور اس کے لحاظ سے فتوی دیں تو مناسب لگتا ہے۔

مولانا عبد الرشید قاسمی:

صرف ایک بات یہ کہنی ہے کہ جس صورت میں چاندی کو نصاب کا معیار بنایا جائے گا اس صورت میں ایک پریشانی یہ آتی ہے کہ صدقۃ الفطر اور قربانی واجب ہونے میں مال نامی کی بھی ضرورت نہیں ہوتی، اس اعتبار سے تیرہ ہزار روپے میں زکوۃ واجب ہو جاتی ہے، اگر چاندی کو نصاب معیار قرار دیا جائے تو لازماً اس پر صدقۃ الفطر بھی واجب ہوگا اور قربانی بھی واجب ہوگی، صدقۃ الفطر اگر اس کے چھوٹے بچے ہیں، تو اس کی طرف سے بھی نکالنا پڑے گا، زکوۃ تو تین سو یا ساڑھے تین سو روپے نکلے، صدقۃ الفطر اس سے زیادہ نکل جائے گا، اور اس سے پریشانی قربانی میں یہ ہے کہ آج کل بہت سارے علاقے ایسے ہیں جہاں بڑے کی قربانی نہیں ہوتی تو اسے بکری خریدنا پڑے گی اور آج کے وقت میں کم سے کم ایسی بکری جس پر قربانی ہو سکے تقریباً پانچ چھ ہزار سے کم میں نہیں ملے گی، جو شہر میں ہیں جانتے ہیں، تو ایسی شکل میں اس کا

آدھا نصاب توقربانی ہی کی نذر ہو جائے گا،تو جو حضرات چاندی کو معیار بنارہے ہیں وہ اس وقت پر بھی دھیان دیں،سال میں اسے ایک ایسا عید اور عید کے بعد فوراً بقرعید تو یہ حالات تو ایسے ہیں کہ حضور نے فرمایا ہے کہ ''بھائی خوب کھاؤ اور کھانے پینے کے ایام ہیں'' اور ان دونوں میں اگر زکوۃ کا نصاب چاندی کو بنایا جائے تو یہ پہلو بھی ذرا ذہن میں رہے کہ کیا پریشانی پیدا ہوگی؟۔

مولانا محمد مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی:

''ضم بالأ جزاء'' اور ''ضم بالقیمۃ'' کے تعلق سے یہ بات کہنی ہے کہ اتنی بات تو طے ہے کہ دونوں ہی کے نصاب منصوص ہے،اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور ''ضم بالأ جزاء'' اور ''ضم بالقیمۃ'' کا جو مسئلہ ہے وہ قیاسی اور مجتہد فیہ مسئلہ ہے اور اصول وضابطہ یہ ہے کہ جو مسئلہ مجتہد فیہ ہو، اس میں زمانہ وحالات کے اعتبار سے مفتی کو چاہئے کہ ایسا رخ اختیار کرے،ایسی رائے اختیار کرے اور ایسے قول پر فتوی دے کہ جس کے اندر عوام کے لیے سہولت ہو،پریشانی کا باعث نہ ہو،اس رو سے دیکھا جائے تو ہمارے خیال میں صاحبین کا جو قول ''ضم بالأ جزاء'' کا ہے زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے اور اس وجہ سے بھی کہ دوسرے فقہاء مجتہدین کی بھی یہی رائے ہے،امام مالک اور امام اوزاعی رحمہم اللہ اور امام احمد بن حنبل کی بھی ایک رائے ہے اور خود امام صاحب کی ایک رائے موجود ہے،دوسری بات اشیاء کے نصاب کے تعلق سے یہ کہنی ہے کہ اس کے اندر جو بحث چل رہی ہے کہ سونے کو معیار بنایا جائے یا چاندی کو نصاب بنایا جائے یہ بھی ایک مجتہد فیہ مسئلہ ہے اور مجتہد فیہ مسئلہ کے اندر مفتی کو اختیار رہتا ہے کہ ایسے قول پر فتوی دینا چاہئے کہ جس کے اندر عوام کے لیے سہولت ہو،پریشانی کا باعث نہ ہو،تاکہ وہ شریعت سے دور نہ ہو،بلکہ قریب ہونا چاہئے اور قریب کرنا بھی چاہئے،ورنہ عوام تو ویسے ہی دور ہوتی جارہی ہے،اس بناء پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بھی سونے کو معیار بنایا جائے۔

مولانا عبدالقیوم:

مناقشہ میں انھوں نے اپنا مقالہ پڑھ کر سنایا،اس لیے نوٹ کرنے کی ضرورت محسوس

نہیں کی گئی ہے، مقالہ میں تفصیلات موجود ہیں۔

مولانا خالد حسین نیموی قاسمی:

جس طرح روپئے میں وجوب زکوٰۃ کے حوالہ سے یہ بحث کی گئی کہ اس کے نصاب کے لیے سونے کو معیار بنایا جائے یا چاندی کو، اکثر مفتیان کرام نے ''انفع للفقراء'' کے پیش نظر چاندی کے نصاب کو معیار قرار دیا ہے، میرے خیال سے اسی انداز کی گفتگو صدقۃ الفطر کی ادائیگی میں بھی ہونی چاہئے اور روایتوں میں "نصف صاع من بر" کے ساتھ ''صاعاً من تمر" کے الفاظ بھی آئے ہیں، لیکن عید الفطر کے موقع پر گیہوں کے نصف صاع کو معیار بنا کر بیس یا پچیس روپئے فی کس صدقۃ الفطر نکالنے کا مختلف دار الافتاء سے فتوی دینے کا خاصا اہتمام کیا جاتا ہے، یہ رقم اتنی قلیل ہے کہ اس رقم سے ایک محتاج شخص اپنی معمولی ضرورت کی بھی تکمیل نہیں کرسکتا۔ چہ جائیکہ وہ عید کی خوشیوں میں شریک ہوسکے، لہذا بہتر ہوگا کہ صرف روپئے کے زکوٰۃ کے لیے ہی ''انفع للفقراء'' کو معیار نہ بنایا جائے، بلکہ روپئے کے ذریعہ صدقۃ الفطر کی ادائیگی میں بھی ''انفع للفقراء" کے پیش نظر کھجور کے ایک صاع کی قیمت روپئے میں ادا کی جائے، تاکہ تمام مسائل میں عدل اسلامی کو بروئے کار لایا جاسکے۔

مفتی محمد فہیم اختر ندوی:

ایک نکتہ میں جس کو رکھنا چاہتا ہوں، اور عرض میں بھی وہ ہلکا سا آپایا۔ یہ بات طے شدہ ہے کہ شریعت نے زکوٰۃ کو غنی پر واجب کیا ہے اور غنی پر واجب کرنے میں معیار اسکا غنی ہے، ہمیں اس کو دیکھنا چاہئے کہ غنی کیا چیز ہے؟ کیا دوسو درہم چاندی جس کی مالیت آج کے زمانے میں پندرہ ہزار، سترہ ہزار یا بارہ ہزار روپئے ہورہے ہیں، یہ روپے غنی کا معیار ہے یا اس کی وہ معنویت اور اس سے حاصل ہونے والے وہ فوائد اور منافع جو عہد نبوی میں ملحوظ تھے اور جو سونے کے نصاب میں آج بھی پائے جاتے ہیں وہ معیار ہے، اس سلسلہ میں ''موسوعۃ فقہیہ'' کی ایک سطری عبارت پر میں توجہ چاہوں گا، اس میں یہ لکھا گیا ہے: "وجعل الشرع النصاب أدنی

حد الغنی" ادنیٰ کا لفظ یہاں پر ہے اور اس کے آگے لکھتے ہیں: "لأن الغالب في الأعداد أن من ملكه فهو غني إلى تمام سنة"، اس مقدار کی ملکیت رکھنے والا شخص آئندہ ایک سال تک غنی تصور ہوتا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ اپنی "حجۃ اللہ البالغۃ" میں اس بحث کو تفصیل سے لکھا ہے اور یہ بتایا ہے کئی سامانوں کی مثال دیکر کہ وہ اپنے گھر والوں کی تنہا نہیں اپنے گھر والوں کے لیے متوسط طور پر ایک سال کے اخراجات کی تکمیل کرسکتا ہے، اب ہم غنی کے اس مفہوم کو ذہن میں رکھیں اور آج کی اس مالیت کو آج کے دور میں سامنے رکھ کر ہم غور کریں تو ہم سمجھتے ہیں کہ ہمیں غور کرنے اور نتیجہ تک پہنچنے میں آسانی ہوگی۔

دوسری بات میں یہ کہنا چاہوں گا کہ یہ بات بار بار اٹھ رہی ہے کہ "انفع للفقراء" جو ہمارے پیش نظر اب تک ہے، چاندی کی قیمت کو اور مالیت کو سامنے رکھنے اور دوسری رائے اختیار کرنے میں، یعنی سونے کو معیار بنانے میں وہ پہلو ختم ہو رہا ہے، میں چاہوں گا کہ توجہ اس طرف بھی دی جائے کہ چاندی کی مالیت کا اعتبار کرنے میں "انفع للفقراء" کا پہلو اس طرح ہمارے لیے قابل غور رہنا چاہئے کہ چاندی کی مالیت اگر تیرہ ہزار روپے ہے تو جو شخص تیرہ ہزار روپے رکھنے والا ہے تو اس پر ہم زکوٰۃ کو واجب قرار دیتے ہیں، کیا یہ شخص ہماری نظر میں فقیر نہیں اور ہم یہ سوچ رہے ہیں کہ اگر سونے کی مالیت کو نصاب کا معیار بنایا جائے تو غنی پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، مالدار زکوٰۃ سے بچ جائیں گے، ایسا نہیں ہے؟، جو لوگ مالدار ہیں تو ان کے پاس تو لاکھوں لاکھ روپے ہوتے ہیں، کروڑوں روپے اور اربوں روپے ہوتے ہیں وہ تو ہر حال میں زکوٰۃ دیں گے، اور چاندی کی مالیت کو معیار نہ بنانے میں یا بنانے میں جن لوگوں پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے وہ فقراء ہیں، ان پر زکوٰۃ واجب ہو جا رہی ہے۔ اس لیے میری رائے یہ تھی کہ سونا کو معیار بنایا جائے، البتہ ہم نے ایک فرق کیا ہے وہ یہ کہ وجوب زکوٰۃ اور اخذ زکوٰۃ میں فرق کیا جائے، وجوب زکوٰۃ میں تو سونے کی مالیت کا اعتبار کیا جائے لیکن چونکہ سونے کی مالیت اور چاندی کی مالیت میں آج آٹھ گنا کا فرق ہو چکا ہے، میں نے چاندی اور سونے کی پوری

قیمت کا حساب لگا کر نکالا تھا کہ سترہ ہزار روپئے بنتے ہیں موجودہ چاندی کی مالیت اور ایک لاکھ پنتالیس ہزار کچھ سو روپئے بنتے ہیں سونے کی، آٹھ گنے سے زائد کا فرق ہے، اگر ہم سونے کو معیار مانتے ہیں تو ظاہری بات ہے کہ جس شخص کے پاس ایک لاکھ روپئے ہیں اس پر زکوٰۃ بھی واجب نہیں ہوگی اور ساتھ میں وہ زکوٰۃ لینے کا مستحق بھی ہوجائے گا، اس لیے میرے ذہن میں جو خیال آتا ہے وہ یہ کہ زکوٰۃ کے وجوب میں تو سونے کو معیار بنایا جائے اور زکوٰۃ کے لینے میں اگر کوئی شخص اتنی مالیت رکھتا ہے جو سونے کے نصاب تک تو نہیں پہنچتی، لیکن چاندی کے نصاب سے کافی زائد ہے اور واقعی وہ شخص ایک اچھی حیثیت کی زندگی گزار رہا ہے تو اسے چاہئے کہ احتیاط پر عمل کرتے ہوئے اخذ زکوٰۃ میں چاندی کے نصاب کی مالیت کا اعتبار کرے اور زکوٰۃ لینے کا مستحق نہ ہو۔

مفتی عزیز الرحمٰن فتحپوری:

میں اس مسئلہ کے تعلق سے دو باتیں کہوں گا ایک یہ کہ ہم گہرائی کے ساتھ معاشرہ کی صورتحال کا مطالعہ کریں، ہمارے یہاں پندرہ ہزار یا سترہ ہزار جو معیار مقرر کیا ہے "انفع للفقراء" کے پیش نظر یہ منصوص ہے، لیکن یہ جو کہا جارہا ہے کہ حوائج اصلیہ سے فارغ ہو، حوائج اصلیہ میں گھر کا کرایہ لائٹ، مرمت، پانی، بچے کی فیس، کتاب، ٹیوشن اور کرایہ رکشہ کا، بس کا یہ سب کچھ آجاتا ہے، مہمانداری بھی آجاتی ہے تو جس آدمی کے پاس شروع سال میں بھی اتنی رقم ہے اور آخر میں بھی اتنی رقم ہے، میں سمجھتا ہوں کہ وہ خوشحال ہے، ورنہ معاشرہ میں جاکر دیکھئے کہ کتنے لوگ ایسے ہیں جن کو ہزار سے پانچ سو کی اگر ضرورت پڑتی ہے تو بیچارے اکثر تلاش کرتے رہتے ہیں، پچیس ہزار تنخواہ پاتے ہیں، لیکن ان کا مہینہ پورا نہیں ہوتا تو یہ بھی ہم کو دیکھنا پڑے گا، معاشرہ کو دیکھ کر کے تجزیہ کرنا پڑے گا اور کوئی فیصلہ کرنا پڑے گا، ایسا نہیں ہے کہ یہ سترہ ہزار اور پندرہ ہزار، یہ فاضل عن الحوائج الاصلیہ ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ضم اجزاء کے بارے میں ایک اشارہ میں کروں گا کہ ایک غریب آدمی سونا نہیں دے سکتا، بیچارے نے آدھ کلو چاندی اپنی بیٹی کو

دیدیا، تحفہ میں کسی نے سوگرام، پچاس گرام کا کوئی اور زیور دیدیا، چھ سو ساڑھے بارہ گرام ہوتا ہے وہ پورا ہو گیا، اب کیا کہتے ہیں ہمارے فقہاء اس کو غریب مانیں گے یا صاحب نصاب مانیں گے، کہاں سے ادا کرے گی، بیچاری، پھر یہ جو کہا گیا کہ پانچ ہزار تو قربانی میں خرچ ہو جایا کرے گا تو بھائی ایک دفعہ خرچ ہو جائے گا اگلے سال تو وہ صاحب نصاب نہیں رہے گا۔

اس طرح معاشرے میں بے شمار معاشی مسائل ہوتے ہیں اور کاروبار میں اتار چڑھاؤ بھی ہوتا رہتا ہے، تاجروں پر قرض بھی ہوتا ہے، یہ سب دیکھ کر کے کوئی فیصلہ اور کوئی بات کی جائے، شکریہ۔

مولانا محمد حذیفہ لونا واڑہ:

مجھے چند باتیں عرض کرنی تھی جس میں سے بعض باتیں ہمارے محترم بزرگ مفتی عبدالقیوم صاحب نے عرض کردیں، دو تین باتیں جو شاید ابھی تک نہیں آئیں ان کی طرف توجہ دلانا مناسب سمجھتا ہوں، پہلے مسئلہ سے متعلق ایک بات یہ ہے کہ عام طور پر موقعہ بے موقعہ یہ بات کہی گئی ہے کہ اگر سونے کے نصاب کے ساتھ مربوط نہ کر کے چاندی کے نصاب کے ساتھ سامان تجارت کے نصاب کو مربوط کیا جائے، تو اس صورت میں یہ صورت حال ہو سکتی ہے کہ ایک شخص پندرہ سولہ ہزار کے بقدر رقم کا یا اس کے بقدر سامان تجارت کا مالک ہے اور اس پر زکوۃ واجب ہے اور دوسرا شخص ایسا ہے جس کے پاس سونا ہے جس کی مالیت ایک لاکھ، یعنی سات تولہ سونا ہے اور اس کی مالیت ایک لاکھ ہے، اس پر زکوۃ واجب نہیں، شرعاً وہ فقیر ہے، میرا حقیر خیال یہ ہے کہ اگر شرعی ضابطہ کے تحت عرف میں اگر ایک آدمی فقیر کہلائے اور شرعاً اس کو غنی کہا جائے تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے، اس کی تمثیل یا توضیح یہ ہے کہ مثلاً صرف سونے اور چاندی کے نصاب کے متعلق بھی یہ بات پیدا ہو سکتی ہے کہ شرعاً سونے کا نصاب متعین ہے، چاندی کا نصاب متعین ہے، ایک آدمی کے پاس دوسو درہم چاندی ہے تو چونکہ نصاب اس کا منصوص و متعین ہے اس وجہ سے شرعاً وہ غنی کہلائے گا، اگرچہ عرف میں اس کو غنی نہ کہا جاتا ہو، لیکن دوسرا آدمی

ایسا ہے کہ جس کے پاس کچھ بھی نہیں، سونا بھی نہیں چاندی بھی نہیں، البتہ اس کے پاس پانچ آٹھ لاکھ کی قیمتی گاڑی ہے، اس کے پاس بہت بڑا بنگلہ ہے، لیکن نقد رقم اس کے پاس پانچ سو ہزار روپے کے بقدر ہے، معاشرہ اس کو غنی سمجھتا ہے، لیکن شریعت کی نظر میں اس شخص پر زکوٰۃ واجب نہیں تو اگر شرعی ضابطہ کے تحت اس طرح کا فرق ہو جائے تو میرے خیال سے اس میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے اور یہ آج کی بات نہیں، میں سمجھتا ہوں خود رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایسا ہوا تھا یا ہو سکتا تھا وہ اس طرح کہ اونٹ کا نصاب پانچ اونٹ ہے اور رویت کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک اونٹ کی قیمت حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں آٹھ دینار تھی اور دیکھئے یہ صورت ممکن تھی کہ ایک آدمی کے پاس چار اونٹ ہے اور چار اونٹ کی قیمت ۸ کو ۴ میں ضرب دیں گے تو ۳۲ دینار ہوئے تو ۳۲ دینار کی مالیت کے اونٹ کا وہ مالک ہے، اس کے پاس کچھ بھی نہیں، لیکن چونکہ اونٹ کا نصاب پورا نہیں ہو رہا ہے، اس لیے شرعی ضابطہ کے تحت وہ فقیر ہے، شرعاً اس کو غنی نہیں کہا جا سکتا اور اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ اور دوسرا آدمی ایسا ہے کہ اس کے پاس بیس دینار ہے ۳۲ دینار کے مقابلہ میں ۱۰ دینار کم ہے، لیکن چونکہ بیس دینار ہے، اس لیے شرعی ضابطہ کے تحت وہ غنی کہلائے گا، تو ایک آدمی کے ۳۲ دینار کی مالیت ہے وہ فقیر ہے اور ایک آدمی کے پاس ۲۰ دینار ہے وہ غنی ہے، یہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں بھی ہو سکتا تھا یا ہوا ہوگا، اس کے باوجود بھی امام الائمہ حضور اکرم ﷺ نے اس کی کوئی تفصیل یا توضیح نہیں فرمائی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر شرعی ضابطہ کے تحت ایسا ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر آپ سونے کے ساتھ سامان تجارت کو مربوط کریں گے جب بھی دشواری ہے، سونا کا نصاب، جیسا کہ ابھی کہا گیا تقریباً ڈیڑھ لاکھ کے برابر ہے، ایک آدمی کے پاس ڈیڑھ لاکھ کے برابر سامان تجارت ہے آپ نے اس کو غنی کہہ دیا اس کے پاس کرایہ کا مکان ہے، اس کے پاس سائیکل بھی نہیں ہے، سامان تجارت ہے، دکان بھی کرایے کی ہے، لیکن ڈیڑھ لاکھ ہے تو وہ غنی ہے اور دوسرے آدمی کے پاس کچھ بھی نہیں ہے، لیکن آٹھ لاکھ کی گاڑی

ہے اور پندرہ لاکھ کا بنگلہ ہے، اس کے باوجود بھی وہ غنی نہیں کہلائے گا، تو بہر حال سونے کے نصاب کو اگر معیار بنایا جائے تب بھی یہ صورت حال پیش آسکتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ عرف کی طرف بھی توجہ کرنے کی باتیں کہی جارہی ہیں، تو میرا خیال ہے کہ یہ بھی دیکھا جائے کہ سرکاری طور پر غربت کی سطح کیا متعین ہے، جہاں تک تھوڑا بہت مجھے معلوم ہے اگر وہ صحیح ہے تو یہ ہے کہ آج کل یہ سمجھا جاتا ہے کہ اگر ایک آدمی کی سالانہ انکم ۱۸ رہزار ہے تو وہ غریب ہے، سرکاری طور پر اور اس کو ساری سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں اور شریعت کی نظر میں تو اس سے زیادہ یہاں تو فقط اتنا ہی دیکھا جاتا ہے کہ اس کی سالانہ انکم اٹھارہ ہزار روپے ہے، شریعت میں تو بہت ساری شرائط ہیں، حوائج اصلیہ سے زائد ہو، قرض کی منہائی ہو اور سال گزر گیا ہو، اس قدر شرائط کے بعد میں ہی آدمی پندرہ، سولہ ہزار میں غنی کہلاتا ہے اور شریعت کا فیصلہ جو پہلے سے چلا آرہا ہے میرے خیال سے وہ ہمارے عرف کے قریب قریب ہی معلوم ہوتا ہے۔

تیسری بات یہ کہی ہے کہ سونے اور چاندی کی قیمت میں تفاوت کی بات عام طور پر کہی گئی ہے، تو یہ بات صحیح ہے ابھی اس زمانے میں تفاوت بہت زیادہ ہے اور دونوں کے نصابوں میں ایک اور دس کی نسبت ہے، لیکن یہ بات بھی سامنے ہے کہ اس سے پہلے بھی تفاوت تھا ''فقہ الزکوۃ'' جو علامہ قرضاوی کی کتاب ہے اس میں بعض موقعوں پر حواشی میں انھوں نے لکھا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ بعض زمانے ایسے بھی گزرے ہیں کہ جس زمانے میں سونے اور چاندی کے نصاب میں ایک اور چار کی نسبت تھی، اگر چہ ایک اور دس کی نسبت نہیں تھی، لیکن آج کا نصف تھا، لیکن بہر حال یہ بھی غیر معمولی تفاوت ہوا، اس کے باوجود بھی فقہاء نے اس طرف توجہ نہیں دی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس قدر توجہ کی بات نہیں ہے۔

آخری بات ضم بالاجزاء کے مسئلہ سے متعلق ہے کہ اگر ہم سونا اور چاندی کو ضم کرنے میں اجزاء کے ذریعہ سے ضم کے قائل ہوں گے تو اس میں دوسری دشواری بھی ہے وہ یہ ہے کہ سامان تجارت کو سونا اور چاندی کے ساتھ ضم کرنے کے سلسلہ میں میری معلومات کے مطابق شاید

کسی فقیہ کا اختلاف نہیں ہے، سارے فقہاء اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ قیمت کے ذریعہ سے سامان تجارت کو سونے اور چاندی کے ساتھ ضم کیا جائے گا، پس اگر اسی اتفاق کے پیش نظر، اسی اتفاق کو سامنے رکھیں کہ سامان تجارت کو سونے اور چاندی کے ساتھ قیمت کے ذریعہ ملایا جائے گا اور پھر یہ بات راجح قرار پائے کہ سونے اور چاندی کو اجزاء کے ساتھ ملایا جائے گا، ظاہر ہے کہ عام طور پر آدمی کے پاس تھوڑا سونا ہو، تھوڑی چاندی ہو تو سامان تجارت کچھ نہ کچھ ہوگا اور نہیں بھی ہوگا تو کرنسی تو ضرور ہوگی پانچ سو ہزار روپے، تو اس صورت میں دشواری یہ آئے گی کہ سامان تجارت یا کرنسی کو تو قیمت سے ملاؤ اور سونا اور چاندی کو اجزاء سے ملاؤ یہ دشواری کا شاید کوئی حل ہو۔ اس لیے مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کا قول جو قوۃً بھی قوی ہے، اسی کو اختیار کیا جائے۔

مفتی ظہیر احمد کانپوری:

اس بات پر تھوڑا سا غور کیا جائے کہ شریعت نے جو مختلف نصاب رکھے ہیں اس کا مقصد کیا ہے؟ سمجھ میں بات یہ آتی ہے کہ جو آدمی جس چیز کا مالک ہے وہ اس کے ذریعہ آسانی زکوٰۃ ادا کر سکے اور یہ جیسا کہ صدقۃ الفطر کے بارے میں بھی ہمارے ایک ساتھی نے یہ بات کہی تھی اس میں اسی طرح کا تفاوت کبھی کبھی پایا جاتا ہے کہ آج گیہوں کی قیمت اور تمر کی قیمت اور کشمش وغیرہ کی قیمت اگر دیکھ لی جائے تو اس میں تو بہت زیادہ تفاوت ہو جاتا ہے، وہی مسئلہ جو ہمارے یہاں ابھی زیر بحث مسئلہ ہے سب سے اہم، اس کے اندر بھی ہم دیکھتے ہیں تو گویا تفاوت فاحش پایا جا رہا ہے تو بہتر میں سمجھتا ہوں کہ چونکہ آج کل کی دنیا ہے وہ ایک گاؤں کی شکل میں تبدیل ہو چکی ہے اور پہلے جو نصاب رکھے گئے تھے اس کی ایک خاص وجہ تھی وہ چونکہ الگ الگ جگہوں پر، الگ الگ جس چیز کے جیسے لوگ مالک ہو سکتے ہیں اس کے اعتبار سے دینے میں آسانی ہو، وہ تو ٹھیک ہے وہ منصوص ہیں جہاں جہاں منصوص ہے اس پر تو وہاں عمل ہو جائے گا، لیکن بہتر یہ شکل سمجھ میں آتی ہے یہاں پر کہ سونے اور چاندی دونوں کے نصاب کو ملا کر جس

طریقہ سے وزن سبعہ میں فقہاء نے کیا ہے، دونوں کی قیمت کو ملا کر اس کا آدھا کر دیا جائے اور اسی کے مطابق عملدرآمد کیا جائے تو اس میں زیادہ آسانی ہوگی، اس میں نہ "انفع للفقراء" کے خلاف ہوگا اور نہ ایسے لوگوں پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی جن کی سالانہ انکم بہت کم ہوگی تو اس دور کے حساب سے دیکھا جائے تو چاندی کا معیار تقریباً اٹھارہ ہزار کے قریب اور سونے کا تقریباً سوا لاکھ کے قریب دونوں کی قیمت کو اگر ملا لیا جائے تو یہ تقریباً ڈیڑھ لاکھ کے قریب ہوا، اور دونوں کا آدھا کر دیا جائے پچھتر ہزار کے قریب اس کو معیار قرار دے دیا جائے اس میں سامان تجارت کے لیے تو یہ زیادہ مناسب ہوگا، اس میں فقیروں کا بھی نقصان نہ ہوگا اور زکوٰۃ بھی جلدی واجب نہیں ہوگی، میں سمجھتا ہوں کہ اس پر غور کر لیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔

مولانا صباح الدین ملک قاسمی (کیرالا):

سب سے پہلے تو میں ایک وضاحت کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ یہ جو بات آئی کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک "ضم القیمۃ" ہے اور صاحبین کے نزدیک "ضم الأجزاء" ہے، یہ صورت حال اس صورت حال پر منطبق نہیں ہے اور اس وقت جس تفاوت پر گفتگو ہو رہی ہے، اس میں اور صاحبین و امام اعظمؒ کے زمانہ میں ضم کا جو مسئلہ تھا دونوں الگ چیز ہے، بلکہ اس وقت کا ضم اجزاء یا ضم قیمت کا مسئلہ، اس وقت مکلّف کے پاس کے اس صورت حال سے متعلق تھا کہ ایک مکلّف کے پاس سونا ہو اور سونے کے نصاب تک نہ پہنچتا ہو اور چاندی ہو اور چاندی کے نصاب تک نہ پہنچتا ہو، اس مکلّف کو زکوٰۃ دینا ہے تو ضم قیمت یا ضم اجزاء کی بات آتی تھی، وہاں پر یہ مسئلہ نہیں تھا کہ ذہب اور فضۃ میں قدری تفاوت اتنا ہو گیا ہو کہ اس کے حل کے طریقے پر دونوں فریق نے سوچا ہو اور ایک نے "ضم الأجزاء" اور دوسرے نے "ضم القیمۃ" کی بات کہی ہو۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ جہاں تک دونوں رایوں کا تعلق ہے بعض لوگوں نے چونکہ اس پر گفتگو کی ہے بلاشبہ امام ابوحنیفہؒ کی رائے ضم القیمۃ یہ زیادہ قریب ہے مقصد سے، یہ وضاحت کرنے کے بعد، میں اصل اس موضوع پر آتا ہوں جو زیر بحث ہے اس وقت، یعنی ذہب اور فضۃ

اگر ہم موازنہ کریں دونوں قدروں میں جو وسیلۂ قدر ہے اس پر بحث کریں تو اس میں پانچ نکات ایسے ہیں جس پر غور کرنا چاہئے، ان میں ایک بات یہ ہے کہ کرنسی یا عملہ جو رائج تھا حضور ﷺ کے زمانے میں نقد کی صورت میں، ظاہر ہے کہ اسی کو حضور ﷺ نے نقد قرار دیا، اس وقت دونوں میں موازنہ یہ ہے کہ اس وقت جو ذہب عملہ رائج ہے نوٹ اور کرنسی کی شکل میں، اس کے پیچھے ذہب ہوتا ہے، اس میں بھی جو کچھ ڈنڈی ماری ہورہی ہے وہ اپنی جگہ ہے، مطلب یہ ہے کہ عملہ جو رائج ہے اس وقت، وہ ذہب کا ہے، چاہے نوٹ کی شکل میں ہو، کہیں بھی نوٹ کے پیچھے فضۃ نہیں ہے، تو دونوں میں موازنہ کی ایک شکل یہ ہے کہ عملہ جو رائج الوقت ہے وہ ہے ذہب، نہ کہ فضۃ۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اس میں عملہ دونوں برابر ہیں، یعنی ذہب اور فضہ دونوں معیار منصوص ہیں اور سنت سے دونوں ثابت ہیں، یعنی بیس مثقال کہیں یا دوسو درہم کہیں، اس لیے ان دونوں میں کوئی موازنہ نہیں ہوسکتا ہے، دونوں برابر ہیں۔

تیسرا نکتہ یہ ہے کہ یہ جو بار بار بات آئی ہے اور صحیح آئی ہے ''انفع للفقراء'' کی اور میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں ''انفع للجمہور'' یہ لفظ نہیں بولا گیا ''انفع للجمہور یا للأکثریۃ''۔تو ''انفع للفقراء'' چاندی ہوسکتا ہے بلاشبہ جیسا کہ اب تک ہے، لیکن ''انفع للجمہور'' جیسا کہ بعض لوگوں نے صراحت بھی کی وہ ہے ذہب کی صورت، یعنی جوامت کا اوسط ہے اس کے لیے مفید وہی ہے، یعنی ذہب والی کیفیت، اور اگر ہم دونوں کو اس پہلو سے دیکھیں ''انفع للفقراء'' ہونا اور ''انفع للجمہور'' ہونا جمہور کے لیے ایک حکم جو جمہور کے مصالح پر مبنی ہو اور ایک حکم جو فقراء کے مصالح پر مبنی ہو، ظاہر ہے کہ جمہور کے مصالح پر مبنی ہونا یہ زیادہ قرین قیاس ہے حکم کی اساس کے لیے۔

چوتھا نکتہ یہ ہے کہ یہ ذہب اور فضۃ دونوں میں موازنہ اس پہلو سے ہے کہ کون اقرب إلی الأنصبۃ الأخری ہے جو نصاب ہیں، عشر میں، زروع میں، ثمار میں وغیرہ وغیرہ، ان میں فضۃ غیر اقرب ہے۔ آج کی جو صورت حال ہے اس میں ذہب دیگر نصابوں سے زیادہ قریب ہے

اور فضة غیر قریب ہے، یہ ایک نکتہ راجح قرار دیتا ہے ذہب کو۔ پانچواں نکتہ غنی کے معیار کے سلسلہ میں ہے، غنی کا معیار تیسرے ہی نکتہ سے متعلق ہے، غنی کا معیار جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ وغیرہ کے حوالہ سے کہا گیا اور تقریباً سبھی اس پر متفق ہیں غنی وہ ہے جس کے سال بھر کی ضروریات اس کی تمام ذمہ داریوں کے ساتھ ہو وہ فضة پر منطبق نہیں ہوتا ہے، جتنا کہ وہ ذہب کی صورت میں منطبق ہوتا ہے اگر چہ اس کی کچھ تفصیلات مزید ہیں، لیکن وقت اس کا مقتضی نہیں ہے۔ ان پانچ نکات پر میں چاہتا ہوں کہ لوگ موازنہ کریں اس کے بعد کوئی رائے قائم کریں۔

مولانا محمد احسن عبدالحق ندوی :

ابھی جو بحث آئی ہے وجوب زکوٰۃ کے سلسلہ میں ان میں زکوٰۃ کی جو شرطیں ہیں ان میں ایک اہم شرط ہے "ضرورت اصلیہ" سے فارغ ہونا، اس سلسلہ میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے "حجۃ اللہ البالغۃ" میں لکھا ہے، ضرورت اصلیہ کے سلسلہ میں کہ ہر ایک شخص کے سلسلہ میں ایک جگہ کی ضرورت دوسری جگہ عائد نہیں ہوگی، بلکہ صاحب مال کے مقام اور جگہ کا اعتبار ہوگا اور وہاں کی جو ضرورت ہے اس اعتبار سے لحاظ کیا جائے گا۔

یعنی ایک آدمی گاؤں میں رہتا ہے، دیہات میں رہتا ہے اس کی ضرورت پانچ ہزار یا چھ ہزار میں پوری ہو جاتی ہے، لیکن ایک آدمی شہر میں رہتا ہے اس کی ضرورت کا معیار کچھ اور ہو جائے گا، اسی طرح کوئی آدمی امریکہ اور برطانیہ میں رہتا ہے اس کی ضرورت کا معیار کچھ اور ہو جائے گا، وہاں پر بھی اسی کا لحاظ کیا جائے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہاں جو بات ہے کہ جب کسی کے پاس کچھ سونا ہے اور کچھ چاندی ہے، لیکن دونوں اپنے اعتبار سے نصاب کے برابر نہیں ہے، اس سلسلہ میں علامہ ابن نجیمؒ نے "**المشقة تجلب التيسير**" کے ضمن میں ایک جزئیہ لکھا ہے کہ جب دو مفاد جمع ہو جائیں: مفاد عامہ اور مفاد خاصہ، اس صورت میں مفاد عامہ کو مفاد خاصہ پر ترجیح حاصل ہوگی یعنی اگر سونا کو معیار بنایا جاتا ہے تو اس صورت میں صاحب مال کا مفاد پیش نظر رہتا ہے، لیکن اگر چاندی کو نصاب اور معیار بنایا جاتا ہے تو عوام کا مفاد پیش نظر رہتا ہے،

اس لیے مذکورہ صورت میں میری رائے یہ ہے کہ چاندی کو نصاب بنا کر کے فیصلہ کیا جائے، یہ ہماری ناقص رائے ہے۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی:

میرا مضمون شاید تاخیر سے پہنچا ہے اس لیے تلخیص میں شاید بات آ نہ سکی، مجھے تین باتیں عرض کرنی ہے، ایک تو یہ کہ ہر مسلمان حنفی نہیں پیدا ہوتا ہے، اس بناء پر قابل احترام علماء حنفیہ اور مفتیان کرام سے میری گزارش ہے کہ عامۃ المسلمین کو بھی یہ مسئلہ بتانے کی زحمت کی جائے کہ استعمالی زیور پر زکوٰۃ صرف حنفیہ کی خاصیت ہے، ائمہ ثلاثہ کے یہاں استعمالی زیور پر زکوٰۃ نہیں ہے، تا کہ جس کسی مسلمان کو استعمالی زیور کی زکوٰۃ دینے میں زحمت ہو وہ، ہمارے دیگر ائمہ کے مسالک پر عمل کر کے اپنے لیے سہولت کی راہ اختیار کر سکے۔ یہ بتایا جائے کہ "**وليس في حلي المرأة زكوٰة إذا كانت مما تلبسه أو.........**" مغنی کی عبارت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بھی ہے کہ "**ليس في الحلي زكوٰة**" اور اس کے بارے میں یہ دلیل ہے کہ وہ مباح استعمال کی چیز ہے اور امام شافعیؒ کا جو مسلک ہے اس کے بارے میں ہم سب جانتے ہیں "ہدایہ" میں لکھا ہوا ہے: "**وقال الشافعي لاتجد في حلي نصاب خاتم الفضة للرجال؛ لأنه متبذل في مباح شابه ثياب البذلة**" تو میں عرض کر رہا ہوں کہ ایک مسئلہ کے ابھرنے کی شکل یہ بھی ہے کہ عامۃ المسلمین کو یہ بتایا جائے کہ وہ اپنے لیے آپشن طے کر لیں اور اپنے لیے رائے کا انتخاب کر لیں۔ اموال تجارت کے بارے میں ایک رائے فقہ ظاہری بھی ہے جس کا تذکرہ "بدایۃ المجتہد" میں ہے کہ ظاہر یہ جو ہے "**ومنع ذلك أهل الظاهر**" اموال تجارت میں وہ زکوٰۃ کے قائل نہیں ہیں، فی زماننا اموال تجارت پر زکوٰۃ دشواریوں کا موجب ہے، اگر ایک مصنف اپنی ایک کتاب چھپوا دے جس کی قیمت دو سو روپئے ہو تو وہ لاکھ پتی ہو جاتا ہے اور کیش پیسہ چھ روپئے اس کے جیب میں نہیں ہوتا جس سے کہ وہ اپنے گھر کی ضروریات پوری کر سکتا ہو، اس صورت حال میں عروض کے زکوٰۃ کے مسئلہ پر نظر ثانی کرنی چاہئے۔

تیسری بات یہ ہے کہ حاجت اصلیہ سے فراغت کی بھی مناسب تفہیم ہونی چاہئے، اس لیے کہ لوگ سمجھتے نہیں ایک گھر کے اندر چار چار فیملی کے رہنے کو لوگ سمجھتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں، جوائنٹ فیملی کو ہم لوگ سمجھتے ہیں کہ ٹھیک ہے، حالانکہ وہ بنیادی ضرورتوں میں شامل ہے، اگر اس معیار پر دیکھا جائے تو زکوٰۃ دینے والے لوگوں کی تعداد بہت کم ہوجائے گی۔ اس سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کہ زکوٰۃ دینے والے کم ہورہے ہیں۔ جب جماعت فقراء ہے تو زکوٰۃ دے گی کہاں، جب زکوٰۃ دینے کے قابل ہوجائیں گے تو زکوٰۃ دیں گے۔ اس بناء پر میں سمجھتا ہوں کہ آج کے زمانے میں خاص طور پر یہ جو استعمالی زیور ہیں، ان پر زکوٰۃ بڑی حرج کا موجب ہے، میری خوشدامن صاحبہ ہیں ان کا سارا زیور مدرسہ میں چلا گیا میں نہیں چاہتا کہ دیگر خواتین جو خود اس کی ضرورتمند ہوں ان کے زیور استعمالی ہی رہیں اور ایک مسئلہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ کیوں نہ خود استعمالی زیور کو بنیادی ضرورتوں میں شامل فرما دیجئے اگر ہمارے جنرل سکریٹری کی شیروانی بنیادی ضرورتوں میں شامل ہے تو ایک عورت سے یہ توقع کیوں کی جاتی ہے کہ وہ کسی زیور کے بغیر کسی مجمع میں چلی جائے، حضرت عمر فاروق اعظم نے تو یہ بھی کہا تھا کہ ان کے پاس کپڑا ہی نہیں ہونا چاہئے ''عاروھن''، کپڑا ہی مت رکھو، تا کہ کہیں جائے ہی نہیں، یہ تو آئیڈیل ہے، لیکن بنیادی ضرورتوں میں زیور شامل ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہم کو باندھ دیا گیا ہے اگر فقہ اکیڈمی ہم کو تھوڑا اور آزاد رکھتی تو بڑا کرم ہوتا، بات اور آگے بڑھتی۔

آخری بات کہہ کر میں بات ختم کرتا ہوں کہ نصاب زکوٰۃ کا مسئلہ بڑا پیچیدہ ہے اور جو جانوروں کے زکوٰۃ ہیں غلے کے زکوٰۃ ہیں یہ بھی آج کے زمانے میں جو مصارف بڑھ گئے ہیں پرانے معیار کو باقی نہیں رکھا جاسکتا اس بناء پر ضرورت ہر لحاظ سے ہے کہ زکوٰۃ کے مسئلہ کو کیش سے جوڑ دیا جائے، قرضوں کی ادائیگی، بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کے بعد، جس شخص کے پاس بقدر زکوٰۃ کیش موجود ہو سال کے آخر میں وہ زکوٰۃ دینے کا اہل ہو اور جو اس سے محروم ہو وہ زکوٰۃ دینے سے مستثنیٰ ہو، تو میں سمجھتا ہوں کہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب ہمارے محترم

دوست اگر ایک چالیس دن کی ورکشاپ کر کے حیدرآباد میں اس مسئلہ سے ابھار دیں امت کو تو بڑا احسان ہوگا، اس طرح کی چھوٹی گفتگو سے مسئلہ حل ہونے والا نہیں ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

اصل میں مسئلہ یہ ہے کہ چاہے ہماری شیروانی ہو یا آپ کا عمامہ اور اس کے اوپر کا تولیہ ہو یہ مال نامی نہیں ہے اور سونا اور چاندی چاہے جس شکل میں بھی ہو فقہاء نے تقدیراً اس کو مال نامی مانا ہے، اسی لیے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جو زیور استعمال میں نہ ہو اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور اسی بنیاد پر حالانکہ اس کی تجارت نہیں کی جا رہی ہے، لیکن وہ تقدیراً مال نامی ہے۔ میرے پاس ایک بہت قیمتی تحریر آئی ہے حضرت مولانا زبیر احمد صاحب قاسمی کی، تو مولانا سنتے تو اچھے اچھوں کی نہیں ہیں اور سنانا بھی نہیں چاہتے ہیں۔ تو یہ بڑی اچھی تحریر ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو سونا اور چاندی کو معیار بنانے کے سلسلہ میں، یعنی چاندی کو معیار بنانے کے سلسلہ میں جو فتویٰ ہم لوگ دے رہے ہیں اسی کو قائم رکھا جائے، البتہ حاجات اصلیہ کے دائرہ کو وسیع کیا جائے، کیونکہ شامی میں ایک جزئیہ موجود ہے کہ اگر کوئی بظاہر مالک نصاب بن جائے، مگر اس کو رہنے کا مکان نہیں تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے تو مولانا کا خیال ہے کہ اگر اس نکتہ کو پیش نظر رکھا جائے تبھی مسئلہ کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

مولانا عبدالقادر عارفی (ایران):

سونا چاندی کے سلسلہ میں وہاں (ایران) میں بھی پریشانیاں ہیں اور خاص طور پر جو ایران کی کرنسی ہے وہ، تومان، کے نام سے ہے اور وہاں لاکھوں کا حساب ہوتا ہے، تنخواہیں لاکھوں سے اور بکری اور بکرے وغیرہ کی قیمت لاکھوں سے ہوتی ہے تو اس سلسلہ میں ہمارے علماء بھی بہت پریشان ہو گئے، جتنی مشکلات اس جلسہ میں ہمارے علماء نے بیان فرمائی اور احقر نے سنا، تو وہاں بھی یہ مشکلات پیش آتی ہیں، بلکہ اور مشکلات بھی ہیں تو اس سلسلہ میں وہاں علماء کا جلسہ ہوا تین چار سال پہلے ہمارے دارالعلوم زاہدان میں اس میں خاص طور سے بلوچستان اور خراسان

کے علماء شریک تھے اور اس میں جو قرارداد پاس ہوئی اس میں انھوں نے سونے کو معیار بنایا زکوۃ کا اور کرنسی کو جو قیمت سونے کے نصاب کے برابر ہو تو اس کو معیار بنایا، اور اس کی اصلی وجہ یہ تھی کہ جیسے قربانی کے سلسلہ میں قربانی کا جو نصاب اگر دو سو درہم کو ہم نصاب بنالیں گے تو تقریباً ایرانی کرنسی کے لحاظ سے ابھی چند مہینہ پہلے تقریباً ڈھائی لاکھ کا ہو رہا تھا اور جو بکرا بکری ملتے تھے وہاں پر قربانی میں تو دو لاکھ سے زیادہ کی قیمت تھی، اب اس میں لوگ پریشان، علماء پریشان کہ کیا صورت ہو سکتی ہے، چونکہ وہاں قربانی زیادہ بکرے وغیرہ کی ہوتی ہے، گائے بھینس وغیرہ کی نہیں ہوتی ہے، بہت کم ہوتا ہے، ننانوے فیصد بکرے کی قربانی ہوتی ہے اور وہ پریشانی کا باعث ہوتی ہے، اس لئے علماء نے اس کو حل کرنے کے لئے سونے کی قیمت کو معیار بنایا۔

☆☆☆